باضافہ مجددیہ

ادارہ اشاعت الاسلام مانچسٹر کی دربارہ دفاع صحابہ ایک علمی اور فکری پیشکش

سُبُلَ السَّلامِ لِإزَالَةِ الأوهام

صحابہ کرام کے بارے میں تاریخی روایات
اوران سے منسوب بعض واقعات کے متعلق

سلامتی کا راستہ

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاد جناب سلمان ندوی کے ازالہ کا تنقیدی مطالعہ

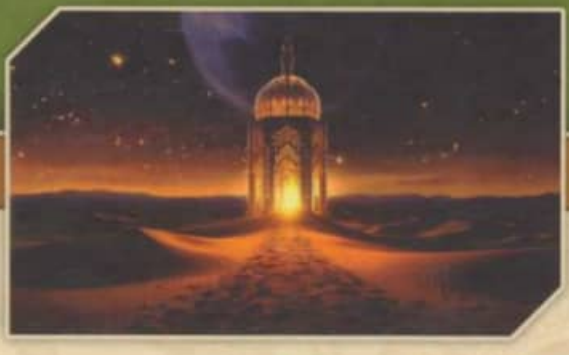

از قلم

جناب مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی زید مجدہ

مدیر النلال مانچسٹر (برطانیہ)

ادارہ اشاعت الاسلام

ادارہ اشاعت الاسلام مانچسٹر کی دربارہ دفاع صحابہ ایک علمی اور فکری پیشکش

سبل السلام لإزالۃ الاوھام

صحابہ کرام کے بارے میں تاریخی روایات اور ان سے منسوب بعض واقعات کے متعلق

سلامتی کا راستہ

لکھنؤ کے ایک دینی مدرسہ کے استاد جناب سلمان ندوی کے ازالہ کا تنقیدی مطالعہ

از قلم

جناب مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب زید مجدہ

ناشر

IDARA ISHA ATUL ISLAM

26. Blackburn Street, Oldtrafford

Manchester. M16 9LJ (England)

Tel: 0044 161 232 9851

نام کتاب	سلامتی کا راستہ
از قلم	حافظ محمد اقبال رنگونی (مدیر ماھنامہ الہلال مانچسٹر)
موضوع	صحابہ کرام پر لگائے گئے الزامات کے جوابات
صفحات	496
اشاعت اول	جنوری ۲۰۱۹ء (انڈیا)
اشاعت دوم	جولائی ۲۰۲۲ء (پاکستان)
اشاعت سوم	ستمبر ۲۰۲۳ء (انڈیا)
کمپوزنگ	حافظ محمد اقبال
تعداد	1000
ناشر	ادارہ اشاعت الاسلام مانچسٹر (برطانیہ)

{برطانیہ میں ملنے کا پتہ}

.. IDARA ISHA`ATUL ISLAM

26.Blackburn Street Oldtrafford Manchester M16 9LJ۔

(U.K) Tel: 0044.161 232 9851

{پاکستان میں ملنے کا پتہ}

..... محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ L.G.20، ہادیہ حلیمہ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون نمبر: 0302-4284770، ۔۔۔04237321526

..... جامعہ ابوہریرہ... برانچ آفس خالق آباد نوشہرہ۔ ک پی کے۔ فون نمبر: 092-3630237

..... صدیقی ٹرسٹ... المنظر اپارٹمنٹ ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی

اجمالی فہرست

1	کائنات کی واحد خوش قسمت جماعت	6
2	افادات: مفکر اسلام حضرت الاستاذ علامہ خالد محمود صاحبؒ	6
3	تاثرات: حضرت مولانا مفتی عتیق احمد بستوی صاحب مدظلہ	8
4	مکتوب: حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ	12
5	تاثرات: حضرت مولانا مفتی محمود بارڈولی صاحب مدظلہ	16
6	پیغام: حضرت مولانا محمد سلمان بجنوری صاحب مدظلہ	18
7	تاثرات: حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ	19
8	؎ ۔۔۔ مقدمہ۔ کتاب سلامتی کا راستہ	21
9	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کا اکرام واحترام	48
10	از: امام اھل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی صاحبؒ	48
11	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کا مقام ومرتبہ	51
12	از: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ	51
13	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح وتنقید کی حیثیت	55
14	افادات: شیخ الاسلام حضرت علامہ حافظ ابن تیمیہؒ	55
15	ترجمانی: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	55
16	اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت میں خاتمہ کی سلامتی ہے	61
17	مکتوب: امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی	61
18	؎ ....کتاب: سلامتی کا راستہ	66

19	حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کے دعوی کا تجزیہ	99
20	حدیث ثقلین پر ایک نظر	125
21	قصہ قلم و قرطاس کا	139
22	حضرات شیخین پر حضور کی حکم عدولی کے الزام کا جواب	154
23	جیش اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حقیقت	158
24	سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور مطالبہ قصاص	169
25	سیدنا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی خلافت باسعادت	184
26	حضرت معاویہ حضرت عثمان کی مدد کو کیوں نہیں آئے؟	199
27	حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے جہنم کی بشارت کس کو دی تھی؟	205
28	حضرت ام المؤمنین اور حضرت علی مرتضی کا اظہار افسوس	207
29	حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت	214
30	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ قصاص کا تھا یا حکومت شام کا؟	226
31	معاہدہ تحکیم کا معاملہ؟	233
32	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کا الزام	245
33	فریقین کے مابین شرائط صلح کیا کیا تھیں؟	255
34	سیدنا حضرت حسن کی وفات طبعی ہوئی یا زہر خورانی سے؟	265
35	قصہ جناب حکم کی جلاوطنی کا	269
36	جناب حکم کی اولاد اور منبر والی روایت؟	272
37	قصہ جناب محمد بن ابی بکر کو قتل کرنے کا؟	275
38	قصہ جناب حجر بن عدی کی سزائے موت کا؟	285

38	قصہ حضرت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے دو بچوں کے قتل کا	297
39	یہ کون لونڈے تھے جن سے حضور نے پناہ مانگی	305
40	ملک عضوض سے مراد کونسی حکومت ہے	308
41	حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر گھناؤنا الزام	315
42	کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کے حالات معلوم تھے؟	321
43	حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما جوانان جنت کے سردار ہیں	327
44	کیا حضرت معاویہ نے بعد صلح چڑھائی کی تھی؟	329
45	فضائل امیر معاویہ اور اس کے انکار کے ندوی حربے	333
46	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر کسی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا	350
47	اسلامی عقیدے میں سوائے انبیاء کوئی معصوم نہیں	360
48	حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کا جواب	382
49	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی منافق نہ تھا	388
50	جناب سلمان ندوی کا ایک اور نیا شگوفہ	408
51	جناب سلمان ندوی سے چند سوالات	417
52	جناب سلمان ندوی کی قرآن پر نئی مشقیں	422
53	سلمان ندوی پر جرح ان کے نظریات ہیں	440
54	سلمان ندوی کے معافی نامہ کی حقیقت	450
55	جمعیت تامل ناڈو کے نام ایک خط	452
56	حضرت علامہ خالد محمود ساحب کی ایک خوبصورت تحریر	460
57	مدعیان اسلام میں اختلافات کا آغاز	460

پوری کائنات میں ایک خوش قسمت جماعت

(افادات: مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے براہ راست صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو سمجھا دین پر عمل کیا اور اپنے بعد آنے والی نسل تک دین کو من وعن پہنچادیا انہوں نے آپ کے زیر تربیت رہ کر اخلاق واعمال کو ٹھیک ٹھیک منشائے خداوندی کے مطابق درست کیا سیرت وکردار کی پاکیزگی حاصل کی تمام باطل نظریات سے کنارہ کش ہوکر عقائد حقہ اختیار کئے رضائے الٰہی کے لئے اپنا سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کردیا ان کی کسی طرز عمل میں ذراخامی نظر آئی تو فوراحق جل مجدہ نے اس کی اصلاح فرمائی الغرض صحابہ کی جماعت اس پوری کائنات میں وہ خوش قسمت جماعت ہے جن کی تعلیم وتربیت اور تصفیہ وتزکیہ کے لئے سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم ومزکی اور استاد واتالیق مقرر کیا گیا اس انعام خداوندی پر وہ جتنا شکر کریں کم ہے جتنا فخر کریں بجاہے

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام ادیان ونظریات پر آفاقی غلبہ ان صحابہ کے ذریعہ ہوگا جو آپ کی معیت پائے ہوئے ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت مضبوط اور قوی اپنے بھائیوں کے ہمدرد اور مہربان ان کے ساتھ نرمی سے جھکنے والے اور تواضع سے پیش آنے والے ہیں حدیبیہ میں صحابہ کی یہ دونوں شانیں چمک رہی تھیں۔ اشداء علی الکفار رحماء بینھم (الفتح)

(آیت کے) اس پس منظر میں یہ بات سمجھنی بہت آسان ہوجاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اتنے مختصر وقت میں تمام ادیان عالم اور نظریات حیات پر غلبہ پایا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی انہیں روشن صفات اور ایمانی جذبات کی جلوہ گری تھی جنکا قرآن کریم نے یہاں ذکر کیا ہے واقعی وہ ایسی صفات رکھتے تھے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آفاقی غلبے اور اظہار دین کا سبب بنیں ان کی جنگیں جیتنے کا سبب ان کے اسباب کی قوت اور اسلحہ آلات کا زور نہ تھا ان کی قوت ایمانی ان کا صبر واستقلال ان کی ثابت قدمی ان کا باہمی اتفاق واتحاد اور ان کی رحماء بینھم کی ہی شان وصفت کا آفاقی ظہور تھا قرآن کریم میں ان کی یہ صفات اس وقت کی ہیں جب اللہ تعالی حضور اکرم کو یہ آفاقی غلبہ دے رہے تھے

حضور اکرم ﷺ اور عام افراد امت کے درمیان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واسطہ ہیں

حدیث (ما حدیث (ما انا علیه و اصحابی) میں بھی حضور اکرم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک ہی راہ کے راہی بتلایا گیا ہے اختلاف امت کے انتشار میں کوئی صحابی کسی گمراہ حلقے میں نہیں گیا سب حضور اکرم ﷺ کی شاہراہ میں آپ کے ساتھ رہے۔ سو اس میں کوئی تردد نہیں رہتا کہ اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک پیشوا کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ حضرات نہ صرف حضور اکرم ﷺ کے ارشادات کے راوی ہیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ سنت کی ایک واضح راہ عمل بھی ہیں۔ جس بات پر یہ سب جمع ہوں وہ راہ یقینا ہر گمراہی اور غلطی سے محفوظ ہے جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام فردا فردا معصوم ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اجماع میں معصوم ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ اور عام افراد امت کے درمیان ایک واسطہ ہیں وہ حضور اکرم ﷺ کے شاگرد تو ہیں لیکن آپ کی باقی ساری امت کے پیشوا ہیں یہ سب کے سب عادل ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید سے عقائد اسلام درہم برہم ہوتے ہیں

صحابہ کرام دینی شخصیتیں ہیں خصوصا وہ صحابہ جن کی حضور اکرم ﷺ نے نام لے کر منقبت اور فضیلت بیان فرمائی اسلامی عقائد کی کتابوں میں ان کے مقامات تفصیل سے دئے گئے ہیں سو تاریخ کی وہ روایات جو صحابہ اور ائمہ دین مجتہدین کے بارے میں ہوں گی انہیں ہم بلا جانچ پڑتال کسی درجے میں قبول نہ کریں گے کیونکہ ان سے عقائد اسلام درہم برہم ہوتے ہیں حضور ﷺ کے ارشادات میں شکوک وشبہات ووہمات پیدا ہوتے ہیں لسان نبوت کی تصدیق کے لئے ہم ان روایات کو ہر گز تسلیم نہ کر سکیں گے جن سے شان رسالت مجروح ہوتی ہے اور نہ ائمہ مجتہدین کے بارے میں مؤرخین کی ان خرافات کو قبول کر سکیں گے جن سے دین کے فقہی ذخیرے مجروح ہوتے ہیں

تاثرات

حضرت مولانا مفتی عتیق احمد بستوی صاحب

استاد حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (انڈیا)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ
مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَمِيْنِ وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں دین اسلام کی تکمیل کا اس طرح اعلان فرمادیا ہے:

{اَلْيَوْمَ اَ كْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا} (پ٦ المائدہ٣)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو بہ طور دین پسند کر لیا۔

قرآن وسنت کے ذریعہ اسلام کی تمام تعلیمات واضح اور روشن ہو گئیں کسی کے لئے اس میں ترمیم واضافہ حک وفک کی گنجائش باقی نہیں ہے قرآن وسنت کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول نے دین کی سرحدوں کی قیامت تک کے لئے حفاظت فرمادی اور ایسا نظم اللہ جل شانہ کی طرف سے کر دیا گیا کہ کوئی کتنا بڑا اور مشہور شخص بھی اگر دین کے بارے میں کوئی غلط اور گمراہ کن فکر و نظریہ پیش کرتا ہے تو علماء حق کی جماعت میں سے متعدد ایسے لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں جو شرعی دلائل کی میزان پر ٹھیک ٹھیک تول کر اور کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کا باطل ہونا دو دوچار کی طرح واضح کر دیتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين (مشکوۃ ص٣٦)

ہر گروہ میں سے اس کے عادل لوگ اس علم (علم دین) کے حامل ہوں گے جو دین سے غلو کرنے والوں کی تحریف باطل پرستوں کے غلط انتساب اور جاہلوں

کی تاویل کی تردید کریں گے۔

صحابہ کرام وہ پاکباز اور پاکیزہ گروہ ہے جو قرآن وسنت کے اولین ناقلین ہیں اللہ جل شانہ نے انہیں نبی آخر الزمان ﷺ کی صحبت ورفاقت کے لئے منتخب فرمایا اور انہوں نے دین کی خدمت ونصرت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ووفاشعاری کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام ومرتبہ کتاب وسنت کے نصوص اور اقوال سلف کی روشنی میں اہل سنت کے نزدیک ایک متفق علیہ اور ثابت شدہ حقیقت ہے فرقہ شیعہ کی گمراہی کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے چند معدودے صحابہ کو چھوڑ کر باقی تمام صحابہ کے بارے میں اپنا یہ عقیدہ بنالیا کہ نعوذ باللہ وہ سب کے سب وفات نبوی کے بعد مرتد ہوگئے بلکہ حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی کبار صحابہ (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) آپ ﷺ کے ساتھ بہ طور نفاق رہے حکومت حاصل کرنے کی لالچ میں آپ کے ساتھ لگے رہے۔

اہل سنت والجماعت نے کسی بھی صحابی کی تنقیص اور عیب چینی کو گمراہی قرار دیا اور ایسا کرنے والوں پر سخت نکیر فرمائی ہے۔

مشہور محدث امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ (۲۶۰ھ) کا درج ذیل قول خطیب بغدادی نے الکفایہ فی علم الروایۃ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں نقل کیا ہے:

إذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله رحمۃ اللہ علیہ فاعلم أنه زنديق وذلك لأن الرسول حقّ والقرآن حق وما جاء به حق وما أدى إلينا ذلك كلّه الا الصحابة وهؤلاء يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنّة والجرح بهم أولى وهم زنادقة (الاصابہ ج۱ ص۱۰۔ الکفایہ ص۹۷)

جب تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کی تنقیص کرتا ہو تو جان لو کہ وہ زندیق ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ برحق ہیں اور قرآن برحق ہے حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات برحق ہیں اور یہ سب کچھ ہم کو صحابہ کے ذریعہ ہی پہنچا ہے یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے

گواہوں کو ناقابل اعتبار قرار دے کر کتاب وسنت کو بے کار بنادیں لہذا ان زندیقوں کو مجروح کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ (۳۰۳ھ) سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرنے والے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بڑی اصولی اور حکیمانہ بات فرمائی ہے:

انما الاسلام کدار لها باب فباب الاسلام الصحابة فمن أذی الصحابة انما اراد الاسلام کمن نقر الباب انما یرید دخول الدار (تہذیب الکمال للمزی ج ا ص ۳۳۹)

اسلام گھر کی طرح ہے جس کا دروازہ ہے اسلام کا دروازہ صحابہ ہیں لہذا جس نے صحابہ کی تنقیص کی وہ حقیقت میں اسلام کو نشانہ طعن بنارہا ہے جس طرح جس نے دروازہ کھٹکھٹایا وہ گھر میں داخل ہونا چاہ رہا ہے۔

حد درجہ تکلیف دہ اور افسوسناک بات ہے کہ تقریبا سال دو سال سے ہندوستان کے ایک سنی عالم جو ایک بڑی دینی درسگاہ کے استاد بھی ہیں انہوں نے تنقیص صحابہ کا بیڑہ اٹھایا ہوا ہے اور اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ مسلسل اس مہم میں لگے ہوئے ہیں اللہ تعالی انہیں راہ ہدایت پر واپس لائے اور صحابہ کرام کے بارے میں ان کے دل میں جو بدگمانی اور کدورت پیدا ہوئی ہے اسے دور فرمائے ان کے باطل افکار اور خیالات کی تردید ہندوپاک کے متعدد علماء نے کی ہے احقر نے بھی ان کے باطل افکار وعقائد کی تردید اور اہل سنت کے فکر وعقیدہ کو واضح اور ثابت کرنے کے لئے دو رسائل لکھے ہیں۔

برما کے مشہور عالم مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب جو مدت دراز سے برطانیہ کے شہر مانچسٹر میں قیام پذیر ہیں اور الحمد للہ متنوع دینی خدمات انجام دے رہے ہین انہوں نے ضروری سمجھا کہ اس ہندوستانی عالم کے باطل وافکار و نظریات جو شیعہ لوگوں کے افکار و نظریات کا چربہ ہیں ان کا جائزہ لیں تا کہ اہل سنت عوام اور نوجوان ان سے متاثر نہ ہوں۔

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی کثیر التصانیف عالم ہیں خلفائے راشدین حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء

حضرت ابوہریرہ اور صحابہ کے مناقب پر ان کی متعدد وقیع اور ضخیم کتابیں ہیں محقق العصر حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتھم کی طویل صحبت اور ان سے برابر استفادہ کرنے کی وجہ سے فرق باطلہ کے افکار و نظریات کی پرکھ اور ان کے جوابات میں موصوف کو غیر معمولی مہارت حاصل ہے خاص طور سے اہل رفض و تشیع کی تلبیسات اور غلط استدلالات کا پوسٹ مارٹم کرنے کا خصوصی ملکہ ہے تحریر سادہ اور پر اثر ہے الحمد للہ مولانا موصوف نے ہندوستانی عالم کے رسالہ {مفتی عتیق بستوی کے ازالہ کا ازالہ} اور ان کی بعض دیگر تحریرات کا علمی محاسبہ بڑی متانت اور گہرائی کے ساتھ کیا ہے اور اپنی کتاب {سلامتی کا راستہ} میں ان ہندوستانی عالم کے قائم کردہ ۳۴ سوالات (جو دراصل اہل تشیع کے پرانے اور مشہور سوالات ہیں) کے جوابات تفصیل اور تحقیق کے ساتھ دئے ہیں اور اس سلسلہ میں سنی اور شیعی لٹریچر میں جو کچھ لکھا گیا ہے ان کو مد نظر رکھتے ہوئے تمام جوابات لکھے گئے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ مولانا موصوف کی یہ کتاب بھی ان کی دیگر تصانیف کی طرح حد درجہ نافع ہوگی قبولیت حاصل کرے گی اور شبہات کے کانٹوں کو دل ودماغ سے نکالے گی انشاء اللہ اس کتاب کا مطالعہ اہل سنت کی لئے اپنے عقائد پر اطمینان اور استحکام کا ذریعہ بنے گا اور اہل تشیع دوستوں کو راہ راست پر لانے میں معاون ہوگا۔

ناچیز: عتیق احمد قاسمی بستوی
استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۷ جون ۲۰۱۹ء ۱۳ شوال ۱۴۴۰ھ

مکتوب گرامی

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتھم (مفتی اعظم گجرات انڈیا)

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ عَلَى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ..... أَمَّا بَعْدُ!

دین اسلام کی دعوت وحفاظت کے سلسلے میں علمائے دیوبند نے زریں کارنامے انجام دئے ہیں عیسائیت کی یلغار ہو یا آریہ سماج کا فتنہ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ ہو یا رد شیعیت شرک وبدعات کا مقابلہ ہو یا عدم تقلید کا تعاقب فتنہ انکار حدیث ہو یا ناموس صحابہ کا دفاع ہر میدان میں علماء دیوبند کی تصانیف موجود ہیں۔

علماء دیوبند کی صف اول کے عالم عالم ربانی علامہ شبیر احمد عثمانی حکمت قاسمیہ کے بہترین شارح تھے آپ کی کوئی صلبی اولاد نہ تھی لیکن آپ نے لائق فائق تلامذہ کی ایک کھیپ چھوڑی جن میں زیادہ تر دیوبندی اور بعض ڈابھیلی ہیں جو آپ کے شرف تلمذ سے مشرف ہوئے قیام ڈابھیل کے تلامذہ میں سے ایک نام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود سیالکوٹی دامت برکاتھم کا ہے

آپ پاکستان کے ممتاز ترین علمائے دین میں بلند مقام رکھتے ہیں آپ کا تعلق سیالکوٹ سے ہے آپ نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۶۹ھ) علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۷۳ھ) مولانا محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۸۰ھ) مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۹۰ھ) مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۹۴ھ) اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۹۶ھ) جیسے اکابر علماء سے فیوضات علمی اور روحانی حاصل کئے ہیں آپ مختلف دینی مدارس اور کالجز میں ایک عظیم محقق استاذ الحدیث اور پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی وعلمی خدمات انجام دے چکے ہیں ابتداء میں مرے کالج سیالکوٹ میں پروفیسر رہے پھر تنظیم اہل سنت والجماعت سے وابستہ ہو کر تحفظ ناموس صحابہ کے افق پر آپ آفتاب بن کر چمکے تنظیم کی طرف سے ایک رسالہ دعوت جاری کیا گیا جس نے آپ کی زیر ادارت رفض والحاد کے

سیلاب میں دفاع صحابہ کرام کے محاذ پر بھرپور تعمیری کام کیا اس سلسلہ میں عملی اور مالی مشکلات برداشت کیں اور پاکستان کے شہر شہر اور قریہ قریہ میں عظمت صحابہ کے وہ چراغ روشن کئے جن کی تابانی کی جھلک ہفت روزہ دعوت کے صفحات میں ملے گی

آپ نے تحریک تنظیم اہل سنت کے قائد کی حیثیت سے ملک کے طول و عرض میں مقام صحابہ کا بھرپور دفاع کیا اور جلسوں کانفرنسوں مناظروں تحریروں اور تقریروں کے ذریعے ہر محاذ پر رفض والحاد کو للکارا بعد ازاں "دار المبلغین" تنظیم قائم کر کے ایسے مبلغ اور شاگرد تیار کئے جنہوں نے شہر شہر اور بستی بستی عظمت صحابہ کے چراغ جلائے ۱۹۶۶ء میں آپ انگلستان چلے گئے اور وہیں کے ہو کے رہ گئے آپ نے وہاں بھی اصحاب رسول ﷺ کے دفاع کا کام جاری رکھا اور باقاعدہ مانچسٹر میں ایک اسلامک اکیڈیمی قائم کی جس کے آپ ڈائریکٹر منتخب ہوئے

آپ نے ایک عظیم محقق اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے پورے انگلستان میں عظمت اسلام کی صدائیں بلند کیں اور مرکز اسلامک اکیڈیمی کے ذریعے تبلیغ دین اور اشاعت حق کا فریضہ سرانجام دیا۔ آپ نے رد مذاہب باطلہ میں متعدد تصانیف و مقالات لکھے آپ بین الاقوامی شہرت کے مالک اور مایہ ناز عالم و فاضل ہیں۔

مثل مشہور ہے درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے حضرت علامہ (خالد محمود) صاحب دامت برکاتہم کے تربیت یافتہ اور ان ہی کے زیر سایہ تصنیف و تالیف کے ذریعہ مطاعن صحابہ کی تردید پر کام کرنے والے محترم و مکرم جناب مولانا حافظ محمد اقبال صاحب رنگونی زید مجدہم (مدیر ماہنامہ الہلال مانچسٹر) کی متعدد تصانیف احقر کے سامنے ہے موصوف نے متعدد صحابہ کرام کی سیرت و سوانح اور دیگر اہم علمی موضوع پر گرانقدر خدمات انجام دی ہیں موصوف کی چند تصانیف کے نام یہ ہیں۔۔۔۔۔۔الخ

ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے کہ اکابر امت بالخصوص حضرات صحابہ کے صحیح صحیح حالات کی نشر واشاعت کرے تاکہ اسلامی تعلیمات اور صحابہ کی صداقت کے اذعان اور ان کی محبت سے قلوب منور ہو جائیں اور اللہ کی حجت تام ہو لیکن حضرات صحابہ کی سیرت نویسی ایک ایسا نازک موضوع

ہے کہ اس میں جہاں ایک سیرت نگار کے لئے کشش کے ان گنت سامان ہیں وہاں ایسی پر پیچ گھاٹیاں بھی ہیں جن کے تصور سے ہی پتہ پانی ہو جاتا ہے

بالخصوص حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت معاویہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی سوانح میں مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسئلہ کو چھیڑے بغیر چارہ نہیں اس لئے یہ بڑی خار زار وادی ہے جس میں چلنے کے لئے انتہائی حزم واحتیاط کی ضرورت ہے یہاں نہ خشک تحقیق کارآمد ہے نہ نری عقیدت کسی کو علم و تحقیق اور محبت وعقیدت دونوں کا معتدل امتزاج اللہ تعالی کی توفیق خاص سے عطا ہو تو وہ اس دریائے خون سے سلامتی کے ساتھ گذر سکتا ہے ورنہ اچھے اچھے محققین کے پاؤں پھسل گئے ہیں۔

حافظ محمد اقبال نے اپنی مذکورہ تصانیف میں مطاعن صحابہ کے تشفی بخش جوابات باحوالہ نقل فرمائے ہیں اسی طرح مشاجرات صحابہ کو بھی اس انداز سے بیان کیا ہے کہ قاری پر حضرات صحابہ کی عظمت اور ان کے مقام بلند کے بارے میں کوئی سنگین تاثر نہیں ابھرتا۔ ملاحظہ کیجئے:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر الزامات اور ان کے جوابات (سیرت حضرت عثمان ۵۰۱)

جنگ صفین پر وارد چند سوالات کے جوابات (سیرت علی المرتضی ص ۴۱۹)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر حضرت فاطمہ کا گھر جلانے کا الزام (سیرت سیدہ فاطمہ ص ۵۵۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تحریف شریعت کے دس الزامات اور ان کے جوابات (سیدنا عمر ج ۲ ص ۳۲۹)

حضرت ابوہریرہؓ کی پچیس روایات پر شیعہ علماء کے اعتراضات اور ان کے جوابات

(سیدنا ابوہریرہ ص ۴۱۴)

مولانا موصوف کی تصانیف کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا اسلوب مجادلانہ اور مناظرانہ نہیں بلکہ ہمدردانہ اور داعیانہ ہے ہمارے اس پر آشوب دور میں دین کی نشر واشاعت کے لئے اسی سلوب کی ضرورت ہے۔

نیز موجودہ دور میں ایسی کتابوں کا منظر عام پر لانا بھی ضروری ہو گیا ہے مولانا موصوف نے اللہ تعالی کی خاص توفیق سے اس موضوع کو اجاگر کر کے منصف مزاج انسان کے ہدایت کا بڑا سامان

مہیا کر دیا ہے۔

مولانا موصوف کی تصانیف میں جابجا علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتھم کی تحریریں اور ان کے اقوال نگینے کی طرح پیش کئے گئے ہیں نیز یہ تصانیف علامہ صاحب کی نظر سے گزاری گئی ہیں جو تصانیف کے استناد اور اہمیت میں اضافہ کرتی ہے۔

دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتھم کے سایہ عاطفت کو تادیر بعافیت وسلامت رکھے اور ان کی فیوض وبرکات سے امت کو زیادہ سے زیادہ مستفیض ہونے کی توفیق وسعات بخشے۔ اللہ تعالی مولانا حافظ محمد اقبال زید مجدہم کو پوری امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرما کر ان کی تصانیف سے بیش از بیش فائدہ پہنچائے اور موصوف کو اس نوع کی مزید علمی ودینی خدمات کے لئے موفق فرمائے آمین

املاہ۔ العبد احمد عفی عنہ خانپوری

(۶ ذیقعدہ ۱۴۴۰ھ)

تاثرات

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب بارڈولی مدظلم
استاذ الحدیث والتفسیر جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک گجرات الہند

الحمد لله رب العالمين۔ والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين۔ وعلى آله واصحابه الذين هم مفاتيح الرحمة ومصابيح الغرر الذين هم كالنجوم فى السماء للاقتداء والاهتداء۔ الذين هم افضل الخلائق بعد الانبياء ... اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

{رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠﴾}

اے ہمارے رب ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرمادیجئے جو ایمان لانے میں ہم سے پہلے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے بارے میں کوئی بغض (یعنی کینہ وعداوت) نہ رکھئے اے ہمارے رب آپ تو بڑی شفقت کرنے والے ہیں بڑے مہربان ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد والے جتنے مسلمان ہیں ان کا ایمان واسلام قبول ہونے اور نجات پانے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ صحابہ کرام کی عظمت ومحبت اپنے دلوں مین رکھتے ہوں اور ان کے لئے دعا کرتے ہوں جس میں یہ شرط نہیں پائی جاتی وہ مسلمان کہلانے کے قابل نہیں۔

مفسر قرطبی نے فرمایا کہ یہ آیت دلیل ہے کہ صحابہ کرام کی محبت ہم پر واجب ہے

اور عوام بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے امت کے پہلے لوگوں کو اس بات پر مستقیم ومضبوط پایا ہے کہ وہ لوگوں کو تلقین کرتے تھے کہ صحابہ کرام کے فضائل ومحاسن بیان کرو تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہو اور وہ مشاجرات اور اختلافات جو ان کے درمیان پیش آتے ہیں ان کا ذکر نہ کیا کرو جس سے لوگوں کی جرات بڑھے اور وہ بے ادب ہو جائیں۔

حضرات صحابہ کرام کی محبت یہ امت کے ایمان کے تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا ہے اسی لئے

صحابہ کرام کے لئے دعا کرنا یہ ایمان کی علامت بتلایا گیا ہے ہم سب کو بہت اہتمام سے حضرات صحابہ کرام کے لئے دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہئے۔

اس آیت (مذکورہ) رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا کے اولین مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کامل محبت عطا فرمائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت میں ان کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمائے

ہمارے بہت قابل احترام دوست مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب اللہ تعالی صحت وعافیت کے ساتھ ان کی عمر علم عزت تقوی اور اخلاص میں خوب برکت عطا فرمائے حضرات صحابہ کرام کی محبت عظمت اور عقیدت کو بڑھانے والی ان کی بہت ساری تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں اللہ تعالی ان کو قبول فرمائے اپنی رضا کا ذریعہ فرمائے

ماشاء اللہ صحابہ کرام کی محبت اور صحابہ کی طرف سے دفاع کرنے کو انہوں نی اپنی زندگی کا مشن بنایا ہے آپ علماء اسلام کی طرف سے ایک اہم ترین فریضہ انجام دے رہے ہیں ہم ان کو دل وجان سے مبارک باد پیش کرتے ہیں آج کے دور میں لوگ جب صحابہ کرام کے بارے میں زبان و قلم سے گستاخیاں کررہے ہیں ایسے دور واقعی بہت اونچا کام کررہے ہیں حق تعالی ان کی حفاظت فرمائے اپنے امن وامان میں رکھے

موصوف حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتھم کا فیض ہے جو حافظ محمد اقبال صاحب رنگونی کے ذریعے جاری وساری اور قائم ودائم ہورہا ہے اللہ تعالی ان کی اس خدمت کا دارین میں بہترین بدل عطا فرمائے اور ان کی جمیع علمی کاوشوں کو بے انتہا قبول فرمائے

مولانا موصوف کے قلم سے واقعی محقق مدقق اور جامع مضامین کتابوں کی شکل میں امت کے سامنے آرہے ہیں میں ان کے کاموں کی پرزور تائید بھی کرتا ہوں اللہ تعالی ان کو جزائے خیر دے

والسلام۔ العبد... محمود بارڈولی حافظ جی عفی عنہ (۱۳ ذی قعدہ ۱۴۴۰ھ ۱۷ جولائی ۲۰۱۹ء)

حضرت مولانا محمد سلمان بجنوری ندوی صاحب (مدیر ماہنامہ دار العلوم دیوبند) کا

پیغام

حضرت مولانا موصوف اپنے ایک پیغام میں سلام مسنون کے بعد فرماتے ہیں:

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی آپ کے کاموں کو قبول فرمائے اور جتنے بھی آپ کے جائز مقاصد اور تمنائیں ہیں اللہ سب کو پورا فرمائے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی تحریر میں نے پڑھی پوری تو نہیں پڑھ سکا سرسری نظر سے اس کو مکمل دیکھ لیا تھا ماشاء اللہ آپ بروقت اور صحیح گرفت فرماتے ہیں اور تعبیر بھی آپ کی اچھی ہوتی ہے اللہ تعالی قبول فرمائے اور اللہ ہم سب ہی کو فکر مستقیم پر استقامت عطا فرمائے آپ بھی دعاؤں میں یاد فرمائیں۔ (۱۱۔ اگست ۲۰۱۹ء)

قرآن کریم میں آپ کے مقاصد بعثت مذکور ہیں۔ تلاوت قرآن۔ تعلیم کتاب و حکمت۔ اور تزکیہ۔ اب آپ ہی بتلایئے کہ کیا آپ اپنے ان بعثت کے مقاصد میں ناکام ہو گئے ہیں۔ کیا آپ نے قرآن نہیں سنایا۔ کیا آپ نے کتاب و سنت کی تعلیم سے لوگوں کی زندگی نہیں بدلی۔ کیا آپ نے لوگوں کی قلبی تطہیر نہیں کی۔ علامہ خمینی کا یہ کہنا کہ آپ کا مشن ناکام ہوا ہے قرآن کی روشنی میں سو فیصد غلط ہے۔ قرآن نے آپ کا جو مشن بتلایا جب تک آپ اس میں کامیاب نہ ہوئے اللہ نے آپ کو اپنے پاس نہیں بلایا۔ بلایا اسی وقت جب آپ اپنے اس مشن میں کامیاب ہو گئے اور اس دین حق کا غلبہ سب نے دیکھ لیا

افادات: مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۴۱ھ)

تاثرات

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد القیوم حقانی صاحب مدظلہ العالی
(شارح صحیح مسلم۔ وبانی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ)
بسم اللہ الرحمن الرحیم

بچپن سے سنتے چلے آرہے ہیں کہ خطائے بزرگان گرفتن خطااست مگر جب بزرگ خود ہی عظمت وتقدس کے ان واسطوں اور وسیلوں کو تار تار کرلیں جن کے طفیل وہ بزرگ کہلانے کے سزاوار ٹھہرے ہیں تو پھر سلامتی کا راستہ وہی ہوتا ہے جس کو حافظ مولانا محمد اقبال رنگونی صاحب مدظلہ مدیر الہلال مانچسٹر برطانیہ نے چناہے۔

ہوایوں کہ معروف بزرگ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاذ اور کئی نسبتوں کے امین جناب مولانا سلمان ندوی کو نجانے یکایک کیا سوجھی کہ انہوں نے نزول قرآن کے عینی شاہدین احکام قرآن کے مخاطبین اولین پیغمبر اسلام کے سفر وحضر کے رفقاء صادقین حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مسلم حیثیت کو مجروح کرنا شروع کیا اور روافض اور شیعہ سے ایک قدم آگے بڑھ کر صحابی کی تعریف پر انگلی اٹھائی اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دو گروہوں میں تقسیم کردیا ایک اصطلاحی صحابی دوسرا اصلی صحابی۔ ان کے نزدیک اصطلاحی صحابی وہ ہیں جن سے جن سے روافض کا بغض وعناد گزشتہ چودہ سو سال سے ٹھاٹھیں مار رہاہے جبکہ اصلی صحابی ان کو ٹھہرایا جن کی مدح میں شیعہ ہمیشہ نغمہ سرا رہے ہیں اب آسانی سے جس کو چاہیں اصطلاحی صحابی کے گروہ میں رکھ کر اس کو قاتل ظالم جابر اور ظالم کہہ دیں اور جس کو چاہیں اصلی صحابی قرار دے کر ان کی مظلومیت کو زیب داستان بناکر اپنی خطابت کے لئے تڑکا بنادے اللہ تعالی جزاء خیر دے جناب مفتی عتیق صاحب زید مجدہ کو کہ انہوں نے جواب میں ۸۰ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ مرتب کیا جس میں انہوں نے امت کے جلیل القدر مفسرین اور محدثین کے حوالہ سے لفظ صحابی کی تعریف اور ان

کے مقام و مرتبے کی حیثیت کی تعیین کی اس کے جواب میں مولانا سلمان ندوی نے ۱۶ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ بنام {ازالہ کا ازالہ} شائع کر دیا جس میں انہوں نے بجائے اس کے کہ ان حقائق کو قبول کرتے جو مفتی عتیق صاحب مد ظلہم نے بیان کئے ہیں ایک بار پھر کھل کر حضرات صحابہ کرام پر تبرا کیا اور ان کی عزت وجلالت شان کو مجروح کرنے کی کوشش کی جس پر پاسداران ناموس صحابہ کرام کے سرخیل دیار ظلمت میں روشنی کے مینار اور معروف محقق مصنف اور ادیب جناب حافظ محمد اقبال تڑپ اٹھے اور انہوں نے محسوس کیا کہ یہ معاملہ سولہ یا اسی صفحات کا نہیں بلکہ ہمہ تن توجہ کا متقاضی ہے کیونکہ انہوں نے اس عظیم فتنے کی آہٹ سنی جو سلمانی ہوا کے دوش پر امت کا رخ کر رہی ہے انہوں نے مولانا سلمان ندوی کے رسالہ ازالہ کا ازالہ کے ہر ہر سطر کا مدلل مبرہن اور مفصل جواب دیا جس میں علم کی گہرائی بھی ہے اسلوب کی سنجیدگی بھی ہے اور مخاطب کی خیر خواہی بھی سطر سطر اخلاص کا عکاس لفظ لفظ سوز دروں کا غماز اور حرف حرف حقیقت کا نشان منزل ہے جو متلاشیان حق کی نگاہیں کھولنے کے لئے کافی ہیں

ہم نے تو دل جلاکر سرراہ رکھ دیا اب جس کے جی میں آئے وہی پائے

عظمت صحابہ اور دفاع صحابہ کی یہ عظیم دستاویز ۳۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

(ماخوذ از ماہنامہ القاسم اگست ۲۰۱۹ء)

مُقَدّمَة

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ..... أَمَّا بَعْدُ!

۲ دسمبر ۲۰۱۸ء کو ادارہ اشاعت الاسلام مانچسٹر کے زیر اہتمام سالانہ رحمۃ للعالمین کانفرنس منعقد ہونے والی تھی جس میں مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب سورتی صاحب دامت برکاتھم اور برطانیہ کے دیگر علماء تشریف لا رہے تھے اس دوران خبر ملی کہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاد حدیث وفقہ حضرت مولانا مفتی عتیق بستوی صاحب مدظلہ برطانیہ آئے ہوئے ہیں راقم الحروف کی خواہش ہوئی کہ حضرت مفتی بھی اس اجلاس میں تشریف لائیں چنانچہ بذریعہ فون آپ کو اجلاس میں تشریف لانے کی دعوت دی گئی تو آپ نے اپنی مصروفیات کے باوجود آنے کا وعدہ فرمایا اور پھر اجلاس میں تشریف لائے اور موضوع کی مناسبت سے عالمانہ خطاب فرمایا۔

اجلاس کے ختم ہو جانے اور کھانے کے بعد قرب وجوار سے آئے ہوئے علماء کرام کی مجلس ہوئی جس میں مختلف موضوعات بالخصوص برطانیہ میں مسلمانوں کی مشکلات اور ان کی نسل کے ایمان واخلاق کی حفاظت پر گفتگو ہوتی رہی اس دوران ندوۃ العلماء کے ایک سابق طالب علم نے یہ سوال کر دیا کہ سنا ہے کہ مولانا سلمان حسینی ندوی صاحب آج کل صحابہ رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑے خفا ہیں اور اپنے بیانات اور تحریرات کے ذریعہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان اور ان کے کردار پر حملہ آور ہوئے ہیں آخر وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ صحابہ کرام بالخصوص حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما پر نہایت غلط انگلی اٹھائی ہے بلکہ وہ لفظ "صحابی" کا معنی مطلب بھی بدل رہے ہیں۔ موصوف نے اس بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے اس سے علماء میں تشویش پیدا ہوئی تو میں نے وہ غلط فہمیاں دور کرنے کے لئے ایک رسالہ شائع کیا ہے وہ رسالہ اس وقت میرے پاس ہے آپ

اسے ملاحظہ کر لیجئے گا۔ اس پر ایک اور دوست نے عرض کیا کہ یہ بھی سنا ہے کہ مولانا سلمان ندوی صاحب نے آپ کے رسالہ کا جواب دیا ہے کیا وہ اس وقت آپ کے پاس ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے ابھی دیکھا نہیں ہے دو چار دنوں میں ہندوستان جا رہا ہوں آپ کو بھیج دوں گا۔

یہ گفتگو راقم الحروف کے لئے بڑی حیران کن اور افسوسناک تھی پھر جب حضرت مفتی صاحب نے اس کی تفصیل فرمائی تو اندازہ ہوا کہ جناب سلمان ندوی جس راہ پر نہایت بے باکی اور تیزی سے چل پڑے ہیں وہ بڑی خطرناک راہ ہے اس راہ پر جاتے ہوئے تو کئی دیکھے گئے مگر وہاں سے واپس سلامتی کے رستے پر آنا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے۔ اس راہ میں جو جتنا تیزی سے جاتا ہے وہ اتنی ہی تیزی سے گرتا چلا جاتا ہے بالخصوص وہ لوگ جنہیں اپنے علم وزبان پر ناز ہو اور وہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نوجوانوں پر مشتمل اپنا ایک حلقہ بھی رکھتے ہوں تو پھر وہ اپنے ساتھ ساتھ اس حلقے کو بھی بڑی آسانی سے اس پھسلتی دلدل میں اتار دیتے ہیں جس سے نکلنا پھر ان کے لئے آسان نہیں ہوتا۔

خود تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

راقم الحروف نے حضرت مفتی صاحب سے عرض کیا کہ اگر ہو سکے تو جناب سلمان ندوی کا وہ رسالہ جو آپ کے جواب میں لکھا گیا ہے بھیج دیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ موصوف صحابہ کرام کی کردار کشی اور ہرزہ سرائی میں کس نچلی سطح تک جا چکے ہیں۔ اجلاس میں موجود علماء کرام نے بھی اس پر افسوس اور تشویش کا اظہار کیا اور ندوۃ العلماء کے اکابرین کو متوجہ کیا کہ وہ اس بارے میں کسی مصلحت اور مداہنت سے کام نہ لیں یہ تاریخ کا نہیں دین کا مسئلہ ہے اگر انہوں نے اس پر اپنی بھرپور ذمہ داری کا مظاہرہ نہ کیا تو خطرہ ہے کہ اسی ندوہ کے طلبہ اور دوسرے مسلمانوں میں اس فتنہ کی تپش پہنچے گی پھر اگر ان میں سے کسی ایک کا بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سے اعتماد واعتبار ختم ہو گا اور وہ صحابہ سے بدگمان ہو کر اسلام ہی کو خیر باد کہہ دیں گے تو ندوۃ العلماء کے ذمہ دار حضرات بھی اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکیں گے۔

چنانچہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے اکابرین نے جناب سلمان ندوی کو صرف پیار اور محبت سے

ہی نہیں دلائل سے بھی سمجھایا کہ وہ جس راستے کا انتخاب کر کے اس پر بڑی تیزی سے چل پڑے ہیں وہ سلامتی کا راستہ نہیں ہے اس راستے میں بہت سوں کو گرتے تو دیکھا ہے مگر پھر اٹھتے نہیں دیکھا (الا من رحم اللہ) اس لئے وہ صحابہ کے ناموس اور ان کی عزت سے کھیلنے سے باز رہیں مگر جناب سلمان ندوی اپنے بڑوں کی بات ماننے کے بجائے اور زیادہ صحابہ کے منھ آنے لگ گئے۔

جو لوگ مقتدایان امت کی بات نہیں مانتے اور ان پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہیں آتے ان سے کس طرح یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کی بات مان لیں گے۔ جب سلمان ندوی صاحب کی زیادتیاں حد سے بڑھ گئیں اور جگہ جگہ صحابہ کرام پر تبرائی زبان بولی جانے لگی تو ندوۃ العلماء کے اکابرین نے انہیں اپنے مدرسہ سے نہ صرف یہ کہ فارغ کر دیا بلکہ انہیں وہاں آنے سے بھی روک دیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدارین۔

جناب مولانا مفتی عتیق بستوی صاحب کے ہندوستان تشریف لے جانے کے تقریبا دو ہفتے بعد ایک دوست نے بذریعہ واٹس اپ حضرت مولانا عبد العلیم فاروقی صاحب مدظلہ کا ایک ویڈیو بیان ارسال کیا اور ساتھ ہی جناب سلمان ندوی کی ایک ویڈیو کلپ اور ان کا بیس صفحات پر مشتمل رسالہ {ازالہ کا ازالہ} ارسال فرمایا اور حکم فرمایا کہ اسے دیکھ لیا جائے۔ یقین مانئے اگر رسالہ کے ٹائیٹل پر جناب سلمان ندوی کا نام نہ ہوتا اور اس میں جناب مفتی عتیق بستوی صاحب کا ذکر نہ ہوتا تو ہم سمجھتے کہ اس رسالہ کا مؤلف ایران اور عراق کے شہر قم اور نجف کا کوئی متعصب آیت اللہ یا لاہور کا ملا غلام حسین نجفی یا سرگودھا کا ملا ڈھگو اور ذاکر ہے جو پھر ایک بار صحابہ کرام کے ایمان پر حملہ آور اور ان نفوس قدسیہ کی کردار کشی اور ہرزہ سرائی پر اترا ہوا ہے۔

یہ صرف راقم الحروف کا احساس نہیں جو حضرات شیعہ عقائد و نظریات سے واقف ہیں ان سب کا بھی یہی احساس ہے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاد حدیث مولانا مفتی عتیق احمد بستوی جناب سلمان ندوی کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

> "آپ کا یہ پیرا گراف پڑھ کر میں صدمہ میں ڈوب گیا اگر رسالہ کے اوپر آپ کا نام نامی نہ ہوتا تو میں یہ سمجھتا کہ کسی رافضی کی تحریر ہے جو صحابہ کے

مقام و مرتبہ کو گھٹانے پر تلا ہوا ہے اگر آپ کے دل میں صحابہ رسول کے بارے میں جذبات احترام ہوتے تو آپ یہ ہر گز نہ لکھتے...الخ"

(عظمت صحابہ ص ۳۵)

محترما! کتنی روانی کے ساتھ آپ کے قلم سے صحابہ کے لئے فاسق اور ظالم کے الفاظ نکل رہے ہیں۔(ایضاص ۳۷)

حضرت مفتی صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں:

"صحابہ رسول کے بارے میں آپ کی بعض تقریریں اور تحریریں صراط مستقیم سے ہٹی ہوئی تھیں اور ان میں شیعیت اور روافضیت کے اثرات بہت نمایاں تھے آپ جس تیزی سے رافضیت زدہ افکار کی طرف سرگرم تھے اور اس بارے میں کسی کی سننے کو تیار نہیں تھے...الخ"

(ایضاص ۵۲)

آپ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"انہوں نے حضرات شیخین کی خلافت کے بارے میں جو تیکھے سوالات قائم کئے اس سے انہوں نے غالی متعصب شیعہ مجتہدین کی یاد تازہ کر دی ۔"(ایضاص ۴)

مگر ٹائٹل پر لکھے نام نے بتایا کہ صحابہ کرام پر تبرا پڑھنے والے کوئی اور نہیں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے اور لکھنؤ کے ایک فاضل استاد ہیں جن کے ہاتھوں صحابہ کرام کی عزت تار تار ہو رہی ہے؟ موصوف کو صحابہ کرام کی کردار کشی اس نازک دور میں کیوں سوجھی یا کس نے سجھائی یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

لگے ہاتھوں جناب سلمان ندوی کی صحابہ کرام کے خلاف چلنے والی زبان کی تیزی ملاحظہ کیجئے موصوف ایک تقریر میں کہتے ہیں:

"حضرت حسن کا کردار یہ نہیں کہ وہ باغیوں (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ساتھ محبت کرنے لگیں دوستی کرنے لگیں کہ انہوں نے ان کے والد (یعنی حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتھ جو جمہور صحابہ تھے ان

کے قتل کئے سر توڑے ہڈیاں توڑیں گوشت کاٹ دئے۔"

ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے جمہور صحابہ کے سر توڑے ہڈیاں توڑیں گوشت کاٹے اور زندہ اور مردہ لاشوں کے ساتھ یہ بہیمانہ سلوک کیا۔ کیا جناب سلمان ندوی ان ناموں کی نشاندہی کر سکتے ہیں جنہوں نے بقول ان کے جمہور صحابہ کے ساتھ یہ سب کچھ کیا تھا؟

جناب سلمان ندوی جس اسٹیج پر بیٹھے اپنے شبابوں کے سامنے یہ انکشاف فرمارہے تھے ٹھیک اسی ٹیبل کے آگے ایک بڑے سائز کے پوسٹر پر جلی حروف میں درج ذیل عبارت لکھی ہوئی تھی:

"معاویہ اور ان کے جتھے کے لوگ باغی ہوں گے ان کی حکومت ظالمانہ ہو گی علی ان سے جنگ کرنے پر مامور کئے گئے ہیں... معاویہ کا گروہ جہنم کی طرف بلا رہا ہو گا۔"

حال ہی میں موصوف سلمان ندوی کا ایک کلپ وائرل ہوا ہے اس کلپ میں موصوف نے جو انتہائی گھٹیا زبان بولی ہے اور جس خباثت کا کھلے عام مظاہرہ کیا ہے اسے دیکھئے اور ان کی ذہنی پستی اخلاقی گراوٹ اور صحابہ دشمنی کا کچھ اندازہ کیجئے۔ موصوف کہتے ہیں

یزید کو کس نے پالا تھا کس گھر میں شراب کی خرید و فرخت ہوتی تھی وہ تفصیل سے میں بڑے بڑے علماء اور محدثین کے اقوال میں بیان کر چکا ہوں معاویہ کے یہاں شراب کی خرید و فروخت ہوتی تھی، معاویہ کے یہاں سود جائز تھا، معاویہ کے یہاں ریشم کے کپڑے پہنے جاتے تھے، معاویہ کے یہاں صحابہ کی گردنیں کاٹی جاتی تھی، معاویہ کے یہاں حضرت علی کو گالی دی جاتی تھی، حضرت فاطمہ جو خواتین جنت کی سردار ہیں اس کو گالی بکی جاتی تھی، حسین و حسن کو قتل کروایا اور ان کو گالیوں سے نوازا جاتا تھا وہ گھر تھا جہاں یہ ہوتا تھا

موصوف آگے چل کر کہتے ہیں کہ صحیح سندوں کے ساتھ یہ روایتیں موجود ہیں جو میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں صحابہ عظام بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں موصوف کی زبان کس قدر زہریلی ہے۔ موصوف نے اس بات کی کوئی نشاندہی نہیں کی مذکورہ

الفاظ حدیث کی کس کتاب میں مروی ہیں۔ یا یہ موصوف کے اندر کا زہریلا لاوا ہے جو زبان و قلم سے اچھل اچھل کر باہر نکل رہا ہے؟ یہ بڑے بڑے علماء اور محدثین کہاں ہیں جنہوں نے صحیح سندوں کے ساتھ سیدنا حضرت امیر معاویہ کو ان تمام باتوں کا مجرم ٹھہرایا ہو۔؟

دور حاضر کے وہ نوجوان طلباء جن کا دل و دماغ پہلے ہی ملحدین خراب کر چکے ہیں اور اسلام اور قرآن کے بارے میں انہیں طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا کر چکے ہیں جب وہ اس طرح کے بدبخت لوگوں کی زبان اور قلم سے یہ سنیں اور پڑھیں گے کہ حضور اکرم ﷺ کے وہ صحابہ کرام جن سے ہمیں پورا دین ملا ہے قرآن و حدیث عقائد عبادات معاملات معاشرت اور اللہ کا آخری دین انہی کے واسطہ سے نصیب ہوا ہے جب وہ لوگ آج کل کے دوغلے سیاست دان اور دین فروش مذہبی رہنماؤں کی طرح ہی تھے تو ہم اس دین کے بارے میں کس طرح یقین کر لیں کہ یہی وہ آخری دین ہے جو ہمیں حضرت محمد مصطفی نے دیا ہے اور آخرت کی نجات بھی اسی دین سے وابستہ ہے۔ تو کیا ان پڑھ اور کم پڑھے لکھے اور کچے ذہن کے مسلمان اس طرح کی باتوں سے دین اسلام پر اپنا اعتماد برقرار رکھ سکیں گے؟

جناب سلمان ندوی کی ان دلآزار تقریروں اور تحریروں نے غیر دینی مدارس کے نوجوان تو رہے ایک طرف ایک دینی مدرسہ ۔۔۔۔۔۔ کے طلباء پر کیا تاثر قائم کیا اسے بھی دیکھتے جایئے ایک طالب علم ذمہ داران ندوۃ العلماء کو مخاطب کرتے ہوئے جناب سلمان ندوی کے متعلق لکھتا ہے:

> "اس کے بعد بھی استاد محترم اپنی اس حرکت پر بضد ہیں اور ہم طلباء کے درمیان تحقیق اور حقائق کے نام سے رافضیت اور شیعیت کا درس دے رہے ہیں اور یہ تحقیق کتابی شکل میں چھپوا کر ہم لوگوں میں کچھ قیمت لے کر تقسیم کروا رہے ہیں یہ کام آپ (یعنی ۔۔۔۔۔۔) لوگوں کی موجودگی میں انجام پا رہا ہے ... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور خاص طور پر حضرت معاویہؓ کے متعلق زہر گھول کر ہمارے ذہن ان نفوس قدسیہ کے سلسلہ میں نجس و ناپاک کر رہے ہیں۔" (منقول از عظمت صحابہ ص ۴۸)

جناب سلمان ندوی نے اپنے اس رسالہ میں چند ایک تاریخی کتابوں کے حوالے سے جی بھر کر غلط

بیانی کی ہے اور سطر سطر سے صحابہ کرام پر پھر سے بد گمانی اور بد زبانی کی راہ کھولی ہے اس جھوٹ کو پڑھنے کے بعد کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک عام مسلمان نوجوان اپنے آپ کو صحابہ پر بد گمانی سے بچا پائے گا؟ جناب سلمان ندوی کا یہ بچگانہ بیان دیکھئے:

> "ہمارے مدارس کے درجوں میں علم کلام اور فقہ کے گھنٹوں میں کلامی اور فقہی مسائل کا جو درس ہوتا ہے اسے عوام کے سامنے پیش کیا جائے تو شاید ان کا ایمان ہی محفوظ نہ رہے۔"

جواباً گذارش ہے کہ ہمارے مدارس میں کب اس موضوع پر کوئی خاص درس ہوتا ہے؟ ہاں جب کبھی ضمناً یہ بحث آجاتی ہے تو بھی اساتذہ کبار ان حدود و قیود میں رہ کر بات کرتے ہیں جو قرآن کریم احادیث نبوی اور علمائے امت نے بالاجماع طے کر دی ہیں کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ہمارے مدارس میں ان موضوعات پر اس طرح کبھی گفتگو کی گئی ہو جس طرح آپ نے اپنے چند طلباء کے سامنے کیں اور پھر معلوم نہیں کن کن کے اشاروں پر اس کی عالمی سطح پر بذریعہ انٹرنیٹ اور واٹس اپ تشہیر بھی کی گئی۔

رہی بات عوام کی... تو اگر کبھی کسی تحریر درس یا مجلس میں کوئی روایت یا واقعہ زیر بحث آیا بھی تو ساتھ ہی اس کی حقیقت بھی کھول دی گئی کہ جن لوگوں نے صحابہ کرام کے متعلق اس قسم کی افواہیں پھیلائیں ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں غلط بیانی کے مرتکب ہیں ان راویوں نے محض صحابہ کی دشمنی میں اس قسم کی روایات اور واقعات وضع کئے مگر یہ نہ سوچا کہ خود ان روایات سے خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت و عظمت پر کیا زد پڑتی ہے اور آل بیت کی عزت بیچ چوراہے میں کس طرح تار تار ہوتی ہیں۔ یہ لوگ صحابہ دشمنی میں اتنے آگے نکل گئے کہ انہیں آل بیت نبوی کی عزت سے کھلواڑ کرنے میں بھی کوئی حیاء نہیں آئی ہے۔ جناب سلمان ندوی اتنے بچے بھی نہیں کہ ان حقائق سے اب تک لاعلم رہے ہوں اور لکھنؤ جیسے شہر میں رہتے ہوئے انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ علماء اسلام کی خدمات اس باب (دفاع صحابہ اور مشاجرات) میں کیا ہیں۔ یہ بات کس عالم سے مخفی ہے کہ شیعہ علماء اور ان کے ذاکرین نے عوامی سطح پر ہمیشہ یہ موضوع چھیڑا

تا کہ مسلمانوں میں کچے ذہن کے لوگوں میں صحابہ کرام کے بارے میں شکوک کے زہریلے کانٹے بچھائے جائیں اور پھر اس سے ان کا ایمان چھین لیا جائے اللہ تعالی بہترین جزا عطا فرمائے ان تمام علماء امت کو جنہوں نے ہمیشہ اس قسم کے دجالوں کے دجل وفریب کا پردہ چاک کیا اور مسلمانوں کو بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تاریخ کی کتابوں سے چند بے سند روایات اور بے بنیاد واقعات کو بنیاد بنا کر صحابہ کرام کی عند اللہ مقبولیت اور قرآن کریم کی صداقت کو مشکوک بنانا چاہتے ہیں۔

آج سے تقریبا ۷۴ سال پہلے جناب شاہ معین الدین ندوی صاحب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگے ایک الزام کے جواب میں یہ بات لکھ گئے ہیں کہ:

> "اس سلسلہ میں یہ اصول بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ ان امور میں جن کا تعلق دین سے اور اس کے جواز اور عدم جواز سے ہے صحابہ کرام کے فعل و عمل کے ثبوت کے لئے جنہیں اصطلاح حدیث میں اثر کہا جاتا ہے اور جو مسلمانوں کے لئے سند جواز کا حکم رکھتے ہیں تنہا تاریخ کی شہادت کافی نہیں بلکہ اس کا ثبوت روایت حدیث کے جملہ شرائط کے مطابق ہونا چاہئے ورنہ وہ بیان مردود ہو گا۔" (سہ روزہ صدق ۲۶ مئی ۱۹۴۵ء ص ۷)

ہم جس دین کو اللہ کا آخری دین سمجھتے اور مانتے ہیں اور ہر اعتبار سے اس کے کامل اور مکمل ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اس دین کے ناقل کون ہیں؟ کن کے واسطے سے ہمیں یہ دین ملا ہے؟ ہمیں کن کے ذریعے قرآن جیسی عظیم کتاب ملی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور تعلیمات سننے اور پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی؟ ہمیں کس نے خاتم النبیین رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت اور سیرت بتائی؟ کس کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوا کہ نماز کیسے پڑھی جاتی ہے۔ روزہ کس طرح رکھا جاتا ہے حج کیسے کیا جاتا ہے؟ یہ سب کچھ ہمیں بتلانے والے خاتم النبیین سیدنا و مولانا حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام ہی تو ہیں تو پھر اگر ہم ان کے بارے میں یہ غلیظ پراپیگنڈہ کریں اور ان کی یہ تصویر دکھائیں کہ یہ لوگ تو ذاتی مفادات کی خاطر مسلمان ہوئے تھے ذاتی اغراض اور اقتدار کی خاطر وہ کلمہ پڑھتے رہے یہ لوگ رسول کی حیات میں بھی ان کی بات نہیں مانتے تھے اور ان کے بعد بھی دین سے پھر گئے تھے انہوں نے خاندان نبوت کا صرف

حق ہی نہیں چھینا بلکہ ان پر متواتر ظلم بھی کئے ان کے گھر کا دروازہ توڑ کر اور خاتون جنت کا حمل ساقط کرا کر بھی ان کو چین نہیں آیا تھا اللہ کے آخری رسول اپنے آخری اوقات میں کوئی اہم بات لکھوانا چاہتے تو یہ آڑے آجاتے اور اللہ کے رسول ان سب کے آگے اتنے بے بس تھے کہ نہ کچھ لکھوا سکتے تھے نہ کہہ سکتے تھے نہ منوا سکتے تھے۔ اور اس کام میں سوائے تین چار لوگوں کے باقی سب کے سب ایسے ہی دین فروش اور مفاد پرست اور معاذ اللہ ایسے اور ویسے تھے۔

ہم اس دین کو خدا کا بھیجا دین کیسے تسلیم کریں جنہوں نے بقول روافض دین میں تحریف و ترمیم کا ارتکاب کیا اور اسے پیغمبر کے نام منسوب کر دیا اصل دین اگر کسی کے پاس ہے تو وہ یا تو امام مہدی کے پاس ہے جو تیرہ سو سال قبل اسے لے کر غار میں ایسے غائب ہوئے کہ اب تک نکل ہی نہ پائے یا پھر عترت رسول کے پاس ہے۔ باقی سب ہیر پھیر ہے اب آپ ہی بتائیے کہ جب صحابہ کرام کو ہی نشانہ اعتراض بنالیا جائے تو کیا ہم شریعت کے فرائض واحکام پر ایمان لا سکیں گے؟

حضرت عمر بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے ہارون رشید کے بھرے دربار میں اپنی جان کی پروا کئے بغیر جس دلیری سے عظمت صحابہ کے جھنڈے اٹھائے ہیں اسے دیکھئے آپ نے فرمایا:

إذا كان اصحابه كذابين فالشريعة باطلة والفرائض والاحكام فى الصيام والصلوة والطلاق والنكاح والحدود كله مردود غير مقبول (تفسیر قرطبی ج۱۶ ص۲۹۹)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہی جھوٹے ہیں تو پھر یہ شریعت ہی باطل ہے روزوں نماز طلاق نکاح اور حدود میں تمام احکام مردود اور غیر مقبول ہوں گے۔

حضرت امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۱ھ) اس سے ذرا پہلے اپنا فیصلہ اس طرح سنا چکے ہیں:

فمن نسبه أو واحد امن الصحابة إلى كذب فهو خارج عن الشريعة مبطل للقرآن طاعن على رسول الله ﷺ ومتى ألحق واحد منهم تكذيبا فقد سب لانه لا عار ولا عيب بعد الكفر بالله اعظم من الكذب وقد لعن رسول الله ﷺ من

سب اصحابه فالمكذب لاصغرهم ولا صغير فيهم داخل فی لعنة الله التی شهد بها رسول الله ﷺ وألزمها كل من سب واحد امن أصحابه أو طعن عليه (تفسیر قرطبی ج۱۶ص۳۹۸)

جو شخص آپ ﷺ کی یا آپ کے اصحاب میں سے کسی ایک کی جھوٹ کی جانب نسبت کرتا ہے تو وہ شریعت سے خارج ہے وہ قرآن کا باطل کرنے والا ہے اور رسول اللہ ﷺ پر طعن کرنے والا ہے ان میں سے کسی ایک کی طرف یہ نسبت کرنا کہ اس نے جھوٹ بولا تو اس کو گالی دی گئی تو اللہ تعالی کے انکار کے بعد جھوٹ سے بڑھ کر کوئی عار اور عیب کی بات نہیں ہے جس نے بھی صحابہ کو گالی دی تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے ان میں سے بہت سے چھوٹے مرتبہ والے کو جھٹلانا (جبکہ ان میں سے کوئی بھی چھوٹا نہیں ہے) اللہ تعالی کی لعنت میں داخل ہونا ہے جس کی شہادت حضور اکرم ﷺ نے دی ہے اور ہر اس آدمی پر ضروری قرار دیا جس نے حضور اکرم ﷺ کے صحابہ میں کسی کو برا کہا یا اس پر طعن و تشنیع کی۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۴ھ) لکھتے ہیں:

قرآن و شریعت را اصحاب تبلیغ نمودہ اند اگر ایشاں مطعون باسند طعن در قرآن ودر شریعت لازم می آید قرآن جمع حضرت عثمان است علیہ الرضوان است قرآن ہم مطعون است۔ (مکتوبات۔ مکتوب نمبر ۵۴۔ دفتر اول ص ۱۳۳)

قرآن اور شریعت کی تبلیغ صحابہ کرام ہی نے کی ہے اور اگر ان پر طعن کیا جائے تو قرآن و شریعت پر مطعون ہوتا ہے قرآن حضرت عثمانؓ نے جمع کیا ہے اگر حضرت عثمان مطعون ہیں تو قرآن بھی مطعون ہے۔

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

صحابہ پر طعن کرنا در حقیقت پیغمبر خدا ﷺ کو طعنہ دینا ہے {ما آمن برسول الله من لم يؤقر اصحابه} جس نے اصحاب کرام کی تعظیم و توقیر نہیں کی وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لایا کیونکہ ان کا جسد ان کے صاحب کے جسد

تک نوبت پہنچا دیتا ہے اللہ تعالی اس برے اعتقاد سے بچائے اور نیز جو احکام قرآن وحدیث سے ہم تک پہنچتے ہیں وہ انہی کی نقل کے وسیلہ سے ہیں جب یہ حضرات مطعون ہوں گے تو ان کی نقل بھی مطعون ہو گی کیونکہ یہ نقل ایسی نہیں کہ بعض کے سوا بعض کے ساتھ مخصوص ہو بلکہ سب کے سب عدل اور صدق و تبلیغ میں برابر ہیں پس ان میں سے کسی ایک کا طعن دین کے طعن کو مستلزم ہے اللہ تعالی اس سے بچائے (دفتر اول مکتوب نمبر ۸۰ ص ۱۷۴)

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان صحابہ کے بارے میں جن کی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ ہوئی تھی بحث کرتے ہوئے ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

"ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر و تشنیع کوئی معمولی بات نہیں ہے بہت برا کلمہ ہے جو ان کو برا کہنے والوں زبانوں سے نکلتا ہے دین و شریعت کا قریبا نصف حصہ ایسا ہے جو انہی کی وساطت سے امت کو پہنچا ہے اگر وہ بھی مجروح و مطعون ہو جائیں تو آدھا دین بے اعتبار ہو جائے گا۔" (مکتوبات نمبر ۳۶ ص ۱۱۴)

آپ اسی مکتوب میں لکھتے ہیں:

"قرآن واحادیث اصحاب کرام کی تبلیغ سے ہم تک پہنچا ہے جب اصحاب مطعون ہوں گے تو وہ دین جو ان کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے وہ بھی مطعون ہو گا۔ نعوذ باللہ من ذلک" (ایضاص ۱۱۱)

مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:

"ہر کہ منکر صحابہ باشد او را ایمان بہ قرآن وغیرہ ایمانیات متواترات ممکن نیست" (مالابد منہ ص ۱۵)

جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (کے ایمان اور انکی عظمت) کا منکر ہو گا اس کو قرآن اور قرآن کے علاوہ ایمان کی اور متواترات خبروں پر ایمان لانا ممکن نہیں ہو گا۔

آپ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگاروں پر طعن کرنا در حقیقت خدا اور رسول پر طعن کرنا ہے اللہ تعالی نے ان برگزیدہ ہستیوں کی قرآن میں مدح و تعریف فرمائی ہے

یہ عظیم ہستیاں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام زندگی میں آپ کے ساتھ ساتھ رہے اگر شیعہ موقف درست مان لیا جائے تو آپ کی صحبت کا فائدہ اتنا ہی ہوا کہ مطعون بمطاعن شیعہ اشخاص آپ کی صحبت سے نکلے ہیں معاذ اللہ۔ (السیف المسلول ص ۳۵۳ مترجم)

اب آپ ایمانداری سے بتلایئے جو لوگ صحابہ کرام کی ذات اور ان کے ایمان و کردار پر حملہ کرتے ہیں کیا اس سے کسی مسلمان کا عقیدہ ارتیاب کا شکار نہیں ہوگا ان کے دل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدظن نہیں ہوں گے بدگمانی کے زہریلے کانٹے ان کے ایمان کو زخمی نہیں کریں گے۔ پھر کیا اس کی حد صرف بدگمانی تک رہے گی؟ نہیں۔ بدگمانی بدزبانی پر ابھارتی ہے اور کسے معلوم نہیں کہ پھر ایسے بدبختوں کی زبان وہ زہریلا اور بدبودار مواد اگلتی رہتی ہے جسے کوئی شریف انسان سننے کی تاب نہیں رکھتا۔ یقین نہ آئے تو کسی متعصب رافضی عالم کی کتاب یا ان کے کسی ذاکر کی مجلس سن لیجئے حقیقت روز روشن کی طرح صاف نظر آئے گی۔ چلتے چلتے روزنامہ امت کراچی کے ایک کالم نگار کا چشم کشا کالم پڑھتے جایئے۔

جناب محمد یونس عالم صاحب روزنامہ امت کے معروف کالم نگار ہیں "حرف آزاد" کے عنوان تلے مختلف عنوانوں پر کالم لکھتے ہیں ۱۹ نومبر ۲۰۱۳ء کے شمارہ میں موصوف کا مضمون "شام غریباں" کے عنوان سے شائع ہوا ہے جو سانحہ راولپنڈی (پاکستان) کے تناظر میں لکھا گیا ہے موصوف اپنے ایک دوست کی دعوت پر ماتمی مجلس میں پہنچ گئے وہاں انہوں نے جو کچھ اپنی آنکھوں دیکھا اور اپنے کانوں سنا اسے خود ان کے اپنے الفاظ اور جذبات میں پڑھئے اور سوچئے کہ محرم کے دنوں میں ہونے والی ماتمی مجالس کا مقصد حضرت امام حسینؓ کی مظلومانہ شہادت پر اظہار رنج و غم ہے یا اس کے پیچھے خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے متعلق غیظ و غضب کا اظہار اور اپنے عقائد کا کھلا اعلان ہے جس کی ایک ادنی سے ادنی مسلمان سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی۔ لیجئے یونس عالم صاحب کی چشم کشا تحریر پڑھئے یہ کسی اہل سنت عالم کی تحریر نہیں ایک غیر جانبدار کالم نگار کا چشم دید اظہار حقیقت ہے:

"یکم محرم الحرام سے لے کر دس محرم الحرام تک چوک چوراہوں پر ہونے

والی مجلسوں میں تاریخ اسلام کی مقدس ہستیوں کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس پر کسی نے کان دھرنے کی کوشش کی؟ چوک چوراہوں کو چھوڑیئے اندروں خانہ مجلسوں کو بھی چھوڑیئے وہ تمام مجلسیں اٹھا کر دیکھ لینی چاہئے جن کو ہمارا میڈیا دس دن تک براہ راست نشر کرتا رہا ہے ان میں جس انداز سے خاتم الانبیاء ﷺ کے جانثاروں حضرات صحابہ کرام کے گریبان چاک کئے جاتے ہیں کیا اسے ایک عقیدت مند کسی بھی صورت میں برداشت کر سکتا ہے؟

آٹھ محرم الحرام کو اسی راولپنڈی میں تین گھنٹے کی ایک مجلس ماتم کا اہتمام کیا گیا ذاکر کو بطور خاص لکھنو سے بلوایا گیا دوستوں نے تعریف کی دعوت دی میں بھی پہنچ گیا نوحوں اور مرثیوں کے بعد لکھنو کے ذاکر نے خطبے کا آغاز کیا تو زبان و بیان پر بے مثال دسترس سے طبیعت عش عش کر اٹھی روانی اور ربط اس قدر شاندار کہ لمحہ بھر کو یک سوئی متاثر نہ ہوئی ایک دوسرے کی گردن پر سوار لفظوں کا بہاؤ ایسا کہ ہماری عیاش سماعتیں بہتی چلی گئیں ٹھیک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد لکھنو کے ذاکر نے دشنام طرازی کا ادیبانہ جوہر دکھایا تو دماغ میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں آج اپنے کانوں سے سنا تو مجھ پر تبرا کا مفہوم واضح ہونے لگا ذاکر نے دین اسلام کی مستند ترین اور مقدس ترین ہستیوں کی پشت پر ایسے تازیانے برسانے شروع کئے کہ خون کا دوران تیز ہوتا چلا گیا بے رحمی سے جب ذاکر کسی محترم اور مقدس ہستی کے گریبان پر ہاتھ ڈالتا تو مارے حیرت کے وجود میں بجلی کی سی ایک لہر اٹھتی اور دماغ تک آ پہنچتی ہم کہ نہ زاہد اور نہ عابد مگر ہمت جواب دے گئی بے ہودہ گوئی کے دراز ہوتے ہوئے اس سلسلے نے مجلس سے اٹھ کر سیدھا اپنے گھر کی راہ لینے پر مجبور کر دیا مجھ جیسوں کے جذبات پر تو سربیا کے پہاڑوں کی طرح برف جمی رہتی ہے اس لئے اٹھنے پر ہی اکتفا کیا مگر یہاں شعلہ بار طبیعت کا کوئی عقیدت مند موجود ہوتا تو شاید آگ و خون کا کھیل شروع میں لمحہ بھر

کی دیر نہ لگتی (روزنامہ امت ۱۹ نومبر ۲۰۱۳ بروز منگل)

یہ صرف ایک واقعہ نہیں ایک ماتمی مجلس کی بات نہیں کیا لاہور اور کیا لکھنؤ کیا برطانیہ اور کیا امریکہ راقم الحروف کے پاس اس کے کئی شواہد موجود ہیں جس میں صحابہ کرام کے ایمان وعقیدہ پر جارحانہ حملے کئے گئے ان کی کردار کشی کرنے پر ہر حد پار کرلی گئی ازواج مطہرات (ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ام المؤمنین حضرت حفصہؓ) کو گندی گالیاں دے کر بھی ان کا جی نہیں بھرتا۔ خلفائے راشدین بالخصوص حضرت امیر معاویہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت خالد بن ولید، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم پر تبرا پڑھ پڑھ کر ماتم کی مجلسیں گرمائی جاتی ہیں اور اس پر یا علی مدد کے نعرے گونجتے ہیں۔ پاکستان کے معروف شیعہ مجتہد ملا محمد حسین ڈھکو مقیم سرگودھا لکھتا ہے:

> "دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے اور ہمارے برادران اسلامی میں اس سلسلے میں جو کچھ نزاع ہے وہ اصحاب ثلثہ کے بارے میں ہے اہل سنت ان کو بعد از نبی تمام اصحاب اور امت سے افضل جانتے ہیں اور ہم ان کو دولت ایمان وایقان اور اخلاص سے تہی دامن جانتے ہیں۔"
>
> (تجلیات صداقت ص ۲۱۶ طبع دوم)

یہی ملا لکھتا ہے:

> "اصحاب ثلثہ جو تیمی عدوی اور اموی جو شجرہ ملعونہ فی القرآن کے افراد ہیں ان کو پیغمبر کی ذات سے کیا ربط و تعلق ہے۔" (ایضاص ۶۷)

اسی ملا کا یہ بیان دیکھئے:

> "جناب امیر خلافت ثلثہ کو غاصبانہ وجابرانہ اور خلفائے ثلثہ کو گنہ گار کذاب غدار خیانت کار ظالم اور غاصب اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ خلافت نبویہ کا حقدار سمجھتے تھے۔" (ایضاص ۲۳۱)

اسی ملا ڈھ گو نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں شیعہ عقائد کا کس کھلے بندوں اظہار کیا اسے بھی دیکھئے:

> "یہ کہ عائشہ مؤمنوں کی ماں ہیں ہم نے ان کے ماں ہونے کا انکار کب کیا

ہے مگر اس سے ان کا مؤمنہ ہونا تو ثابت نہیں ہوتا ماں ہونا اور ہے اور مؤمنہ ہونا اور ہے۔" (ایضاطبع دوم ص ۵۵۷)

ان ایمان سوز حالات میں جبکہ شیعہ علماء پوری دنیا میں مختلف زبانوں میں بذریعہ ٹی وی چینل اہل سنت کے عقائد بالخصوص خلفائے راشدین اور صحابہ کرام پر جارحانہ حملے کر رہے ہیں اور اس کے جواب میں اہل سنت علماء بھی پوری تیاری اور دلائل کے ساتھ ان اشکالات اور شبہات کا ازالہ کرتے ہیں ان کے اعتراضات کا دلائل سے جواب دیتے ہیں تاریخ کی غلط اور بے بنیاد روایتوں کا عالمانہ محاسبہ کرتے ہیں اور مسلمان بچوں اور بچیوں کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت میں نہایت مخلصانہ کردار ادا کرتے ہیں اور صحابہ کرام پر اعتماد اور ان کی محبت وعظمت دل میں بٹھانے میں کوئی کمی کوتاہی نہیں کرتے لیکن افسوس کہ لکھنؤ کے جناب سلمان ندوی صحابہ کرام پر بے اعتمادی اور ان کی بے توقیری پر کھل کر سامنے آگئے ہیں اور اپنا رسالہ فروخت اور تقسیم کرتے انہیں ذرا بھی خوف خدا نہیں آتا کہ وہ کن حضرات کی عزتوں سے کھیلنے میں لگے ہوئے ہیں تو پھر آپ ہی بتائیں کیا ہم اپنے کم دین پڑھے نوجوان بچوں اور بچیوں کو اس اسلام پر قائم رکھ پائیں گے جو ہمیں اپنے اکابر سے ملا ہے؟

جس باغ کا مالی صیادوں سے آنکھ مچولی کرتا ہو
اے بلبل نادان تو ہی بتا انجام گلستان کیا ہوگا

علماء اسلام جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت وعقیدت اور ان کی عزت وعظمت کی بات کرتے ہیں تو یہ کسی خونی رشتہ کی وجہ سے نہیں کرتے ان کا ایمان اس بات کا متقاضی ہوتا ہے ہمارا رشتہ صحابہ سے نہ خون کا ہے نہ تاریخ کا۔ یہ رشتہ ایمان کا ہے۔ ہم ان کی جتنی عزت کریں گے جتنا ان پر اعتماد واعتبار کریں گے رشتہ ایمانی مضبوط سے مضبوط تر رہے گا اور جس لمحے دل میں ان پر بدگمانی کی سیاہی چھا گئی بس سمجھ لیجئے کہ پھر ایمان کی شعائیں کبھی اسی لمحے اور کبھی آہستہ آہستہ بجھتی جائیں گی ظاہر ہے کہ اس کا انجام آخرت کی رسوائی اور ذلت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

شیخ محمد ربحامی رحمۃ اللہ علیہ (۸۳۵ھ) نے اپنی فارسی تصنیف ریاض الناصحین میں شیخ محمد بن حسن ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ (۴۰۵ش) کا ایک نہایت ہی اہم اور قابل عبرت ارشاد نقل کیا ہے جو لوگ جو صحابہ کرام کو عام آدمی سمجھ کر ان کی عزتوں سے کھیلتے اور ان پر چڑھائی کرتے ہیں وہ اس پر ضرور غور کریں۔ آپ فرماتے ہیں ایسے لوگ آخر کار دنیا سے بے ایمان ہو کر جاتے ہیں

"شیخ ابو علی دقاق گفت ہر آدمی راسی صد و شصت رگ است اگر سی صد و پنجاہ و نہ رگ بدوستی یاران بود اما در یک رگ از گھائے وے دشمنی یکے از یاران رسول علیہ السلام بود ملک الموت را فرمان شود تا در وقت نزع جان ویرا ازاں رگ بردار تا بشومی آں از دنیا بے ایمان بیرون رود نعوذ باللہ من ذلک... پس از عداوت یاراں رسول علیہ السلام پر حذر باید بود

(ریاض الناصحین ص ۵۸ مطبوعہ استنبول ۱۳۱۳ھ)

یاد رکھئے کہ جس دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم القدر صحابہ کی عزت نہیں ان کے لئے جنت میں بھی کوئی جگہ نہیں ہے۔

نہیں ان کا جس قلب میں احترام اس پہ سمجھو ہوئی بوئے جنت حرام

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من خرج من الدنيا شاتما لأحد من أصحابي سلط الله عليه دابة تقرض لحمه يجد ألمه إلى يوم القيامة

(رواہ ابن ابی الدنیا فی القبور (الناھیۃ ص ۲۰)

جو آدمی دنیا سے اس حال میں جائے کہ وہ میرے صحابہ کی بد گوئی کرتا تھا تو اللہ تعالی قبر میں اس پر ایک جانور مسلط کر دیں گے جو اس کے گوشت کو کاٹتا رہے گا اور وہ اس کے درد سے قیامت تک نہ نکل پائے گا۔

حضرت بشر حارث رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہر اس شخص کو غور سے پڑھنا چاہئے جس کے دل و دماغ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی بد گمانی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر رومی اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے علاقے میں آئے اور مسلمانوں کا ایک

شخص اپنی تلوار لے کر ان کے مقابلے پر اتر آئے یہاں تک کہ وہ لشکر واپس لوٹ جائے پھر وہ شخص سوئی کے سوراخ برابر بھی (یعنی ذرا بھی) صحابہ کی تنقیص کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اتنا بڑا عمل بھی اس کو کوئی فائدہ نہ دے گا

لو ان الروم بأسرهم جاءوا الى باب الانبار فخرج اليهم رجل بسيف حتى ردهم الى الموضع التى جاءوا منه ثم نقص احدا من اصحاب رسول الله ﷺ مقدار ثقب إبرة مانفعه ذلك

(تاریخ دمشق ج ۱۰ ص ۱۶۱)

جناب رسول اللہ ﷺ نے اسی لئے اپنے صحابہ کا نہایت شاندار تعارف کرایا ہے ان کو خدا کا انتخاب کہا ان کا مقام و مرتبہ بتایا ان کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کی تاکید کی پھر علماء امت نے صحابہ کرام کے متعلق حضور اکرم ﷺ کے مختلف اوقات میں دئے گئے ارشادات کی روشنی میں بتایا کہ ان کی عزت کرنا ان کا ادب کرنا انہیں بے حرمت نہ کرنا ان پر اعتماد رکھنا ان پر انگلی نہ اٹھانا ان سے محبت رکھنا نفرت نہ کرنا ان کی عزتوں سے نہ کھیلنا انہیں سر عام رسوا کرنے کی مہم نہ چلانا آپ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ محبت میرے ساتھ محبت ہے اور ان کی بے حرمتی میری بے حرمتی ہے ان کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والے پیغمبر خاتم کی عزت پر ہاتھ ڈالیں گے اس لئے جب اور جہاں کہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں کسی کی زبان برائی سے کھلے ادھر سے کھسک جاؤ ایسے لوگوں سے اپنا رشتہ ناتہ ختم کر دو کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے مجرم ہیں اور ان پر اور ان کے اس شر پر لعنت بھیجو اور جو ایسا نہیں کرتا اس پر بھی خدا کی پکڑ آکر رہے گی۔

صحابہ کی تعظیم و تکریم اور ان کے ادب و احترام کا سبق اسی لئے بار بار پڑھایا گیا ہے کہ وہ اسلام کا دروازہ ہیں جس نے اس دروازہ کو توڑ دیا اس نے اس پورے گھر کو غیر محفوظ کر دیا پھر جس کا جو جی چاہے اس گھر کے ساتھ کرتا رہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اعدائے اسلام صحابہ کرام کی عزتوں سے کھیلے بغیر اس گھر میں داخل ہوئے ہوں ان سب کا پہلا نشانہ صحابہ کرام رہے اور انہیں معلوم تھا کہ جب تک اس دروازے کو کمزور یا توڑا نہیں جائے گا اس گھر میں داخل نہیں ہوا جاسکتا۔ اس لئے

جس دور میں بھی توہین صحابہ کی کہیں سے آواز آئی علماء اسلام بغیر کسی تاخیر کے اٹھے اور پوری قوت کے ساتھ ان کا محاسبہ کرنا اپنا دینی فریضہ جانا اور دوبدو جواب دیا اور مجال ہے کہ پھر کسی طاعن صحابہ نے علماء اسلام کا سامنا کرنے کی جرات کی ہو علماء امت اس باب میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ حرانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) کو سلام پیش کرتے ہیں جنہوں نے شیعہ کے مشہور ملا ابن مطہر حلی (۷۲۶ھ) کی منہاج الکرامہ کا جواب منہاج السنۃ کے نام سے دیا اور ایسا دیا کہ اب تک کسی رافضی کو اس کے جواب الجواب کی جرات نہ ہو سکی۔

مغل حکمران جلال الدین اکبر (۱۰۱۴ھ) نے جب دین الٰہی کے نام پر پورے دین کا حلیہ بگاڑنا چاہا (جیسے مثنوی مولانا روم کی ایک بوڑھی نے شاہی طوطے کے ساتھ کیا تھا) تو اس کی راہ میں بھی سب سے پہلی رکاوٹ صحابہ کرام اور علماء اسلام تھے جب تک صحابہ کرام اور علماء اسلام کو مطعون نہیں کیا جاتا اسلام کا خوبصورت حلیہ کبھی نہیں بگاڑا جا سکتا۔ اس دور کے ایک ثقہ عالم اور بے لاگ مستند مؤرخ ملا عبد القادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۱۰ھ) نے ان دنوں جو کچھ دیکھا تھا اسے حلفیہ شہادت کے بعد اپنی کتاب منتخب التواریخ میں جمع کر دیا ہے جسے حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب {مجدد الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ} میں سمو دیا ہے جناب ملا عبد القادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "سلف (یعنی علماء اسلام) کی بے حرمتی اور گستاخیوں کی اس جرات نے بڑھتے بڑھتے سب سے افضل اور مقدس ترین جماعت صحابہ کرام (جن پر پورے دین کی عمارت کھڑی ہے) کو بھی آگھیرا ان کی عظمت و حرمت دلوں سے نکالی جانے لگی خاص طور سے خلفائے ثلاثہ (یعنی حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان) کی شان میں ایسی ایسی باتیں نکلنے لگیں جن کو زبان پر بھی نہیں لایا جا سکتا اب خاکم بدہن شان رسالت (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیمات) کی باری تھی حریم قدس نبوت پر دست اندازی سے پہلے ضروری تھا کہ ان کے لائے ہوئے دینی احکام و تعلیمات اور اسلام کے اساسی ارکان و عبادات تک کو رفتار زمانہ سے بے جوڑ۔ نامناسب اور فرسودہ قرار دیا جائے اور اس طرح بالواسطہ اسلامی تعلیمات

وشعائر (جس میں صحابہ کرام بھی ہیں) سے کٹ کر امت مسلمہ کا جوڑ اس کے لائے ہوئے پیغمبر سے بھی کٹ جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام ائمہ دین اور سلف صالحین کی اتباع کو شخصیت پروری قرار دینے کے بعد اسلام کے سارے اثاثہ پر یہ کہہ کر ہاتھ صاف کرایا گیا کہ العیاذ باللہ ملت کا سارا سرمایہ نامعقول ہے اور اس کے بنانے والے مفلس بدو تھے جو معاذ اللہ سب کے سب مفسد تھے۔" (منتخب التواریخ۔ ماخوذ از ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک پاکستان اپریل ۱۹۶۷۔ مقالہ نگار مولانا سمیع الحق صاحب)

جلال الدین اکبر کے اس طوفان بدتمیزی کے خلاف پھر کون اٹھے؟ کس نے پوری جرات کے ساتھ صحابہ کرام کی عزت وعظمت کا دفاع کس نے کیا؟ یہ تھے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۴ھ)۔ مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ کھڑے ہی اس لئے کئے گئے تھے کہ اس قسم کے تمام فتنوں اور گمراہیوں کا قلع قمع کر کے دین کو پھر سے تروتازہ اور ملت کو از سر نو زندہ کریں اس لئے اس فتنہ تشیع کے استیصال کی طرف بھی آپ نے خاص توجہ فرمائی... مشہد کے بعض شیعی علماء نے ماوراء النہر کے سنی علماء کے ایک رسالہ کے جواب میں ایک ہی پر فریب اور سراپا تزویر رسالہ لکھا جس کا حاصل خود مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لفظوں میں "حضرات خلفائے ثلثہ کی تکفیر اور حضرت عائشہ کی مذمت و تشنیع تھی"... اس رسالہ کو ہندوستان کے شیعوں نے خوب پھیلایا اور خصوصا امراء وحکام اور ارکان سلطنت کی مجالس میں اس کو خوب شہرت دی گئی یہاں تک کہ ہر طرف اور ہر جگہ اسی کا چرچا رہنے لگا۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے تو خاص خاص مجلسوں اور عام مجمعوں میں اس کا رد کیا پھر اس کے بعد ایک مستقل رسالہ اس کے جواب میں لکھ کر شائع کیا اس رسالہ کی اہمیت کا اندازہ بس اسی سے ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر امام نے اس کی شرح لکھی ہے۔

(تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۱۷۶)

سو اس امت پر کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں مجتہدین مفسرین محدثین متکلمین فقہاء اور صوفیہ کرام نے صحابہ کی عظمت کے جھنڈے پوری قوت سے نہ لہرائے ہوں اور صحابہ بالخصوص خلفائے راشدین، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت خالد بن ولید، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابوہریرہ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، ام المؤمنین حضرت حفصہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کئے گئے اعتراضات اور شبہات کے مفصل مدلل جواب نہ دئے ہوں ان حضرات نے نہ صرف یہ کہ اس عظمت صحابہ کے گھر کی حفاظت فرمائی بلکہ اس گھر کے دروازے کے گرد پوری ذمہ داری کے ساتھ پہرے دئے تاکہ کوئی بدبخت اس کو توڑنا تو درکنار کمزور کرنے کی بھی جرات نہ کرے۔ فجزاهم الله احسن الجزاء

علامہ یوسف بن عبدالرحمن المزی رحمۃ اللہ علیہ (۷۴۲ھ) نقل کرتے ہیں کہ محدث امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی رحمۃ اللہ علیہ (۳۰۳ھ) سے حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا جس طرح گھر کا ایک دروازہ ہوتا ہے اسلام کا دروازہ صحابہ کرام ہیں پس جو شخص صحابہ کرام کو اپنے طعن و تشنیع کا نشانہ بناتا ہے وہ حقیقت میں اسلام کو نشانہ طعن بنارہا ہے صحابہ تو صرف بہانہ ہیں اصل نشانہ اسلام اور پیغمبر اسلام ہیں۔ (معاذ اللہ)

انما الاسلام كدار لها باب فباب الاسلام الصحابة فمن اذى الصحابة انما اراد الاسلام كمن نقر الباب انما يريد دخول الدار (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج۱ ص۳۳۹ش)

علامہ محمد بن مکرم ابن منظور الانصاری الافریقی رحمۃ اللہ علیہ (۷۱۱ھ) اس سے آگے یہ بھی لکھتے ہیں کہ جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتا ہے وہ درحقیقت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر ہرزہ سرائی کرتا ہے:

فمن أراد معاوية فانما أراد الصحابة

(تاریخ ابن عساکر لابن منظور ج۳ ص۱۰۳ش)

جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نشانہ طعن بناتا ہے وہ درحقیقت تمام صحابہ پر طعن کرنا چاہتا ہے۔

امام بخاری اور امام ابو داؤد کے شیخ محدث ربیع بن نافع حلبی رحمۃ اللہ علیہ (۲۴۱ھ) کہتے ہیں:

معاوية ستر لاصحاب محمد رحمۃ اللہ علیہ فإذا كشف الرجل الستر اجتراء على ما ورائه (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۳۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لئے پردہ ہیں پس جب کوئی شخص پردے کو اٹھاتا ہے تو جو کچھ اس کے پیچھے ہے اس پر جرات کرتا ہے۔

امام مسلم کے استاذ حدیث امام ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ (۲۶۰ھ) نے کس طرح صحابہ کی عظمت کے جھنڈے اٹھائے ہیں اسے دیکھئے:

"إذا رأيت الرجل ينقص أحدا من اصحاب الرسول فاعلم انه زنديق وذلك لان الرسول حق والقرآن حق وما جاء به الرسول حق وما ادى الينا ذلک كله الا الصحابة وهؤلاء يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم اولى وهم زنادقة" (الاصابہ ج۱ ص۱۰۔ الکفایہ ص۴۹)

جب تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی تنقیص کرتا ہو تو جان لو کہ وہ زندیق ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں قرآن حق ہے حضور اکی تعلیمات برحق ہیں اور یہ سب کچھ ہم تک صحابہ کے ذریعہ ہی پہنچا ہے یہ زندیق چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو ناقابل اعتبار قرار دے کر کتاب وسنت کو بے کار بنادیں جبکہ جرح کے لائق تو خود یہ زنادقہ ہیں۔ (ج۱ ص۶۰)

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب ہارون رشید کے سامنے زندیقوں کا سردار شاکر لایا گیا تاکہ اس گردن اڑادی جائے تو ہارون رشید نے اس سے پوچھا کہ تم اپنے طلبہ کو سب سے پہلے رافضی عقائد اور انکار تقدیر کی کیوں تعلیم دیتے ہو اس نے جواب دیا کہ ہم سب سے پہلے رفض (یعنی صحابہ کی تکفیر اور ان سے بدگمانی) کی تعلیم اس لئے دیتے ہیں کہ ناقلین مذہب کو مطعون کر دیا جائے جب ناقلین مذہب (یعنی صحابہ کرام) ناقابل اعتماد بن جائیں گے تو دین خود بخود باطل ہو جائے گا اور ہم انکار تقدیر اس لئے سکھاتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ بندوں کے بعض افعال اللہ کی تقدیر

سے خارج ہیں تو اس سے کل افعال کے خارج ہونے کا جواز پیدا ہو سکتا ہے

قال أما قولنا بالرفض فإنا نريد الطعن على الناقلة فإذا بطلت الناقلة أو شك أن نبطل المنقول الخ (تاریخ بغداد ج۵ ص۵۰۴ ش)

علامہ عزالدین ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ (۶۳۰ھ) لکھتے ہیں

فَإِنَّ الطَّعْنَ فِيهِمْ طَعْنٌ فِي الشَّرِيعَةِ (الکامل ج۶ ص۵۸۲)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

اما الرافضة فيطعنون فى الصحابة ونقلهم وباطن أمرهم الطعن فى الرسالة (منہاج السنۃ ج۳ ص۴۶۳)

روافض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور ان سے روایات نقل کرنے والے علماء پر طعن کرتے ہیں اس سے مقصود باطنی طور پر رسالت محمدی پر طعنہ زنی کرنی ہوتی ہے۔ (منہاج السنۃ ج۱ ص۲۸۲)

علامہ زین العابدین بن یوسف الکورانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۶۶ھ) نے اپنی مایہ ناز کتاب {الیمانیات المسلولة على الرافضة المخذولة} میں بھی یہ بیان دیا ہے (دیکھئے ص۳۰۰)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۵۲ھ) تو حضرت معاویہ، حضرت عمرو اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہم کو اسلام اور سنت کی سرحد قرار دیتے ہیں سو جو شخص ان بزرگوں کی بے حرمتی کرتا ہے اور ان پر اپنی زبان دراز کرتا ہے وہ درحقیقت اسلام کی سرحد سے باہر نکل جاتا ہے آپ مشاجرات صحابہ پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وبالجملہ سرحد در اسلام وسنت بامعاویہ وعمرو بن العاص ومغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم وامثال ایشاں است ہر کہ براہ اتباع مشائخ سنت ردو گو زبان را از سب ولعن ایشاں بر بند (تکمیل الایمان حاشیہ نبراس ص۵۵۰)

حاصل کلام یہ کہ اسلام اور سنت کی سرحد حضرت معاویہ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت مغیرہ اور ان جیسے بزرگوں سے قائم ہے جو شخص بزرگان دین کے نقش قدم پر چل رہا ہے اسے کہو کہ ان حضرات کی بد گوئی اور ان پر

لعن طعن سے اپنی زبان بند رکھو۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے قابل احترام صحابہ کرام میں سے کسی ایک پر بھی طعن کیا جائے تو یہ طنز و طعن صرف ایک پر نہیں ہے صحابہ کرام کی پوری جماعت کو مطعون کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ وہی کرتا ہے جو بد باطن ہوتا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۲۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ ایسا آدمی رافضی اور بد باطن نہیں تو اور کیا ہے اس کے اندر غلاظت بھری ہوئی ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو برا کہتا اور ان پر طعن کرتا ہے تو کیا اسے رافضی کہا جائے گا؟ اس پر آپ نے فرمایا:

فقال انه لم تجترء عليهما الا وله خبيئة سوء ما انتقص احد احدا من الصحابة الا وله داخلة سوء (البدایہ ج۸ ص۱۳۹)

ان دونوں حضرات پر طعن کی وہی جرات کرے گا جس کی اندرونی حالت بری ہو گی جو شخص صحابہ میں سے کسی پر طعن کرے گا وہ ضرور باطن میں برا ہو گا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (۲۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

إذا رأيت رجلا يذكر أحدا من الصحابة بسوء فاتهمه على الاسلام (البدایہ ج۸ ص۱۳۹)

جب تم کسی کو کسی ایک صحابی کو بھی برائی سے یاد کرتا دیکھو تو اس کے اسلام کو متہم جانو۔

حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ (۳۳۴ھ) تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ:

ما آمن برسول الله من لم يؤقر اصحابه

(مکتوبات مجدد الف ثانی نمبر ۶۷ ص ۲۵۱)

جس نے حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کی توقیر و تعظیم نہیں کی وہ گویا حضور ﷺ پر ایمان ہی نہیں لایا۔

امام ابو محمد حسن بن علی البر بہاری رحمۃ اللہ علیہ (۳۲۷ھ) فرماتے ہیں کہ

واعلم أنه من تناول أحدا من أصحاب رَسُول اللَّهِ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – فاعلم أنه أراد محمدا – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – وقد آذاه فِي قبره (طبقات الحنابلہ ج ۲ ص ۳۷)

یہ بات اچھی طرح جان لو کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی ایک بھی تنقیص و تحقیر کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ دراصل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص وتوہین کا ارادہ کرتا ہے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر میں تکلیف پہنچاتا ہے۔

حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۰۳ھ) (سابق شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند اور سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (انڈیا) صحابہ کرام کی عدالت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عدالت صحابہ اسلام کے لئے اساس کی حیثیت رکھتا ہے ہم تک حضرت حق جل مجدہ کی طرف سے اسلام پہنچنے میں صرف دو انسانی واسطے ہیں (۱) حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام (۲) حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم... دین حق کو اللہ جل مجدہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا اور بتوسط صحابہ تمام امت اور تمام انسانوں کو پہنچایا اگر ابلاغ وروایت دین حق کی یہ دو کڑیاں مشکوک و مخدوش یا ناقابل اعتماد ہوں تو دین کی پوری عمارت دھڑام سے گر جائے گی اس لئے بقاء دین کے لئے خاتم الانبیاء علیہ السلام کی عصمت اور حضرات صحابہ کرام کی عدالت ضروری ہے کہ یہی عقیدہ قطعیت دین کا سنگ بنیاد ہے۔"

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الجبار اعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں:

"شیعہ کہتے ہیں کہ اکثر صحابہ کا اسلام منافقانہ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بجز تین چار کے سب مرتد ہو گئے تھے... افسوس کہ صحابہ کرام کی عداوت میں روافض یہ بھی نہیں سوچتے کہ ان حضرات کو منافق یا مرتد تسلیم کر لینے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت اور قرآن کا کلام الٰہی ہونا بھی دشوار ہو جائے گا یہی وہ حضرات ہیں جن کے ذریعہ سے ہمیں قرآن ملا اور حضور اکرم

ﷺ کی نبوت کے عینی شاہد یہی ہیں جب یہی منافق و مرتد ہوئے تو ان کی نقل کا کیا اعتبار نیز صحابہ کرام کے متعلق یہ خیال رکھنا قرآن و نبوت کی توہین ہے مشہور قول کی بناء پر حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ موجود تھے آپ کی وفات کے بعد العیاذ باللہ تین چار کے علاوہ سب مرتد ہوگئے ان چار میں بھی صرف ایک کامل الایمان ہوں۔ کسی استاد کی اس سے زیادہ کیا توہین ہو سکتی ہے شیعوں کے اقوال سے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں عداوت قرآن اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور ختم نبوت سے ہے العیاذ باللہ"

(امداد الباری شرح صحیح بخاری ج ا ص ۵۸)

اس وقت ہمارا مقصد چودہ سو سال کے ائمہ عظام اور محدثین کرام کے ان بیانات کا احاطہ کرنا نہیں ہے کہ جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسلام و ایمان ان کے اخلاق و کردار اور ان کی امانت و دیانت پر حملہ کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو بھی طنز و طعن اور سب و شتم کا نشانہ بناتے ہیں خود ان کا اسلام مشکوک ہے۔ اہل اسلام کو اپنے اکابر سلف سے بدگمان کرنے والا کس طرح اہل سنت مسلمانوں کا خیر خواہ سمجھا جاسکتا ہے جو شخص تاریخ کی بے سروپا اور بے بنیاد روایات سے صحابہ کرام کو مجروح بناتا ہے وہ انہی روایات کی بنیاد پر قرآن کو بھی یہ کہہ کر اختلاف کی نذر کر سکتا ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھوں سے ہمیں یہ قرآن ملا ہے جب وہ خود ظالم خائن قاتل اور منافق تھے (معاذ اللہ) تو یہ قرآن ان کے ہاتھوں تحریف سے کیسے بچ سکتا ہے اور کیا گارنٹی ہے کہ یہ قرآن ہم تک محفوظ ہاتھوں سے پہنچا ہے۔ کیا اسی راہ سے اثنا عشری علماء اس قرآن کی تحریف کے قائل اور مدعی نہیں؟ اور کیا اسی قرآن کو اب اختلافی بتانے کی کوشش نہیں ہو رہی؟

لکھنؤ کے جناب سلمان ندوی نے اپنے رسالہ {ازالہ کا ازالہ} میں نہ صرف یہ کہ اجلہ صحابہ کرام کی کردار کشی اور ان پر ہرزہ سرائی کی ہے بلکہ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام بھی موصوف کے طعن کا نشانہ بنے ہیں اور اندیشہ ہے کہ پورے دین سے ناواقف مسلمان جن کے دلوں میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت معاویہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت ابو عبیدہ بن جراح، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی عزت

وعظمت اور محبت وعقیدت موجود ہے وہ موصوف کی یہ تحریر پڑھ کر اجلہ صحابہ ہی نہیں اسلام سے ہی کہیں بدگمان نہ ہو جائیں اس لئے مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوا کہ موصوف کے رسالہ کا تنقیدی مطالعہ کیا جائے اور بتلایا جائے کہ موصوف حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی محبت اور اہل بیت نبوی کی مودت کی آڑ میں صحابہ کرام پر الزام تراشی بہتان بازی اور ان کی کردار کشی بلکہ ان کے ایمان ہی پر انگلی اٹھا کر ٹھیک اسی شرمناک ڈگر پر چلے ہیں جس پر اثنا عشری ملا اور ان کے ذاکر چلتے آئے ہیں اور اہل علم وخبر جانتے ہیں کہ جھوٹ دجل مغالطہ خیانت اور کتربیونیت کے بغیر کوئی شخص اس ڈگر پر نہیں چل سکتا اور یہی کچھ جناب سلمان ندوی نے کیا ہے اور ہم نے اس کتاب کے کئی مقامات پر اس کی نشاندہی بھی کی ہے۔

راقم الحروف ان تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں سے درخواست کرتا ہے جنہوں نے لکھنؤ کے جناب سلمان ندوی کا رسالہ ازالہ کا ازالہ پڑھ کر یہ سمجھ لیا کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب سچ اور درست ہے تو یاد رکھئے ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اور اگر موصوف کے شبابوں کے نزدیک یہ سب کچھ سچ اور درست ہے اس میں کوئی دجل اور جھوٹ نہیں تو پھر وہ اس بات کا بھی ببانگ دہل اعلان کریں کہ اللہ کے قرآن اور نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن صحابہ کرام کے ایمان واخلاص اور ان کے تقوی وطہارت کی گواہی دی ان کے کاموں کی تعریف کی ان کی جانی اور مالی قربانیوں کو سراہا ان کو راشدون کہا ان پر اپنی رضا اتاری اور ان سب کا مغفور اور جنتی ہونا بتایا اور بعد میں آنے والوں کے لئے ان کو معیار قرار دیا وہ کوئی اور ہی مخلوق تھی۔ ان میں نہ ابو بکر تھے نہ عمر نہ عثمان تھے نہ معاویہ نہ عمرو بن العاص تھے نہ مغیرہ بن شعبہ نہ خالد بن ولید تھے نہ ابوہریرہ (رضی اللہ عنہم اجمعین بلکہ یہ صرف تین چار آدمیوں پر مشتمل ایک جماعت تھی۔ اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ شب وروز کی محنت ومشقت اور آپ کی جدوجہد کا نتیجہ یہ صرف تین چار پانچ حضرات تھے۔

اور اگر ایسا نہیں ہے اور یقینا نہیں ہے تو پھر آپ خود بھی اجلہ صحابہ کرام کی اہانت پر مشتمل رسائل کو نشر کرنے اور ان کو بدنام کرنے سے باز آئیں اور اپنے ممدوح جناب سلمان ندوی کو بھی

صحابہ کرام کی عزتوں سے کھلواڑ کرنے سے روکیں۔اس لئے کہ صحابہ کرام تو جنت میں اپنے خیمے لگا چکے ہیں اور ان کا خدا ان سے راضی ہو چکا ہے اور اس کی خبر بھی دے چکا مگر آپ لوگ کہیں ان کی عزت سے کھیلنے کے جرم میں اپنی آخرت اور جنت خراب نہ کر بیٹھیں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ راقم الحروف کی اس خدمت کو اپنے حضور شرف قبولیت عطا فرمائے اور اسے اس کے والدین اس کے اہل وعیال بالخصوص حضرت الاستاد علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مد ظلہم العالی کے لئے دنیا اور آخرت میں وسیلہ نجات اور سبب رضا بنائے اور جو لوگ جناب سلمان ندوی اور اس قبیل کے لوگوں کی تقریر و تحریر کے سبب خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ سے بد ظن ہوئے ہیں ان کو توبہ کرنے اور بد ظنی دور کرنے کی توفیق دے اور پھر سے ان کے دلوں میں صحابہ کرام کی محبت وعقیدت اور عزت وعظمت اسی طرح راسخ کر دے جس طرح قرآن نے بتائی ہے اور حضور نبی کریم ﷺ نے ان سے رکھنے اور کرنے کی تعلیم وہدایت اور نصیحت ووصیت فرمائی ہے۔

محمد اقبال رنگونی عفا اللہ عنہ

۲۲ جنوری ۲۰۱۹

جب امت کو مل چکی حق کی نعمت	ادا کر چکے فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت	نبیؐ نے کیا خلق سے قصد رحلت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی	کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی
سب اسلام کے حکم بردار بندے	سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبی کے وفادار بندے	یتیموں کے رانڈوں کے غم خوار بندے
رہ کفر وباطل سے بیزار سارے	نشے میں مئے حق کے سرشار سارے
جہالت کی رسمیں مٹادینے والے	کہانت کی بنیاد ڈھادینے والے
سر احکام دیں پر جھکادینے والے	خدا کے لئے گھر لٹادینے والے
ہر آفت میں ہمیشہ سینہ سپر کرنے والے	فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کا اکرام واحترام

صحابہ کرام کی محبت وسیلہ نجات ہے اور ان کا ذکر ذخیرہ آخرت ہے

از قلم... امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی..... أَمَّا بَعْدُ!

حق تعالی نے اپنی آخری کتاب اور آخری شریعت کا محافظ اور نگہبان اور اس کا مبلغ ومعلم جن حضرات کو بنایا ان کو اہل اسلام "صحابہ کرام" کہتے ہیں۔

سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہادی وپیشوا بن کر ملک عرب میں تشریف لائے اور ۲۳ برس اس خاکدان فانی میں قیام فرمایا اور اپنے فرائض کو باحسن وجوہ پورا کرنے کرکے عالم جاودانی کو تشریف لے گئے آپ کے بعد تمام عالم میں اسلام کی تبلیغ کرنے والے اور ساری دنیا میں اس بات کی شہادت دینے والے کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور اپنے کانوں سے ان کی اعلان نبوت کو سنا ہے اور ان کے معجزات ودلائل نبوت کا ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے اور ہم نے خود انہی سے تعلیم پائی ہے وہ صحابہ کرام ہی تھے۔

خداوند کریم نے بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کمالات بنایا اور بہت سے کمالات آپ کو ایسے عطا فرمائے کہ آپ سے پہلے کسی کو نہیں ملے منجملہ ان مخصوص کمالات کے ایک نمایاں کمال آپ کو سرعت تاثیر کا عطا فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کام آپ سے ۲۳ برس میں انجام کو پہنچا۔ انبیاء سابقین سے اس سے دونی چوگنی مدت میں بھی نہ ہو سکا حضرت نوح علیہ السلام کی ۹۵۰ برس کی محنت کا نتیجہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ {وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ} اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ برس کی کوشش کا نتیجہ یوں بیان فرمایا گیا {وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا} یہی وجہ ہے کہ جو کثرت آپ کے اصحاب کو ہے اور جیسے کمالات ان میں ہیں یہ

بات اور کہیں نہیں مل سکتی غزوہ بدر میں آنحضرت ﷺ ہمراہ تین سو چودہ صحابی تھے اور حدیبیہ میں پندرہ سو فتح مکہ میں دس ہزار حنین میں بارہ ہزار حجۃ الوداع میں چالیس ہزار غزوہ تبوک میں ستر ہزار اور بوقت وفات ایک لاکھ ۲۴ ہزار (دیکھو مجمع بحار الانوار)

دین اسلام میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا مرتبہ بہت بڑا ہے ان کا تقوی و تقدس ان کے فضائل و کمالات مابعد والوں کو نصیب نہیں ہو سکتے کوئی بڑے سے بڑا ولی کسی ادنی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پا سکتا صحابہ کرام کی محبت وسیلہ نجات ہے اور ان کا ذکر ذخیرہ آخرت ہے۔

فطرت انسانیہ کا ایک ممتاز خاصہ ہے کہ اخلاف اپنے اسلاف کی عزت کریں اور اسلاف کے کارناموں کو زندہ رکھیں اسی فطرت کی مطابق ہر امت نے اپنے نبی کے اصحابؓ کا احترام مذہب کا اہم ترین فریضہ قرار دیا آج جس عیسائی سے چاہو پوچھ کر دیکھ لو وہ حضرت عیسی علیہ السلام کے حواریوں کی کس قدر عزت کرتا ہے علی ھذا یہودیوں کو دیکھو کہ وہ اصحاب موسی کو کس قدر مانتے ہیں اور ان کی فضیلت کا کیسا راسخ اعتقاد رکھتے ہیں۔

اہل اسلام بھی اسی فطرت کے مطابق صحابہ کرام کو افضل امت مانتے ہیں علاوہ اس تقاضائے فطرت کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت اور ان کی تقدس وطہارت کے متعلق حسب ذیل عقلی و نقلی دلائل بھی ہیں جو ہر کلمہ گو کو صحابہ رضی اللہ عنہم کا معتقد ماننے کے لئے کافی ہیں یہاں ہم بنظر اختصار چند دلائل کو درج کرتے ہیں۔

قرآن مجید کو دیکھئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کی متعلق ایسی آیتیں آپ کو ملیں گی جن کے بعد کوئی مسلمان صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کے فضائل کا انکار نہیں کر سکتا اس وقت ان سب آیتوں کو تو نہیں لکھا جا سکتا البتہ ان کے مضامین کی نوعیت بطور مثال بیان کی جاتی ہے۔

کچھ آیتیں وہ ہیں جن میں مطلقا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل کا بیان ہے مثلا فرمایا اللہ تعالی نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں رچا دیا ہے اور کفر و فسق اور نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا ہے (سورۃ الحجرات) یہ صفات جن کی ہوں ان کے کمال ایمان اور مقدس و متقی ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے اور مثلا یہ آیت کہ اللہ تعالی نے صفت تقوی کو ان کے

لئے لازم کر دیا ہے کہ اب وہ ان سے جدا نہیں ہو سکتی اور وہ اس انعام کے سب سے زیادہ مستحق اور اہل تھے (سورہ الفتح) کچھ آیتیں وہ ہیں جن میں خاص مہاجرین وانصار کے فضائل کا بیان ہے مثلاً فرمایا وہ مہاجرین وانصار جنہوں نے سب سے پہلے اس کام میں سبقت کی اور نیز وہ لوگ جو نیکی میں ان کے پیرو ہیں اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ باغوں میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے (سورہ توبہ) کچھ آیتیں وہ ہیں جن میں خلفائے راشدینؓ کے خلیفہ برحق ہونے کا بیان ہے مثلاً آیت استخلاف جس میں حق تعالیٰ نے نزول آیت کے وقت جو مومنین موجود تھے ان کو مخاطب کر کے خلافت اور تمکین دین اور تبدیل خوف بامن کا وعدہ فرمایا ہے (سورہ النور) اور سب مانتے ہیں کہ اس وقت کے مسلمانوں میں یہ تینوں چیزیں سو حضرات خلفاء ثلثہ کے کسی میں نہ تھیں اور آیت تمکین جس میں حق تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مہاجرین میں سے جس کو بھی زمین کی تمکنت ملے گی وہ نماز قائم کرے گا زکوۃ دے گا ہماری مرضیات کا حکم دے گا اور ہماری نامرضیات سے روکے گا ان دونوں آیتوں کی مستقل تفسیریں شائع ہو چکی ہیں ان کو دیکھ کر پورا استدلال معلوم ہو سکتا ہے۔ ان آیات قرآنیہ کے بعد احادیث نبویہ کو دیکھو تو ایک سے ایک بڑا دفتر ہے المختصر یہ عقلی و نقلی دلائل ہیں جو اہل اسلام کو بلکہ بعض دلائل غیر مسلمین کو بھی صحابہ کے متعلق اعلیٰ ترین اعتقاد پر مجبور کرتے ہیں.....

(ماخوذ از ماہنامہ انوار مدینہ لاہور نومبر دسمبر ۱۹۷۰ء)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ

جب تک قرآن رہے گا امت میں صحابہ کا چرچا اور ان پر تفوق رہے گا

از قلم... حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی..... أَمَّا بَعْدُ!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مقدس ترین طبقہ نبی کے بلاواسطہ فیض یافتہ اور تربیت یافتہ لوگوں کا ہے جن کا اصطلاحی لقب صحابہ کرام ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ خدا اور اس کی رسول نے من حیث الطبقہ اگر کسی گروہ کی تقدیس کی ہے تو وہ صرف حضرات صحابہ کا طبقہ ہے ان کے سوا کسی طبقہ کو من حیث الطبقہ مقدس نہیں فرمایا کہ طبقہ کے طبقہ کی تقدیس کی ہو مگر اس پورے کے پورے طبقہ کو راشد و مرشد راضی و مرضی تقی القلب پاک باطن مستمر الطاعت محسن و صادق اور موعود بالجنۃ فرمایا پھر ان کی عمومی مقبولیت و شہرت کو کسی خاص قرن اور دور کے ساتھ مخصوص اور محدود نہیں رکھا بلکہ عمومی گردانا کتب سابقہ میں ان کے تذکروں کی خبر دے کر بتلایا کہ وہ اگلوں میں بھی جانے پہچانے لوگ تھے اور قرآن کریم میں ان کے مدائح و مناقب کا ذکر کر کے بتلایا کہ وہ پچھلوں میں بھی جانے پہچانے ہیں اور قیامت تک رہیں گے جب تک قرآن کریم رہے گا زبانوں پر دلوں میں ہر وقت کی تلاوت میں پنج وقتہ نمازوں میں خطبات و موعظت میں مسجدوں میں اور معبدوں میں مدرسوں اور خانقاہوں میں خلوتوں اور جلوتوں میں غرض جہان بھی اور جب بھی اور جس نوعیت سے بھی قرآن کریم پڑھا جاتا رہے گا وہیں ان کا چرچا اور امت پر ان کا تفوق نمایاں ہوتا رہے گا پس بلحاظ مدح و ثناء وہ امت میں یکتا و بے نظیر ہیں جن کی انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد اول و آخر کوئی نظیر نہیں ملتی مگر علماء دیوبند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس مسلک میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بات عرض کیا گیا رشتہ اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور کسی گوشہ سے بھی اس میں افراط و تفریط اور غلو آنے نہیں دیا۔ مثلاً وہ عظمت و جلالت کے معیار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

میں تفریق کے قائل نہیں کہ کسی کو لائق محبت سمجھیں اور کسی کو معاذ اللہ لائق عداوت سمجھیں کسی کی مدح میں رطب اللسان ہوں اور عیاذا باللہ کسی کی مذمت میں یا تو انہیں سب وشتم اور قتل وغارت کرنے پر اتر آئیں اور ان کا خون بہانے میں بھی کسی نہ چھوڑیں اور پھر ان میں سے بعض کو نبوت سے بھی اونچا مقام دینے پر آجائیں انہیں معصوم سمجھنے لگیں حتی کہ ان میں بعض میں حلول خداوندی ماننے لگیں۔

علماء دیوبند کے مسلک پر یہ سب حضرات مقدسین تقدس کے انتہائی مقام پر ہیں مگر نبی یا خدا نہیں بلکہ بشریت کی صفات سے متصف لوازم بشریت اور ضروریات بشری کے پابند ہیں مگر عام بشر کی سطح سے بالاتر کچھ غیر معمولی امتیازات بھی رکھتے ہیں جو عام تو بجائے خود بیں امت کے اولیاء کرام بھی ان مقامات تک نہیں پہنچ سکے یہی وہ نقطہ اعتدال ہے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں علماء دیوبند نے اختیار کیا ہوا ہے ان کے نزدیک تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرف صحابیت اور صحابیت کی برگزیدگی میں یکساں ہیں اس لئے محبت وعظمت میں بھی یکساں ہیں تاہم ان میں باہم فرق مراتب بھی ہے لیکن یہ فرق چونکہ نفس صحابیت کا فرق نہیں اس لئے اس سے نفس صحابیت کی محبت وعقیدت میں بھی فرق نہیں پڑ سکتا۔ پس اس مسلک میں الصحابة کلهم عدول (صحابہ سب کے سب عادل تھے) کا اصول کارفرما ہے جو اس دائرہ میں اہل سنت والجماعت کے مسلک کا جو بعینہ مسلک علماء دیوبند ہے اولین سنگ بنیاد ہے۔

اسی طرح علماء دیوبند ان کی اس عمومی عظمت وجلال کی وجہ سے جو انہیں بلا استثناء نجوم ہدایت مانتے ہیں اور یہ کہ بعد والوں کی نجات ان ہی کے علمی وعمل اتباع کے دائرہ میں محدود ہے لیکن انہیں شارع تسلیم نہیں کرتے کہ حق تشریع ان کے لئے ماننے لگیں اور یہ کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جسے چاہیں حرام بنادیں ورنہ نبوت اور صحابیت میں فرق باقی نہیں رہ سکتا پس وہ امتی تھے مگر امت کے مخلص ترین جانثار خادم تھے جن کی بدولت دین اپنے پیروں پر کھڑا ہوا اور اس نے دنیا میں قدم جمائے اس لئے وہ سب کے سب مجموعی طور پر مخدوم العالم اور خیر الخلائق

بعد الانبیاء ہیں ہاں مگر یہ حضرات اس مسلک کی رو سے گو شارع تو نہ تھے مگر فانی فی الشریعۃ تھے شریعت ان کا اوڑھنا بچھونا بن گئی تھی اور وہ اس میں گم ہو کر اس کے درجہ کمال پر آ گئے تھے جو مدار اطاعت ہوتا ہے اس لئے علماء دیوبند انہیں شریعت کے بارہ میں العیاذ باللہ خائن متساہل یا بد نیت یا حب جاہ و جلال کا اسیر کہنے کی معصیت میں مبتلا نہیں ان کے نزدیک یہ سب مقدسین دین کی روایت کے راوی اول دینی درایت کے مبصر اول دینی مفہومات کے فہیم اول اور پوری امت کے مربی اول حسب فرمودہ نبوی امت کے حق و باطل تھے جن کی رو سے فرقوں کے حق و باطل کا سراغ لگایا جاسکتا ہے اگر ان کی محبت و عظمت دل میں ہے اور بلا استثناء ہے تو وہ فرقہ حقہ کا فرد ہے اور اگر ذرا بھی ان کی عظمت و عقیدت میں کمی یا دل میں ان کی نسبت سے سوء ظن ہے تو اسی نسبت سے وہ فرقہ ناجیہ سے الگ ہے پس حق و باطل کے پرکھنے کی پہلی کسوٹی ان کی محبت و عظمت اور ان کی دیانت اور تقوی باطن کا اعتراف اور ان کی نسبت قلبی اذعان و اعتماد ہے اس لئے جو فرقہ بھی بلا استثناء انہیں عدول و متقن مانتا ہے وہی حسب ارشاد نبوی فرقہ حقہ ہے اور وہ الحمدللہ اہل سنت والجماعت ہیں اور جو ان کے بارہ میں بد گمانی یا بد زبانی کا شکار ہے تو وہی حقانیت سے ہٹا ہوا ہے اس لئے شریعت کے باب میں ان کے بارے میں کسی ادنی دخل و فصل کا توہم پورے دین پر سے اعتماد اٹھا دیتا ہے اگر وہ بھی معاذ اللہ دین کے بارے میں ادھر ادھر ہٹے ہوئے تھے تو بعد والوں کے لئے راہ مستقیم پر ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور پوری امت اول سے آخر تک ناقابل اعتبار ہو کر رہ جاتی ہے اس لئے حسب مسلک علماء دیوبند جہاں وہ منفرداً اپنی اپنی ذوات کے لحاظ سے تقی و نقی اور صفی و دنی ہیں وہیں بحیثیت مجموعی امت کی نجات بھی ان ہی کے اتباع میں منحصر ہے اور وہ بحیثیت قرن خیر من حیث الطبقہ پوری امت کے لئے نبی کے قائم مقام اور معیار حق تھے پس جیسے نبوت کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے ایسے ہی ان کے اجماع کا منکر بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے حتی کہ ان کا تعامل بھی بعض ائمہ ہدایت کے یہاں شرعی حجت تسلیم کیا گیا ہے اس

لئے جذباتی رنگ سے انہیں گھٹانا بڑھانا یا چڑھانا اور گرانا جس طرح عقل و نقل قبول نہیں کرتی اسی طرح علماء دیوبند کا جامع عقل و نقل مسلک بھی قبول نہیں کر سکتا علماء دیوبند ان کی غیر معمولی دینی عظمتوں کے پیش نظر انہیں سرتاج اولیاء مانتے ہیں مگر ان کے معصوم ہونے کے قائل نہیں البتہ انہیں محفوظ من اللہ مانتے ہیں جو ولایت کا انتہائی مقام ہے جس میں تقوی کی انتہا بشاشت ایمان جوہر نفس ہو جاتی ہے اور سنت اللہ کے مطابق صدور معصیت عادۃ ناممکن ہو جاتا ہے ذلک اِذا خالط بشاشتہ القلوب اس مقام کے تقاضا سے ان کا تقوی باطن ہمہ وقت ان کے لئے مذکر رہتا تھا پس معصوم نہ ہونے کی وجہ سے ان میں معصیت کا امکان تھا مگر محفوظ من اللہ ہونے کی وجہ سے ان میں معصیت کا صدور اور ذنوب کا اقدام نہ تھا پھر اس طبقہ میں یہ امکانی معصیت کا احتمال بھی بیرونی عوارض یا طبیعت کی حد تک تھا قلبی و دواعی کی حد تک نہ تھا کیونکہ ان کے قلوب کی تطہیر اور ان کے تقوی کے پرکھے پرکھائے ہونے کی شہادت قرآن کریم دے رہا ہے اس لئے اگر عوام صحابہ کرام میں سے کسی سے ابتدائی منزل میں طبقا کوئی لغزش سرزد بھی ہوئی تو جیسا کہ وہ قلبی داعیہ یا گناہ کے کسی ملکہ سے جو دل میں جڑ پکڑے ہوئے ہو سرزد شدہ نہ تھی ایسے ہی اس کا اثر بھی ان کے قلبی ملکات واحوال یا باطنی تقوی تک نہ پہنچ سکتا تھا اس لئے ایسی اتفاق لغزش سے بھی ان کی باطنی بزرگی جس کی خدا تعالی نے شہادت دی ہے مہتم نہیں ٹھہر سکتی۔۔

{ماخوذ از...ماہنامہ الحق۔اکوڑہ خٹک۔نومبر ۱۹۶۵ء}

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) کی تحریرات کی روشنی میں

صحابہ کرام پر جرح و تنقید کی حیثیت

از قلم..... مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی..... اَمَّا بَعْدُ!

حضرت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

"یہ بات تواتر سے عوام وخواص کے نزدیک ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ سے خصوصی تعلق تھا اور ان تینوں حضرات کو آپ کا قرب واختصاص حاصل تھا اور ان تینوں کے آپ کے ساتھ رشتے ہیں دو صحابہ کی صاحبزادیاں آپ ﷺ کے نکاح میں تھیں اور ایک کے نکاح میں آپ کی دو صاحبزادیاں تھیں اور کہیں اس کا ذکر نہیں آتا کہ آپ ان کی مذمت کرتے تھے یا ان پر لعنت کرتے تھے بلکہ معروف یہی ہے کہ آپ ان سے محبت کرتے تھے اور ان کی تعریف فرماتے تھے اب دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ تینوں حضرات آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد ظاہر او باطنا صالح وفادار اور سلیم العقیدہ اور صحیح العمل تھے یا یہ کہ وہ تینوں آپ ﷺ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد استقامت پر نہیں تھے اور (معاذ اللہ) دین سے منحرف تھے دوسری صورت میں اگر اس حالت اور انحراف کے باوجود ان کو آپ کا یہ تقریب حاصل تھا تو دو میں سے ایک بات ماننی پڑے گی یا تو آپ کو ان کے حالات کا علم نہیں تھا یا علم تھا لیکن آپ معاذ اللہ مداہنت کرتے تھے ان دونوں صورتوں میں سے ہر صورت رسول اللہ ﷺ کی شان پر بڑا دھبہ اور بہت اعتراض ہے یہ تو وہی بات ہو گی جو شاعر نے کہی ہے

فان کنت لا تدري فتلك مصيبة
وان کنت تدری فالمصيبة اعظم

اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ کی زندگی تک تو وہ راہ راست پر تھے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت کے خواص اور اکابر اصحاب کے بارے میں بڑا دھوکا اور ناکامی ہوئی ہے جس شخص کو اپنے بعد کی اطلاعیں دی گئی تھیں اور جس نے اپنے بعد ہونے والے واقعات کی خبر دی اس کو اتنی بات نہیں معلوم تھی کہ اس کے اخص خواص اسی طرح منحرف ہو جائیں گے اور احتیاط کا تو یہی تقاضا تھا کہ امت کو آپ اس کی خبر دے جاتے تاکہ وہ غلطی سے کہیں ان کو خلیفہ نہ بنالیں اور جس شخص سے یہ وعدہ کیا گیا کہ اس کا دین تمام ادیان پر غالب ہو گا اس کے اکابر و خواص کیسے مرتد ہو سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی باتوں سے روافض رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر بہت بڑا اعتراض کرتے ہیں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح فرمایا ہے کہ در اصل روافض (اسی طرح وہ لوگ جو عدالت صحابہ کو مجروح کرنا چاہتے ہیں) نے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو مطعون کرنا چاہا تاکہ لوگ کہیں کہ برے آدمی تھے اس لئے ان کے برے ساتھی تھے اگر اچھے آدمی ہوتے تو ان کے ساتھی بھی اچھے ہوتے اس لئے اہل علم کا قول ہے کہ رفض زندقہ کی ایک سازش ہے۔" (منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۲۳)

☆... فضائل صحابہ قطعی اور متواتر ہیں

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت کو اسلام کی ایک اہم بنیاد مانتے ہیں اور ان کو ان کی صداقت اور ثقاہت پر بڑا یقین ہے وہ ان کو اسلام کی تعلیم کا سچا نمونہ اور رسول اللہ ﷺ کی تربیت اور فیض صحبت کا بہترین نتیجہ تسلیم کرتے ہیں ان کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ایسے قطعی اور متواتر ہیں اور قرآن مجید کی ایسی صریح نصوص و آیات سے اور ایسی صحیح احادیث و روایات سے ثابت ہیں کہ وہ کسی تاریخی روایت یا کسی غریب اور شاذ حدیث سے

مشکوک نہیں ہو سکتے وہ لکھتے ہیں:

"جب کتاب و سنت اور نقل متواتر سے صحابہ کرام کے محاسن و فضائل ثابت ہو چکے ہیں تو یہ درست نہیں کہ وہ ایسی منقولات سے رد ہو جائیں جن میں سے بعض منقطع اور بعض محرف ہیں اور بعض ایسی روایات ہیں جن سے ان ثابت شدہ حقائق پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوا کرتا ہم کو کتاب و سنت اور اپنے پیشرؤں کے اجماع اور ان کی مؤید اور متواتر روایات اور عقلی دلائل سے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ صحابہ انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل الخلق تھے اس یقینی اور متواتر چیز پر ان امور کا اثر نہیں پڑ سکتا جو مشکوک و مستبہ ہیں چہ جائے کہ جن کا باطل ہونا ظاہر ہو چکا ہے۔ (منہاج السنۃ ج۳ص۲۰۹)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء علیہم السلام اور حضور اکرم کی طرح معصوم تھے ان سے گناہ کا صدور ہو ہی نہیں سکتا لیکن وہ ضرور اس کے قائل ہیں کہ امت کے تمام لوگوں میں وہ سب سے زیادہ عادل خدا ترس صادق القول امین اور راست باز تھے اگر ان سے غلطیاں یا گناہ ہوئے تو اس کے مقابلہ میں ان سے ایسے اعمال حسنہ اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے والے کام ہوئے جو ان سیئات کا کفارہ بن گئے اور بہر حال ان کے حسنات اور اعمال کا پلہ ان کی تقصیرات پر بھاری ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے بھی گناہوں سے معصوم ہونے کے قائل نہیں چہ جائے کہ خطاء فی الاجتہاد کے بھی قائل نہ ہوں۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

(ترجمہ) اور جو سچی بات لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی پرہیز گار ہیں ان کے لئے جو کچھ وہ چاہیں گے ان کے رب کے پاس موجود ہو گا نیکو کاروں کا یہی بدلہ ہے تا کہ اللہ ان سے وہ برائیاں دور کر دے جو انہوں نے کی تھیں اور اللہ ان کو ان کا اجر دے ان نیک کاموں کے بدلہ میں جو وہ کیا کرتے تھے۔" (سورہ الزمر)

اللہ تعالیٰ دوسری جگہ (سورۃ الاحقاف میں) فرماتے ہیں:

(ترجمہ) یہی وہ لوگ ہیں جن سے ہم وہ نیک عمل قبول کرتے ہیں جو انہوں نے کئے اور جنتیوں میں شامل کرکے ان کے گناہوں سے درگذر کرتے ہیں یہ اس سچے وعدہ کے مطابق ہے جو ان سے کیا گیا تھا

☆... صحابہ کرام کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی

وہ کہتے ہیں کہ ان بشری لغزشوں اور کوتاہیوں کے باوجود جو انسانیت کا لازمہ ہیں مجموعی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ افراد انسانی کا کوئی مجموعہ اور انسانوں کی کوئی نسل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر سیرت و کردار کی نظر نہیں آتی اگر ان کی زندگی میں کہیں کہیں کچھ ہلکے سے دھبے اور داغ نظر آتے ہیں تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے سفید کرتے میں کہیں کچھ تھوڑی سی سیاہی نظر آجائے یہ عیب چینوں کا قصور ہے کہ ان کو اس کپڑے میں سیاہی کا نقطہ تو نظر آیا اور اس کپڑے کی سفیدی نظر نہ آئی۔ دوسری جماعتوں کا تو حال یہ ہے کہ ان کا سارا نامہ اعمال سیاہ نظر آتا ہے کہیں کہیں سفیدی نظر آتی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام اخیار امت ہیں امت محمدی میں کوئی گروہ ایسا نہیں ہے جو ان سے زیادہ ہدایت اور دین حق پر مجتمع اور تفرق واختلاف سے دور ہو ان کی زندگی میں کوئی نقص کی بات بھی نظر آتی ہے تو اگر اس کا کسی دوسری امت کے حالات زندگی سے مقابلہ کیا جائے تو اس کے مقابلہ میں اس کی کوئی حقیقت نہیں معلوم ہوتی غلطی اس شخص کی ہے جس کو سفید کپڑے کی تھوڑی سی سیاہی تو نظر آتی ہے مگر سیاہ کپڑے کی تھوڑی سی سفیدی نظر نہیں آتی یہ بڑی نادانی اور بڑا ظلم ہے اگر ان اکابر کا اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے مقابلہ کیا جائے تو پھر ان کی فوقیت اور ان کی ترجیح ظاہر ہو۔ باقی یہ کہ کوئی شخص اپنے دل میں کوئی خیالی تصویر بنائے یا کوئی معیار تجویز کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہ کیا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ایک شخص اپنے دل میں ایک امام معصوم کا تصور قائم کرلیتا ہے ایک شخص ایک اور ایسے امام کا تصور قائم کرتا ہے جس میں اور معصوم میں کوئی فرق نہیں اگرچہ اس کو صاف صاف معصوم نہیں کہتا اور وہ تجویز کرتا ہے کہ عالم کو یا شیخ کو یا امیر کو یا بادشاہ کو ایسا ہی ہونا چاہئے اور خواہ وہ

کیسا ہی کثیر العلم کیسا ہی دیندار صاحب محاسن ہو اور اس کے ہاتھ سے اللہ تعالی نے کیسے ہی خیر کے کام کرائے ہوں لیکن یہ تجویز کرتا ہے کہ اس کو ایسا کامل العلم ہونا چاہئے کہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو اور وہ کسی بھی مسئلہ میں غلطی نہ کرے وہ بشریت کے لوازم وخصائص سے پاک ہو کبھی اس کو غصہ نہ آتا ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں بلکہ بہت سے لوگ تو ان ائمہ کے متعلق وہ تجویز کرتے جو انبیاء تک کے لئے تجویز نہیں کرتے ہیں۔" (منہاج السنۃ ج ۳ ص ۲۴۲)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس پیر بڑا زور دیتے ہیں کہ جس شخص کی ساری تاریخ پر نظر ہو گی اور اس نے مختلف قوموں اور امتوں اور ملتوں کے حالات پڑے ہوں گے اور مختلف انسانی جماعتوں کا تجربہ کیا ہو گا اس کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ صحابہ کرام سے زیادہ متحد حق کا پیرو فتنہ اور افتراق سے نفور اور نفسانیت و دنیاداری سے دور کوئی جماعت نہیں گزرے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جس شخص نے دنیا کے تمام فرقوں کے حالات اور واقعات کا اہتمام سے مطالعہ کیا ہے اور ان کے حالات کا تتبع کیا ہے وہ جانتا ہے کہ کوئی گروہ ایسا نہیں گزرا جو ہدایت ورشد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ مجتمع اور تفرق واختلاف سے ان سے زیادہ دور ہو ان صحابہ کرام کے متعلق اللہ تعالی نے شہادت دی ہے کہ وہ اس کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں وہ فرماتا ہے تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو"

☆... مسلمانوں میں جو کچھ خیر ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی برکت ہے:

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بالکل صحیح فرماتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کے پاس علم ودین کا جو کچھ سرمایہ ہے خیر وبرکت کا جو کچھ ذخیرہ ہے شعائر اسلام کی بلندی اسلام کی اشاعت عمل خیر کے جو کچھ محرکات اور جو کچھ توفیق خیر ہے اور سچ پوچھئے تو عالم میں اس وقت جو کچھ صلاح وخیر نظر آرہی ہے وہ سب صحابہ کرام کی جانفشانیوں اخلاص علو ہمت ایثار اور قربانیوں کا نتیجہ اور ان کے نفوس قدسیہ کی برکت ونورانیت ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے جوش سے لکھتے ہیں:

واما الخلفاء والصحابة فكل خير فيه المسلمون الى يوم القيامة من الايمان

والاسلام والقرآن والعلم والمعارف والعبادات ودخول الجنة والنجاة من النار وانتصارهم على الكفار وعلو كلمة الله فانما هو ببركة ما فعله الصحابة الذين بلغوا الدين وجاهدوا فی سبيل الله وكل مؤمن آمن بالله فالصحابة رضی الله عنهم عليه فضل الی يوم القيامة وكل خير فيه الشيعة وغيرهم فهو ببركة الصحابة وغير الصحابة تبع لخير الخلفاء الراشدين فهم كانوا اقوم بكل خير فی الدين والدنيا من سائر الصحابة

اس وقت سے لے کر قیامت تک مسلمانوں کے پاس جو کچھ خیر ہے مثلاً ایمان واسلام قرآن علوم ومعارف عبادات دخول جنت جہنم سے نجات کفار پر غلبہ اللہ کے نام کی بلندی وہ سب صحابہ کرام کی کوششوں کی برکت ہے جنہوں نے دین کی تبلیغ کی اور اللہ کے رستہ میں جہاد کیا جو مؤمن بھی اللہ پر ایمان لایا اس پر صحابہ کرام کا احسان قیامت تک رہے گا اور شیعہ لوگوں کو بھی کچھ خیر حاصل ہے وہ بھی صحابہ کرام کی برکت سے اور صحابہ کرام کی خیر خلفائے راشدین کی خیر کے تابع ہے اس لئے کہ وہ دین ودنیا کی ہر خیر کے ذمہ دار اور سرچشمہ ہیں۔ (ماخوذ از ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک اپریل ۱۹۶۷ء)

ہزاروں اولیاء ایک ادنی صحابی کے نقش پا کو نہیں پہنچ سکتے۔

(شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اس درجہ مزکی اور مجلی ہو چکے تھے کہ ہزاروں ہزار جنید وشبلی ایک ادنی صحابی کے نقش پا کو نہیں پہنچ سکتے، بڑے سے بڑے ولی اور صدیق کے متعلق حتمی اور قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بارگاہ خداوندی میں اس کا کیا مقام ہے، مگر صحابہ کرامؓ کے متعلق بے شمار آیات اور احادیث نبویہ سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ صحابہ کرام کو دنیا ہی میں اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی کا پروانہ مل چکا تھا اور دنیا ہی میں ان کو جنتت کی بشارت سنادی گئی اور ساری دنیا میں اس کی منادی کرادی گئی۔ (خلافت راشدہ ص ۱۷۵)

اہل بیت کی محبت کو خاتمہ کی سلامتی میں بڑا دخل ہے

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مطعون ہوں گے تو ان کے ذریعے پہنچنے والا دین بھی مطعون ہو گا

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا خواجہ محمد تقی رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک اہم مکتوب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ..... أَمَّا بَعْدُ!

چونکہ اس زمانہ میں امامت کی بحث بہت ہو رہی ہے اور ہر ایک اس بارہ میں اپنے ظن و تخمین کے بموجب گفتگو کرتا ہے اس لئے اس بحث کے متعلق چند سطریں لکھی جاتی ہیں اور اہل سنت وجماعت اور مخالفوں کے مذہب کی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔

اے شرافت ونجابت کے نشان والے۔ شیخین (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کی فضیلت اور ختنین (حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہما) کی محبت اہل سنت وجماعت کی علامتوں میں سے ہے یعنی شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت جب ختنین رضی اللہ عنہما کی محبت کے ساتھ جمع ہو جائے تو یہ امر اہل سنت وجماعت کے خاصوں میں سے ہے شیخین رضی اللہ عنہما کی یہ فضیلت صحابہ کرام اور تابعین کی اجماع سے ثابت ہو چکی ہے چنانچہ اس کو ائمہ اکابر نے کہ ان میں سے ایک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں نقل کیا ہے۔ اور شیخ ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت باقی امت پر قطعی ہے اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے بھی تواتر کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ اپنی خلافت اور مملکت کے زمانہ میں جم غفیر یعنی بڑی بھاری جماعت کے سامنے فرمایا کرتے تھے کہ ابو بکرؓ اور عمرؓ اس امت میں سب سے بہتر ہیں جیسا کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ حضرت امیر علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں سے بہتر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں پھر ایک اور آدمی۔ پس ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے پوچھا پھر آپ۔ فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں کا ایک آدمی ہوں۔

غرض شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت ثقہ اور معتبر راویوں کی کثرت کے باعث شہرت اور تواتر کی حد تک

پہنچ چکی ہے اس کا انکار کرنا سراسر جہالت ہے یا تعصب ہے۔

شیخ عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ (صاحب المصنف) شیخین کی فضیلت کے قائل ہو گئے اور کہنے لگے کہ جب حضرت علیؓ شیخینؓ کو اپنے اوپر فضیلت دیتے ہیں تو میں بھی حضرت علیؓ کے فرمانے سے حضرات شیخینؓ کو حضرت علیؓ پر فضیلت دیتا ہوں اگر وہ فضیلت نہ دیتے تو میں بھی نہ دیتا یہ بڑا گناہ ہے کہ میں حضرت علیؓ کی محبت کا دعوی کروں اور پھر ان کی مخالفت بھی کروں۔

چونکہ حضرات ختنین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں لوگوں کی درمیان بہت فتنہ وفساد برپا ہو گیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں کدورت پیدا ہو گئی تھی اس لئے ختنین رضی اللہ عنہما کی محبت کو بھی اہل سنت وجماعت کے شرائط میں شمار کیا گیا تاکہ کوئی جاہل اس سبب سے حضرت خیر البشر اکے اصحاب پر بد ظنی نہ کرے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کے ساتھ بغض وعداوت نہ رکھے۔ پس حضرت امیر علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی محبت اہل سنت وجماعت کی شرط ہے اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا اہل سنت سے خارج ہے اس کا نام خارجی ہے اور جس نے حضرت علی مرتضیؓ کی محبت میں افراط اختیار کیا اور جس قدر کہ محبت مناسب ہے اس سے زیادہ وقوع میں آتی ہے اور وہ محبت میں غلو کرتا ہے اور حضرت خیر البشر اکے اصحاب کو سب وطعن کرتا ہے اور صحابہ وتابعین اور سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریق کے خلاف چلتا ہے وہ رافضی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت کا نہ ہونا اہل سنت کے حق میں کس طرح گمان کیا جاتا ہے جبکہ یہ محبت ان بزرگواروں کی نزدیک ایمان کی جزء ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے اس فقیر کے والد بزرگوار جو ظاہری وباطنی عالم تھے اکثر اوقات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت پر ترغیب فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس محبت کو خاتمہ کی سلامتی میں بڑا دخل ہے اس کی بڑی رعایت کرنی چاہئے ان کی مرض موت میں فقیر حاضر تھا جب معاملہ ان کا آخر آپہنچا اور اس جہاں کا شعور کم ہو گیا تو اس وقت فقیر نے ان کی بات کو انہیں یاد دلایا اور محبت کی نسبت پوچھا تو اس بے خودی میں آپ نے فرمایا کہ میں اہل بیت کی محبت میں غرق ہوں اس وقت اللہ تعالی کا شکر ادا کیا۔

☆...اہل بیت کی محبت اہل سنت وجماعت کا سرمایہ ہے مخالف لوگ اس معنی سے غافل اور ان کی محبت متوسط سے جاہل ہیں مخالفوں نے اپنی افراط کی جانب کو اختیار کیا اور افراط کے ماسوا کو تفریط

خیال کر کے خروج کا حکم کیا ہے اور خوارج کا مذہب سمجھا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے درمیان حد وسط ہے جو حق کا مرکز اور صدق کا متوطن ہے جو اہل سنت و جماعت شکر اللہ سعیہم کو نصیب ہوا ہے۔

☆...اہل سنت کا یہی گناہ ہے کہ اہل بیت کی محبت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے تمام اصحاب کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور باوجود جھگڑوں کی جو ان کے درمیان واقعی ہوئے ان میں سے کسی کو برائی سے یاد نہیں کرتے اور پیغمبر ﷺ کی صحبت کی تعظیم اور اس عزت و تکریم کے باعث جو نبی ﷺ اپنے اصحاب کی کیا کرتے تھے سب کو ہوا و تعصب سے دور جانتے ہیں اور اس کے علاوہ اہل حق کو حق پر اور اہل باطل کو باطل پر کہتے ہیں لیکن اس کے بطلان کو ہوا و ہوس سے دور سمجھتے ہیں اور رائے و اجتہاد کے حوالہ کرتے ہیں۔

رافضی اس وقت اہل سنت سے خوش ہوں گے جب اہل سنت بھی ان کی طرح دوسرے اصحاب کرام سے تبرا کریں اور ان دین کے بزرگواروں کے حق میں بدظن ہو جائیں جس طرح خارجیوں کی خوشنودی اہل بیت کی عداوت اور آل نبی ﷺ کے بغض پر وابستہ ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٨﴾

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے {اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا} یعنی میرے اصحاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ تاکید کے واسطے اس کلمہ کو دوبارہ فرمایا کہ میرے اصحاب کو اپنی ملامت کے تیر کا نشان نہ بناؤ۔

اور نیز فرمایا میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے اور بھی بہت سی حدیثیں تما اصحاب کی تعظیم و توقیر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں پس سب کو معظم و مکرم جاننا چاہئے اور ان کی لغزشوں کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے اس مسئلہ میں اہل سنت کا مذہب یہی ہے رافضی اس بارے میں غلو کرتے ہیں اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے محاربوں کی تکفیر کرتے ہیں اور ہر طرح کے طعن اور ہر قسم کی گالیوں سے اپنی زبان کو آلودہ کرتے ہیں اگر ان کا مقصود حضرت علی مرتضیٰؓ کی جانب کی حقیت اور ان کے محاربوں کی خطاء کا اظہار ہے تو جو کچھ اہل سنت نے اختیار کیا ہے کافی اور حد اعتدال پر ہے اور دین کے بزرگواروں پر طعن لگانا جو رافضیوں

نے اختیار کیا اور پیغمبر ﷺ کے اصحاب کو گالی دینا اپنا دین وایمان تصور کیا دیانت و دینداری سے بہت دور ہے یہ عجب دین ہے جس کا جزو اعظم پیغمبر ﷺ کے جانشینوں کو گالی نکالنا ہے...

☆... بھلا وہ لوگ جو دین کے بزرگواروں کے سب وطعن کو اپنے دین کا جزو اعظم سمجھتے ہیں حق ان کے نصیب کیا ہو گا؟

☆... پس ان کے خیال میں پیغمبر ﷺ کے تمام اصحاب (تین چار کو چھوڑ کر) منافق اور مکار تھے اور جو ان کے باطن میں ہوتا تھا اس کے برخلاف ظاہر کرتے تھے پس چاہئے کہ ان کے نزدیک اس امت میں سے بدترین اصحاب کرام ہوں اور تمام صحبتوں میں سے بدتر صحبت حضرت خیر البشر اکی صحبت ہو جہاں یہ اخلاق ذمیمہ پیدا ہوئی ہیں اور تمام قرنوں میں سے برا قرن اصحاب کرام کا قرن ہو جو نفاق وعداوت وبغض وکینہ سے پر تھا حالانکہ حق تعالی اپنے کلام مجید میں ان کو رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ فرماتا ہے...اعاذنا الله سبحانه من معتقدائهم السوء (اللہ تعالی ہم کو ان کے برے عقائد سے بچائے)

یہ لوگ جب اس امت کے سابقین کو اس قسم کے اخلاق ذمیمہ سے موصوف کرتے ہیں تو لواحقین میں کیا خیریت پائیں گے ان لوگوں نے شاید قرآن کی آیات اور احادیث نبوی کو جو حضرت خیر البشر اکی صحبت کی فضیلت اور اصحاب کرام کی فضیلت اور اس امت کی خیریت کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں نہیں دیکھا۔ یا دیکھا ہے مگر ان پر ایمان نہیں رکھتے قرآن واحادیث اصحاب کرام کی تبلیغ سے ہم تک پہنچا ہے جب اصحاب مطعون ہوں گے تو وہ دین جو ان کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے وہ بھی مطعون ہو گا۔ نعوذ باللہ

اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم حضرت خیر البشر ﷺ کے اصحاب کے جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرتے ہیں اور ہوا و تعصب سے دور جانتے ہیں کیونکہ ان کے نفوس حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت میں پاک ہو چکے تھے اور ان کے روشن سینے عداوت وکینہ سے صاف ہو گئے تھے

حاصل کلام یہ کہ جب ہر ایک صاحب اجتہاد وصاحب رائے تھا اور ہر مجتہد کو اپنی رائے کے موافق عمل کرنا واجب ہے اس لئے بعض امور میں رائیوں کے اختلاف کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت ومنازعت واقعی ہوئی اور ہر ایک کے لئے اپنی اجتہاد ورائے کی تقلید بہتر تھی پس ان کی مخالفت موافقت کی طرح حق کے لئے تھی نہ کہ نفس امارہ کی ہوا وہوس کے لئے۔

پس اکابر دین اور بزرگواران اسلام کی طعن و مذمت سے ڈرنا چاہئے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کے بول بالا کرنے اور حضرت خیر البشر اکی امداد میں سر توڑ کوششیں کی ہیں اور رات دن ظاہر و باطن میں دین کی تائید میں مال و جان کی پروا نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں اپنے خویش و اقارب اور مال و اولاد گھر بار وطن کھیتی باغ و درخت کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کی جان کو اپنی جانوں پر اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اپنے اموال اور اپنی جانوں کی محبت پر ترجیح دی۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرف صحبت حاصل کیا اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں برکات نبوت سے مالامال ہوئے وحی کا مشاہدہ کیا اور فرشتہ کے حضور سے مشرف ہوئے اور خوارق و معجزات کو دیکھا حتی کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین ہو گیا اور ان کو اس قسم کا یقین نصیب ہوا جو آج تک کسی اور کے نصیب نہیں ہوا حتی کہ دوسروں کا احد پہاڑ جتنا سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ان کی ایک آدھ مد خرچ کرنے کی برابر نہیں ہوتا۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ نے قرآن میں بایں الفاظ تعریف فرمائی {رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ} کہ یہ لوگ اللہ تعالی ان سے راضی ہیں اور اللہ تعالی ان سے راضی ہے۔

☆... حاصل کلام یہ کہ کہ قرن اول کے اصحاب تکلفات سے بری اور عبادتوں کی آرائش سے مستغنی تھے ان کی کوشش ہمہ تن باطن کے درست کرنے میں ہوتی تھی اور ظاہر کی طرف سے نظر ہٹا رکھی تھی اس زمانہ میں حقیقت و معنی کے طور و آداب بجالاتے تھے نہ فقط صورت و لفظ کے اعتبار پر۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کے امر کا بجالانا ان کا کام۔ اور آنحضرت ﷺ کی مخالفت سے بچنا ان کا معاملہ تھا۔ ان لوگوں نے اپنے مانباپ اور اولاد و ازواج کو حضرت رسول اللہ ﷺ پر فدا کر دیا تھا اور کمال اعتقاد اور اخلاص کے باعث آنحضرت ﷺ کے لعاب مبارک کو زمین پر نہ گرنے دیتے تھے (مکتوبات ص ۱۰۲ تا ۱۲۵۔ تلخیص مکتوب نمبر ۳۶)

سلامتی کا راستہ

لکھنؤ کے جناب سلمان ندوی کا رسالہ ازالہ اور اس کا تنقیدی مطالعہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ..... أَمَّا بَعْدُ!

ایک ماہ قبل کی بات ہے جب ایک دوست نے بذریعہ واٹس اپ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاذ جناب سلمان ندوی صاحب کا ایک بیان سننے کی درخواست کی۔ حسب فرمائش موصوف کا بیان سن کر ایسا معلوم ہوا کہ یہ بیان لکھنؤ کسی شیعہ ذاکر یا لاہور کے کسی رافضی ملا کا ہے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ بیان لکھنؤ کے ایک دینی مدرسہ کے فاضل استاد کا ہو گا جو وہ اپنے شاگردوں کے سامنے اس طرح بول رہا ہے جیسے شیعہ ذاکر اور ملا اپنے اپنے امام بارگاہوں کی کسی خصوصی مجلسوں میں بول رہے ہوتے ہیں۔

جناب سلمان ندوی کے اس بیان سے اور بعد میں ان کے اپنے لکھے ایک کتابچہ کے مطالعہ سے جو بات کھل کر سامنے آئی ہے وہ یہ کہ پچھلے چودہ سو سال سے علماء امت اجماعا لفظ صحابی کی جو تعریف کرتے آئے ہیں وہ غلط ہے یہ تعریف جب حضور ﷺ نے نہیں کی صحابہ نے نہیں کی تو پھر اہل سنت کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ "صحابی" کی تعریف کریں۔ موصوف اسے اہل سنت کا غلو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "دوسری طرف اہل سنت نے غلو میں یہ نقطہ نظر وضع کر لیا کہ جس نے حضور ﷺ کا ایک مرتبہ ایک سیکنڈ کے لئے دیدار کر لیا اور مسلمان ہونے کی حالت میں اس کی موت ہوئی اور وہ مرتد و کافر ہو کر نہیں مرا وہ صحابی ہے یہ تعریف نہ حضور ﷺ سے منقول ہے نہ خلفائے راشدین سے نہ کسی صحابی سے۔ بعد کے دور میں یہ تعریف وضع کر لی گئی ہے۔"
>
> (دیکھئے۔ صحابہ کے بارے میں غلط فہمیاں ص۹)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمہور علماء نے جب لفظ "صحابی" کی تعریف پر اتفاق کر لیا اور اب تک

مسلمانوں میں لفظ صحابی کی یہی تعریف چلی آرہی ہے تو اس کو غلط بتلانا کیا اجماع امت کو بے وزن کرنے کی سازش نہیں؟ اور کیا امت کو اپنے اسلاف سے بغاوت پر لانا نہیں؟ کیا چودہ سو سال کے بعد اب ندوۃ العلماء کا ایک فاضل لفظ صحابی کی نئی تعریف کرے گا؟

جناب سلمان ندوی نے صرف لفظ "صحابی" کی تعریف کو ہی اختلافی بنانے کی کوشش نہیں کی اس کے ساتھ ساتھ وہ اس مہم میں بھی مصروف ہوگئے کہ اب نئے سرے سے لفظ صحابی کی جو تعریف کی جائے گی اسی پر حضور ﷺ کے صحابہ کو پھر سے پرکھا جائے گا۔ اس تعریف کے نتیجہ میں اگر حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت معاویہ، حضرت خالد بن ولید، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جائز ظالم منافق قاتل مفاد پرست اور اسی طرح دیگر تمام اعتقادی رذائل سے متصف کر دیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں نہ اس پر کسی کو اعتراض ہونا چاہئے۔

پھر موصوف صحابہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اصطلاحی صحابی اور اصلی صحابی۔ اور اصطلاح کن کی؟ اہل سنت کی اور اصلی کون؟ جس کے پیچھے شیعیت کھلے بندوں نغمہ سرا ہے۔ اب جس صحابی کو آپ چاہیں اصطلاحی صحابی کی فہرست میں رکھیں اور جس کو چاہیں اصلی صحابی قرار دیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ لفظ صحابی کی اب وہ تعریف نہیں رہی جسے جمہور امت اجماعاً طے کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا عبد العلیم فاروقی صاحب دامت برکاتہم کو کہ انہوں نے ایک تقریر کے ذریعہ بروقت اس کا جواب دیا اور سچی بات بھی یہی ہے کہ اسلام کے صف اول کے بزرگوں کے بارے میں اس طرح کی باتیں کسی صورت قابل برداشت نہیں ہونی چاہئے اس سے مسلمانوں کا اپنے مذہب پر ہی سے اعتماد ختم ہو جائے گا۔ ہم مسلمانوں نے جن کے بتانے پر قرآن کو اللہ کا کلام مانا ہے اور جن کے بتانے پر ہی اس دین کو دین الٰہی تسلیم کیا ہے جب وہی جائز ظالم منافق خائن قاتل اور دھوکہ باز اور مفاد پرست ٹھہرے تو پھر ہمیں کیا پتہ کہ ہم جس دین کو خدا کا دین مان رہے ہیں وہ صحیح دین ہے بھی یا نہیں؟

مسلمانوں میں تشکیک کے زہریلے کانٹے بونے اور بکھیرنے کے لئے پہلے ہی روافض قم اور نجف میں اور ان کے کارندے لاہور اور لکھنؤ میں بڑی محنت اور شدت سے کام کر رہے تھے اور اب

جناب سلمان ندوی نے بھی اسی جلتی پر تیل چھڑکنے کا مذموم کام مسلسل شروع کر دیا ہے اور اہل سنت نوجوانوں کے دلوں میں صحابہ کرام سے بدگمانی پیدا کرنے کی انہوں نے جو سازش رچائی ہے اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ موصوف نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو کچھ کہا ہے یہ وہی غلیظ لقمے ہیں جو روافض عرصہ دراز سے اگل رہے ہیں۔ اور علماء اسلام ان کے مدلل اور مفصل جوابات دے کر روافض اور خوارج پر حجت تمام کر چکے ہیں۔

جب مسلمان نوجوانوں میں یہ بات پھیلی کہ ہم لفظ صحابی کی تعریف میں جن جن حضرات کو اب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سمجھتے رہے اور جن کی عزت واحترام کرتے رہے ہیں جناب سلمان ندوی کی تقریر اور تحریر کی رو سے ان میں سے بہت سوں کو صحابیت کی فہرست سے ہی نکالا جاسکتا ہے اور جن کو انہوں نے اصلی صحابی کی فہرست میں بظاہر رکھا بھی تو ان کو بھی کہیں مفاد پرست کسی کو دھوکہ باز کسی کو قاتل کسی کو منافق اور کسی کو طاغی کسی کو عاصی اور بھی بہت کچھ کہہ کر ظالموں کی فہرست میں لا کھڑا کر دیا ہے۔ کیا واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ایسے تھے جیسے جناب سلمان ندوی بتاتے ہیں یا صحابہ ویسے تھے جیسے قرآن وحدیث اور علماء امت بتاتے چلے آئے ہیں۔ قریب تھا کہ مسلمان نوجوانوں کے دل ودماغ میں صحابہ عظام کے بارے میں بدگمانی کے زہریلے کانٹے اگیں اور ان کا ایمان ہی متزلزل ہو جائے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاد حدیث وفقہ جناب مولانا مفتی عتیق احمد بستوی صاحب دامت برکاتھم اٹھے اور مسلم نوجوانوں اور دین سے کم پڑھے لکھے لوگوں کے ایمان کی حفاظت اور انہیں اپنے اسلاف سے بغاوت سے بچانے کی خاطر ۸۰ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ بنام (صحابی کی تعریف اور ان کے مقام ومرتبہ کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ) مرتب فرما کر شائع کر دیا تاکہ مسلم نوجوان اور کم پڑھے لوگ جناب سلمان ندوی کے بچھائے زہریلے کانٹوں کی وجہ سے اسلام کے صف اول کے بزرگوں کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں نہ وہ کسی غلط فہمی میں رہیں۔ اس امت میں لفظ صحابی کے بارے میں کبھی دورائے نہیں رہی اور نہ کسی نے (سوائے روافض کے) اصلی اور نقلی صحابی کے نام سے صحابہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اسلام میں صحابی کی تعریف بھی کبھی ڈھکی چھپی نہیں تھی اور نہ کبھی امت کو ضرورت پیش آئی کہ وہ چودہ سو سالوں کے بعد لفظ صحابی کی نئے سرے سے تعریف

کرے اور ان میں سے بعض کو اصطلاحی اور بعض کو اصلی کے کھاتے میں ڈالے۔

مولانا بستوی صاحب دامت برکاتھم نے امت کے جلیل القدر مفسرین اور محدثین کے حوالہ سے لفظ صحابی کی تعریف اور ان کے مقام و مرتبہ ان کے اپنے لفظوں میں نقل کر دیا اور غلط فہمیاں پیدا کرنے والے صاحب سے درخواست کی کہ خدا کے لئے امت کے متفق علیہ عقائد و مسائل میں تشکیک پیدا نہ کریں اس سے مسلم نوجوانوں کے عقائد اور ان کے دینی مزاج میں مزید انتشار پھیلے گا آپ تو انہیں اپنے اسلاف سے بدگمان کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہیں وہ اسلام ہی سے بدگمان نہ ہو جائیں اس لئے کہ صحابہ کرام ہی دین کے ناقل ہیں جب ان پر اعتماد ختم کر دیا جائے گا تو پھر پورے دین سے اعتبار ختم ہو جائے گا۔ جو عقائد و مسائل پہلے ہی طے ہو چکے ہیں انہیں خواہ مخواہ اختلافی بنا کر امت میں انتشار پیدا کرنا کہاں کی شرافت ہے اور یہ کونسی نئی علمی تحقیق ہے جس پر موصوف کے شباب بغلیں بجائے پھر رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جاہل طبقہ صحابہ پر انگلی اٹھاتے اٹھاتے سرور دو عالم ﷺ کی ذات والا صفات پر ہی انگلی اٹھالے۔ اور وہ اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے (العیاذ باللہ)

افسوس صد افسوس بجائے اس کے کہ جناب سلمان ندوی امت کی موجودہ صورت حال بالخصوص مسلم نوجوانوں کے دینی ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے اس قسم کی فضول حرکتوں سے باز آجاتے انہوں نے ۱۶ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ بنام (ازالہ کا ازالہ) شائع کر دیا اس میں بجائے اس کے کہ محترم مفتی عتیق بستوی صاحب کے ازالہ میں اٹھائے گئے بنیادی سوالوں کا جواب دیتے اور ان حقائق کو قبول کرتے جو اس رسالہ میں اکابرین امت کے حوالہ سے نقل کئے گئے ہیں جناب ندوی نے پھر ایک مرتبہ کھل کر اور سوالیہ عنوان بنا کر ان جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا پڑھا اور ان کی عزت و عظمت کو مجروح کرنے کی بھرپور کوشش کی جن کی عزت و عظمت اور ان کو دی گئی بشارت اور ان کی غلطیوں پر معافی کا اللہ کا قرآن اور اور پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا فرمان گواہ ہے۔ جناب سلمان ندوی کے رسالہ میں صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہی طنز و طعن کا نشانہ نہیں بنایا گیا بلکہ افضل الصحابہ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق اور امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر بھی انتہائی کریہہ الزام لگائے گئے ہیں۔ ہم آگے چل کر ان کی نشاندہی کریں گے۔ العیاذ باللہ

جناب سلمان ندوی کے اس رسالہ میں وہی گھسے پٹے اعتراضات ہیں جو روافض شروع سے کرتے چلے آرہے ہیں جناب ندوی نے صحابہ کرام کی ذوات عادلہ پر جس قسم کی تہمتیں لگائیں ہیں یوں تو وہ کوئی نئی باتیں نہیں ہیں وہ سب کی سب روافض کی کتابوں اور ان کے رسالوں سے ماخوذ ہیں یوں سمجھئے کہ پرانی شراب نئی بوتل میں ڈال کر لائے ہیں خود انہوں نے کبھی یہ تحقیق کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ روافض جو کچھ کہہ رہے ہیں کیا واقعی وہ الزامات اور اعتراضات درست ہیں یا وہ جھوٹ اور غلط بیانیوں سے امت میں غلط فہمیاں پھیلانے کی ایک سازش ہیں؟ کاش کہ وہ کم از کم ان کتابوں کا ہی مطالعہ کر لیتے جو ان اعتراضات اور الزامات کے جواب میں علماء اہل سنت نے لکھی ہیں جن میں روافض اور خوارج کے ایک ایک اعتراض کا عالمانہ جائزہ لے کر واضح کر دیا گیا کہ روافض کے اعتراضات ہر گز اس لائق نہیں کہ ان کی رو سے ہم حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کو مجرم قاتل دین فروش اور مفاد پرست اور رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول والی روش اختیار کرنے والے کہہ کر دین اسلام کو ہی شک وشبہ سے مجروح کر دیں۔

☆... سلمان ندوی کا لفظ صحابی کی پہلی تعریف سے فرار کیوں؟

جناب سلمان ندوی نے (ازالہ کا ازالہ میں) جو کچھ کہا ہے ہم آگے چل کر اس کی حقیقت واضح کریں گے مگر وہ اس سوال کا جواب دینے سے اب تک کیوں راہ فرار اختیار کر رہے ہیں کہ جب چودہ سو سال سے کی جانے والی لفظ صحابی کی تعریف ان کے نزدیک غلط ہے تو پھر وہ خود کیوں نہیں بتاتے کہ لفظ صحابی کی تعریف ہے کیا؟ جب وہ امت کے جلیل القدر مفسرین محدثین اور متکلمین کی تعریف کو غلط اور اہل سنت کا غلو کہہ رہے ہیں تو وہ خود اس کی تعریف کیوں نہیں کرتے؟ جناب سلمان ندوی نے اپنے رسالہ میں جلیل القدر صحابہ کرام کے بارے جی بھر کر بھڑاس نکالی اور صحابہ کرام پر کھلے عام طنز وطعن سے بھی ان کو کوئی حیاء نہیں آئی مگر وہ جناب مولانا مفتی عتیق بستوی صاحب کے اس سوال کا جواب کیوں نہیں دے رہے کہ:

> "جب فاضل محقق نے صحابی کی اس تعریف کو کنڈم (مسترد) کیا جس نے جمہور محدثین اصول حدیث اور اسماء الرجال کے مصنفین نے متفقہ طور پر ذکر کیا ہے اور وہ تعریف امام بخاری ان کے استاد علی بن مدینی سے لے کر دور حاضر کے

محدثین تک معتبر اور راجح رہی ہے تو فاضل موصوف جچے تلے الفاظ میں صحابی کی وہ تعریف ذکر فرماتے جو ان کے نزدیک صحیح اور راجح ہے لیکن انہوں نے ایسا نہ کرکے قاری کو مجبور کر دیا کہ وہ ان کی لمبی چوڑی عبارت سے صحابی کی وہ تعریف اخذ کرے جو فاضل محقق کے نزدیک صحیح ہے۔" (ازالہ کا ازالہ ص ۱۴)

جناب سلمان ندوی تسلیم کرتے ہیں کہ جمہور امت لفظ صحابی کی تعریف پر متفق ہیں مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ:

"یہ تعریف نہ حضور ﷺ سے منقول ہے نہ خلفائے راشدین سے نہ کسی صحابی سے بعد کے دور میں یہ تعریف وضع کرلی گئی۔" (غلط فہمیاں ص ۹)

چلئے آپ کی بات درست ہو گی کہ صحابی کی تعریف ان سے منقول نہیں اور آپ کو جمہور کی تعریف بھی منظور نہیں تو آپ ہی جرات کرکے لفظ صحابی کی تعریف کر دیں۔ مفتی عتیق بستوی صاحب نے پھر ایک مرتبہ ان سے یہ سوال کیا کہ:

"ایک اہم اور غور طلب سوال یہ ہے کہ فاضل محقق نے جمہور امت کی اختیار کردہ صحابی کی تعریف... کو جب مسترد کر دیا ہے تو خود ان کے یہاں صحابی کی منضبط تعریف کیا ہے۔" (غلط فہمیوں کا ازالہ ص ۲۶)

جناب سلمان ندوی کو جمہور علماء امت کی لفظ صحابی کی تعریف قبول نہیں اور وہ بعض شاذ آراء کے سہارے جمہور امت کی تعریف کو مسترد کرتے ہیں تاہم یہ سوال اب بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ ان شاذ آراء میں سے خود جناب سلمان ندوی کس رائے کے حامی ہیں؟ مفتی عتیق بستوی صاحب لکھتے ہیں:

"انہوں نے صحابی کی تعریف میں بعض شاذ آراء نقل کی ہیں کاش کہ انہوں نے انہیں شاذ آراء میں سے کسی رائے کو اختیار کرکے صراحت کر دی ہوتی کہ یہ تعریف میرے نزدیک صحیح اور معتبر ہے؟" (ایضا)

جناب سلمان ندوی کو یہ بھی بتانا پڑے گا کہ وہ لفظ صحابی کی جو تعریف بتائیں اس میں اس بات کی صراحت کر دیں کہ کیا وہ تعریف حضور ﷺ سے منقول ہے یا خلفائے راشدینؓ سے یا کسی صحابیؓ

سے۔؟ جب آپ کو جمہور علماء امت کی بیان کردہ تعریف قبول نہیں اور آپ جمہور کے اجماع کو شور کہہ کر مسترد کرتے ہیں تو جمہور آپ کی پسندیدہ تعریف کس دلیل کی بنیاد پر قبول کریں؟ کیا آپ کو یہ حق حضور ﷺ نے دیا یا خلفائے راشدین یا کسی صحابی نے دیا ہے کہ آپ خود لفظ صحابی کی تعریف گھڑیں اور پھر اسی تعریف پر حضور اکرم ﷺ کے صحابی کو پرکھیں اور پھر اسی تعریف کے نتیجہ میں کسی صحابی کو اصلی صحابی کہہ کر شرف صحابیت کی سند دیں اور کسی کو اصطلاحی صحابی کہہ کر ان کے مقام و مرتبہ کے بارے میں بدگمانی پیدا کرائیں اور انہیں بے وقعت کرنے کے لئے کہیں جھوٹ اور بے جا الزام کا سہارا بھی لینا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کریں۔

اگر آنجناب کو اپنے اس دعوی پر اصرار ہے اور جمہور جمہور کے لفظ سے آپ کو جو چڑ ہے تو پھر آپ ہی لفظ صحابی کی کوئی جامع مانع تعریف کر دیجئے۔ اور اس پر ہندوستان اور پاکستان کے دس بڑے مدارس کے مفتیان کرام سے اس کی تصدیق کرالیجئے تاکہ واضح ہو جائے کہ لفظ صحابی کی جو تعریف آپ کر رہے ہیں کیا ہندوستان کے مستند دینی ادارے بھی آپ کی اس رائے سے متفق ہیں؟ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ لفظ صحابی کی تعریف میں آپ اور آپ کے ساتھ تبرائی شیعہ کھڑے ہوں اور پھر اہل سنت کے تمام طبقات کے اجلہ علماء سے مطالبہ کریں کہ وہ آپ کی وضع کردہ تعریف تسلیم کریں اور صحابہ کے دو حصے کر کے جس کو چاہیں اصلی کہیں جس کو چاہیں اصطلاحی کے کھاتے میں ڈال دیں اور پھر ان پر تبرا پڑھیں۔

(نوٹ) ہم نے جن دس بڑے مدارس کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں (۱) دار العلوم دیوبند (۲) مظاہر علوم سہارنپور (۳) ندوۃ العلماء لکھنؤ (۴) جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل (۵) مولانا احمد رضا خان بریلوی کے مدرسہ منظر اسلام بریلی۔ (۶) دار العلوم کراچی (۷) جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی (۸) جامعہ خیر المدارس ملتان (۹) جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک (۱۰) جامعہ اشرفیہ لاہور...

هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

☆...جناب سلمان ندوی توہین صحابہ پر کیوں اتر آئے؟

اب آیئے جناب سلمان ندوی کے ازالہ کا سرسری مطالعہ کرتے چلیں۔

(۱) جناب سلمان ندوی نے اپنے رسالہ کی ابتداء سعودی عرب کے حکمرانوں کو قاتل اور مجرم

بتانے سے کی اور پھر ان کے جرائم کی ایک فہرست بھی گنوادی ساتھ ہی امام حرم شیخ عبدالرحمن السدیس اور دیگر علماء کو بھی اس سیاسی اور دینی جرائم کا مرتکب قرار دے کر ہندوستان کے علماء سے پوچھا کہ

(کیا سعودی عرب کے ان جرائم پر) یہ مولوی بولے... کیا ان کی زبان بھی کھل سکی؟ مولویوں کے ایمان میں حرکت پیدا ہوئی... ان مولویوں نے تنقید کے دو بول بولے... کوئی مضمون لکھا کوئی بول ہوا... کیا کوئی مولوی پھڑکا تڑپا؟ ان (یعنی مولویوں) کا غصہ بھڑکا۔ کوئی کتابچہ نہ صحیح (صحیح نہیں سہی) کوئی مضمون ان کے قلم جوہر رقم سے نکلا؟

ہمیں یہ معلوم نہیں کہ سعودی عرب کے (بقول ان کے) خطرناک اور مسلم کش جرائم پر کوئی مولوی بولے یا نہیں پھڑکے تڑپے یا نہیں؟ ہمیں اتنا پتہ ضرور ہے کہ آپ صحابہ کرام کی عزت پر اتنے لال پیلے ہوئے ہیں کہ لفظ صحابی کی تعریف ہی بدل ڈالنے کے درپے ہیں اور جب کوئی آپ کو جمہور کے حوالہ سے لفظ صحابی کا معنی مطلب بتاتا ہے تو آپ اتنے بھڑک جاتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے صحابہ کی ذات پر بھی انگلی اٹھانے میں کوئی حیاء محسوس نہیں کرتے۔ سعودی عرب کا شاہی خاندان ہو یا ان کے ائمہ ہم نہ ان کے کسی قول و عمل کے پابند ہیں نہ ہم انہیں حجت سمجھتے ہیں۔ ان کے اچھے کاموں کی ہم تائید کرتے ہیں اور ان کے غلط کاموں پر کھلے عام تنقید بھی کرتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ان علماء کی کمی نہیں جو سعودی عرب کی سیاسی اور مذہبی پالیسیوں سے اختلاف رکھتے ہیں اور دلائل کی رو سے ان پر تنقید کرنے کو دینی فریضہ سمجھتے ہیں اور اس میں کوتاہی نہیں کرتے مگر سوال یہ ہے کہ اگر ہندوستان کے مولوی صاحبان سعودی عرب کی کسی سیاسی اور مذہبی پالیسی کے خلاف نہیں بولے تو کیا آپ کو یہ حق مل جائے گا کہ جو لوگ آپ کی غلط باتوں کی تردید میں رسالہ یا کتاب لکھیں آپ بجائے ان کا جواب دینے کے صحابہ کرام کی عزت سے کھلواڑ کرنے لگیں ان کے مقام و مرتبہ کو داغدار بتانے کے لئے اپنی زبان اور قلم کو گندا کریں؟ ان مولویوں کی مجرمانہ غفلت یا چلئے ان کی مفاد پرستی کہ سعودی عرب کے خلاف اس طرح کے وہ دو بول بھی نہ بولے جیسے آپ نے بولے تو وہ باوجود استطاعت کے کلمہ حق نہ کہنے کے مجرم ٹھہرے مگر آپ کو یہ کس نے اجازت دے دی کہ آپ اجلہ صحابہ کو اس

لئے نشانہ طعن بنانے پر تل جائیں کہ ہندوستان کے مولوی صاحبان سعودی عرب کی مخالفت میں نہ بھڑکے نہ پھڑکے نہ تڑپے نہ دوبول بولے ؟ کل کلاں اگر آپ کسی ملک کے سیاسی اور اہل سنت کے خلاف ان کے مذہبی معاملات پر نہیں بھڑکتے نہیں پھڑکتے نہیں تڑپتے اور دو بول نہیں بولتے کیا ان مولوی صاحبان کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ بھی صحابہ کرام اور ائمہ عظام پر چڑھ دوڑیں اور دن دھاڑے ان کے ناموس پر حملہ کر دیں (العیاذ باللہ)

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی شخص کے جرائم کے خلاف باوجود استطاعت اور آزادی کے خاموش رہنا یا ان کے جرائم پر پردہ ڈالنا جرم ہے لیکن اس کا یہ مطلب کہاں سے نکل آیا کہ آپ روافض کی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم پر زبان دراز کریں اور چند ایک تاریخی واقعات پر سوالیہ نشان بنا کر ان کے متعلق غلط بیانی سے کام لے کر مسلمانوں کو ان سے بدگمان کریں۔ آپ نے ازالہ کے ص ۳ اور ص ۴ اسی تڑپنے اور پھڑکنے میں سیاہ کئے ہیں اور اس کے آخر میں ذرا جلی لفظوں میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم وہی آپ ہی کی نذر کر دیں ؎ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

بس کیا کہوں شرم تم کو مگر نہیں آتی

جناب سلمان ندوی سعودی عرب کے شاہی حکمراں اور ائمہ حرمین شریفین کے خلاف جس طرح پھڑکے اور بھڑکے ہیں کیا وہ کبھی ہندوستان کے ان موذی حکمرانوں اور انتہا پسند ہندو مذہبی رہنماؤں کے خلاف بھی پھڑکے اور بھڑکے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ گجرات کے مسلمانوں کے خون سے کھلے عام ہولی کھیلی تھی بلکہ آج بھی ہندوستان کے مختلف علاقوں اور صوبوں بالخصوص کشمیر میں مسلمانوں کے خلاف ہندو بربریت وسفاکیت اور ان کا قتل عام جاری ہے اور اس پر دنیا بھر کے اخبارات اور اقوام متحدہ کی رپورٹ گواہ ہے۔ ندوۃ العلماء کے استاد حدیث مفتی عتیق احمد بستوی صاحب نے جناب سلمان ندوی کے اس رویے پر تبصرہ کرتے ہوئے بجا لکھا ہے کہ:

> ”جس ملک (ہندوستان) میں ہم لوگ آباد ہیں اس میں بھی برائی وجور کی مختلف شکلیں پائی جاتی ہیں نریندر مودی جب صوبہ گجرات میں وزیر اعلی تھا ان کے دور میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں اور مرکز میں بی جے پی

حکومت آنے کی بعد مختلف صوبوں اور علاقوں میں مسلمانوں دلتوں اور مختلف اقلیتوں پر بدترین مظالم کا سلسلہ جاری ہے لیکن حضرت مولانا سلمان صاحب جو سعودی حکومت کے خلاف ہمہ وقت شمشیر برہنہ ہیں ان کا غیظ وغضب کبھی مودی اور ان کے ٹولے پر نہیں اترتا بلکہ موصوف ان ظالموں کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھانے کے داعی ہیں اور جارحیت پسند ہندوؤں کے ساتھ خیر سگالی اور رواداری میں اس حد تک آگے بڑھ چکے ہیں کہ بابری مسجد کی زمین شاندار رام مندر کی تعمیر کے لئے ہندوؤں کے حوالہ کرنے کے لئے بے چین ہیں اور اس سلسلہ میں ان کا رویہ کس قدر اندوہناک اور مایوس کن ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان کے بڑے سے بڑے مداح بھی اس رویہ کی تاویل کرنے سے عاجز ہیں۔"(عظمت صحابہ ص۱۸)

دار العلوم دیوبند کے ایک فاضل مولانا حسن الہاشمی جناب سلمان ندوی کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

"آپ کو ہندوستان میں چھپنے والے اردو ہندی اخبارات پڑھنے کی کبھی توفیق نہیں ہوئی اس لئے آپ کو کبھی یہ اندازہ بھی نہیں ہوا کہ ہندوستان کے مسلمان پر کیا بیت رہی ہے اور حکومتیں ان مسلمانوں کی درگت کس کس طرح بنا رہی ہے اور کس کس طرح مسلمانوں کے خون سے پھاگ کھیلا جارہا ہے تجربہ کار لوگ آپ جیسے لوگوں کے لئے ہمیشہ یہ مصرعہ گنگاتے ہیں۔"

سارے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے بے خبر
پڑا ہے تو جو پیچھے صحابہ کے کبھی یاد بھی کر اپنی قبر

اور ایک بار جب کسی فقیر کی دعا یا بدعا سے آپ کو ہندوستان کے مسلمانوں سے کچھ ہمدردی کی توفیق ہوئی تو آپ نے ان مسلمانوں کی برسہا برس کی قربانیوں کو مشکوک کر دیا اور ان مسلمانوں پر جو ہندوستان پر اپنی جانیں نچھاور کرتے تھے ان پر ایک سوالیہ نشان کھڑا کر دیا۔

آپ نے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کا قتل عام کرتے ہوئے شری شنکر

سے خفیہ اور علانیہ ملاقاتیں کیں اور رام مندر بنوانے کے لئے حکومت وقت کو اور ہندوستان کے تمام فرقہ پرستوں کا منھ میٹھا کرنے کے لئے ایک تحریک چلادی تھی... متنازعہ جگہ (یعنی بابری مسجد کی جگہ) مسلمانوں کی ملکیت ہے اس جگہ فرقہ پرستی کی دعویداری صحیح نہیں ہے اور جہاں تک آستھا کا معاملہ ہے تو آپ کے نزدیک صرف ہندوؤں کی آستھا ہی کیوں قابل توجہ ہے مسلمانوں کی آستھا کو کیوں نظر انداز کیا جارہا ہے اور اس بارے میں آپ آنکھیں بند کرکے مسلمانوں کے جذبات واحساسات کا کیوں قتل عام کرتے رہے ہیں۔(ماہنامہ طلساتی دنیا دیوبند مارچ ۲۰۱۹ ص ۶۰)

اس قسم کے اور بیانات بھی ہیں جو ہندوستان کے مختلف رسائل وجرائد میں چھپ چکے ہیں جس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ جناب سلمان ندوی جب سعودی عرب اور ائمہ حرمین شریفین کے خلاف بھڑکتے اور پھڑکتے ہیں تو اس کی اصل وجہ اسلام اور مسلمانوں کی ہمدردی نہیں کچھ اور ہی معلوم ہوتی ہے آخر کیا بات ہے کہ ائمہ حرمین شریفین مسلمانوں کے حق میں (بقول جناب ندوی) دو لفظ نہ بولیں تو وہ قابل گردن زدنی قرار دے دئے جائیں اور خود اپنے ملک کے وزیر اعظم مسٹر مودی مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے میں لذت لیتے رہے اور ہٹلر کی ادائیں اختیار کرکر کے ہندوستان کی اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کا قتل عام کراتے رہے مگر جناب سلمان ندوی متعصب ہندوؤں کے مذہبی رہنماؤں اور دیگر سیاسی لوگوں سے مل کر کس کس طرح مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپتے رہے اس سے کیا ہندوستان کے مسلمان اور اہل خبر بے خبر نہیں ہیں؟

☆... مولانا عتیق بستوی کے دینی جرائم کا ذمہ دار کون؟

جناب سلمان ندوی نے محترم جناب مولانا مفتی عتیق بستوی صاحب کے بارے میں یہ لکھ کر خود اپنے آپ کو بھی کھول دیا کہ:

"رہ گئے مولانا عتیق بستوی جن کو دار القضاء میں ہم نے رکھا تو وہ مفتی عتیق کے نام سے مشہور ہوگئے میں ان کی تلبیسات تدلیسات دروغ بیانی الزام تراشی اور بگڑے ہوئے مفتیوں کی تاویلات دیکھ کر حیران رہ گیا"

(ازالہ کا ازالہ ص ۵)

یہ جناب سلمان ندوی کا حضرت مولانا مفتی عتیق صاحب دام برکاتہم کی ذات پر حملہ ہے اور کسی اختلاف میں ذاتیات پر آجانا شرافت نہیں سمجھا جاتا چہ جائے کہ ایک دینی مدرسہ کا استاذ جب دلائل سے عاجز ہو جائے تو اس طرح کے ذاتی حملوں پر آجائے۔

حضرت مولانا مفتی عتیق بستوی صاحب دامت برکاتہم کو دار العلوم ندوۃ العلماء میں کون لے کر آئے اسے خود مفتی صاحب کی زبانی سن لیجئے:

> "میری دار العلوم ندوۃ العلماء آمد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر ہوئی اور حضرت کا وہ مکتوب اب بھی میرے پاس محفوظ ہے قاضی کونسل اتر پردیش میں میرے نام کی شمولیت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کی فرمانے سے ہوئی اور قاضی کونسل کی منظوری اس وقت کے صدر بورڈ مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرحمت فرمائی"

اگر حضرت مفتی صاحب موصوف کی یہ بات غلط ہے اور یہ سب آپ کے کہنے پر ہوا ہے تو سوال یہ ہے کہ پھر اس صورت میں ان سب خرابیوں کا ذمہ دار کون ہوا؟ جب آپ کو یہ علم تھا کہ جناب عتیق بستوی نامی ایک شخص صرف عالم ہے مفتی نہیں تو آپ نے انہیں ایک نہایت ہی ذمہ دار ادارہ دار القضاء میں کیوں رکھوایا؟ جب مولانا عتیق نامی شخص اس ادارہ میں جانے کا بقول آپ کے اہل ہی نہیں تھا تو آپ نے دار القضاء میں ان کا نام کیوں پیش کیا؟ جب آپ جانتے تھے کہ وہ تلبیس تدلیس دروغ گو اور الزام تراش اور بگڑا ہوا شخص ہے اور وہ مفتی بھی نہیں تو بقول آپ کے آپ نے انہیں وہاں کیوں رکھوایا۔ اور اگر آپ کو موصوف کے ان جرائم کا بعد میں پتہ چلا تو کیا آپ نے کبھی دار القضاء کے ذمہ داروں سے کہا کہ وہ دار القضاء کے لائق نہیں ہے؟ کیا غیر اہل شخص کو اہل بتا اور بنا کر کسی منصب پر بٹھا دینا دینی جرم نہیں؟ اگر غیر اہل شخص اہل بن کر تلبیس تدلیس دروغ گوئی کا مرتکب تھا تو اتنے خطرناک اور فیصلہ کن جرائم پر آپ اب تک کیوں خاموش رہے؟ کیوں نہ تڑپے اور پھڑکے؟ اور جانتے ہوئے کیوں دو بول نہ بولے؟ مولانا عتیق صاحب اگر مفتی نہ تھے اور دار القضا کی اس کیٹگری Catagory کے اہل نہ تھے تو یہ ان کا جرم تو

ہوا مگر جناب عالی آپ بھی تو اس جرم میں برابر بلکہ زیادہ ہی شریک ہیں کہ جانتے بوجھتے آپ نے دار القضاء کے لوگوں کو دھوکے میں رکھا اور پھر جتنے دینی جرائم مولانا عتیق صاحب کے ہاتھوں بقول آپ کے سرزد ہوئے اس سے آپ اپنے آپ کو کبھی الگ نہیں کر سکتے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ» زَادَ سُلَيْمَانُ الْمَهْرِيُّ فِي حَدِيثِهِ، «وَمَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِأَمْرٍ يَعْلَمُ أَنَّ الرُّشْدَ فِي غَيْرِهِ فَقَدْ خَانَهُ» (سنن ابی داؤد ج۳ص ۳۲۱۔ مشکوۃ ص ۳۶)

یعنی جس کو بغیر علم کے فتوی دیا گیا (اور اس نے اس پر عمل کر لیا) تو اس کا گناہ اس مفتی پر ہو گا اور جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی ایسے کام کا مشورہ دیا جس کے بارے میں اس کو پتہ ہے کہ خیر اس کے غیر میں ہے تو اس نے خیانت کی۔

☆...مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں اہل سنت کا مسلک

اہل سنت کے ہاں مشاجرات صحابہ کوئی نیا موضوع نہیں یہ بڑی کتابوں میں صدیوں سے چلا آرہا ہے اور بڑا نازک موضوع ہے ذرا سی بے احتیاطی اور بے اعتدالی صحابہ کرام پر بے اعتمادی پیدا کرتی ہے پھر اس سے ان کی تمام مرویات میں شک پیدا ہو جاتا ہے اور دلوں میں موجود صحابہ کرام کا اکرام واحترام ختم ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکابرین امت نے مشاجرات صحابہ پر گفتگو کرنے سے روکا ہے۔ حضرت امام ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ (۳۲۴ھ) لکھتے ہیں:

فاما ما جرى بين علىّ والزبير وعائشة رضى الله عنهم فإنما كان على تاويل وإجتهاد وعلى الامام وحكم من أهل الاجتهاد وقد شهد لهم النبى ﷺ بالجنة والشهادة فدل على أنهم كلهم كانوا على حق فى إجتهادهم وكذلك ما جرين بين علىّ ومعاوية رضى الله عنهما فدل على تاويل وإجتهاد وكُل الصّحابة أئمة مأمونون غير متهمين فى الدين وقد أثنى الله ورسوله على جميعهم وتعبدنا بتوقيرهم وتعظيمهم وموالاتهم والتبرى من كل من ينقص أحدا

منهم رضی الله عنهم أجمعین (الابانۃ عن اصول الدیانۃ ص۶۹)

پس جو نزاع حضرت علی حضرت زبیر اور حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہم) کے درمیان واقع ہوا وہ تاویل اور اجتہاد پر مبنی تھا اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ امام (یعنی خلیفہ برحق) تھے اور یہ سب اہل اجتہاد تھے اور ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور شہادت کی گواہی دی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب حضرات اپنے اجتہاد میں حق پر تھے اسی طرح حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو لڑائی ہوئی وہ بھی تاویل واجتہاد پر مبنی تھی اور تمام صحابہ پیشوا ہیں مامون ہیں دین کے معاملہ میں ان پر کوئی تہمت نہیں لگی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالی اور اس کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی تعریف فرمائی ہے اور ہمیں ان کی تعظیم اور ان سے دوستی کی ہدایت و تعلیم دی ہے اور جو لوگ صحابہ میں کسی ایک کی بھی تنقیص کرتے ہیں ان سے برات اور دوری کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت امام ابو رجاء قتیبہ بن سعید (۲۴۰ھ) کہتے ہیں

والکف عن مساوی اصحاب محمد ﷺ ولا یذکر احد منهم ولا ینتقص احد منهم (شعار اصحاب الحدیث ص۳۵ لابی احمد الحاکم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے جو غلطیاں ہوئیں ان پر (اپنا قلم اور) اپنی زبان بند رکھی جائے اور ان میں سے کسی ایک کی بھی برائی اور تنقیص نہ کی جائے

امام ابو محمد حسن بن علی البربہاری (۳۲۷ھ) فرماتے ہیں کہ

والکف عن حرب علي ومعاویة وعائشة وطلحة والزبیر رحمهم الله أجمعین ومن کانَ معهم لا تخاصم فیهم وکل أمرهم إلی الله تعالی (طبقات الحنابلۃ ج۲ ص۳۷)

حضرت علی حضرت معاویہ حضرت عائشہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر (اللہ کی ان سب پر رحمتیں ہوں) کے درمیان جو جنگ ہوئی ان میں خاموشی اختیار کرو ان کے بارے میں جھگڑا نہ کرو اور ان کے معاملے کو اللہ تعالی کے حوالہ کر دو۔

امام ابو عبد اللہ عبید اللہ بن محمد ابن بطہ العکبری رحمۃ اللہ علیہ (۳۸۷ھ) لکھتے ہیں:

نکف عما شجر بین اصحاب رسول الله ﷺ فقد شهدوا المشاهد معه وسبقوا الناس بالفضل فقد غفر الله لهم وأمرك بالاستغفار لهم والتقرب ليه بمحبتهم وفرض ذلك على لسان نبيه وهو يعلم ما سيكون منهم وانهم سيقتلون وأنما فضلوا على سائر الخلق لأن الخطاء والعمد قد وضع عنهم وكل ماشجر بينهم مغفور لهم ولا ينظر فى كتاب صفين والجمل ووقعة الدار وسائر المنازعات التى جرت بينهم ولا تكتبه لنفسك ولا لغيرك ولاتروه عن احد ولا تقرأه على غيرك ولا تسمعه ممن يرويه فعلى ذلك اتفق سادات هذه الامة من النهى عما وصفناه عنهم حماد بن زيد ويونس بن عبيد وسفيان الثورى وسفيان بن عيينه وعبدالله بن ادريس ومالك بن انس وابن ابى ذئب وابن المنكدر وابن المبارك وشعيب بن حرب وابو اسحاق الفزارى ويوسف بن اسباط واحمد بن حنبل وبشر بن الحارث وعبد الوهاب الوراق كل هؤلاء قد رؤه النهى عنها والنظر فيها والاستمتاع اليها وحذرو من طلبها والاهتمام بجمعها

(کتاب الشرح والابانۃ علی اصول السنۃ والدیانۃ ص ۲۶۸)

صحابہ کرام کے مابین جو مشاجرات پیش آئے اس میں ہمارا مسلک خاموش رہنا ہے اس لئے کہ یہ حضرات حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک رہے اور باقی سب لوگوں سے شرف میں آگے بڑھ گئے اللہ تعالی نے انہیں (ان کے گناہوں کو) معاف کر دیا ان کے لئے استغفار کا حکم فرمایا ان سے محبت کرنے کو اپنے قریب آنے کا ذریعہ بتایا اور یہ سب کچھ اپنے نبی ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے فرض ٹھہرایا حالانکہ جو کچھ ان سے (آئندہ) ہونے والا تھا اللہ تعالی

اس سے واقف تھے اور اللہ کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے آپس کے درمیان اختلافات اور جھگڑے ہوں گے صحابہ کو باقی لوگوں پر اس لئے فضیلت دی گئی ہے کہ ان سے جو غلطیاں ہوئیں ہیں (خواہ سہواً ہوئیں یا عمداً) ان کے پیچھے قصداً ادارے کا دخل نہ تھا ان کے درمیان جو اختلافات ہوئے ان کو معاف کر دیا گیا اور جو مشاجرات ان کے درمیان پیش آئے ہیں ان واقعات پر نظر التفات نہ کی جائے اور نہ واقعات کو نقل کیا جائے اور اس کو شائع کیا جائے اور نہ بیان کیا جائے امت کے تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے جن میں سے حماد بن زید یونس بن عبید سفیان ثوری سفیان بن عیینہ عبداللہ بن ادریس مالک بن انس عبدالرحمن بن ابی ذئب محمد بن منکدر عبداللہ بن مبارک شعیب بن حرب ابواسحاق الفزاری یوسف بن اسباط احمد بن حنبل بشر بن حارث عبدالوہاب وراق جیسے حضرات ہیں یہ سب لوگ مشاجرات کو سننے سنانے اور اسے موضوع بحث بنانے سے منع کرتے ہیں

محدث علامہ مجدالدین مبارک بن محمد ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

وذهب جمهور المعتزلة الى ان عائشة وطلحة والزبير ومعاوية وجميع اهل العراق والشام فساق بقتالهم الامام الحق يعنون عليا كرم الله وجهه... وكل هذا جرأة على السلف تخالف السنة فان ماجرى بينهم كان مبنيا على الاجتهاد وكل مجتهد مصيب والمصيب واحد ثواب والمخطئ معذور لاترد شهادته

(جامع الاصول ج۱ ص۱۳۳ ش)

جمہور معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عائشہ حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہم) اور تمام اہل عراق وشام فاسق ہیں کیونکہ انہوں نے امام برحق حضرت علیؓ سے جنگ کی... ان کا یہ سب کہنا سلف صالحین پر حملہ ہے جو سنت نبوی کے خلاف ہے اس لئے کہ ان کے درمیان جو کچھ پیش آیا وہ

اجتہاد پر مبنی تھا اور ان میں سے ہر ایک راست روی کرنے والا تھا جو راست رو تھا اسے اجر و ثواب ملا اور خطا کار کو معذور سمجھا جائے گا اس کی گواہی رد نہیں کی جائے گی۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) اہل سنت و جماعت کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الامساك عما شجر بين الصحابة فانه قد ثبت فضائلهم ووجبت موالاتهم ومحبتهم وما وقع منه مايكون لهم فيه عذر يخفى على الانسان ومنه ماتاب صاحبه منه ومنه مايكون مغفورا فالخوض فيما شجر يوقع فى نفوس كثير من الناس بغضا وذما ويكون فى ذلك هو مخطئا بل عاصيا فيضر نفسه ومن خاض معه فى ذلك كما جرى لأكثر فى ذلك فانهم تكلموا بكلام لا يحبه الله ولا رسوله اما من ذم من لا يستحق الذم واما من مدح امور لا تستحق المدح ولهذا كان الامساك طريقة أفاضل السلف (منہاج السنۃ ج۴ ص۴۴۹)

صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے تنازعات کے بیان کرنے سے اپنی زبانوں کو روک کر رکھا جائے اس لئے کہ صحابہ کے فضائل (قرآن وحدیث سے) ثابت شدہ ہیں اور ان سے دوستی اور محبت رکھنا واجب ہے ان کے درمیان جو کچھ ہوا اس کا ایسا عذر بھی ہو سکتا ہے جو انسان پر مخفی رہا ہو اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی لغزش سے توبہ کر لی تھی اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کے گناہ معاف کر دئے گئے۔ پس صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان ہونے والے تنازعات میں پڑنے سے انسان کے دل میں بغض اور مذمت جگہ پاتی ہے اور اس بارے میں وہ غلطی پر ہوتا ہے بلکہ وہ گنہگار اور عاصی ہو گا اس طرح وہ شخص اپنے ساتھ ساتھ اسے بھی نقصان میں ڈال دے گا جو اس سے بحث ومباحثہ کرے گا جیسا کہ اکثر کلام کرنے والوں کو دیکھا گیا ہے وہ عموما ایسی باتیں

کر جاتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہوتی اس کی بناء پر یہ یا تو ان لوگوں کی مذمت کرتا ہے جو مذمت کے مستحق نہیں ہوتے یا ان کی مدح کرتا ہے جو قابل مدح نہیں ہوتا اس لئے اس بارے میں خاموشی اختیار کرنا چاہئے جیسا کہ اکابر سلف کا طریقہ رہا ہے۔

مفسر شہیر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

واما ما شجر بينهم بعده عليه الصلوة والسلام فمنه ما وقع عن غير قصد كيوم الجمل ومنه ما كان عن اجتهاد كيوم صفين والاجتهاد يخطى ويصيب ولكن صاحبه معذورو إن أخطأ ومأجور أيضا وأما المصيب فله أجران إثنان ---(الباعث الحثيث ص۱۸۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد صحابہ کے درمیان جو اختلافات ہوئے ان میں سے ایک جنگ جمل ہے جو بغیر کسی ارادے کے (دشمنوں کی سازش سے) واقع ہوئی اور ان میں سے ایک جنگ صفین ہے جو اجتہاد کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوئی اور مجتہد کا اجتہاد کبھی خطا کر جاتا ہے کبھی درست ہوتا ہے لیکن مجتہد اگر اپنے اجتہاد میں خطا کر جائے تو اس میں وہ معذور ہے پر اسے اس پر بھی ایک اجر ملے گا (کیونکہ اس نے نیک نیتی کے ساتھ اجتہاد کیا تھا نہ کہ اس کا اجتہاد کسی نفسانی غرض کے لئے تھا) اور اگر مجتہد کا اجتہاد درست ہوا تو اسے اس پر دو اجر ملتے ہیں۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۹۶ھ) لکھتے ہیں:

وماوقع بينهم من المنازعات والمحاربات فله محامل وتاويلات فسبهم والطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية فكفر كقذف عائشة رضی اللہ عنہا وإلا فبدعة وفسق

(شرح عقائد نسفی ص۱۶۲)

اور صحابہ کے درمیان جو لڑائی جھگڑے ہوئے اس کے لئے اچھے محامل اور تاویلات موجود ہیں اس لئے کسی صحابی کو برا کہنا اور ان پر طعن کرنا اگر قطعی

دلائل کے مخالف ہے تو پھر یہ کفر ہے جیسے حضرت عائشہؓ پر قذف کی تہمت لگانا ورنہ بدعت اور فسق تو ہے ہی۔

صحیح بخاری کے معروف شارح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں

وَاتَّفَقَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلَى وُجُوبِ مَنْعِ الطَّعْنِ عَلَى أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ بِسَبَبِ مَا وَقَعَ لَهُمْ مِنْ ذَلِكَ وَلَوْ عَرَفَ الْمُحِقَّ مِنْهُمْ لِأَنَّهُمْ لَمْ يُقَاتِلُوا فِي تِلْكَ الْحُرُوبِ إِلَّا عَنِ اجْتِهَادٍ وَقَدْ عَفَا اللَّهُ تَعَالَى عَنِ الْمُخْطِئِ فِي الِاجْتِهَادِ بَلْ ثَبَتَ أَنَّهُ يُؤْجَرُ أَجْرًا وَاحِدًا وَأَنَّ الْمُصِيبَ يُؤْجَرُ أَجْرَيْنِ (فتح الباری ج۱۳ ص۳۴ش)

اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام کے مابین جو مشاجرات ہوئے اس کی بناء پر ان میں سے کسی ایک کو برا کہنے سے اجتناب کیا جائے اگرچہ یہ معلوم ہو کہ ان میں سے کس کا موقف درست نہ تھا اس لئے کہ یہ جنگ اجتہاد کے سبب پیش آئی تھی۔ اور جو لوگ اجتہاد اخطا کر جاتے ہیں اللہ ان کو معاف کر دیتا ہے بلکہ حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ مجتہد اپنے اکتہاد میں خطا کر جائے تب بھی اسے ایک اجر ملتا ہے اور جس کا اجتہاد درست ہو گا اللہ تعالی اسے دگنا اجر عطا فرمائے گا

صحیح بخاری کے شارح علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

والحق الذی علیہ اھل السنة الامساك عما شجر بین الصحابة وحسن الظن بھم والتاویل لھم وانھم مجتھدون متأولون لم یقصدوا معصیة ولا محض الدنیا فمنھم المخطئ فی اجتھادہ والمصیب وقد رفع اللہ الحرج عن المجتھد المخطئ فی الفروع وضعف اجر المصیب (عمدۃ القاری بشرح البخاری ج۱ ص۲۱۲ش)

اور وہ حق جس پر اہل سنت ہیں صحابہ کے درمیان ہونے والے اختلافات میں زبان روک رکھنا ہے ان کے حسن میں اچھا گمان کرنا اور اس کی عمدہ تاویل کرنا ہے بلاشبہ یہ مجتہد تھے اپنے موقف کی شرعی تاویل ان کے پاس تھی ان حضرات نے معصیت کا ارادہ کیا تھا نہ ان کے پیش نظر دنیا تھی کچھ ان میں سے اپنے اجتہاد میں خطا پر تھے اور

کچھ درست راہ پر تھے اور فروعات میں تو اللہ تعالی نے خطا کرنے والے مجتہد سے تنگی اٹھالی (یعنی ان پر گرفت نہیں بلکہ ایک اجر ملے گا) اور حق پانے والے کے ثواب کو دوگنا کر دیا۔

جامع صغیر کے شارح علامہ عبد الرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۱ھ) اس پر لکھتے ہیں:

لانهم مجتهدون فی تلک الحروب متاولون فسبهم کبیرة ونسبتهم الی الضلال أوالکفر کفر (فیض القدیر ج۶ ص۱۹۰)

اس لئے کہ بیشک صحابہ ان جنگوں میں مجتہد تھے اور تاویل کرنے والے تھے اس لئے ان کو برا کہنا گناہ کبیرہ ہے اور ان کی طرف گمراہی اور کفر کی نسبت کرنا کفر ہے۔

علامہ جمال الدین شیرازی (۔۔۔۔ھ) صحابہ کے حقوق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وپوشیدہ نماند کہ مخالفت و مخاصمت کہ میان بعضے از صحابہ واقع شدہ نزد اہل سنت وجماعت محمول بریں است کہ عن اجتہاد بودہ لا عن نفسانیۃ و ہمہ آنہا قابل تاویلات و محامل صحیحہ است (روضۃ الاحباب ج۲ ص)

علامہ عبد الرحمن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ (۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:

ولما وقعت الفتنة بین علی ومعاویة وهی مقتضی العصبیة کان طریقهم فیها الحق والاجتهاد ولم یکونوا فی محاربتهم لغرض دنوی أو لایثار باطل أو لاستشعار حقد کما قد یتوهمه متوهم وینزع الیه ملحد..... (تاریخ ابن خلدون ج۱ ص۲۵۷)

جب حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان فتنہ نے سر اٹھایا جو عصبیت کا نتیجہ کا تھا تو اس میں بھی صحابہ کرام کا طریقہ حق واجتہاد تھا ان کی آپس کی لڑائی کسی دنیوی غرض سے یا باطل کو ترجیح دینے کے لئے یا کینہ وعداوت کی وجہ سے نہ تھی جیسا کہ بے ادب اور وہمی لوگ گمان کرتے ہیں اور بے دین وملحد یہی رائے قائم کر لیتے ہیں لیکن حقیقت میں بات یہی تھی کہ حق میں ان کا اجتہاد مختلف تھا اور وہ اپنے اپنے

اجتہاد کے مطابق ہر ایک دوسرے کو غلطی پر سمجھتا تھا اور وہ حق ہی کے لئے لڑتے تھے اگرچہ حضرت علی کا اجتہاد صحیح تھا اور حضرت معاویہؓ کا اجتہاد غلطی پر تھا تاہم جنگ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باطل کے ارادے سے کھڑے نہ تھے بلکہ حق کے ارادے سے قائم تھے۔۔یہی حال اس دور کے تمام مسلمانوں کا تھا کہ اپنی اپنی رائے کے مطابق سب حق پر کھڑے تھے باطل کی جانب کوئی بھی جھکا ہوا نہ تھا فرق اتنا تھا کہ کسی کا اجتہاد صحیح تھا اور کسی کا غلط اور مجتہد کو غلطی پر بھی ثواب ملتا ہے (مقدمہ ابن خلدون ج ا ص ۴۷۹)

علامہ عبد الرحمن بن محمد ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ (۸۰۸ھ) ایک اور بحث میں لکھتے ہیں:

وان كان لا يظن بمعاوية غير هذا فعدالته وصحبته مانعة من سوى ذلك وحضور اكابر الصحابة لذلك وسكوتهم عنه دليل على انتفاء الريب فيه فليسوا ممن ياخذهم فى الحق هوادة وليس معاوية ممن تاخذه العزة فى قبول الحق فانهم كلهم أجل من ذلك وعدالتهم مانعة منه (ایضاص ۲۶۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی حسن ظن رکھنا چاہئے کیونکہ آپ کی عدالت اور صحبت رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہی تقاضا ہے اور پھر بڑے بڑے صحابہ کا اجتماع اور ان کی خاموشی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت معاویہؓ بدگمانی سے بری ہیں کیونکہ صحابہ کی شان یہ نہ تھی کہ وہ حق کہنے سے چشم پوشی کریں اور مروت سے کسی کے ساتھ نرمی برت لیں اور نہ حضرت معاویہؓ ہی کی یہ شان تھی کہ وہ اقتدار شاہی کے سامنے حق ماننے سے انکار کر دیں تمام صحابہ کی شان اس سے بلند و ممتاز ہے اور ان کی عدالت ان کے ساتھ اس قسم کی بدگمانیوں سے مانع ہے (ایضاص ج ۲ ص ۲۲)

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۴ھ) لکھتے ہیں:

اہل سنت شکر اللہ سعیہم مشاجرات و منازعات اصحاب خیر البشر را بر محامل نیک محمول

میداند واز ہوا و تعصب دوز میداند زیرا کہ نفوس ایشان در صحبت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوۃ والتحیات مزکی شدہ بود و سینہ ہائے ایشاں از عداوت و کینہ پاک گشتہ غایت مافی الباب چوں بہر کدام را رائے واجتہاد بودہ و ہر مجتہد را عمل بموافق رائے خود واجب بضرورت در بعض امور بسبب مخالفت آراء مخالفت ومشاجرت لازم گشت و ہر یکے را تقلید رائے خود صواب آمد پس مخالفت شان در رنگ موافقت برائے حق بودہ نہ برائے ہوا و ہوس نفس امارہ۔ (مکتوب ۳۶ دفتر دوم ۵۸)

اہل سنت صحابہ کرام کے نزاعات واختلافات کو اچھے محامل پر محمول کرتے ہیں اور خواہش نفسانی و تعصب وغیرہ سے دور سمجھتے ہیں کیونکہ حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت کے اثر سے ان کے نفوس صاف ہوگئے تھے اور سینے عداوتوں اور کینوں سے قطعی پاک۔ بیش ازیں نیست کہ ان میں سے ہر ایک کی رائے تھی اور اپنا اپنا اجتہاد اور معلوم ہے کہ ہر مجتہد پر اپنے اجتہاد وصواب دید کے مطابق عمل کرنا واجب ہے پس اختلاف آراء کی وجہ سے یہ مخالفت اور منازعت ناگزیر ہوئی اور ہر ایک نے اپنی رائے کے مطابق عمل کرنا ضروری سمجھا لہذا ان کی یہ مخالفت رائے حق کی موافقت کے رنگ میں تھی نہ کہ نفس امارہ کی خواہش سے۔ (تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۱۹۲)

اور صحابہ کرام کے درمیان جو باہمی جنگیں ہوئیں مثلا جنگ جمل اور جنگ صفین ان سب کو اچھے محامل پر محمول کرنا اور خود غرضیوں و تعصبات سے دور رکھنا چاہئے یہ اکابر رسول اللہ اکی صحبت کی تاثیر سے ہوا و ہوس اور کینہ و حرص سے پاک صاف ہوگئے تھے یہ اگر کسی سے مصالحت رکھتے تھے تو صرف حق کے لئے اور اگر کسی سے لڑتے جھگڑتے تھے تو صرف اللہ کے واسطے۔ بلاشبہ ان میں سے ہر گروہ نے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا اور بغیر کسی تعصب اور خود غرضانہ جذبہ کے دوسروں کو اپنے سے دفع کیا پس ان کا حال یہ ہے کہ جس کا اجتہاد ان میں سے ٹھیک تھا اس کو دو درجے اور ایک قول کے مطابق دس درجے ثواب ملے گا اور جس سے اجتہاد میں غلطی ہوئی ایک درجہ ثواب سے وہ

بھی خالی نہیں رہے گا۔ غرض جن لوگوں سے اجتہاد میں غلطی ہوئی وہ اسی طرح طعن وملامت سے دور ہیں جس طرح کہ فریق ثانی بلکہ جیسا کہ بتلایا گیا وہ بھی کم از کم ایک درجہ کے مستحق ہیں۔ (ایضاص ۱۹۵)

آپ ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

منازعات ومحاربات کہ در میان ایشان واقع شدہ است بر محال نیک صرف باید کرد واز ہوا وتعصب دور باید داشت زیرا کہ آن مخالفت مبنی بر اجتہاد وتاویل بودہ نہ بر ہوا وہوس چنانکہ جمہور اہل سنت بر آنند... پس باید کہ مدار اعتقاد را بر آنچہ معتقد اہل سنت است دادند وسخنان زید وعمرو را در گوش نیارند مدار کار را بر افسانہائے دروغ ساختن خود را ضائع کردن است۔ تقلید فرقہ ناجیہ ضروری ست تا امید نجات پیدا شود (مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۲۵۱)

صحابہ کرام کے درمیان جو لڑائی جھگڑے ہوئے ان کو اچھے حال پر محمول کرنا چاہئے ان معاملات کو نفسانیت اور تعصب سے دور جاننا چاہئے کیونکہ ان کا دارومدار اجتہاد اور تاویل پر مبنی تھا۔ ہوا وہوس پر نہیں۔ یہی جمہور اہل سنت کا مذہب ہے۔ اس لئے یہ بات ضروری ہے کہ اپنا اعتقاد اہل سنت کے مطابق رکھو اور زید وعمرو کی باتوں پر کان نہ دھرو جھوٹے لوگوں پر اپنے عقائد کی بنیاد رکھنا اپنے ایمان کو ضائع کرنے کے مترادف ہے فرقہ ناجیہ کی تقلید ضروری ہے تاکہ نجات کی امید پیدا ہو۔

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور مکتوب کا یہ حصہ ملاحظہ کیجئے:

واختلافاتے کہ در میان اصحاب پیمبر علیہم الصلوات والتسلیمات واقع شدہ نہ از ہوائے نفسانی بود چہ نفس شریفہ ایشان تزکیہ یافتہ بودند واز امارہ باطمینان رسیدہ ہوائے ایشاں تابع شریعت شدہ بود بلکہ آں اختلاف مبنی بر اجتہاد بود واعلائے حق (دفتر اول مکتوب نمبر ۸۰)

ترجمہ: وہ اختلافات جو صحابہ کے درمیان واقع ہوئے ہیں وہ نفسانی خواہشات پر مبنی نہ تھے کیونکہ ان کے نفس تزکیہ پا چکے تھے اور امارگی سے اطمینان کے درجے کو پہنچ چکے

تھے اور ان سب کے ارادے شریعت کے تابع ہو گئے تھے بلکہ وہ اختلاف حق کی سربلندئی کے لئے اجتہاد پر مبنی تھا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۹۷ھ) ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ و حضرت امیر رضی اللہ عنہما کا معاملہ ہارون و موسی علیہما السلام جیسا تھا۔۔۔ ہم کو تو اب یہی لازم ہے کہ ان کی عیب چینی نہ کریں۔۔۔ مناقشات صحابہ رضی اللہ عنہم نہ تو کلام اللہ میں مذکور ہیں نہ حدیث میں ذکر ہے تاریخ میں ان افسانوں کا بیان ہے سو تاریخوں کا ایسا کیا اعتبار اور وہ بھی شیعوں کی تاریخوں کا اعتبار؟ (اجوبہ اربعین ص ۱۸۸)

حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

اہل سنت وجماعت کے نزدیک یہ محاربات بوجہ غلطی واقع ہوئے طرفین میں سے قصور کسی کا نہ تھا جیسے حضرت موسی اور حضرت ہارون علیہما السلام کے دست و گریبان ہونے اور ہاتھا پائی میں قصور دونوں میں سے کسی کا نہ تھا (ایضاص ۳۶۷)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مستشرقین اور ملحدین نے موقع کو غنیمت سمجھ کر اسلام پر اس رخ سے حملہ شروع کیا کہ عوام میں صحابہ کرام کے متعلق ایسی باتیں پھیلائی جائیں جن سے صحابہ کرام کا اعتماد واعتقاد جو مسلمانوں کے دلوں میں ہے وہ نہ رہے اور جب اس مقدس گروہ سے اعتماد اٹھ گیا تو پھر ہر بے دینی کے لئے رستہ ہموار ہو گیا... امت کے اسلاف واخلاف صحابہ وتابعین اور بعد کے علماء امت کا جو اجماع اوپر نقل کیا گیا ہے کہ مشاجرات صحابہ اور باہم ایک دوسرے کے خلاف پیش آنے والے واقعات میں سکوت اور کف لسان ہی شیوہ اسلاف ہے اس معاملے میں جو روایات وحکایات منقول چلی آتی ہیں ان کا تذکرہ بھی مناسب نہیں۔ یہ کوئی اندھی عقیدت مندی یا تحقیق سے راہ فرار نہیں بلکہ صحیح تحقیق کا عادلانہ اور محتاط فیصلہ ہے۔ (منقول۔ از مناقب صحابہ ص ۵۳)

مگر جناب سلمان ندوی کہتے ہیں کہ چونکہ تمام جلیل القدر محدثین و مفسرین و مؤرخین نے

مشاجرات صحابہ پر کلام کیا ہے اس لئے ہمیں بھی اس کا حق حاصل ہے ہمیں ان پر جرح کرنے سے نہ روکا جائے اور ہمیں مشاجرات صحابہ نہ چھیڑنے کا سبق نہ پڑھایا جائے۔

جناب والا! آپ کا مطالبہ بجا مگر یہ بھی بتایا جائے کہ ہمارا اہل سنت کا تو یہ بنیادی اصول ہے پچھلے پہلوں کے پیچھے چلیں امام بخاری نے کتاب الاعتصام میں اسے نہایت روشن لفظوں سے واضح کیا ہے اور اگر کوئی ایسا موڑ آگیا تھا تو ضروری تھا کہ جناب سلمان ندوی پہلے یہ اعلان کرتے کہ اہل سنت اپنے تمام مواقف میں حق پر نہیں ہیں۔ اس کی از سر نو تحقیق کر کے صحابہ اور مشاجرات کی نئی تعریف بتائی جائے۔ ورنہ میں ہی اس کی تعریف گھڑوں گا اور میں ہی صحابہ کرام کو کٹہرے میں کھڑا کر کے فیصلہ کروں گا کہ اصلی صحابی کون ہے اور کون اصطلاحی ہے؟

پھر یہ بھی بتلایا جائے کہ کہ جن محدثین اور مفسرین نے مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر کلام کیا ہے یا ان سے کسی علمی فقہی بات پر اختلاف کیا تو کیا کسی نے بھی حضرت معاویہؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں وہ زبان استعمال کی جو زبان جناب سلمان ندوی نے استعمال کی ہے ان بزرگوں نے مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر کلام کرنے کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم کے ادب واحترام میں کوئی کمی نہیں آنے دی زیادہ سے زیادہ انہوں نے ان مشاجرات کو اجتہادی غلطی کہا ان کی خطا بتایا انہوں نے خوارج کی طرح نہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کی نہ روافض کی طرح حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم وغیرہم کو طنز و طعن کا نشانہ بنایا۔ اگر کسی صوفی عالم نے اجتہادی خطاء کے بجائے خطائے منکر کہا تو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی رگ حمیت پھڑک اٹھی آپ نے صحابہ کے بارے میں اس لفظ کو بھی زیادتی قرار دیا اور اس سے روکا (دیکھئے مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۲۵۱)

کاش کہ جناب سلمان ندوی سعودی عرب کے خلاف بھڑکنے تڑپنے پھڑکنے کے بجائے صحابہ کرام کی عزت وناموس کے لئے پھڑکتے تو آج ان کی عزت میں اضافہ ہوتا نہ یہ کہ خود ان کے اپنے ان سے اپنے فاصلے بڑھا لیتے۔

کیا جناب سلمان ندوی بتاسکتے ہیں ان محدثین ومفسرین میں سے کسی ایک نے بھی ان مشاجرات کی بناء پر حضرت معاویہؓ کو شرف صحابیت سے محروم دکھایا ہو یا کسی نے حضرت عمرو بن العاصؓ اور

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور دیگر صحابہ کو روافض کی طرح صف اسلام سے باہر کیا ہو یا ان کو زمرہ صحابیت سے باہر کر دیا ہو؟ یا آپ کی طرح کسی نے پوسٹر لگا کر انہیں اور ان کے گروہ کو جہنمی کہا ہو؟ جب ان میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا اور آپ نے ان کے حق میں بد گمانی کی فضا پیدا کی تو پھر ہم آپ کا یہ کہنا کیسے مان لیں کہ اگر میں نے مشاجرات صحابہ کا سبق پڑھایا تو کونسی قیامت آگئی؟ جناب عالی۔ مشاجرات صحابہ میں ان کا موقف اور آپ کی زبان میں جب زمین و آسمان کا فرق ہے تو آپ کا یہ کہنا کس طرح درست ہو گا کہ پچھلے محدثین و مفسرین بھی تو مشاجرات صحابہ پر گفتگو کر چکے ہیں۔

ایک طرف تو آنجناب یہ کہتے ہیں کہ مشاجرات صحابہ کا سبق پڑھانا جرم نہیں کیونکہ اس پر جلیل القدر محدثین مؤرخین مفسرین تفصیلی کلام کرتے رہے ہیں اور دوسری طرف جناب سلمان ندوی کا یہ ارشاد ہے کہ پورا قرآن حق و ناحق کے فیصلے کرنے آیا ہے فتن و ملاحم کی حدیثوں میں ان کے بارے میں بیانات ارشاد فرما گئے ہیں اور امت کو ان کے بارے میں کیا موقف اختیار کرنا ہے اسے واضح فرمایا گیا ہے۔ حجت قرآن و حدیث ہے فلاں اور فلاں کا قول نہیں۔

جناب کا ارشاد بجا۔ مگر یہ تو بتایئے کہ مشاجرات میں فلاں اور فلاں کا قول کون سند بنا کر پیش کر رہا ہے کیا ابن سعد ابن عبد البر ابن جریر طبری ابن کثیر امام ذہبی یہ قرآن و حدیث ہیں یا فلاں فلاں ہیں۔ اگر یہ لوگ قرآن و حدیث نہیں تو آپ مشاجرات میں ان کے بیان کو کیوں حجت بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ آپ صحابہ کرام پر جس بھونڈے انداز میں جرح کر رہے ہیں اور ان کے مشاجرات کا حوالہ دے کر انہیں نشانہ طعن بناتے ہیں کسی کو منافقوں کی فہرست میں لا بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہیں انہیں قاتل کہہ کر ان پر حملہ کرتے ہیں کیا یہ قرآن و حدیث میں ہے؟ بشری تقاضوں کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو غلطیاں ہوئیں وہ عمداً ہوئی ہوں یا سہواً۔ جب قرآن اور صاحب قرآن نے ان پر عفو و مغفرت کی چادر ڈال دی تو پھر آپ فلاں اور فلاں کے اقوال کا سہارا (وہ بھی غلط) لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر کیوں طنز و طعن کے نشتر چلا رہے ہیں؟ کیا یہ کھلا مذاق نہیں کہ مفتی عتیق بستوی صاحب جب جمہور کے حوالہ سے صحابہ کرام کی عزت و ناموس کی بات کرتے ہیں تو جناب سلمان ندوی کی رگیں پھول جاتی ہیں اور

جمہور جمہور کا شور مچانا کہہ کر اسے بند کرنے کا حکم دیتے ہیں مگر جب انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم پر بے اعتمادی پیدا کرنی ہوتی ہے تو وہ اسی جمہور کا نام لے کر بے پر کی اڑاتے ہیں۔ اور اسی فلاں فلاں کے اقوال بتلا کر بعض نادانوں کو مرعوب کرتے ہیں.

آپ ہی اپنی اداؤں کو دیکھیں ذرا ہم عرض کریں گے تو تکلیف ہوگی

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اپنے دور میں جب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان فرماتے تو اس کا مقصد کیا ہوتا تھا؟

وروی عنہ کاتبہ عبداللہ بن ابی رافع لیبین لھم ان السابقین مغفور لھم ولو جری منھم ماجری (منہاج السنۃ ج۴ ص۳۳۱)

سابقین اولین صحابہ باہمی مشاجرات و تنازعات کے باوجود اللہ تعالی کے نزدیک مغفور ہیں خواہ ان کے مابین کچھ بھی ہوا ہو۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

وما شجر بینھم غایتہ أن یکون ذنبا والذنوب مغفورۃ باسباب متعددۃ ھم أحق بھا ممن بعدھم وماتجد احدا قدح فیھم إلا وھو یعظم من ھو دونھم ولا تجد احدا یعظم شیئا من زلاتھم إلا وھو یغضی عما ھو أکبر من ذلک من زلات غیرھم وھذا من أعظم الجھل والظلم (منہاج السنۃ ج۴ ص۳۷۳)

صحابہ کے مابین جو تنازعات ہوئے ان کی آخری حد یہ ہو سکتی ہے کہ وہ گناہ کے کام تھے اور گناہوں کی مغفرت متعدد اسباب کی بناء پر ہو جاتی ہے اور صحابہ کرام تو باقی لوگوں سے بڑھ کر اس بات کے مستحق ہیں۔ آپ کو کوئی ایک بھی ایسا نہیں ملے گا جو صحابہ کی لغزشوں کو تو بڑا دکھا کر لوگوں میں پیش کر رہا ہو مگر وہ خود اس سے بہت بڑی خامیوں اور کوتاہیوں میں مبتلا ہوتا ہے اور یہ سب سے بڑی جہالت اور بڑا ظلم ہے

☆...جمہور کے اجماعی فیصلوں کو فروعی فقہی مسائل سے الجھانے کی کوشش

یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ صحابہ کرام کی طرح ائمہ اربعہ کے درمیان بھی فروعی مسائل

میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم بہت سے مسائل ایسے بھی ہیں جن میں امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما ایک صف میں کھڑے ہیں اسی طرح امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما بھی کئی ایک جگہ اکٹھے نظر آتے ہیں۔ بہت سے مسائل میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ان کے اختلافات اصول میں نہیں فروع میں ہیں۔ اصول میں یہ سب ایک ہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں حضرت خالد بن ولید، حضرت معاویہؓ اور دیگر اصحاب رسول رضی اللہ عنہم پر جرح جائز نہیں مگر امام مالک امام شافعی اور امام احمد اس کو جائز سمجھتے ہیں یہ کوئی نہیں کہتا کہ مشاجرات صحابہ میں امام ابو حنیفہ کا مسلک و مذہب ان تینوں ائمہ سے الگ ہے ؟ امام ابو حنیفہؒ صحابہؓ پر تنقید سے روکتے ہیں اور تینوں مجتہدین صحابہ پر تنقید کا نشتر چلانا جائز گردانتے ہیں۔ ایسا ہر گز نہیں ہے

اسی طرح ائمہ کرام کے مقلدین میں بھی فروعی اختلافات موجود رہے مگر اصول میں یہ سب بھی ایک تھے۔ ان میں سے جس نے بھی مشاجرات صحابہ کا سبق پڑھایا کبھی صحابہ کے ادب واحترام کا دامن نہیں چھوڑا۔ اور جس نے کبھی چھوڑنے کی کوشش کی ان کو پھر ان میں سے کسی نے نہیں چھوڑا ان کے موقف کو کھلے طور مسترد کر دیا ہاں یہ روافض اور خوارج ہیں جو مشاجرات صحابہ کا سبق پڑھاتے ہی اس لئے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ حضرت معاویہ حضرت عمرو بن العاص حضرت ام المؤمنین وغیرہم (رضی اللہ عنہم) کو یا تو شرف صحابیت سے محروم کر دیں یا انہیں اصلی اور جعلی میں تقسیم کر دیں یا ان سب کو صف اسلام سے ہی باہر نکال دکھائیں شیعہ مجتہدین کی تحریریں اس بات کی گواہ ہیں۔

جناب مولانا مفتی عتیق بستوی صاحب نے جب جناب سلمان ندوی صاحب کو جمہور کی زبانی صحابہ کی عزت وعظمت کا سبق سکھایا اور وہ اس کا جواب نہ دے سکے تو انہوں نے بات کس طرح بدلنے کی کوشش کی اسے دیکھئے جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

> مفتی صاحب جمہور جمہور کی دہائی آپ کے منھ کو زیب نہیں دیتی جس جمہور کی آپ دہائی دے رہے ہیں وہ تو سب آپ کے امام ابو حنیفہ کی فقہ کے خلاف رہے ہیں امام ابو حنیفہ۔ مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کے خلاف جہاں

کھڑے ہیں وہاں جمہور دوسری طرف ہیں بالخصوص آپ کے وہ جمہور جن کا آپ سہارا لے رہے ہیں۔ (ازالہ ص۵)

یہ ہے جناب سلمان ندوی کا جواب۔ کہ آپ ہمیں صحابہ کی عزت کا سبق اس لئے نہ پڑھائیں کہ جمہور امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کے خلاف ہیں اس لئے آپ اس جمہور کی بات ہی نہ کریں جو مشاجرات صحابہ میں ایک فریق کو اجتہادی خطا سے زیادہ کچھ کہنے کو پسند نہیں کرتے اور اس میں بھی کف لسان کو اولی اور بہتر قرار دیتے ہیں۔

جناب عالی! فروعات میں اختلاف ہونے کا یہ مطلب کب سے ہو گیا کہ صحابہ کرام کے ادب واحترام میں بھی ان کا موقف الگ الگ ہو امام ابو حنیفہ ان کے بارے میں زبان کو برائی سے کھولنے سے روکتے ہوں اور دیگر ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم ان میں سے کسی کو شرف صحابیت سے خارج کرتے ہوں۔ جب ایسی کوئی بات نہیں تو پھر یہ کہنا کہ چونکہ جمہور کا امام صاحب سے فقہی اختلاف رہا ہے اس لئے حضرت مولانا مفتی عتیق صاحب کو جمہور کے حوالے سے بات کرنے کا کوئی حق نہیں ملنا چاہئے۔ کیا علمی دنیا میں کوئی اہمیت رکھتا ہے؟ اور ۳۵ سالوں سے علوم حدیث پڑھنے پڑھانے کا یہ مطلب کہاں سے بن جاتا ہے؟

صحابہ کرامؓ کے بارے میں جمہور کی بات کو بے وقعت کرنے کے لئے جناب سلمان ندوی کا ایک اور مذاق دیکھئے:

> جمہور محدثین (جن کی آپ (مفتی عتیق بستوی) دہائی دے رہے ہیں) امام ابو حنیفہ کو مرجئ اور اھل الرای المذموم قرار دیتے ہیں بخاری سے لے کر ابن ماجہ اور دارمی تک کوئی امام ابو حنیفہ کا نام لینے کا روادار نہیں ہے آپ کا نہ وضو جمہور کے مطابق ہے نہ نماز نہ اوقات صلاۃ نہ وتر نہ عیدین۔ ذرا اپنے گریبان میں منھ ڈالئے اور جمہور کا شور مچانا بند کیجئے۔ (ازالہ۔ ص۶)

جناب سلمان ندوی کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہم تک اپنی خود ساختہ صحابی کی تعریف پر پرکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ جس کو چاہیں اصطلاحی صحابی بتائیں جس کو چاہیں اصلی صحابی کہیں۔ جسے شرف صحابیت سے نکالنا چاہیں

نکال دیں اور جس کو منافقوں کی صف میں بٹھانا چاہیں بٹھادیں مگر مسئلہ یہ ہے صحابہ کرام کی بے ادبی اور ان کو شرف صحابیت اور اسلام سے باہر کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ جمہور علماء امت ہیں وہ مشاجرات صحابہ پر گفتگو کرنے کے باوجود اس موقف کو کسی صورت اختیار کرنے پر راضی نہیں جو جناب سلمان ندوی بتانا چاہتے ہیں جو لوگ اس حقیقت کو سننے کی تاب نہیں رکھتے وہ اسے جمہور کا شور ہی تو کہیں گے۔ اور شور کا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ جمہور علماء مشاجرات صحابہ میں کس سختی سے اپنے موقف پر کھڑے ہیں اور اس کے خلاف کسی کی بات سننے کے لئے تیار نہیں۔ (اللہ تعالی پوری امت کی جانب سے ان کو جزادے اور ان سب پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے)۔ ان حضرات کی باتوں کو رد کرنے کے لئے سوائے اجماع کا انکار کرنے کے اور کوئی راہ نہیں ہے۔ اے کاش کہ وہ عام مسلمانوں کو جمہور سے بیزار کرنے سے پہلے مؤرخ سیرت حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۷۳ھ) کا اپنا تجربہ بغور ملاحظہ فرمالیتے۔ آپ فرماتے ہیں:

> جمہور اسلام جس مسئلہ پر اعتقادی و عملی طور پر متفق ہوں اس کو چھوڑ کر نئی اختیار نہ کی جائے یہ طریق تواتر و توارث کی بیخ کنی کے مرادف ہے اس گناہ کا مرتکب کبھی میں بھی ہو چکا ہوں اور اس کی اعتقادی اور عملی سزا بھگت چکا ہوں اس لئے دل سے چاہتا ہوں کہ اب میرے عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی اس راہ سے نہ نکلے تاکہ وہ سزا سے محفوظ رہے جو ان سے پہلوں کو مل چکی ہے۔
> (ماہنامہ بینات کراچی ستمبر ۱۹۶۸ء جمادی الاخری ۱۳۸۸ھ)

جناب سلمان ندوی اگر اس سزا سے بچنا چاہتے ہیں جو حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ بھگت چکے ہیں تو انہیں کم از کم جمہور جمہور کا شور کہہ کر اس کا مذاق اڑانا بند کرنا ہو گا ہاں اگر وہ اپنے آپ کو اس دلدل میں گرانا ہی چاہتے ہیں تو وہ اپنا یہ شوق بھی پورا کرلیں اللہ نے چاہا تو وہ اس کا مزہ بھی چکھ ہی لیں گے پر یاد رکھیں یہ مزہ بڑا ہی تلخ اور عبرتناک ہوتا ہے۔ (اللہ حفاظت فرمائے)

جناب سلمان ندوی نے جمہور محدثین کے حوالے سے امام اعظم ابو حنیفہ کو مرجئ اور اھل الرای المذموم بتایا۔ ہم اب بھی یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اگر واقعی جمہور محدثین نے امام اعظم ابو حنیفہ کو مرجئ اور اھل الرای المذموم اسی معنی میں کہا جو معنی جناب سلمان ندوی کے ذہن

میں ہے تو بھی سوال یہ ہے کہ اس بات کا مشاجرات صحابہ سے کیا تعلق؟ موصوف کیا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ چونکہ امام صاحب کو مرجئ اور اہل الرای کہنے والے جمہور محدثین ہیں (حالانکہ یہ بھی غلط ہے) اس لئے جب جمہور محدثین مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ادب واحترام کرنے اور ان معاملے میں کف لسان کرنے اور ان میں سے کسی کو برا کہنے سے روکیں تو ان کی بات نہ مانی جائے کیونکہ وہ امام اعظم ابو حنیفہ کو مرجئ اور اھل الرای المذموم کہتے ہیں؟ چونکہ احناف کے طریقہ وضو نماز وتر اور عیدین میں بقول ندوی صاحب کے جمہور سے اختلاف ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ تک کوئی امام اعظم ابو حنیفہؒ کا نام لینے کا روادار نہیں اس لئے مفتی عتیق صاحب کو جمہور کا نام لینے کی اجازت نہیں ملنی چاہئے مگر یہ مسئلہ پھر بھی اپنی جگہ باقی ہے کہ اس کا مشاجرات صحابہ سے کیا تعلق ہے؟ کیا طریقہ وضو نماز وتر وغیرہ کے اختلاف سے یہ بات جائز ہو جائے گی کہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں جمہور علماء اور محدثین کی بات نہ سنی جائے؟ رہی بات امام اعظم ابو حنیفہ کو مرجئ اور اہل الرای کہنے کی تو اسے جمہور محدثین کی رائے قرار دینا جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے اور اس حقیقت کا بھی کیا کوئی انکار کر سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ پر لگائے گئے اس الزام کا نہ صرف یہ کہ علماء احناف نے بلکہ دیگر ائمہ کے مقلدین علماء نے بھی مدلل اور مسکت جواب دے دیا ہے اور جس ارجاء مذموم اور رائے مذموم کے ساتھ امام اعظم ابو حنیفہ کو متہم کرنے کی کوشش کی گئی امت کے جلیل القدر علماء اس کی بھی حقیقت کھول چکے ہیں اور امام الائمہ امام اعظمؒ ابو حنیفہ کے دفاع میں اس پر مستقل کتابیں امت کو دے گئے ہیں۔

فجزاهم الله احسن الجزاء

رہی یہ بات کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر دارمی رحمۃ اللہ علیہ تک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام لینے کا کوئی روادار نہیں تو عرض یہ ہے کہ ان کی مرضی وہ لیں نہ لیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو صحیح بخاری میں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا بھی نام نہیں لیا اس کی شکایت تو غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان نے بھی کی ہے لیکن یہ تو بتایئے کہ اس کا مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں جمہور کے موقف سے کیا تعلق؟ اگر محدثین امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام نہیں لیتے تو کیا اس کا مطلب یہ ہو گیا کہ جمہور کا مشاجرات صحابہ کے بارے میں اجماعی موقف غلط ہے اور اسے رد کر دیا جائے اور لفظ صحابی کی جو تعریف اور

مطلب جمہور علماء نے اجماعا اپنایا ہے وہ کسی رافضی یا ندوی کے کہنے پر مسترد کر دیا جائے۔ کچھ تو خوف خدا کریں۔

جمہور علماء کا جنگ جمل اور جنگ صفین کے بارے میں یہ مسلک کہ یہ معاملہ اجتہادی غلطی کے نتیجہ میں پیش آیا اور اس باب میں حضرت علی مرتضیٰؓ کا موقف درست تھا تو کیا دوسرے فریق کو صف صحابہ رضی اللہ عنہم سے الگ کر دیا جائے اور وہ تمام آیات واحادیث جس میں صحابہ کرام کی فضیلت اور ان کا مقام ومرتبہ بتایا گیا ہے اس سے محض اس لئے انہیں محروم کر دیا جائے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہؒ کا نام لینے کے روادار نہیں؟

سلمان صاحب۔ کچھ تو قرآن وحدیث کا لحاظ کریں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بے اعتمادی اور بدگمانی کے زہریلے کانٹے بچھانے سے اجتناب کریں۔

حاکم وقت کے خلاف خروج جائز ہے یا نہیں؟ اس پر ائمہ کرام کا اختلاف ہے اور ان کے اپنے اپنے دلائل ہیں۔ لیکن اس سے یہ مغالطہ دینا کہ چونکہ جمہور علماء اس کو جائز نہیں سمجھتے اس لئے اگر جمہور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ حضرت معاویہؓ وغیرہم کے موقف کو اجتہادی غلطی کہتے ہیں تو اسے بھی قبول نہیں کرنا چاہئے بلکہ حسب خواہش جناب سلمان ندوی اس فریق کو شرف صحابیت سے فارغ کر دینا چاہئے ورنہ جمہور کے اس موقف کو ناصبیت سمجھا جائے گا۔ جناب سلمان ندوی جناب مفتی عتیق بستوی صاحب کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

آپ کی طرح آپ کے جمہور میں بہت سے ناصبی چھپے ہوئے ہیں (ازالہ۔ ص ۶)

اس پر اگر آپ کے مخالفین آپ کے سامنے یہ کہیں کہ:

آپ کی طرح آپ کے دوستوں میں بہت سے رافضی چھپے ہوئے ہیں

تو کیا آپ برا تو نہیں منائیں گے؟

صحابہؓ کون ہیں؟ یہ آج کا کوئی نیا موضوع نہیں کہ جس پر نئے سرے سے بحث کی جائے۔ اور نہ یہ کوئی اختلافی موضوع ہے کہ اس کو دوبارہ چھیڑ کر اس کی نئی تعریف وضع کی جائے علماء امت صحابہ کی تعریف ان کا مقام ومرتبہ اور اسلام میں ان کی حیثیت پر بڑی تفصیلی گفتگو فرما چکے ہیں۔

جناب سلمان ندوی بھی اقرار کرتے ہیں کہ وہ ۳۵ سالوں سے یہ موضوع پڑھا رہے ہیں مگر ان

۳۵ سالوں میں کبھی ان پر یہ راز نہیں کھلا تھا کہ صحابہ میں دو طبقے تھے (۱) اصطلاحی صحابی اور (۲) اصلی صحابی۔ یہ راز شاید ۲۰۱۸ء میں ان پر کھلا (یا کھولا گیا) کہ مسلمانوں نے جن لوگوں کو صحابی کہا اور مانا ہے وہ صرف نام کے صحابی تھے حقیقت میں تو منافق تھے حالانکہ یہ بات حضور ﷺ کے اپنے دور میں واضح ہو چکی تھی کہ آپ کے صحابی کون ہیں اور کون نفاق کی چادر اوڑھے ہوئے تھے ہم کسی صورت یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت معاویہ حضرت خالد بن ولید حضرت عمرو بن العاص حضرت طلحہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی بھی نیت میں فتور تھا یا ان میں سے کوئی ایک بھی اس شرف صحابیت سے محروم تھا جس پر اللہ تعالی نے اپنی رضا اتاری اور ان سے خوش ہو گیا۔ (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ) اور ان سب کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ ہاں روافض لفظ صحابی کے لغوی معنوں کا سہارا لے کر ان سب حضرات گرامی قدر کے نہ صرف شرف صحابیت کے منکر ہیں بلکہ وہ ان کے ایمان کے ہی سرے سے قائل نہیں ہیں۔ ہم اس کی کچھ شہادتیں آگے نقل کریں گے یہاں علامہ خمینی کا بیان دیکھئے:

> "ابو بکر اور عمر اور ان کے رفقاء دل سے ایمان نہیں لائے تھے انہوں نے خود کو حکمرانی کی لالچ میں پیغمبر کے ساتھ چپکا رکھا تھا۔"

(کشف الاسرار ص ۱۱۲ ماخوذ از بینات ص ۵۰)

ہم جس طرح علامہ خمینی کی یہ بات کسی صورت نہیں مان سکتے کیونکہ یہ جھوٹ ہے اور اسلامی عقیدہ کے خلاف ہے اسی طرح ہم جناب سلمان ندوی کی بھی یہ بات ہر گز نہیں مان سکتے کہ حضرت معاویہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت عمر بن العاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم محض اصطلاحی صحابی تھے اصلی صحابی نہ تھے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ

غدیر خم میں ہزار ہا ہزار کے مجمع میں
حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کا دعوی
اور شیعیت کی حمایت میں ایک نئی من گھڑت کہانی؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ..... أَمَّا بَعْدُ!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حجۃ الوداع سے واپس مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں غدیر خم نامی ایک تالاب کے کنارے آپ نے قیام کیا آپ کے ساتھ واپس آنے والے وہی لوگ تھے جن کی رہائش مدینہ منورہ اور اس کے قرب وجوار میں تھی۔ اہل مکہ مکہ مکرمہ میں ٹھہر گئے اور دوسرے وہ صحابہ جو مختلف علاقوں سے حج کے لئے آئے تھے اپنے اپنے علاقوں میں واپس لوٹ گئے۔ یہاں کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ کے بعض کاموں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ محبت ومودت رکھنے کی ہدایت اور نصیحت فرمائی اور ان کی دوستی کو اپنے ساتھ دوستی بتایا۔ مقصود یہ تھا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں جس کے دل میں کوئی بوجھ ہے تو وہ اس بوجھ کو میری خاطر اتار دے اور ہمیشہ کے لئے ان سے محبت ودوستی رکھے آپ نے یہ ہدایت ان الفاظ کے ساتھ فرمائی من کنت مولاہ فعلی مولاہ... اس پر جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

> غدیر خم کے میدان میں جو اجلاس فرمایا وہ ہزار ہا ہزار کے مجمع میں تھا ویسے ہی جیسے حجۃ الوداع کے خطابات تھے تقریباً ۲۵ صحابہ کی روایتوں کا حافظ ابن حجر نے اس سلسلہ میں تذکرہ کیا ہے اور انہوں نے امام ذہبی نے سیوطی نے عجلانی نے البانی نے اور دیگر محدثین نے حدیث کو متواتر قرار دیا ہے۔

موصوف چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

> اسی موقعہ پر تمام موجود مسلمانوں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہیں یہ ہے علی ولی المؤمنین من بعدی بتائیں ولی کے قرآن وحدیث میں کیا معنی ہوتے ہیں.....براہ کرم ولی کے تفصیلی معنی بیان کریں۔(ازالہ ص۸)

جواب...علامہ فیروز آبادی نے القاموس المحیط میں ولی کے جتنے معانی نقل کئے ہیں ہم انہیں درج ذیل کئے دیتے ہیں:

الولی ... ای القرب، والدنو، والمطر بعد المطر، والولی، الاسم منہ، والمحب، والصدیق، والنصیر، وولی الشیء علیہ وعلیہ ولایۃ أو ھی المصدر وبالکسر الخطۃ، والامارۃ، والسلطان، والولاء الملک، والمولی المالك، والعبد، والمعتق، والمعتق، والصاحب، والقریب کابن العم ونحوہ والجار، والحلیف، والابن والعم، والنزیل والشریک وابن الاخت والولی والرب والناصر والمنعم والمنعم علیہ والمحب والتابع والصھر (القاموس المحیط ۱۷۳۲)

غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان حیدر آبادی لفظ مولی کے تحت لکھتے ہیں:

رب اور مالک اور سردار اور منعم اور آزاد کرنے والا اور مدد کرنے والا اور محب اور تابع اور ہمسایہ اور چچا کا بیٹا اور حلیف اور عقید اور داماد یا خسر اور غلام اور آزاد کیا ہوا اور جس پر احسان کیا جائے اور یہ لفظ بہت حدیثوں میں وارد ہے تو ہر مقام میں مناسب معنی پر محمول کیا جائے گا۔

(لغات الحدیث ج۴ کتاب واؤ ص۱۰۸)

جناب سلمان صاحب! قرآن وحدیث اور لغت میں ولی کے جتنے بھی معانی آئے ہیں چلئے ہم ان سب میں سے روافض اور آپ ہی کا پسندیدہ معنی سلطان حاکم سردار کا کر لیتے ہیں۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ روایت سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ کی حاکمیت اور ان کی خلافت بلافصل پر نص ہے؟ پھر آپ کا یہ کہنا:

"آپ ﷺ کی اس قطعی ہدایت پر عمل کیوں نہیں ہوا۔" (ازالہ ص۸)

گویا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دن دھاڑے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا حق خلافت غصب کر لیا تھا اور آپ ﷺ کی قطعی ہدایت کے باوجود ان کو خلیفہ اور حاکم بنانے سے ان سب نے انکار کر دیا تھا۔ اگر ہمیں آپ کی یہ بات سمجھنے میں غلطی لگی ہو تو بتایئے آپ پھر کہنا کیا چاہتے ہیں؟

جناب سلمان ندوی ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ نے ان کو (یعنی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ) کو سخت عتاب فرمایا اور حضرت علی کا مقام و مرتبہ ان کو سمجھایا اور ان سے کہا کہ جیسے میں مسلمانوں کا ولی و ذمہ دار ہوں ایسے ہی علی مسلمانوں کے ولی اور ذمہ دار ہیں گویا ان کو نصیحت کر دی گئی کہ علی سے بغض رکھ کر اپنی عاقبت خراب مت کریں۔" (اللہ کے بے لاگ قوانین ص۶۸)

اگر حضور ﷺ نے غدیر میں علی الاعلان یہ بات فرمادی تھی کہ جیسے میں مسلمانوں کا ذمہ دار ہوں اسی طرح حضرت علی بھی مسلمانوں کے ذمہ دار ہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا ان دنوں مسلمانوں کے دو دو حاکم اور دو ذمہ دار تھے یعنی دور نبوی میں حضور ﷺ بھی مسلمانوں کے حاکم اور ذمہ دار تھے اور حضرت علی مرتضی بھی؟ کیا اب تک کسی نے اس کا یہ مطلب سمجھا ہے؟

حضرت الاستاذ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتھم لکھتے ہیں

اس روایت میں لفظ مولی خلافت کے لئے استعمال نہیں کیا گیا ہے اور یہ لفظ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے پر نص صریح نہیں ہے خلافت آنحضرت ﷺ کے بعد کی ایک انتظامی ذمہ داری ہے اور اس حدیث میں من کنت فعلی مولاہ میں بعد کا لفظ کہیں نظر نہیں آرہا اس کے برعکس اس روایت میں دو مولی کا پتہ دیا گیا ہے حالانکہ خلافت توحد (یعنی ایک شخص کی حکومت) چاہتی ہے مولی بمعنی دوست ہو تو بیشک ایک وقت میں دو دو مولی ہو سکتے ہیں لیکن یہ لفظ اگر خلیفہ کے معنی میں ہو تو ایک وقت میں دو دو مولی (دو حاکم) نہیں ہو سکتے

اور روایت میں یہ الفاظ دو دفعہ آئے ہیں۔ پھر دوستی تو افراد سے ہو سکتی ہے لیکن خلافت افراد پر نہیں پوری قوم پر ہوتی ہے اگر حضور اکرم ﷺ ان الفاظ میں خلافت کا اعلان کر رہے تھے تو اس بات کو اس طرح کہنا **من کنت مولاھم فعلی مولاھم** مقتضائے حال کے مطابق تھا سو کلام مقتضائے حال کے مطابق نہ ہو تو وہ کلام نبوت نہیں سمجھا جا سکتا نبی کا کلام مقام بلاغت سے کہیں نہیں گرتا

(تجلیات آفتاب ج ا ص ۵۲۵ طبع ۲۰۱۰ء)

جناب سلمان ندوی کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ یہ بات حضور ﷺ کی رحلت کی صورت میں کہی گئی ہے کہ آپ کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ مسلمانوں کے حاکم اور ذمہ دار ہوں گے۔ اس لئے کہ اس کا حاصل پھر اس کے سوا اور کیا ہو گا کہ حضور ﷺ کی آنکھ بند ہوتے ہی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی اس کھلے بندوں دی گئی نصیحت (بلکہ بقول جناب سلمان ندوی قطعی ہدایت) کو نہ صرف یہ کہ رد کر دیا تھا بلکہ انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اور ان کو مسلمانوں کا حاکم اور ذمہ دار بنا کر حضور ﷺ کی نصیحت سے کھلے عام بغاوت کر دی تھی۔ اور اس نبوی نصیحت پر عمل نہ کرنے کا سبب بقول جناب سلمان ندوی بغض علی ٹھہرا۔ گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں حضرت علی مرتضیٰؓ کا بغض تھا کہ جس کی بناء پر ان کو مسلمانوں کا ولی اور ذمہ دار بنانے سے روکا گیا اور سب نے مل کر ان سے خلافت کا حق چھین لیا تھا۔ یہ ہے صحابہ کرام کی وہ خوفناک تصویر جو سلمان ندوی اپنے شبابوں اور جاہل مسلمانوں کو پوری بے حیائی سے دکھا رہے ہیں۔ (استغفر اللہ)

پھر جناب سلمان ندوی کا یہ بیان بھی دیکھئے جس میں وہ صحابہ کرام کو حضور ﷺ کے صریح اعلانات کو فراموش کرنے والا بھی بتاتا ہے۔

> حضور ﷺ نے آخری وصیت کے طور پر مجمع عام میں تمام صحابہ سے عہد لیا تھا کہ علی کو اپنا ولی سمجھو ان کے بن کے رہو ان سے تعلق موالات و محبت قائم کرو ان سے کبھی دشمنی نہ کرنا یہ مسجد کی کسی چھوٹی سی مجلس کی بات نہیں تھی بلکہ ہزاروں کے مجمع میں تھی ایک ایک صحابہ نے جو حدیث

سنی اور نقل کی اسے حجت سمجھنے والے اور اس پر فقہ کے مسائل کی عمارت اٹھانے والے ایک بڑے مجمع میں حضور ﷺ کے اعلانات صریح مطالبات اور عہد و معاہدہ کو کیسے فراموش کر دیتے ہیں؟

(اللہ کے بے لاگ قوانین اور فیصلے ص ۸۲)

سلمان صاحب! ذرا بتایئے تو سہی کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے بقول آپ کے حضور ﷺ کے اعلانات، صریح مطالبات اور عہد و معاہدے فراموش کر دئے تھے؟ آپ کے مخاطب کون ہیں؟ حرمین شریفین کے ائمہ کرام اور دور حاضر کے علماء ہیں یا ماضی کے فقہاء ہیں یا پھر حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان اور وہ تمام صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) ہیں جنہوں نے بقول آپ کے حضرت علیؓ کے بجائے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا ولی اور ذمہ دار بنالیا تھا؟ تقیہ اور تبرا کی زبان تو شیعہ کا خاصہ ہے یہ زبان آپ نے کب سے اختیار کر لی ہے؟ اور بات بات پر صحابہ کرام بالخصوص حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنہما پر کیوں لال پیلے ہوئے جا رہے ہیں؟

حضرات شیخین اور دیگر صحابہ کرام پر موصوف کا ایک اور جارحانہ انداز دیکھئے:

کیا اس سے زیادہ صریح واضح برملا اور اتنے بڑے مجمع میں اور آخری وصیت کے طور پر کوئی اور بات کہی گئی؟ اس حدیث کے منطوق سے مدلول سے صریح مفہوم سے گریز کیوں؟" (ایضاص ۸۳)

جناب سلمان ندوی کے اس بیان سے بھی یہ بات واضح ہے کہ موصوف کے عقیدے میں حضرات شیخین کریمین نے حضور ﷺ کی آخری وصیت کا کوئی لحاظ نہیں رکھا تھا حدیث کے منطوق سے مدلول سے صریح مفہوم سے اس بات کے واضح ہونے کے باوجود کہ حضور ﷺ نے بڑے مجمع میں حضرت علیؓ مرتضی کو اپنی خلافت کے لئے نامزد کر دیا تھا اور آپ کو مسلمانوں کا ذمہ دار بنا دیا تھا مگر حضرات شیخین کریمینؓ نے دیگر تمام صحابہ (مہاجرین ہوں یا انصار) کے ساتھ مل کر دن دھاڑے ان کا حق خلافت غصب کر لیا تھا۔ (استغفر اللہ العظیم)

جناب سلمان ندوی کے رسالہ ازالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھنؤ کا شیعہ جریدہ ماہنامہ الاصلاح کا مدیر لکھتا ہے:

"جب یہ اقرار ہے کہ پیغمبر نے فرمایا تھا کہ اگر تم علی کو حاکم بناؤ گے تو تم انہیں ہادی و مھدی بناؤ گے اللہ کے حکم سے نبی نے جو اعلان فرمایا تھا اس کی مخالفت کا آغاز صرف حاکم شام (یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ ناقل) کے دور سے کرنا انصاف و عدالت کے خلاف ہے بلکہ یہ مخالفت تو حیات نبی میں قضیہ قلم و دوات اور بعد وفات نبی یہودیوں کے چوپال میں ہونے والی اس جلسے سے ہوگئی تھی جس میں اللہ و رسول کے انتخاب کو رد کرنے کے بعد اس میں اپنے انتخاب کو لادا گیا۔" (الاصلاح لکھنؤ۔ مارچ ۲۰۱۹ء)

شیعہ علماء اور ان کے ذاکروں کے محرم کے ماتمی جلسوں کا خلاصہ یہی تو ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؓ حقیقت میں کربلا میں شہید نہیں ہوئے آپ کی شہادت کی ابتداء تو اسی دن شروع ہو چکی تھی جب اصحاب نے ثقیفہ میں حضرت ابو بکر کو خلیفہ چن لیا تھا پھر یہ لوگ روتے ہوئے یہ شعر پڑھتے ہیں اور اس پر ان کے جاہل سامعین آہ و بکا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

بنا کردند ایں قول صحیفہ حسین کشتہ شد اندر ثقیفہ

شیعہ عوام جب اپنے ملاؤں کی مجالس میں اس قسم کی باتیں سنتے ہیں تو وہ حضرات شیخین کریمینؓ پر پھر جس طرح تبرا پڑھتے ہیں وہ ان کی تقریروں اور تحریروں مجلسوں اور محفلوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اثنا عشری عقیدے میں شیخین کریمینؓ کو گالیاں دینا اور ان پر سب و شتم کرنا کوئی برا عمل نہیں ہے یہ بات محض الزام نہیں حقیقت ہے۔ شیعہ کے معروف مدرسہ جامعۃ الکوثر کے ایک شیعہ ذاکر کی زبان اور اس کا عقیدہ دیکھئے جس کا اس نے کھلا اظہار آج سے تقریباً ۶ سال قبل تحریری طور پر کیا تھا۔ اس نے لکھا:

یہ امر بالکل واضح ہے کہ محققین کی نزدیک شیخین کو گالی دینا کفر نہیں ہے نہ ہی گالیاں دینے والا کافر مرتد اور واجب القتل ہے۔

(ماہنامہ افکار العارف لاہور دسمبر ۲۰۱۳ء ص ۴۸۔ منقول از ماہنامہ حق چار یار ستمبر ۲۰۱۹ء)

جناب عالی! شیعہ مجتہدین اپنی کتابوں میں اور ان کے ذاکرین اپنے بیانات میں کیا یہی بات نہیں

کہتے کہ حضور ﷺ نے تو اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا ذمہ دار بنایا تھا مگر سب نے مل کر ان کا یہ حق ان سے چھین لیا تھا اور آپ اپنے اس حق کے لئے لوگوں کے دروازوں پر بھی گئے مگر کسی نے بھی ان کی بات نہیں سنی؟ کیا روافض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہی الزام دھر کر ان کو انکار امامت اور غصب خلافت پر کافر نہیں بتاتے؟ اگر واقعی آپ کا موقف بھی یہی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں کھوٹ تھا اور وہ لفظ صحابی کے اس معنی پر صادق نہیں آتے جن پر حدیث میں بشارت موجود ہے تو پھر آپ کھل کر کیوں نہیں کہتے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے صحابہ کو اپنے ساتھ ملا کر نہ صرف یہ کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کا حق خلافت غصب کیا بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے پیغمبر اسلام کے (بقول آپ کے قطعی ہدایت اور) صریح اعلانات کی کھلے عام خلاف ورزی کا بھی ارتکاب کیا تھا۔ اگر آپ کے ہاں لفظ ولی اسی معنی میں ہے تو پھر اس کا نتیجہ بھی آپ کو قبول کرنا پڑے گا اور اگر آپ شیعہ مجتہدین کے اس دعوی کے منکر ہیں تو پھر آپ اس کا جو بھی معنی کریں گے وہ آپ کے اس موقف کی تائید نہیں کرتا جو آپ اپنی تحریر اور تقریروں سے ہمیں منوانا چاہتے ہیں۔

(نوٹ) جناب سلمان ندوی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو شکوک وشبہات کی نذر کرنے اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل بنانے پر تو بڑا زور لگایا ہے مگر انہیں داعش کے سربراہ ابو بکر بغدادی کو خلیفہ تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ تک نہیں ہوئی۔ یہی شیعہ جریدہ لکھتا ہے:

> "جب داعش کے رہنما ابو بکر بغدادی جیسی شخصیت دعوے خلافت کے ساتھ اٹھی تو الخلافۃ علی منہاج النبوۃ کے متلاشی کی حیثیت سے ہمارے مولانا سلمان ندوی نے انہیں خلیفہ تسلیم کر لیا۔"
>
> (ماہنامہ الاصلاح لکھنؤ مارچ ۲۰۱۹ء ص ۳۵)

جناب سلمان ندوی نے دعوی کیا ہے کہ حافظ ابن حجر نے ۲۵ روایتوں کا تذکرہ کیا ہے وہ روایات حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی کس کتاب میں ہے؟ اس کی انہوں نے کوئی نشاندہی نہیں کی۔ امید ہے کہ

موصوف آئندہ ان روایات کی نشاندہی فرمائیں گے۔

ہمیں شیعہ علماء کے اس قسم کے بیانات پر اس لئے بھی حیرانگی ہوتی ہے کہ یہ لوگ ابھی تک لفظ ولایت (واؤ کی زیر کے ساتھ) اور ولایت (واؤ کے زبر کے ساتھ) میں فرق نہ کر پائے اگر وہ نصوص میں آئے ان الفاظ پر غور کرتے تو وہ کبھی اتنی بڑی غلطی نہ کرتے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) نے اپنی مایہ ناز کتاب منہاج السنۃ میں شیعہ علماء کی اس قسم کی جہالتوں کو نہایت عالمانہ انداز میں آشکار کیا ہے آپ اس بحث میں لکھتے ہیں:

ان الفرق بين الولاية بالفتح والاولاية بالكسر معروف فالولاية (بالفتح) ضد العداوة وهى المذكورة فى هذه النصوص ليست هى الولاية بالكسر التى هى الامارة وهؤلاء الجهال يجعلون الولى هو الامير ولم يفرقوا بين الولاية (بالفتح) والولاية (بالكسر) والامير يسمى الوالى لايسمى الولى ولكن قد يقال هو ولى الامر كما يقال وليت أمركم ويقال اولو الامر واما اطلاق القول بالولى وإرادة الولى فهذا لايعرف بل يقال الولى المولى ولا يقال الوالى ... فبين ان الولاية دلت على الموالاة المخالفة للمعاداة الثابتة لجميع المؤمنين بعضهم على بعض وهذا مما يشترك فيه الخلفاء الاربعة وسائر اهل بدر واهل بيعة الرضوان فكلهم بعضهم أولياء بعض ولم تدل الاية على احد منهم يكون اميرا على غيره بل هذا باطل من وجوه كثيرة إذ لفظ الولى والولاية غير لفظ الوالى والاية عامة فى المؤمنين والامارة لا تكون عامة (منہاج السنۃ ج ۷ ص ۲۸)

وَلایت اور وِلایت کا فرق علماء کے ہاں عام طور پر معروف ہے ولایت (بالفتح) عداوت کی ضد ہے اور ان نصوص میں اسی کا بیان ہے اس سے ولایت (بالکسر) مراد نہیں جو کہ حکومت کے معنی میں ہے شیعہ جاہلوں کا حال یہ ہے کہ وہ ولی کو امیر سمجھتے ہیں اور ولایت اور ولایت میں کوئی فرق نہیں کرتے یہ امیر کو والی کہتے

ہیں ولی نہیں کہتے ہاں اسے ولی الامر کہا جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ تمہارے کاموں کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے

جبکہ ولی کے ارادہ سے مولی کا لفظ بولنا بھی عرب کے ہاں معروف نہیں ہے ولی کو مولی کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے والی کے معنی میں نہیں... اس سے واضح ہو گیا کہ مولاۃ (دوستی) معاداۃ (دشمنی) کی ضد ہے اور یہ ولایت (واؤ کے زبر کے ساتھ) تمام مؤمنوں کے درمیان ثابت ہے اور یہ خلفائے اربعہ اصحاب بدر اور اصحاب بیعت رضوان کے درمیان بھی ثابت ہے ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ولی اور دوست ہے سو اس آیت (انما ولیکم اللہ۔ الایۃ) میں کہیں بھی یہ دلیل موجود نہیں کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر امیر ہے بلکہ اس طرح سمجھنا کئی وجوہ کی بناء پر غلط ہے۔

شارح مشکوۃ نواب قطب الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۸۹ھ) لکھتے ہیں:

"اور ہونا مولی کا بہ معنی امام کے معہود و معلوم نہیں ہے لغت میں اور نہ شرع میں اور کسی ائمہ لغت نے اسے ذکر نہیں کیا کہ مفعل بہ معنی افعل کے آتا ہے (صواعق محرقہ ۴۳) اور کہتے ہیں کہ یہ چیز اولی ہے فلاں چیز سے یہ نہیں کہتے کہ مولی ہے اس سے۔ پس غرض مولات کے بیان کرنے سے اس بات کی تنبیہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ساتھ دشمنی رکھنے سے پرہیز کرے اس بیان سے حضرت علیؓ کی بڑی بزرگی ثابت ہوئی اس لئے کہ اس سے پہلے فرمایا اَلست اَولی بالمؤمنین اَنفسھم (ترجمہ) کیا تم نہیں جانتے کہ میں نزدیک تر اور دوست تر ہوں ساتھ مؤمنوں کے ان کی جانوں سے بھی۔ اور دعا بھی پھر اسی جہت سے ہے اور بعض طرق میں اہل بیت نبوت کا ذکر عموما اور ذکر علیؓ خصوصا آیا ہے جیسا کہ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد حضرت علیؓ کی محبت پر رغبت اور تاکید دلانا ہے۔ (مظاہر حق شرح مشکوۃ۔ ج۵ ص۱۲۷)

علامہ ابن حجر ہیثمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

آپ کی مولات کی تنصیص سے مراد آپ کے بغض سے اجتناب ہے کیونکہ {ألست أولی بکم من أنفسهم} تین بار کہنے سے تنصیص کرنا اس کے شرف کو دوبالا کرنے والی بات ہے تاکہ اسے قبول کرنے پر زیادہ آمادگی ہو۔ (صواعق محرقہ ص ۴۳)

مسند الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر یہی معنی ہیں جو آپ کے کلام سے بے تکلف سمجھ میں آتے ہیں کہ جیسے پیغمبر کی محبت تم پر فرض ہے ایسے ہی حضرت علیؓ سے دشمنی رکھنا بھی حرام ہے یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۴۱۹)

آپ آگے چل کر لکھتے ہیں:

"یہ لوگ اتنا بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ایک شخص کی دوستی کا ثبوت سب کے ضمن میں اور چیز ہے اور اسی شخص کی دوستی کا وجوب خصوصی پہلو سے کچھ اور چیز۔ اگر کوئی شخص اللہ کے سارے انبیاء اور رسولوں پر ایمان لاتا ہے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی زبان پر نہیں لاتا تو اس کا ایمان معتبر نہیں یہاں خاص جناب امیرؓ کی ذات سے دوستی منظور ہے اور آیت میں دوستی وصف ایمانی کے باعث جو عام ہے مقصود تھی پھر اگر آیت وحدیث کا مضمون مل بھی گیا تو اس میں قباحت کی کیا بات ہے پیغمبر کا کام یہی ہوتا ہے کہ مضامین قرآن کی بار بار تاکید اور اس کی یاد دہانی کرتا رہے خصوصا جہاں کہیں مکلفین کی طرف سے احکام قرآنی میں غفلت و سستی یا عمل میں کوتاہی رونما ہو۔" (ایضاص ۴۲۲)

امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۸۱ھ) لکھتے ہیں:

اگر بالفرض {من کنت مولاہ} کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کجا اشارہ تک نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اس حدیث سے اس وقت ثابت ہو سکتی ہے جبکہ مولی حاکم کے معنی میں ہو اور حدیث کا ترجمہ یہ ہو کہ میں جس کا حاکم ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے حاکم ہیں حالانکہ زبان عرب میں مولی حاکم کے معنی میں نہیں آتا قرآن مجید میں ہے

{فان اللہ ھو مولاہ وجبرئیل وصالح المؤمنین} اگر مولی حاکم کے معنی ہو تو اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جبرئیل اور مؤمنین صالحین حضور ﷺ کے حاکم ہیں معاذ اللہ منہ۔ لہذا اس روایت کے صحیح مان لینے سے بھی کچھ نتیجہ نہ ہوا اور نہ اس حدیث میں حضرت علیؓ کی خلافت کا ذکر ثابت ہوا اور نہ یہ حدیث آیت کے ساتھ کوئی تعلق پیدا کر سکی ہے (تفسیر آیت تبلیغ ص ۳۸)

مفکر اسلام حضرت الاستاذ علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتھم لکھتے ہیں:

"اس روایت میں لفظ مولی خلافت کے لئے استعمال نہیں کیا گیا ہے اور یہ لفظ حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے پر نص صریح نہیں ہے خلافت حضور ﷺ کے بعد کی ایک انتظامی ذمہ داری ہے اور اس حدیث میں بعد کا لفظ کہیں نظر نہیں آرہا ہے۔ (تجلیات آفتاب ج ۱ ص ۵۲۵)

شیعہ علماء کا یہ دعوی کہ روایت مذکورہ میں ولی کا معنی مسلمانوں کا امیر اور حکمران ہونے کا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خود کبھی حضرت علی مرتضیؓ نے بھی اس روایت سے استدلال کر کے یہ کہا کہ حضور ﷺ نے اپنے بعد مجھے ان الفاظ سے مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ مقرر کر دیا ہے اور آپ کی یہ قطعی ہدایت ان الفاظ میں موجود ہے اس لئے حضور ﷺ کے بعد خلافت میرا حق ہے ؟ اور اس باب میں جو میرا ساتھ نہیں دیتا وہ ظالم اور غاصب ہے۔

شیعہ علماء اب تک حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح یہ بات ثابت نہ کر پائے کہ آپ نے اپنے کسی بیان میں اس روایت سے استدلال کر کے اپنا حق خلافت مانگا ہو۔ جب خود سیدنا حضرت علی مرتضیؓ نے اس روایت کو اپنی خلافت بلا فصل پر کبھی پیش نہیں کیا تو جناب سلمان ندوی کا یہ دعوی کیا مدعی چست گواہ سست کا مصداق نہیں۔ ولی کے جو معنی آپ بتانا چاہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے سارے صحابہ اس معنی کو ہی سمجھ نہ پائے ورنہ انہیں کیا ضرورت تھی کہ وہ بقول آپ کے اس قطعی ہدایت نبوی کے ہوتے ہوئے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر جانشین رسول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیتے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پھر حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کی؟

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۷۶ھ) ایسے لوگوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں اسے دیکھئے:

"پس کسے کہ گوید کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین حق را بصحابہ رسانید ند لیکن ایشان معنئے کہ مراد بود نہ فہمید ند یا فہمید ند اما غرض نفسانی حامل شد ایشان رابر کتمان آں وے مبتدع است... شیعہ کہ می گوینده آنحضرت صلی اللہ علیہ بر خلافت حضرت مرتضی نصے فرمودہ بود ند صحابہ بغرض نفسانی خود کتم آں کر دند وعصیان امر وز زید ند مبتدع اند اینجا مراد حق ظہور دین است مراد او راجل وعلا بر ہم نمی تواں زد سبحانک ھذا بھتان عظیم ۔" (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ج ا ص ۱۷۶)

پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین برحق صحابہ کو پہنچایا مگر صحابہ ان معانی کو نہ سمجھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مراد لئے تھے یا سمجھے مگر غرض نفسانی ان کو اس دین کے پوشیدہ کرنے پر باعث ہوئی (ایسا کہنے والا) وہ شخص بدعتی ہے... شیعہ جو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مرتضیٰ کی خلافت پر نص فرمادی تھی مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے غرض نفسانی کی وجہ سے اس کو چھپاڈالا اور آپ کے حکم کے خلاف کیا تو یہ سب لوگ بدعتی ہیں۔ جب دین حق کا غلبہ خدا کو مقصود تھا تو اس کے مقصود کو کوئی برہم نہیں کر سکتا۔

جناب سلمان ندوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل منوانے کے لئے {علی ولی المؤمنین بعدی} سے استدلال کرتے ہیں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) انت ولی فی کل مؤمن بعدی کے متعلق لکھتے ہیں:

فإن هذا موضوع باتفاق أهل المعرفة بالحديث

(منہاج السنۃ ج ۵ ص ۳۶)

آپ ایک اور بحث میں لکھتے ہیں:

هو ولی کل مؤمن بعدی کذب علی رسول الله صلی الله علیه

وسلم (منہاج السنۃ ج۷ ص۳۹۱)

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ اور بہتان ہے۔

شیخ دکتور محمد رشاد سالم لکھتے ہیں:

جاء هذا الحديث فی کتاب فضائل الصحابة وقال المحقق (ج۱ص ۵۰۳) موضوع وفيه متروكان متهمان بالوضع طلحة وعبيدة (حاشیہ منہاج السنۃ ج۵ ص۳۶)

قال ابن تيمية رحمه الله تعالى عن هذا الحديث كذب على رسول اللہ رحمۃ اللہ علیہ (وعاوی المناوئین لشیخ الاسلام ابن تیمیہ ص۵۷۰)

اگر یہ بات واقعی درست ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کیا صحابہ کرام نے بعدی کا معنی نہیں سمجھا تھا؟ یا بعدی پر عمدا عمل نہیں کرنا چاہتے تھے؟ اور یہ بھی پیش نظر رکھئے کہ یہ ایک دو تین چار نہ تھے ابھی ہزار ہا ہزار صحابہ مدینہ منورہ میں موجود تھے کیا وہ سب کے سب بھی لفظ بعدی کو سہوا یا عمدا چھوڑ بیٹھے تھے؟ اور اس لفظ کی کھلے عام بغاوت پر آ گئے تھے؟ اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ذاتی مفادات اور نفسانی خواہشات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی (بقول سلمان ندوی) قطعی ہدایت پر مقدم رکھا تھا ان کے ہاں ذاتی مفادات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قطعی ہدایت کا بھی کوئی پاس ولحاظ نہ تھا۔ یہی تو وہ راگ اور ٹیپ کا بند ہے جو شیعہ مجتہدین اور ان کے ذاکرین سناسنا کر صحابہ کرام پر نہ صرف یہ کہ بد اعتمادی اور بد گمانی پیدا کرتے ہیں بلکہ وہ اپنے شیعہ عوام کو صحابہ کے خلاف بدزبان بنانے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۹۷ھ) حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر شیعہ عالم کے استدلال {وولی کل مؤمن} کا جواب دیتے ہوئے شیخین کریمین کی مقتداء حیثیت پر حدیث نبوی نقل کر کے لکھتے ہیں:

اب آپ کلام اللہ اور حدیث کو تولئے پھر یہ بولئے کہ یہ ارشاد جو خلفاء راشدین کے حق میں (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمائے ہیں (مقصد استخلاف

میں) زیادہ ہیں یا ولی کل مؤمن... اسے تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اولیاء اللہ خدا کے دوستوں کو کہتے ہیں خدا کے حاکموں کو نہیں کہتے ہم بھی حضرت امیرؓ کو تمام اہل ایمان کا دوست اور محبوب سمجھتے ہیں چنانچہ بخاری وغیرہ اور صحاح میں ایسی حدیثیں موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ سوا مؤمن حضرت علیؓ سے کوئی محبت نہ کرے گا اور سوا منافق کوئی ان سے بغض نہ رکھے گا سو بفضلہ تعالیٰ یہ دولت نصیب اہل سنت ہو ہی رہی ہے۔" (اجوبہ اربعین ص ۱۱۵)

آپ چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

غرض ولی کل مؤمن ومؤمنة وغیرہ الفاظ سے تو یہ مطلب نکالنا ایسا ہے جیسا کسی نے ہجوں سے اپنا نام بتایا تھا۔ عین فے زبر عف غین فے زبر غف میرا نام محمد یوسف۔ باقی وصی اور خلیفتی سنیوں کی کتاب میں اور کسی روایت میں نہیں پھر کاہے کے لئے تین پانچ کی جاتی ہیں۔ (ایضاص ۱۱۶)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں عترت رسول کے ہی ایک فرزند ارجمند حضرت حسن مثنی بن حسن سبطؓ سے ہی ولی کا معنی بتادیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اکابر اہل بیت نے بھی کبھی اس روایت کو حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت بلا فصل نہیں سمجھا تھا اور نہ کبھی لفظ ولی کو امارت اور خلافت کے معنی میں لیا تھا۔ محدث جلیل حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۳ھ) محدث دار قطنی اور محدث ہروی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

اخرج الهروی والدارقطنی نحوه بزیادة فهذه الطرق کلها عن علی متفقة علی نفی النص بإمامته ووافقه علی ذلك علماء اهل بیته فقد اخرج أبونعیم عن الحسن المثنی بن الحسن السبط انه لما قیل له ذلك ای ان اخبر من کنت مولاه فعلی مولاه نص إمامته فقال أما والله لو یعنی النبی ﷺ بذلك الامارة والسلطان لافصح لهم به فان رسول الله ﷺ کان افصح الناس للمسلمین ولقال لهم ایها الناس هذا ولی أمری والقائم علیکم بعده فاسمعوا

له واطيعوا ماكان من هذا شيء فوالله لئن كان الله ورسوله اختارا عليا لهذا الامر والقيام به للمسلمين من بعده ثم ترک علی أمر الله ورسوله أن يقوم به أو يعذر فی الی المسلمين إن كان أعلم الناس خطيئة لعلی إذ ترک أمر الله ورسوله وحاشاه من ذلک وفی رواية عنه ولو كان هذا الامر كما تقول وان الله اختار عليا للقيام علی الناس لكان علی اعظم الناس خطيئة ان ترک أمر رسول الله ﷺ ولم يقم به فقال الرجل الم يقل رسول الله ﷺ من كنت مولاه فعلی مولاه فقال الحسن أما والله لو عنی به القيام علی الناس والامرة لأفصح به وافصح عنه كما افصح عن الصلاة والزكوة ولقال ايها الناس ان علی ولی امركم من بعدی والقائم فی الناس بأمری فلا تعصوا امره. (الصواعق المحرقۃ ص۴۸)

روایت کے تمام طرق اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنی منصوص امامت (خلافت بلا فصل) کی نفی کی ہے اور علماء اہل بیت کا بھی اس بات پر اتفاق ہے امام بو نعیم نے حسن مثنی بن حسن سبط سے نقل کیا ہے کہ جب آپ کو روایت من کنت مولاہ بتائی گئی (اور کہا گیا) کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر نص ہے تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ارشاد سے حضرت علیؓ کی امامت و خلافت بلا فصل مراد لیتے تو آپ اس سے کہیں زیادہ فصیح الفاظ میں لوگوں کو بتاتے بلکہ آپ یوں فرماتے کہ اے لوگو یہ میرا اولی الامر ہے اور میرے بعد تمہارا حاکم ہے پس اس کی بات سنو اور اطاعت کرو مگر آپ نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ خدا کی قسم اگر اللہ تعالی اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد اس کام کے لئے اور مسلمانوں کی حاکمیت کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ بناتے اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کے رسول اکے اس حکم کو ترک کر دیتے یا مسلمانوں کے سامنے کوئی عذر کر دیتے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے

حکم کو چھوڑ دینے کی وجہ سے بڑے خطاکار ہوتے مگر وہ تو ایسی باتوں سے بہت بلند ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس شخص سے کہا کہ اگر یہ بات ایسے ہی ہے جیسے تو کہتا ہے کہ اللہ نے حضرت علیؓ کو لوگوں پر حاکم بنانے کے لئے منتخب کیا ہے (اور حضرت علیؓ اس پر عمل نہ کرتے تو) حکم رسول کو ترک کرنے اور اس پر عمل نہ کرنے کے سبب آپ بڑے خطاکار ہوتے۔ اس آدمی نے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ تو حضرت حسنؓ نے کہا خدا کی قسم اگر اس سے آپ کی مراد امارت اور حاکمیت ہوتی تو آپ یہ بات اس سے فصیح تر الفاظ میں بیان کرتے جیسے آپ نے فصیح الفاظ میں نماز اور زکوۃ کے بارے میں لوگوں کو بتایا بلکہ آپ لوگوں سے اس طرح فرماتے۔ اے لوگو۔ حضرت علی میرے بعد تمہارے ولی الامر اور حاکم ہوں گے اس لئے ان کی نافرمانی نہ کرنا۔

مسند الہند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۳۹ھ) مذکورہ واقعہ نقل کر کے لکھتے ہیں:

یہ بات واضح اور ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے معمول کے واجبات ہی نہیں بلکہ سنن نشست و برخاست اکل و شرب وغیرہ کے آداب تک اس خوش اسلوبی سے بیان فرمائے ہیں کہ ان کے مرادی معنی ہر اس شخص کی سمجھ میں بے تکلف آجاتے ہیں جو عربی زبان سے واقفیت رکھتا ہو خواہ حاضر ہو یا غائب اور در حقیقت بلند معیار بلاغت بھی یہی ہے اور منصب ارشاد و ہدایت بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے

اتنے اہم اور اعلی پایہ کے مسئلہ میں بھی اگر آپ اسی قسم کے کلام پر اکتفا فرمائیں کہ باعتبار لغت عرب اس کے معنی و مفہوم تک بھی رسائی نہ ہو سکے تو نعوذ باللہ یہ تو آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت کے قصور کا اقرار ہوا اور اس سے بھی آگے بڑھ کر تبلیغ و ہدایت کے معاملہ میں سستی روا رکھنے کا الزام ہوا جس کا کوئی ادنی مسلمان بھی تصور نہیں کر سکتا۔ لہذا معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے پیش نظر یہی معنی ہیں جو آپ کے کلام سے بے تکلف سمجھ میں آتے ہیں کہ جیسے پیغمبر کی محبت تم پر فرض ہے ایسے ہی علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھنا بھی حرام ہے

یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔(تحفہ اثنا عشریہ ص۴۱۹ مترجم)

حضور اکرم ﷺ جن دنوں مرض الوفات میں مبتلا تھے تو ایک دن حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بن المطلب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ اب ہم میں زیادہ دیر نہیں رہیں گے اللہ تعالی کے پاس چلے جائیں گے بہتر ہے کہ ہم حضور ﷺ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہو گا؟ اگر وہ خلیفہ ہم میں سے ہو گا تو ہمیں اس کا پتہ چل جائے ورنہ جو بھی ہو گا آپ اس کو ہمارے بارے میں وصیت فرمالیں گے حضرت علیؓ نے کہا ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے متعلق انکار فرمادیں تو پھر ہم ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جائیں گے خدا کی قسم میں اس بارے میں آپ اسے ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔

فقال علی انا والله لئن سألناها رسول الله ﷺ فمنعناها لا يعطيناها الناس بعده واني والله لا أسألها رسول الله ﷺ

(صحیح بخاری ج۲ ص۶۳۹۔ البدایہ ج۵ ص۲۲۷)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس وقت تک نہ کسی کو اپنا جانشین بنایا تھا نہ کسی کے بارے میں کوئی وصیت کی تھی اگر آپ غدیر خم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بقول جناب سلمان ندوی قطعی ہدایت دے کر اپنا نائب اور جانشین بنا چکے ہوتے تو نہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس کی فکر لاحق ہوتی اور نہ حضرت علیؓ کو یہ جواب دینا پڑتا آپ صاف کہہ دیتے کہ فکر کی ضرورت نہیں مجھے خلیفہ بنایا جاچکا ہے اور میں ہی اب آپ کا جانشین ہوں۔

جناب ابو سعید بزمی صاحب ایک اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

غور کیجئے جس شخص کو محمد عربی کے الہامی نبی ہونے پر ایمان ہو وہ یہ سوال کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر فی الواقع آپ الہامی طور پر حضرت علی کو اپنا خلیفہ بنانے پر مامور ہو چکے تھے تو پھر آپ نے علی رووس الاشہاد اس کا اعلان کیوں نہ کیا جو بے خوف اور نڈر پیغمبر اپنے عزم وثبات کے مقابلہ میں ساری دنیا کو چیلنج کر سکتا ہے ان کے بت خانوں کو چور چور کر سکتا ہی شراب کے قرابوں کو تڑوا کر پھینکوا سکتا ہے اہل عرب کے نسبی فخر کو پاؤں تلے کچل سکتا ہے کیا اس کی اس

اخلاقی کمزوری کا کسی حیثیت سے بھی اعتراف کیا جاسکتا ہے کہ وہ محض چند لوگوں کے ڈر سے اپنے جانشین کا اعلان کرتے ہوئے ڈرتا ہے۔ ہر وہ شخص جس کو الہام اور وحی پر ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی طرح عقیدہ ہو وہ یہ باور نہیں کر سکتا کہ دنیادارانہ مصلحتوں کے ماتحت ایک عظیم المرتبت نبی اپنی زندگی کے آخری لمحات تک خلافت جیسی عظیم حقیقت کے اظہار سے جان چراتا رہے؟

علاوہ ازیں اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ نبی کریم قدم قدم پر اشارۃ اور بالواسطہ طور پر حضرت علی کو اپنا قائم مقام بنانے کی رہبری کرتے رہے تو اس سے رسول کی پوزیشن جس درجہ نازک ہو جاتی ہے وہ زیادہ توضیح کی محتاج نہیں ہے۔ اگر ابو بکر اور عمر بلا کسی دنیوی نفع کے اور بلا کسی رشتہ قرابت وعزیز داری کے صرف اس لئے رسول پر جان دیتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ایک سچا رہنما ہے اور اپنی اس صداقت کے ثبوت میں اپنی حیات کے آخری سکون تک عشق رسول کا دم بھرتے رہتے ہیں اپنی نوجوان لخت جگر صاحبزادیوں کو اس کے حبالہ ازدواج میں دے دیتے ہیں اس کے ایک ایک اشارہ پر کٹھ پتلیوں کی طرح ناچتے ہیں اس کے حکم کے سامنے اپنی ساری دھن دولت لٹا دیتے ہیں غرضیکہ وہ سب کچھ کرتے ہیں جو ایک جان فروش کو کرنا چاہئے لیکن اس کے باوجود بھی اگر رسول کی بارگاہ میں صرف اس لئے نظروں سے گرے ہوئے ہیں کہ ان کے مقابلے میں رسول کا چچیرا بھائی اور اس کا داماد ہے تو پھر اس کا نام متعصبانہ اعزہ پرستی نہیں تو اور کیا ہے اور اگر اس کو بدترین قسم کی بے رحمانہ جانب داری اور غیر منصفانہ پاسداری نہیں کہہ سکتے تو اور کیا کہیں گے؟ لیکن تاریخ اسلام کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی اس قسم کی تنگ نظریوں سے بہت بلند ہے۔ (پرچہ نگار جولائی ۱۹۳۵ء ماخوذ از خلافت وامامت ص ۴۹)

شیعہ عالم ابو جعفر محمد بن حسن طوسی (۴۶۰ھ) بھی یہ بات تسلیم کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے آخر تک کسی کی خلافت کی وصیت نہ کی تھی اور یہ بات خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہی ہے:

عن أمیر المؤمنین علیہ السلام لما قیل لہ ألا توصی فقال ما أوصی

رسول الله فأوصى ولكن أراد الله بالناس خيرا استجمعهم على خيرهم كما جمعهم بعد نبيهم على خيرهم

(تلخیص الشافی ج۲ ص۲۳۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ جب آپ سے کہا گیا کہ آپ اپنے بعد کسی کی وصیت کیوں نہیں کرتے تو آپ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت نہیں کی تھی تو میں کیوں کروں ہاں اگر اللہ تعالی لوگوں کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمائیں تو وہ ان کو ان میں سے بہترین شخص پر جمع کر دے گا جس طرح اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہیں بہتر شخص پر جمع کر دیا تھا۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے حاشیہ خیال میں بھی وصایت امامت کا کوئی تصور نہ تھا اور نہ ہی روایت من کنت مولاہ فعلی مولاہ آپ کے نزدیک آپ کی خلافت بلا فصل پر نص تھی اور نہ ہی آپ کی اولاد امجاد نے کبھی س کا یہ مطلب سمجھا تھا۔

دلچسپ بات تو یہ ہے کہ خود شیعہ مؤلفین کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور خلافت کا معاملہ سامنے آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان بن حرب دونوں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں تا کہ ہم آپ کی بیعت خلافت کریں اور اگر ضرورت پڑے تو ہم ہر طرح کی جانی مالی خاندانی مدد کے لئے حاضر ہیں نہج البلاغۃ کا جامع کہتا ہے کہ یہ بات خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ میں کہی تھی:

لما قبض رسول الله ﷺ وخاطبه العباس وابو سفيان بن حرب فى ان يبايعا له بالخلافة (نہج البلاغۃ ص خطبہ نمبر۵)

نہج البلاغۃ کے شارح میر حبیب اللہ بن السید محمد الملقب باہین الخوئی (۱۳۲۴ھ) لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے یہ بات حضرت معاویہؓ کو بھی بتائی تھی:

قد كان ابوك اتانى حين ولى الناس ابابكر فقال انت احق بعد محمد ﷺ بهذا الامر وأنا زعيم لك بذلك على من خالف عليك

ابسط يدك أبايعك فلم افعل (منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغۃ ص ۴۰)

مگر حضرت علی مرتضیٰؓ نے ان کی کوئی بات نہیں سنی بلکہ اسے ایک فتنہ قرار دے کر اپنا موقف واضح کر دیا آپ نے فرمایا:

أيها الناس شقوا أمواج الفتن بسفن النجاة وعرجوا عن طريق المنافرة وضعوا عن تيجان المفاخرة أفلح من نهض بجناح أو استسلم فأراح هذا ماء فجن ولقمة يعص بها أكلها ومجتنى الثمرة لغير وقت ايناعها كالزارع بغير أرضه فان أقل يقولوا حرص على الملك وإن أسكت يقولوا جزع من الموت هيهات بعد اللتتاوالتى والله لا بن أبى طالب أنس بالموت من الطفل بثدى أمه بل اندمجت على مكنون علم لو بحت به لاضطربتم اضطراب الأرشية فى الطوى البعيد

(نہج البلاغۃ ص ۴۸ خطبہ ۵ مع شرح فیض الاسلام)

اے لوگو فتنہ وفساد کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر اور تفرقہ اور منافرت کے طریقے چھوڑ دو تکبر کے تاجوں کو اتار ڈالو کامیاب ہے وہ شخص جو اٹھے تو بال وپر کے ساتھ اٹھے ورنہ دوسروں کو حوالہ کر دے اور خلق خدا کو راحت میں رکھے مجھے خلیفہ بنانے کی پیش کش ایک مکدر پانی کی مانند ہے یا ایسا لقمہ ہے جو کھانے والے کے گلے میں پھنس جاتا ہے میرے خلیفہ بننے کا سوال ایسا ہے جیسے کوئی کچے پھل کو وقت سے پہلے توڑ لے یا جیسے دوسرے کی کھیتی میں کاشت کرے اگر میں تمہارے کہنے کے مطابق خلافت کا دعوی کروں تو فتنہ پرور لوگ کہیں گے کہ اس نے ملک کے لئے لالچ کیا ہے اور اگر چپ رہوں تو یہی لوگ کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا ہے حالانکہ موت کا خوف میری شان سے بہت بعید ہے بخدا علی ابن ابی طالب موت کو اپنی ماں کے دودھ کی طرف رغبت کرنے والے بچہ سے بھی زیادہ پسند کرتا ہے۔

(ماخوذ از شیعہ مذہب ص ۶۵ خواجہ قمر الدین سیالوی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ حضرت ابو بکر کی خلافت کے مقابلے پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل بناتے ہیں آپ اسے فتنہ بتلاتے ہیں اگر آپ کو یہ بات معلوم ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنے بعد (خم غدیر یا کسی بھی اور مقام پر) اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کر دیا تھا تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ آپ اپنا یہ حق خلافت کسی دوسرے کو دے دیتے آپ جان پر کھیل جاتے مگر خلافت کسی کے حوالے نہ کرتے۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر یہ بات کہی ہے کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خلیفہ بلا فصل نامزد کر جاتے تو پھر کس کی مجال تھی کہ وہ منبر رسول پر کھڑا ہوتا میں اسے کبھی منبر پر چڑھنے نہ دیتا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب بصرہ تشریف لائے تو کسی نے آپ سے کہا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنے بعد خلیفہ بنایا تھا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أما أن يكون عندى عهد من النبى ﷺ فى ذلک فلا والله لئن كنت أول من صدق به فلا أكون أول من كذب عليه ولو كان عندى من النبى ﷺ عهد فى ذلک ما تركت أخا بنى تيم بن مرة وعمر بن الخطاب يقومان على منبره ولقاتلتهما بيدى ولو لم أجد إلا بردى هذا (تاریخ الخلفاء ص ۱۳۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کوئی وعدہ مجھ سے نہیں فرمایا خدا کی قسم اگر ایسا کوئی وعدہ آپ نے فرمایا ہوتا تو میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کبھی منبر نبوی پر کھڑا نہ ہونے دیتا دونوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیتا اگرچہ اس وقت میرا کوئی ساتھی بھی نہ ہوتا۔

امام شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا:

ولو كان عندى من النبى ﷺ عهد فى ذلک ما تركت أخا بنى تيم بن مرة (اشارة إلى أبى بكر الصديق) وعمر بن الخطاب يقومان

علی منبره ولقاتلتهما بیدی ولو لم أجد الا بردی هذا

(سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۶۲۹)

اس تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے بعد کسی کی خلافت وامامت کے بارے میں کوئی وصیت نہ فرمائی تھی نہ کوئی قطعی ہدایت دی تھی حضرت علیؓ نے کھل کر بتادیا کہ اگر حضور ﷺ نے کسی کے بارے میں (خواہ وہ میرے متعلق ہی کیوں نہ ہو) وصیت کی ہوتی تو میں بھی ایسا ضرور کرتا مگر جب حضور ﷺ نے ایسا نہیں کیا تو میں بھی آپ کے طریقہ پر رہنا پسند کرتا ہوں اور کسی کے بارے میں وصیت امامت وخلافت کرنے سے اجتناب کرنا بہتر سمجھتا ہوں اور یہ تم لوگوں پر چھوڑتا ہوں کہ تم جسے پسند کرو اسے اپنے لئے منتخب کرلو۔ حضرت امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۸ھ) لکھتے ہیں:

> حضرت علیؓ کے اس قول میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کی طرف سے ان کے بعد کسی کو امام وخلیفہ بنانے کا صاف اور واضح حکم کسی متعین شخص کے بارے میں نہیں تھا ساتھ ساتھ اس کا عدم ظہور عدم شہرت (بھی اس بات کی دلیل ہے) اگر موجود ہوتا تو مشہور بھی ہوتا اور ظاہر ہوتا مثل قبلہ کے اور نماز کی ہدایات کے مثل اور ان کے علاوہ دیگر احکامات کی طرح جن کی ضرورت عام ہے لہذا واجب ہے اس کا تقرر اہل بصیرت پر۔ جب کسی کے بارے میں واضح نص اور حکم موجود نہیں تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات سے استدلال کیا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو اپنی بیماری کے ایام میں مسلمانوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا اور مسلمانوں کی امامت کرنے کا حکم دیا تھا لہذا صحابہ نے دیکھا کہ ابو بکر صدیقؓ کے اندر امامت وخلافت کی شرائط بھی موجود ہیں اور وہ اس بارے میں ہر اعتبار سے درست ہیں یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ کی جماعت میں سے اس ذمہ داری کے لئے حضرت ابو بکر صدیق کا ہی انتخاب کیا تھا۔ (ترجمہ شعب الایمان ج ۶ ص ۲۱)

ان حقائق کے ہوتے ہوئے بھی کوئی یہی سمجھتا اور کہتا ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے مراد

حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت بلا فصل ہے اور یہ آپ ﷺ کی قطعی ہدایت تھی اور جن لوگوں نے آپ کی اس قطعی ہدایت پر عمل نہیں کیا اور حضرت علیؓ سے خلافت کا حق غصب کیا گیا تو ہم اسے اس کی جہالت یا صحابہ کے بارے میں اس کی شرارت یا حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ اس کی عداوت کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

جو لوگ مولی علی کا مطلب حضور ﷺ کی نیابت اور آپ کے بعد امت کی سرداری بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا فیصلہ بھی زبان رسالت نے غدیر خم میں کر دیا تھا تو پھر سوال پیدا ہو گا کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو حضور ﷺ کا نائب اور امت کا سردار کیوں نہیں مانا؟ کیا واقعی صحابہ کرام لفظ مولی کا مطلب سمجھنے میں کوئی بڑی غلطی کر بیٹھے تھے؟ یا انہوں نے جان بوجھ کر حضرت علی مرتضیٰؓ کی سرداری اور حضور ﷺ کی نیابت کا انکار کیا تھا؟ اور ایک ایسے شخص کو حضور ﷺ کا نائب اور امت کا سردار بنا دیا تھا جن کے بارے میں حضور ﷺ کی کوئی ہدایت نہ تھی؟ یہی تو وہ بنیادی عنوان ہے جسے لے کر شیعہ ملا منہ چپا چپا کر اور ذاکرین گلے پھاڑ پھاڑ کر صحابہ کرام پر دن رات تبرا کرتے رہتے ہیں اور کھلے عام کہتے ہیں کہ یہ سب کے سب ولایت علی کا انکار کر کے دائرہ اسلام سے نکل گئے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی (۱۱۱۱ھ) لکھتا ہے:

> انکار امامت او کفر است ہم چنانکہ انکار نبوت کفر است زیرا کہ مداخلت ہر دو دریں بیک نحوست پس استدلال کردہ اند باحادیث بسیار دریں باب شیخ زین الدین در رسالہ حقائق الایمان نیز سخن بسیار دریں باب گفتہ است و معلوم می شود کہ کفر واقعی ایشان را اجماعی میداند وانچہ از مجموع اخبار دریں باب ظاہر می شود کہ غیر مستضعفین از مخالفان در احکام آخرت حکم کفار دارند واز جہنم ہرگز بیرون نمی آیند و در دنیا نیز حکم کفار دارند
>
> (حق الیقین ص ۳۱۲ طبع لکھنو ۱۳۰۰ھ)

حضرت علیؓ کی امامت کا انکار کفر ہے جس طرح نبوت کا انکار کفر ہے کیونکہ اس

بارہ میں دونوں مداخلت ایک طرح کی ہے اور بہت سی حدیثوں سے اس بارے میں استدلال کیا گیا ہے شیخ زین الدین نے رسالہ حقائق الایمان میں بھی بہت سی باتیں اس بارے میں کی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کا واقعی کفر اجماعی جانتے ہیں اور اس بارے میں تمام روایات سے واضح ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کا آخرت کے بارے میں حکم کفار کا ہی ہے اور وہ ہرگز جہنم سے باہر نہ نکلیں گے اور دنیا میں بھی ان کا حکم کفار کا ہے

اب جو شخص شیعہ کے اس اعتقاد اور فہم کی کھلے عام تصدیق کرتا ہے آپ ہی بتائیں کہ اسے کس طرح اہل سنت میں سمجھا جاسکتا ہے۔

(نوٹ) جہاں تک روایت من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا تعلق ہے تو اس میں شک نہیں کہ محدثین نے اس کو درست اور بعض حضرات نے اس کا متواتر ہونا بھی لکھا ہے تاہم حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس روایت پر تبصرہ بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) اس روایت پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:

فلیس هو فی الصحاح لکن مما هو رواه العلماء وتنازع الناس فی صحته فنقل عن البخاری وابراهیم الحربی وطائفة من اهل العلم بالهدیث انهم طعنوا فیه وضعفوه ونقل عن احمد بن حنبل انه حسنه کما حسنة الترمذی . . .فلا یصح من طریق الثقات اصلا واما سائر الاحادیث التی یتعلق بها الروافض فموضوعة یعرف ذلک من له ادنی علم بالاخبار ونقلها (منہاج السنہ ج ۷ ص ۳۲۰)

یہ روایت صحاح میں سے نہیں لیکن یہ ان روایات میں سے جو بعض علماء نے نقل کی ہے مگر اس کے صحیح ہونے میں اختلاف ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اہل محدثین سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس روایت پر تنقید کی ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے

نقل کیا گیا ہے کہ آپ اس حدیث کو حسن کا درجہ دیتے ہیں جیسا کہ ترمذی نے اسے حسن کہا ہے یہ روایت ثقہ طریقے سے بالکل ثابت نہیں ہے علاوہ ازیں وہ روایات جو روافض اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں وہ سب من گھڑت ہیں جیسا کہ علم حدیث سے معمولی شغف رکھنے والا بھی جانتا ہے۔

حضرت علامہ حافظ ابو محمد عبد اللہ بن یوسف زیلعی رحمۃ اللہ علیہ (۷۶۲ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں:

واحاديث الجهر وان كثرت رواتها لكنها كلها ضعيفة وكم من حديث كثرت رواته وتعددت طرقه وهو حديث ضعيف كحديث الطير وحديث الحاجم والمحجوم وحديث من كنت مولاه فعلي مولاه بل قد لا يزيد كثرة الطرق إلا ضعفا

(نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۵۰)

نماز میں زور سے بسم اللہ پڑھنے کی روایات بہت ہیں مگر وہ سب ضعیف ہیں اور ایسی کتنی ہی روایات ہیں جو اپنے متعدد طرق کے باوجود وہ ضعیف ہوتی ہیں جیسے حدیث طیر اور حدیث حاجم و محجوم اور حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ (یہ سب ضعیف روایتیں ہیں) بلکہ بسا اوقات کثرت طرق بجائے اس کے کہ اس کے ضعف کو اٹھائے اس ضعف کو اور زیادہ کر دیتا ہے۔

اس وقت بحث اس میں نہیں کہ حدیث مذکور متواتر ہے یا نہیں؟ یہ روایت صحیح یا ضعیف ہے۔ بحث اس میں ہے کہ لفظ مولی اور ولی کا جو معنی اور مفہوم آپ بتا رہے ہیں کیا محدثین آپ کے اس معنی و مفہوم سے اتفاق کرتے ہیں اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے خلیفہ بلا فصل ہونے پر اس حدیث سے استدلال کرتے کہیں نظر آتے ہیں؟ آپ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کی بات نہ مانیں مگر کم از کم یہ تو مانیں کہ اس روایت میں لفظ ولی کا وہ معنی نہیں جو آپ شیعہ مجتہدین کی پیروی میں بتانا چاہتے ہیں اور یہ بات ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے کہ جو شخص لفظ ولی کا معنی خلافت وامارت اور حاکم کرتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بلا فصل ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے بلکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سمیت تمام صحابہ کو غاصب اور حضور کی قطعی ہدایت کا منکر قرار دے کر ان کو کافر بھی کہتا ہے جیسا کہ ہم شیعہ مجتہد علامہ مجلسی کے حوالہ سے

پہلے نقل کر آئے ہیں۔ غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان حیدر آبادی جو حضرت معاویہؓ کے بارے اہل سنت سے الگ نقطہ نظر رکھتے ہیں وہ بھی اس حدیث کے لفظ مولاہ کو دوستی اور محبت کے معنی میں لیتے ہیں خلافت بلافصل اور سرداری کے معنی میں نہیں لیتے۔ موصوف لکھتے ہیں:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا دوست ہے (یعنی جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ علی سے بھی محبت رکھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہاں اسلام کی محبت مراد ہے جیسے ذلک بان اللہ مولی الذین آمنوا وان الکافرین لا مولی لھم

(لغات الحدیث ج۴ کتاب واؤ ص۱۰۸)

صحابہ کرام کے ایمان کی اندرونی حالت کی آسمانی گواہی

ایمان ایک فعل قلبی ہے جس کی بجز اللہ تعالی کے اور کسی کو خبر نہیں، مؤمن اور منافق کے دلوں کا حال اللہ تعالی کے سوا کسی کو معلوم نہیں لیکن صحابہ کے ایمان کی اللہ تعالی نے قرآن کریم میں انہیں بار بار یاایھا الذین آمنوا کہہ کر اس تواتر سے خبر دی ہے کہ اب اس میں کسی کو شک اور تردد نہیں ہو سکتا۔ اہل خبر کے ہاں سب سے زیادہ یقینی خبر کا نام ہی خبر متواتر قرار پایا ہے۔ اس تواتر سے قرآن کریم میں اور کسی حکم کی تصدیق نہیں ملتی۔ وکفی باللہ شھیدا۔ اس سے بڑھ کر اس کی تصدیق اور کیا ہو سکتی ہے؟

{افادات: مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ}

حدیث ثقلین پر ایک نظر

جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

قرآن کی طرح قطعی اور متواتر حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا انہ قد دنا اجلی وانی أوصیکم پھر فرمایا تھا ترکت فیکم ثقلین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وعترتی میں تمہارے درمیان دو امانتیں چھوڑ رہا ہوں ایک قرآن اور دوسرے میرے اہل بیت اس قطعی ہدایت پر عمل کیوں نہیں ہوا؟ (ازالہ ص ۸)

کاش کہ جناب ندوی ساتھ ہی اس بات کی بھی تصریح کر لیتے کہ آپ ﷺ کی اس قطعی ہدایت پر عمل کرنے کی ان کے نزدیک کیا صورت ہونی چاہئے تھی؟

موصوف اپنے ایک اور صاف اور واضح بیان میں (جو ۲۵ محرم ۱۴۴۰ھ کو تحریر کیا گیا ہے) لکھتے ہیں:

حضور ﷺ کی متواتر حدیث أذکر الله فی أهل بیتی ترکت فیکم أمرین ... کے بیان سے گریز کرتے ہیں اور اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔

اس میں بھی جناب سلمان ندوی نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ اس حدیث کے تقاضوں پر عمل کرنے کی کیا صورت ہونی چاہئے تھی؟

جناب سلمان ندوی حدیث ثقلین کو قطعی اور متواتر حدیث لکھنے سے قبل ذرا اس پر بھی غور فرما لیتے کہ کیا یہ روایت (یا روایتیں) اس درجے کی ہیں کہ ان کو قطعی دلیل بنا کر دھونس جمائی جائے؟ جناب کے شہر لکھنؤ کے ہی ایک شیعہ عالم میر حامد حسین نے حدیث ثقلین کو متواتر دکھانے کے لئے عبقات الانوار کے نام سے دو جلدیں لکھیں پھر شیعہ عالم مولوی محمد علی نے فلک النجات تحریر کی اس کا اردو ترجمہ ان کے شاگرد حکیم امیر دین شیعی نے کیا اور اس پر حواشی بھی

لکھے ہیں اسی طرح جن شیعہ علماء نے اس موضوع پر لکھا ہے ان سب کا دعوی یہی رہا کہ انہوں نے اس روایت کو لفظی معنوی اور متواتر ثابت کرنے کے لئے اپنا موقف ثابت کر دیا ہے اور اہل سنت مسلمانوں پر حجت تمام کر دی ہے۔ گویا ان کے عقیدے میں یہ روایت اسلام کی چکی کے لئے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے جس کا حاصل ان کے نزدیک یہ ہے کہ اسلام پر چلنے کے لئے اور اس کی تعلیمات وہدایات پر پورا اترنے کے لئے حضور ﷺ کی تعلیمات اور آپ کی سنتوں کی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی آپ کے اقوال وافعال آپ کی امت پر حجت ہیں۔ یہ لوگ صرف کتاب اللہ اور آپ کی کل عترت کو حجت کہتے ہیں۔

اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے محقق اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۲۰۱۴ء) کو کہ میر حامد حسین شیعی لکھنوی نے اہل سنت کی کتابوں سے حدیث ثقلین کی جتنی روایات سندا نقل کی تھیں حضرت مولانا مرحوم نے ان میں سے ایک ایک کی سند کو دیکھا پرکھا اور شیعہ سنی کتابوں کے حوالے سے واضح کر دیا کہ ان میں سے کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں جس پر یہ دعوی کیا جاسکے کہ یہ روایت لفظا اور معنا متواتر اور درست اور استدلال میں پیش کی جاسکتی ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اپنی اس کتاب کے آخر میں حدیث کتاب اللہ وسنتی پر بھی نفیس بحث کی ہے اور شیعہ کتابوں سے اس پر کئی شہادتیں بھی نقل کی گئیں ہیں۔ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

> ان روایتوں سے صاف طور پر اس چیز کا ثبوت ملتا ہے کہ شریعت میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو وہ اہمیت وضرورت حاصل ہے جو دوسری کسی چیز کو نہیں اور حجت شرعی اسلام میں صرف کتاب وسنت ہے اہل بیت وعترت کے لئے ان دونوں کے درجہ میں اطاعت لازم نہیں ہے اور نہ اہل بیت بالاستقلال حجت شرعی ہیں۔
>
> ہم ذیل میں چند حوالہ جات اثنا عشری دوستوں کی کتابوں سے پیش کرتے ہیں یہ محض ان شیعی علماء ومجتہدین کے اقوال نہیں بلکہ ائمہ معصومین کے فرامین ہیں جن کے صحت اسناد میں ان کے ہاں کوئی اشتباہ نہیں ہے یہ بالکل ائمہ کے صحیح ارشادات ہیں جو کتب معتبرہ مسلمہ مثلا نہج البلاغۃ اصول کافی احتجاج طبرسی

وغیرہا میں وارد ہیں۔ (حدیث ثقلین ص ۲۴۶)

حضرت مولانا مرحوم نے اثنا عشری علماء کی تسلی کے لئے بارہ حوالے ان کی کتابوں سے نقل کئے پھر لکھا:

> غور و فکر کے بعد ایک چیز تو یہ حاصل ہوئی کہ آخری ساعات میں ائمہ معصومین کی جانب سے صرف توحید و سنت یا کتاب و سنت کے احیاء و بقاء کی وصیت تو ہو رہی ہے لیکن اہل بیت و عترت کی حجیت اور وجوب اطاعت کا حکم نہیں صادر ہو رہا۔ معلوم ہوا کہ کتاب و سنت کے پایہ اور درجہ میں ان کی اہمیت اسلام میں نہیں ہے اور اگر اہل بیت کے واجب الاتباع اور واجب التمسک ہونے کی کچھ اصلیت ہوتی تو (حضرت علی مرتضیٰؓ کی) اس آخری وصیت میں اس کا اندراج ضرور ہوتا۔ الخ۔ (حدیث ثقلین ص ۲۵۲)

۲۶۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۶۳ء میں "حدیث ثقلین" کے نام سے پہلی مرتبہ شائع ہوئی اور اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اس موضوع پر یہ کتاب ایک سند کا درجہ رکھتی ہے اس کتاب کا مبسوط مقدمہ حضرت الاستاذ محقق العصر علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی نے تحریر فرمایا ہے

(۲) میر حامد حسین شیعی نے حدیث ثقلین کے متعلق جتنی روایات نقل کی تھیں ان میں سے بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جس میں کتاب اللہ اور عترت اہل بیت کو الگ الگ حیثیت میں دکھایا گیا ہے اس لئے یہ کہنا کہ اسلام میں جس طرح کتاب اللہ حجت شرعی ہے قیامت تک آنے والے عترت اہل بیت بھی اسی طرح حجت شرعی ہیں کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

(۳) جناب سلمان ندوی صاحب ہم سے اس روایت کا معنی اور مطلب پوچھتے ہیں؟ نہایت تعجب کی بات ہے کہ موصوف کو اب تک پتہ نہ چلا کہ محدثین نے حدیث ثقلین کو کس طرح سمجھا ہے کاش کہ موصوف مشکوۃ کی شرح مرقاۃ المفاتیح دیکھ لیتے تو انہیں اس کا مطلب پوچھنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ محدث جلیل حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۱۴ھ) محدث ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ومعنی التمسک بالعترۃ محبتھم والاھتداء بھدیھم وسیرتھم وزاد سید جمال الدین إذا لم یکن مخالفا للدین

(مرقاۃ المفاتیح ج۹ ص۳۹۷۴)

عترت سے تمسک کا معنی ان سے محبت کرنا ان کی ہدایت پر چلنا اور ان کی سیرت اختیار کرنا ہے سید جمال الدین نے اس میں یہ اضافہ بھی کیا کہ جبکہ ان کے کام دین کے مخالف نہ ہوں۔

جناب سلمان ندوی کو محدث ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معنی پسند نہ ہو اور یہ ان کے مزعومہ مطلب سے ٹکراتا ہو تو پھر وہ کم از کم ان لوگوں کے بیان سے اتفاق تو کرلیں جن کی وہ زبان بول رہے ہیں معروف شیعہ عالم ابو منصور احمد بن علی طبرسی (۵۴۸ھ) اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں:

وأجلوا اھل بیتی وعترتی ووالوا من والاھم وانصروھم علی من عاداھم (کتاب الاحتجاج ج۱ ص۴۰۷)

اور میری اہل بیت اور عترت سے محبت رکھو اور ہر اس آدمی سے دوستی رکھو جو ان کا دوست ہو اور ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرتے رہنا

ایمانداری سے فرمایئے کہ کیا کسی اہل سنت نے عترت اہل بیت سے محبت کرنے سے روکا ہے؟ کیا کسی نے ان کے بتائے ہوئے کاموں پر عمل سے اور ان بزرگوں کی سیرت اپنانے سے منع کیا ہے؟ محدث سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں جس معنی کا اضافہ کیا ہے اس سے مراد خود ان کی ذات نہیں کہ ان بزرگوں کے عقائد واعمال خدانخواستہ دین کے مخالف تھے بلکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ جن لوگوں نے ان کے نام پر خود ساختہ عقائد واعمال وضع کئے ان پر عمل کرنا کسی صورت جائز نہیں؟ جناب سلمان ندوی بتاسکتے ہیں کہ جن لوگوں نے عترت رسول کے نام پر تقیہ اور متعہ۔ تحریف قرآن اور اصحاب رسول پر لعن طعن اور دیگر خرافات نقل کی ہیں کیا وہ سب واجب التمسک والاتباع ہیں؟ شیعہ تو اسے ہی واجب الاتباع قرار دیتے ہیں کیا آپ بھی اس موقف کے قائل ہیں؟

امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے آپ ناواقف نہ ہوں گے

اگر موقع ملے تو ان کا رسالہ {الرابع من المأتین علی المنحرف عن الثقلین معروف بہ شرح حدیث ثقلین} پڑھ لیجئے آپ کو اپنے تمام سوالوں کا جواب مل جائے گا۔ اگر آپ کے پاس یہ رسالہ نہ ہو تو حضرت مولانا عبد العلیم فاروقی صاحب سے رابطہ کر لیجئے وہ مہیا کر دیں گے اس کے مطالعہ سے پتہ چل جائے گا کہ اس روایت (یا روایتوں) کا معنی و مطلب کیا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم اس بحث کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:

واضح ہو کہ حدیث ثقلین کے الفاظ جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے یہ ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا... یہ حدیث مذہب شیعہ میں بڑی اعلی پایہ کی مانی گئی ہے ان کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی اساس الاصول ص ۱۰ اس حدیث کو صح عن النبی بروایۃ العام والخاص لکھتے ہیں... مگر اہل سنت کے یہاں اس کو اخبار آحاد سے زیادہ کوئی رتبہ نہیں ملا بلکہ احاد کی بھی اس قسم میں نہیں حتی کہ صحیح بخاری اس کے ذکر سے خالی ہے صحیح مسلم میں بھی یہ الفاظ نہیں امام بخاری کی حذاقت اور کمال کا حال اس وقت خوب ظاہر ہوتا ہے جب ایسی مشتبہ روایات کی تفتیش کی جاتی ہے کہ ان کی کتاب اکثر ان امور سے پاک ملتی ہے (شرح حدیث ثقلین ۲۰)

شیعہ کہتے ہیں کہ اس حدیث ثقلین میں اہل بیت سے مراد بارہ امام ہیں اور تمسک سے مراد بارہ اماموں کے احکام پر عمل کرنا ہے شیعہ بڑے زور و شور سے اس حدیث کو اہل سنت کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس حدیث سے بارہ کا مثل قرآن کے واجب الاتباع ہونا ثابت ہوتا ہے جو صریح دلیل ان کے معصوم ہونے کی ہے اور کہتے ہیں کہ اہل سنت کا مذہب قطعا اس حدیث کے خلاف ہے وہ نہ دوازدہ امام کو معصوم جانتے ہیں نہ مثل قرآن کے ان کو واجب الاطاعت مانتے ہیں نہ ان کے احکام کی پیروی کرتے ہیں (ایضاص ۲۲)

آپ شیعوں کے دلائل اور اس کے نتائج بیان کے بعد لکھتے ہیں:

الحاصل یہ حدیث ثقلین شیعوں کے یہاں بڑی چیز ہے اور اسی پر بقول ان کے مذہب کی چکی گھوم رہی ہے۔ (ایضاص ۲۷)

پھر آپ نے اہل سنت کی طرف اپنا جواب اس طرح شروع کیا:

اس حدیث میں لفظ اہل بیت سے بارہ اماموں کو مراد لینا قطعاً غلط ہے اہل بیت سوا زوجہ کے اولاد کے لئے نہ لغت عرب میں ہے نہ قرآن میں مستعمل ہے... اور اگر بالفرض اگر ازواج کے ساتھ اولاد اور داماد یا چچیرے بھائی کو بھی شامل کیا جائے تو قیامت تک ہونے والی سب اولاد مراد ہو گی اور داماد حضرت عثمان بھی ہیں چچیرے بھائی حضرت عباس کے دس بیٹے بھی ہیں یہ سب بھی اہل بیت ہوں گے بارہ کی تخصیص تو کسی طرح ہو ہی نہیں سکتی۔ لفظ اہل بیت کے اس قدر وسیع معنی میں ہونے کے بعد شیعہ سنی دونوں کے مذہب کے خلاف ہو گا کہ تمسک باہل بیت سے اہل بیت کے احکام پر عمل کرنا مراد لیا جائے ورنہ آج ہر سید کہ خواہ وہ سنی ہو یا شیعہ بلکہ آریہ وعیسائی ہونے کی صورت میں بھی معصوم و مفترض الطاعۃ ماننا پڑے گا (جیسے آریہ سید غلام حیدر دہلوی اور عیسائی سید عبدالحق پادری جالندھری) لہذا ضروری ہوا کہ تمسک باہل بیت سے ان کے احکام پر عمل کرنا مراد نہ لیا جائے بلکہ ان کے ساتھ محبت کرنا مراد لیا جائے پس مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ قرآن کے احکام پر عمل کرو اور میرے اہل بیت کے ساتھ محبت کرو اس مطلب کی بنا پر اہل سنت کا مسلک حدیث ثقلین کے بالکل مطابق ہے۔ (ایضاص ۲۸)

حدیث ثقلین کا جو مطلب شیعہ بیان کرتے ہیں اس پر بھی اعتراضات وارد ہوتے ہیں اور جو مطلب سنیوں کے یہاں مشہور ہے اس پر بھی۔ اور اعتراضات بھی ایسے لاینحل ہیں کہ دونوں کے مذہبی اصول ان کی جواب دہی سے کنارہ کش ہیں... لفظ اہل بیت سے بارہ امام مراد لینے میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے جس کو کبھی مسلمانوں کا ایمان قبول نہیں کر سکتا کہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا زمرہ اہل بیت سے خارج ہوئی جاتی ہیں اگرچہ شیعوں کو اس کی پرواہ نہیں ہے (ایضاص ۲۹)

دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث اگر صحیح ہے تو مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع

اشیاء کا انحصار دو چیزوں میں ماننا پڑے گا یعنی قرآن اور اہل بیت میں۔ سنت نبوی کوئی چیز نہ رہے گی نہ اس کا اتباع مسلمانوں پر ضروری ہو گا حالانکہ شیعہ بھی اس کو زبان سے کبھی نہیں کہہ سکتے کہ سنت نبوی اواجب الاتباع نہیں سینکڑوں حدیثیں ان کے ائمہ معصومین کی ان کی کتابوں میں موجود ہیں جن میں سنت نبوی کے واجب الاتباع ہونے کو بڑی شد و مد سے بیان کیا گیا ہے۔...الخ۔ اصول کافی باب الاخذ بالسنۃ وشواہد الکتاب نکال کر دیکھو... اس وصیت سے معلوم ہوا کہ نجات کے لئے صرف توحید و سنت کافی ہے اگر اہل بیت کے واجب الاتباع ہونے کی کچھ اصلیت ہوتی تو (حضرت علی مرتضیٰؓ کی) اس آخری وصیت میں ضرور اس کا ذکر ہوتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ حدیث ثقلین سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور اہل بیت دونوں قیامت تک دنیا کے سامنے موجود رہیں گے اور ان دونوں کے احکام پر عمل کرنا ہر ایک کے لئے ممکن ہو گا ورنہ غیر موجود چیز پر عمل کرنے کا حکم دینا تکلیف مالایطاق ہو گا جو کسی طرح جائز نہیں مگر از روئے مذہب شیعہ دونوں چیزیں دنیا سے غائب ہیں اور ان کے غائب ہونے کو صدیاں گزر گئیں ہیں بلکہ ان کی موجودگی کا زمانہ بہ نسبت غائب ہونے کے اقل قلیل ہے قرآن تو رسول کی آنکھ بند ہوتے ہی محرف ہو گیا... اصلی قرآن خواب میں بھی دیکھنے کو نصیب نہیں ہوتا۔ رہے اہل بیت تو گیارھویں امام حسن عسکری کی وفات کے بعد جو ۲۶۰ھ میں ہوئی وہ بھی دنیا سے غائب ہو گئے... پس اگر حدیث ثقلین سچی ہے تو قرآن کا محرف اور اہل بیت کا غائب ہونا غلط ہے اور اگر ان دونوں کا محرف وغائب ہونا صحیح ہے تو حدیث ثقلین غلط ہے اور ان میں سے جس کو بھی غلط مان لیا جائے مذہب شیعہ کی بنیاد متزلزل ہوئی جاتی ہے۔ (ایضاص ۳۰)

حضرت مولانا مرحوم نے بعد ازاں اس روایت پر بحث کے بعد لکھا کہ:

پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث ان الفاظ اور اس مفہوم کے ساتھ نہ مذہب شیعہ پر صحیح ہو سکتی ہے نہ مذہب اہل سنت پر۔ مگر شیعہ اس حدیث کے ان الفاظ کی

صحت سے انکار کر دیں تو ان کے مذہب کا گھروندہ ہی بگڑ جائے... لہذا اہل سنت کے لئے فیصلہ یہ ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ہر گز صحیح نہیں ہے اور ایسی بات جو ضروریات قطعیہ کے خلاف ہو تو قول رسول ہو ہی نہیں سکتی۔

مدت تک مجھے اس کا خلجان رہا۔ سب سے پہلے صحیح مسلم میں حدیث ثقلین کی روایت اور اس کے سیاق بیان کو دیکھ کر کچھ سراغ اصل حقیقت کا ملا۔ صحیح مسلم میں یہ روایت یزید بن حبان سے بایں الفاظ منقول ہے ..... صحیح مسلم کی اس روایت میں دو چیزوں نے اصل حقیقت کا سراغ بتایا اول یہ کہ کتاب اللہ کے ساتھ اولھما کا لفظ ہے مگر اہل بیت کے ساتھ ثانیھما کا لفظ نہیں ہے (۲) یہ کہ کتاب اللہ کے لئے ہدی اور نور کا لفظ ہے اور اس کے ساتھ اخذ و تمسک یعنی عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی تحریص و ترغیب فرمائی گئی ہے مگر اہل بیت کے لئے یہ بات نہیں ہے بلکہ صرف اذکرکم اللہ فی اھل بیتی فرمایا جس میں محض ان کے حقوق کی رعایت کی تاکید ہے اور بس۔... الخ (ایضاص ۳۲)

ہم نے یہاں اختصار کے ساتھ حدیث ثقلین کی شرح آپ کے سامنے رکھ دی ہے حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسی رسالہ میں اور بھی قیمتی دلائل سے اس مسئلے کو واضح کیا ہے راقم الحروف کی علماء بالخصوص جناب سلمان ندوی سے درخواست ہے کہ وہ اس رسالہ کو غور سے ملاحظہ کریں انشاء اللہ سارے شبہات ختم ہو جائیں گے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد مولانا عبد اللہ انصاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیعہ عالم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ حدیث جو مذکور ہوئی بنام حدیث ثقلین مذکور ہے اور اس میں تمسک واقع ہوا ہے ان تمسکتم بھما اور تمسک بقرآن تفسیر فرمایا ہے اتباع کے ساتھ۔ اور تمسک بہ عترت کو تفسیر کیا ہے محبت والفت کے ساتھ۔ جو شخص تمام اس حدیث اور وجہ اس کے فرمانے کی ملاحظہ کرے گا اس کو بخوبی واضح ہو جائے گا کہ اس حدیث سے حکم اتباع کلام مجید کا اور تعظیم و محبت اہل بیت کی ثابت ہوتی ہے خلیفہ بنانے سے اور وہ بھی کہ بعد وفات متصل ہوں اس مسئلہ کو اس حدیث

سے لگاؤ بھی نہیں۔ اور اس حدیث سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دوستی کا حکم اور دشمنی کی نہی نکلتی ہے فعلی الرأس والعین۔۔۔ اور شیعہ کے نزدیک بھی اتباع عترت سے یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ اگر عترت مضل و گمراہ ہو تو بھی اطاعت کرو غرضیکہ عترت کی اطاعت مادامیکہ وہ مطیع اللہ وسنت رسول اللہ ہوں ضرور ہے

اب جاننا چاہئے کہ اہل سنت وجماعت تمام اہل بیت کے بہزار دل وجان محبت وتعظیم کرنے والے ہیں جتنی محبت اہل بیت کی ہو سکے فخر وعزت ہے غرضیکہ وہ کسی کے اہل بیت میں سے منکر نہیں۔ (اجوبہ اربعین ص۱۲۶)

اب یہ بھی دیکھئے کہ سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ نے کتاب اللہ کے ساتھ سنت نبوی کو واجب التمسک والاتباع قرار دیا ہے یا عترت رسول کو؟ آپ کے خطبات میں اس کا جواب موجود ہے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی واجب التمسک والاتباع کتاب اللہ اور سنت نبوی ہے۔ حضرت الاستاذ علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مد ظلہم العالی تحریر فرماتے ہیں:

اہل سنت ہی وہ امت مسلمہ ہیں جو صفحہ کائنات پر آفتاب اور ماہتاب رسالت کی دو تیز روشنیوں میں اس تیز رفتاری سے چلے کہ دیکھتے دیکھتے دنیا کی سب سے بڑی علمی سیاسی اخلاقی اور روحانی قوت بن گئے جو لوگ ان کی ان فتوحات سے پریشان تھے انہوں نے پوری کوشش کی کہ جس طرح بھی بن آئے خلافت راشدہ اور خلافت امویہ کے رہوار عمل کا رخ کسی دوسری طرف موڑ دیا جائے تاہم یہ دنیا جب تک ستاروں کی روشنی میں چلتی رہی مسلمانوں نے آفتاب ہدایت اور ماہتاب رسالت کے دونوں چراغ روشن کئے رکھے۔ حضور اکرم خاتم النبیین ااور حضرت علی مرتضیٰؓ کی تعلیم بھی یہی رہی کہ یہ دونوں چراغ جلتے رہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کو ان دونوں امانتوں کا امین بنایا اور فرمایا:

ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ نبیہ (مؤطا مالک ص۳۶۳)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک ان دو سے تمسک کروگے گمراہ نہ ہوگے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔

حضرت علی مرتضی کی وصیت نمبر ۲۳ علامہ رضی نے نہج البلاغۃ میں اس طرح رقم کی ہے آپ فرماتے ہیں:

وصیتی لکم ان لا تشرکوا باللہ شیئا ومحمد صلی اللہ علیہ وآلہ فلا تضعیوا سنتہ أقیموا ھذین العمودین وأوقدوا ھذین المصباحین وخلاکم ذم (نہج البلاغۃ ج۳ ص۲۴)

میری تمہیں وصیت ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ضائع نہ کرنا توحید وسنت کے ان دو ستونوں کو گرنے نہ دینا اور کتاب وسنت کے ان دو چراغوں کو روشن رکھنا پھر ہر برائی تم سے جاتی رہی۔

آپ کی یہ وصیت کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی کی تلقین ہے آپ نے مسلمانوں کے لئے کتاب وسنت سے تمسک کی تعلیم دی ہے آپ نے سنت کو نکال کر اس کی جگہ یہ روایت نہیں سنائی کہ اس امت کا ماخذ علم قرآن اور اہل بیت ہیں۔ اہل بیت سے محبت بے شک ہر مومن کے دل میں سمائی ہے لیکن اس کا درجہ حضور اکرم ﷺ کی سنت کے بعد ہے اسلام میں علم کے اصل ستون کتاب وسنت ہیں اب جو شخص بھی کہے کہ اسلام کی دو وزنی چیزیں کتاب اللہ اور عترت رسول ہیں تو لازما یہ روایت ضعیف ہوگی جس روایت میں بھی سنت کو دوسرے ماخذ علم کا درجہ نہ دیا جائے اس روایت کا اعتبار نہ کیا جائے گا

حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں:

واقتدوا بھدی نبیکم فانہ افضل الھدی واستنوا بسنتہ فانھا اھدی السنن وتعلموا القرآن فانہ احسن الحدیث

(نہج البلاغۃ ج۱ ص۱۰۸)

اور تم اپنے نبی کی سیرت پر چلو کہ یہ بہترین سیرت ہے اور آپ کی سنت پر چلو وہ بہترین راہ عمل ہے اور قرآن کا علم حاصل کرو وہ بہترین کلام ہے۔

دیکھئے حضرت علیؓ اسلام کے ماخذ علم قرآن وسنت کو قرار دے رہے ہیں یا اسلام کی دو بڑی چیزیں قرآن اور اہل بیت کو ٹھہرا رہے ہیں؟ حق یہ ہے کہ سنت کو اسلام کے ماخذ علم سے کسی طرح بھی نکالا نہیں جاسکتا پھر اس ارشاد پر بھی غور فرمائیں:

متمسکون بحبل القرآن یحیون سنن اللہ وسنن رسولہ

(ایضاص۱۹۰)

وہ خدا کی رسی قرآن سے تمسک کرتے ہیں اور پیغمبر کی سنتوں کو زندگی بخشتے ہیں

پھر آپ نے یہ بھی کہا:

ولکم علینا العمل بکتاب اللہ تعالی ... وسیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والقیام بحقہ والنعش لسنتہ

(ایضاج۲ص۶۰خ۱۶۹)

جو لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اس امت میں باری باری گیارہ چراغ روشن ہوئے صرف ایک اندھیرے میں رہا جس کی وجہ سے صداقت ہمہ گیر پیرائے میں سامنے نہ آسکی اگر وہ اندھیرے میں نہ جاتے تو ایک دنیا ان سے مستفید ہوتی رہتی اور اگر وہ گئے ہی تھے تو اتنا زیادہ عرصہ وہاں نہ رہتے اس سے شاید یہ دنیا صداقت سے کچھ تجلیات دیکھ پاتی لیکن کیا کیا جائے غار میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے ہم ان کے اس دینی تصور کو تجلیات صداقت میں کہیں شمار نہیں کرسکتے تجلی وہی ہے جس میں جلوہ ہو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی تجلیات اب تک لوگوں کے سامنے ہیں وہاں روشن سویرا ہے اور غار کی تنہائی میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے اگر وہ باہر ہوتے تو ہم ان کی قدمبوسی کرتے۔ یہ وہی لوگ جانتے ہیں جن میں قرآن اترا تھا اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین مخاطب تھے

(تجلیات آفتاب ج ا ص ۱۱۱۔ تا۔ ۱۱۳)

نہج البلاغۃ میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے خطبات ملاحظہ کرنے والوں پر بھی یہ بات مخفی نہیں کہ آپ نے کتاب اللہ کے بعد اسلام کا دوسرا ستون اور ماخذ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی بتلایا ہے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے کسی خطبہ میں بھی آپ کو یہ بات نہیں ملے گی کہ انہوں نے اسلام کے دوسرے ماخذ علم کو درمیان سے ہٹادیا ہو اور کہا ہو کہ تمہارے لئے صرف کتاب اللہ اور اہل بیت کافی ہیں۔ حضرت الاستاذ حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتھم العالیہ نہج البلاغۃ سے بعض خطبات کے اقتباسات نقل کر کے لکھتے ہیں

> ثقلین کو قرآن وعترت سے روایت کرنے والے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے ایک خطبہ بھی نقل نہیں کرسکتے جس میں حضرت علی نے اسلام کا دوسرا ماخذ علم سنت درمیان سے نکال دیا ہو اسلام کا دوسرا ماخذ علم سنت ہے اور قرآن کے موافق وہی حدیث ہے جس میں دوسرے نمبر پر سنت ہے نہ کہ عترت۔ گو عترت کی اپنے محل پر ایک اپنی شان ہے ہاں سنت کے بعد عترت کا کہا جائے تو بات بیشک بنتی ہے (ایضا ۵۰۱)

☆...عترت کا معنی اور اس پر وارد چند سوالات

جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

> "عترتی سے کیا مراد ہے اور قرآن اور عترت رسول کو مضبوطی سے تھامنے کے کیا معنی ہیں؟"

عرض یہ ہے کہ پہلے عترت کا معنی ملاحظہ کیجئے پھر اس معنی سے عترت کا مفہوم خود ہی سامنے آجائے گا۔

> العترۃ۔ کنبہ اولاد۔ خالص مشک کا ٹکڑا خوشگوار تھوک مرزبخوش دانتوں کی تیزی اور صفائی کو کہتے ہیں (المنجد ص ۶۲۸)

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

وذکرہ القاضی فی المعتمد لکن العترۃ ھم بنو ہاشم کلھم ولد العباس وولد علی وولد الحارث بن عبدالمطلب وسائر بنی ابی طالب وغیرھم وعلیؑ وحدہ لیس ھو العترۃ

(منہاج السنۃ ج ۷ ص ۳۹۵)

قاضی نے المعتمد میں ذکر کیا ہے کہ عترت سے سب بنو ہاشم مثلاً اولاد علی اور اولاد عباس اور اولاد حارث بن عبدالمطلب اور تمام بنی ابوطالب مراد ہیں حضرت علی رضی صرف اکیلے ہی عترت نہیں ہیں۔ (منہاج ج ۲ ص ۳۷۶)

غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان حیدر آبادی نے عترت کا معنی یہ لکھا ہے:

خاص الخاص قریب کے رشتہ دار وہ عبدالمطلب کی اولاد ہیں بعضوں نے کہا آنحضرت ﷺ کی اولاد اور حضرت علی کی اولاد بعض نے کہا آپ کے سب عزیز واقارب عترت میں داخل ہیں... حضرت ابو بکر صدیقؓ (نے جب بدر کے قیدیوں کے معاملے پر کہا کہ) یہ لوگ آپ کی عترت ہیں اور آپ کی قوم ہیں۔ یہاں عترت سے حضرت ابو بکرؓ نے آپ کے قریبی رشتہ دار یعنی حضرت عباسؓ اور عقیلؓ اور تمام بنی ہاشم کو مراد لیا اور قوم سے قریش کے لوگ مراد لئے۔ نہایہ میں ہے کہ مشہور قول یہی ہے کہ عترت آنحضرت ﷺ کے ان اہل بیت کو کہتے ہیں جن پر زکوۃ حرام ہے۔ (لغات الحدیث ج ۳ کتاب ع ص ۱۵)

جناب سلمان ندوی بتائیں کہ حضور ﷺ نے جب عترتی أهل بيتی فرمایا تو آپ کس دور کے عترت کا واجب التمسک والاتباع ہونا بیان کر رہے تھے۔ کیا آپ کے ارشاد میں صرف دور رسالت کے عترت مراد ہیں یا قیامت تک آنے والی آپ کی تمام عترت کا واجب الاتباع اور قرآن کے احکام کی طرح ان کے احکام کا اتباع کرنا بھی آپ کی قطعی ہدایت تھی؟

(۲) یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ قرآن کریم کے احکام ہر دور کے لئے ہیں اور ہر دور کے لوگوں پر اس کے احکام کی اتباع واجب ہے جو حضرات حدیث ثقلین سے اہل بیت کا اسی طرح واجب الاتباع ہونا بتاتے ہیں جس طرح قرآن کے احکام واجب الاتباع ہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا

وقوع قیامت تک کے مسلمانوں کو اس بات کا بھی حکم دیا گیا کہ وہ قیامت تک کے ہر دور کے عترت کی اطاعت کو اسی طرح لازم سمجھیں جس طرح کتاب اللہ کی اطاعت لازم ہے۔؟

(۴) پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ حضور ﷺ نے یہ بات کسی فرد معین کے حق میں فرمائی یا پانچ افراد کے حق میں یا بارہ کے حق میں؟ یا پھر قیامت تک ان تمام حضرات کی اتباع کو لازم قرار دیا جو آپ کی عترت میں داخل ہیں۔ آپ ہی بتائیں کہ بقول آپ کے حضور ﷺ کی اس قطعی ہدایت پر کس طرح عمل کیا جائے گا؟

اب جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما حضرت امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ وغیرہم کے نام پر تحریف قرآن تکفیر صحابہ توہین ازواج مطہرات جیسی کفریات اور تقیہ اور متعہ جیسے اخلاق سوز کاموں کو دین کا اہم اور باعث برکت و مغفرت کام بتاتے ہیں کیا آپ اس کا واجب التمسک والاتباع ہونا تسلیم کرتے ہیں؟ اور کیا آپ میں جرات ہے کہ آپ ان میں سے کھلے عام کسی ایک پر عمل کر کے دکھائیں اور کہیں کہ یہ میں اس لئے کر رہا ہوں کہ مجھے عترت رسول کی پیروی اور ان کے واجب الاتباع ہونے کا حکم ہے۔ خدا کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کردار کشی کے ساتھ ساتھ اہل بیت نبوی کو تو سر عام رسوا نہ کیجئے۔

شریعت محمدی میں (علم کا پہلا ماخذ قرآن کریم ہے اور) دوسرا ماخذ سنت ہی ہے۔ تیسرے نمبر پر امت اس کی مکلف ہے کہ وہ ان دونوں ستونوں کو کہیں گرنے نہ دے اور ان دو چراغوں کو کبھی بجھنے نہ دے۔ پھر یہ بات بھی کسی مؤمن کے دماغ سے نہ نکلے کہ لفظ امت میں صحابہ اور اہل بیت دونوں مل کر شامل ہیں۔۔(از: مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

قصہ قلم و قرطاس کا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی..... أَمَّا بَعْدُ!

جناب سلمان ندوی پھر وہی قصہ چھیڑ بیٹھے جس کے بغیر شیعہ ذاکروں اور ان کے واعظوں کی پہلے جیبیں اور پھر مجلسیں گرم نہیں ہوتیں معلوم نہیں ندوی صاحب جیسے فاضل کو شیعہ ذاکروں اور تبرائی واعظوں کے اگلے ہوئے لقمے بار بار نگلنے میں کیوں لذت محسوس ہو رہی ہے۔ یہ لوگ جب تک حضرت عمرؓ فاروق پر الزام تراشی کر کے اپنے ظاہر کی طرح باطن کو سیاہ نہیں کر لیتے ان کی بے قراری قابل دید ہوتی ہے۔ کیا موصوف اتنے بے خبر ہیں کہ انہیں اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ محدثین عظام اور علماء کرام صحیح بخاری کی اس روایت پر سیر حاصل گفتگو فرما چکے ہیں اور اس کا تنقیدی جائزہ لے کر بتا چکے ہیں کہ اس روایت سے امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ پر طنز و طعن کے نشتر چلانا سوائے قلبی مرض کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور شیعہ کے اگلے پچھلے سب بدنصیب اس واقعہ کی آڑ میں صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مجرم ٹھہرا کر ہمیشہ اپنی زبان بے لگام کرتے چلے آئے ہیں۔ سر گودھا کا شیعہ ملا محمد حسین ڈھکو کا یہ جھوٹ دیکھیں

> کتب حدیث و تاریخ گواہ ہیں کہ قرطاس کے واقعہ ہائلہ کے وقت عمر صاحب نے علاوہ دیگر گستاخیوں کے یہ بے ادبی بھی کی تھی (کہ حضور کی آواز پر اپنی آواز اونچی کی تھی) جس کی وجہ سے آنحضرت نے قوموا عنی فرما کر ان کو اپنی بارگاہ سے نکال دیا ایسے گستاخ اور طرید رسول کو ہم کس طرح آنکھیں بند کر کے مؤمن کامل مان لیں۔ (تجلیات صداقت ص ۴۵)

واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جس وقت قلم دوات مانگا وہاں موجود افراد میں بعض کی رائے تھی کہ چونکہ حضور ﷺ اس وقت بیمار ہیں اس لئے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں جبکہ بعض حضرات کی رائے اس کی برعکس تھی

یہ اختلاف کہ آپ ﷺ کو اس وقت قلم دوات لا کر دیا جائے یا کچھ دیر بعد جب آپ کو کچھ آرام آجائے، کن کے درمیان پیدا ہوا؟ اس کے لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان سامنے رکھئے:

فَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْبَيْتِ، فَاخْتَصَمُوا فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: قَرِّبُوا يَكْتُبْ لَكُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ مَا قَالَ عُمَرُ صحیح مسلم ج۳ص۱۲۵۹ش)

یعنی اہل بیت کا آپس میں اختلاف پیدا ہو گیا پس آپس میں جھگڑ پڑے۔ ان میں کچھ کہتے تھے کہ کوئی ایسی چیز لے آؤ تا کہ حضور ﷺ تمہارے لئے کوئی تحریر لکھ دیں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو سکو۔ اور اہل بیت میں سے کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمخیال تھے جن کا کہنا تھا کہ اس وقت حضور ﷺ بیماری کی وجہ سے تکلیف میں ہیں اور ہمارے پاس تو اللہ کی کتاب موجود ہی ہے۔

چونکہ دونوں فریق اپنی اپنی رائے پر مصر تھے اور آواز بلند ہونے لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب یہاں سے چلے جائیں۔ نبی کے پاس تنازع نہیں ہونا چاہئے۔ اس پر جناب سلمان ندوی کا تبصرہ دیکھیں۔ موصوف لکھتے ہیں:

حضور ﷺ کی تو ہر بات ہر وقت حجت ہوتی ہے بیماری میں تو اور زیادہ حجت ہے پھر رکاوٹ کیوں ہوئی اور کبار صحابہ میں جھگڑا کیوں ہوا؟

عرض یہ ہے کہ بلاشبہ حضور ﷺ کی ہر بات حجت ہے اور بقول آپ کے اس میں رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے تھی۔ البتہ یہاں یہ سوالات ضرور غور طلب ہیں کہ

(۱) حضور ﷺ نے قلم دوات کسی خاص فرد سے مانگا تھا یا وہاں موجود تمام لوگ اس کے مخاطب تھے؟

(۲) حضور اکرم ﷺ کے گھر والوں میں سے اس وقت کون کون وہاں موجود تھا؟

(۳) حضور اکرم ﷺ نے یہ بات ایک مرتبہ کہی، یا بار بار آپ نے اس کا تقاضا کیا تھا؟

(۴) جب عیادت کے لئے آنے والے لوگ چلے گئے تو آپ کے گھر کے افراد نے آپ کے

مطالبہ پر کیوں توجہ اور دھیان نہیں دیا؟

(۵) حضور اکرم ﷺ اپنے اس ارشاد کے بعد کتنے دن حیات رہے؟

(۶) کیا آپ نے ان دنوں میں پھر کبھی قلم دوات مانگا تھا؟

(۷) جناب سلمان ندوی صاحب کہتے ہیں کہ اسی دن آپ یہ بتانے کے لئے کہ میں زیادہ بیمار نہیں ہوں مسجد بھی آئے تھے بلکہ آپ نے بعد نماز ظہر تقریر بھی کی تھی۔ آپ نے اس تقریر میں اسامہ بن زید کی قیادت پر تنقید کرنے والوں پر سخت نکیر فرمائی (ازالہ ص ۹)

مگر آپ نے حاضرین کو یہ نہیں بتایا کہ میں نے گھر میں قلم دوات مانگا تھا کہ کچھ تحریر کرادوں مگر مجھے کسی نے نہیں دیا۔ جو بات میں لکھوانا چاہتا تھا اب اس مجمع میں کیوں نہ سنادوں۔ مگر آپ ﷺ نے وہ بات نہیں سنائی اور نہ ہی حاضرین کو وہ بات لکھوائی۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے اس تقریر میں پھر سے وہ بات کیوں نہیں کہی؟ جو بات آپ گھر اور باہر والوں میں بتانا چاہتے تھے آخر آپ نے مسجد میں بعد نماز ظہر تقریر میں وہ بات کیوں نہیں بتائی؟ اور اس بات کو کیوں چھوڑ دیا تھا کہ آپ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے لئے وصیت خلافت کرنا چاہتے تھے؟ اور آپ اپنی اس خواہش کا یہ فرما کر پہلے اظہار بھی فرما چکے تھے:

أدع لی اباک واخاک حتی اکتب کتابا فإنی أخاف أن یتمنی متمن ویقول قائل أنا أولی ویأبی اللہ والمؤمنون إلا أبابکر

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۳)

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۷۶ھ) اس پر لکھتے ہیں:

یہ حدیث بصراحت ظاہر کر رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارادہ حضرت صدیق کو خلیفہ بنانے کا تھا مگر خلیفہ بنانے کے مروجہ طریقہ کو فعل الٰہی پر (بوجہ وعدہ الٰہی کے) اعتماد کر کے چھوڑ دیا (لیکن اس ارادہ کو اس طرح پورا کیا کہ) اس کے بعد امامت نماز (جو اجل معالم (علامت) دین سے ہے) ان کو سپرد کر دی۔

(ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۱۲۱)

یہ وہ سوالات ہیں جن پر ہم سلمان ندوی کو غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ سیدنا حضرت عمر

فاروقؓ اور دیگر اصحاب کرام پر اشاروں کنایوں میں انگلی اٹھانے سے پہلے موصوف کم از کم ان سوالات کو پیش نظر رکھتے تو اچھا ہوتا۔ راقم الحروف نے {نور القمر بسیرۃ سیدنا عمرؓ} کی دوسری جلد میں شیعہ علماء کے اس الزام اور اعتراض کا تفصیلی جواب دیا ہے (دیکھئے ص ۲۷۸ تا ۳۰۵)۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ضروری حصہ یہاں بھی درج کر دیا جائے تاکہ کوئی سیدھا سادہ مسلمان جناب سلمان ندوی اور شیعہ علماء کے دجل کا شکار نہ ہو۔

حضور اکرم ﷺ نے جس وقت قلم دوات مانگا تو وہاں عیادت کرنے والے صحابہ کرام کے ساتھ ساتھ حضرت علی مرتضیٰؓ حضرت عباسؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ بھی موجود تھے اور یہ آپ کا اپنا گھر تھا۔ جب حضور ﷺ نے قلم دوات طلب کیا تو سب سے پہلی ذمہ داری وہاں کس پر عائد ہوتی تھی؟ اگر آپ گھر سے باہر مسجد یا کسی اور جگہ ہوتے تو پھر وہاں موجود تمام لوگوں پر بے شک یہ ذمہ داری آجاتی کہ ان میں سے کوئی ایک آدمی قلم دوات لے آئے مگر یہ تو آپ کا اپنا گھر تھا اور آپ کے قریبی رشتہ دار داماد اور چچا موجود تھے اور وہ سب مستقل آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے کبھی جدا نہ ہوتے تھے۔ شیعہ عالم ملا باقر مجلسی (۱۱۱۱ھ) لکھتا ہے:

> حضرت امیر المؤمنین و فضل پسر عباس ازایں مرض از حضرت جدا نمی شدند و پیوستہ در خدمت آنحضرت بودند
>
> (حیات القلوب ج ۲ ص ۹۸۳۔ اعلام الوری ص ۱۴۲)

محمد بن محمد نعمان شیعی لکھتا ہے:

> حجب الناس عنه وثقل فی مرضه کان أمیر المؤمنین لا یفارقه إلا بضرورة (ارشاد از شیخ مفید ص ۹۹)
>
> جب لوگ چلے گئے اور حضور ﷺ کی بیماری نے زور پکڑا تو حضرت علیؓ آپ کے پاس ہی رہتے رہے سوائے ضرورت کے کسی وقت بھی آپ سے جدا نہ ہوئے تھے۔

فرمایئے۔ ان حضرات میں سے کسی نے یہ تکلیف کیوں نہ فرمائی کہ وہ خود کہیں سے لکھنے کا سامان لے آئیں۔ اب اگر کسی وجہ سے بھی وہاں موجود حضرات میں اختلاف پیدا ہوا تو اس اختلاف میں

یہ حضرات بھی برابر کے شریک رہے۔ بہت ممکن تھا اگر آپ کے گھر والوں میں سے کوئی بھی قلم قرطاس لے آتا تو نہ یہ اختلاف واقع ہوتا اور نہ کسی کی بلند آواز سے حضور اکرم ﷺ کو تکلیف ہوتی۔ حضور ﷺ نے جب ان اختلاف کرنے والوں سے فرمادیا کہ وہ چلے جائیں تو کیا وہ حضرات چلے نہ گئے کسی نے بھی وہاں یہ گستاخی کی کہ ہم نہیں جاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت بھی حضور ﷺ کے تابع فرمان تھے اور اگر اس وقت حضرت علیؓ قلم وکاغذ لے آتے تو ان کو روکنے والا کوئی بھی تو نہ تھا۔

حضور ﷺ کا یہ خطاب اگر صرف حضرت عمرؓ کے لئے ہوتا تو آپ بیشک انہیں قصوروار قرار دیں مگر یہاں تو سب ہی اس کے مخاطب تھے اب اگر حضرت عمرؓ قصوروار ہیں تو پھر وہاں موجود سب لوگ (بشمول حضرت عباسؓ حضرت علیؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ) قصوروار ٹھہریں گے۔ مسند الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

> حضور ﷺ کا خطاب مبارک سارے ہی حاضرین سے تھا خاص حضرت عمر فاروقؓ سے نہ تھا لہذا اگر آپ کا یہ حکم وجوب وفرضیت کی حیثیت سے تھا تو سارے کے سارے بشمول حضرت علیؓ وحضرت عباسؓ عدم تعمیل میں گناہ گار ہوئے اور شریعت کے فرمان کے مخالف قرار پائے۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۵۵۵)

پھر یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی کہ عام طور سے حضور ﷺ کے لکھنے پڑھنے کا کام حضرت علی مرتضیٰؓ کیا کرتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جبکہ دوسرے صحابہ کرام بھی آپ کے پاس موجود تھے آپ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو صلح نامہ لکھنے کی ذمہ داری دی تھی۔

وَدَعَا عَلِيًّا لِيَكْتُبَ، (سنن ابن ماجہ ۳۰۴)

اب اگر حضور ﷺ نے کوئی بات قلم بند کرانے کے لئے قلم قرطاس طلب کیا تھا تو حضرت علی مرتضیٰؓ اور دوسرے اہل خانہ نے یہ ذمہ داری کیوں ادا نہ کی؟ اور کیوں آپ ﷺ کو قلم دوات مہیا نہ کیا؟ یہ ایک غور طلب بات ہے۔ اگر قلم دوات نہ لانے کی وجہ سے وہاں بیٹھے صحابہ کرام معاذ اللہ قصوروار ہیں تو حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت عباسؓ بھی اس جرم میں بدرجہ اولی شریک سمجھے جائیں گے۔ شیعہ علماء بیشک ان سب کو مجرم کہتے رہیں مگر اہل سنت مسلمان حضور ﷺ

کے کسی صحابی کو مجرم نہیں سمجھتے اور نہ ہی حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کی بات نہ مان کر گناہ کا ارتکاب کیا تھا۔

مسند الہند حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں

اس اعتراض کا ایک دوسرا جواب یہ ہے کہ اس وقت حاضرین مجلس میں اکثریت حضرات اہل بیت کی تھی، صحابہ تو کم تعداد میں تھے اب اعتراض کا سارا زور اقلیت پر ڈال دینا جبکہ اکثریت کی شرکت اور مرضی سے وہ فعل انجام پذیر ہوا ہو، انتہائی درجہ بد دیانتی اور بے ہودگی ہی کہلا سکتی ہے۔

پھر اس واقعہ کے بعد حضور اکرم ﷺ پانچ یوم حیات رہے اہل بیت ہمیشہ خدمت میں رہے سارا نوشت وخواند موجود اور دسترسی میں رہا، کاتب بھی متعین رہے اگر وہ کوئی بہت ہی اہم دینی معاملہ تھا تو ساری سہولتوں کی موجودگی کے باوجود آپ ﷺ نے دوبارہ اس خواہش کا یا اس کی تکمیل کا اظہار یا اعادہ کیوں نہیں فرمایا، اس وقت تو کوئی حیلہ باز اور جھگڑنے والا آپ کے پاس پاس نہ تھا۔ کیا کوئی مسلمان نبی محترم ﷺ کے بارے میں ترک واجب کی سوء ظنی کے بعد اپنا ایمان سلامت رکھ سکتا ہے (تحفہ اثنا عشریہ ص ۶۴۸)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالی (۱۲۹۷ھ) لکھتے ہیں:

قلم دوات نہ لانے کا یہ اعتراض فقط حضرت عمرؓ پر نہ ہوگا بلکہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام اہل بیت اور تمام صحابہ اس جرم میں حضرت عمرؓ کے شریک نکلے اور وہ قصہ ہو گیا مرگ انبوہ جشنے دارد۔ بلکہ اہل بیت کرام اس تقصیر میں اول درجہ کے تقصیر دار ہوئے کیونکہ اول تو مریض کی امر و نہی کے اول مخاطب اس کے گھر والے ہی ہوا کرتے ہیں دوسرے حضرت عمرؓ تو غیر تھے عیادت کے لئے ساعت دو ساعت کے لئے آ گئے تھے اگر ان کی نشست کے وقت کچھ اندیشہ تھا تو جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے پھر کون مانع تھا آخر اس قصے کے بعد کئی روز رسول اللہ ﷺ حیات رہے بلکہ غور سے دیکھئے تو درصورتیکہ اس ارشاد کو ارشاد ایجابی

اور امر وجوبی کہئے جیسے شیعوں کا جی چاہتا ہو تو پھر جناب سرور دوعالم ﷺ بھی نعوذ باللہ اس جرم کے شریک ہوئے کیونکہ جس قدر ہم پر اطاعت خدا اور رسول واجب ہے اس سے زیادہ نبی پر تبلیغ احکام واجب ہے چنانچہ آیت {يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ} اور ادھر سب نے سنا ہو گا کہ نزدیکاں رابیش بود حیرانی۔ چنانچہ اشارات کلام اللہ وحدیث بھی اس پر شاہد ہے تو اب لاجرم یہی کہنا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ پر تبلیغ احکام اس سے زیادہ واجب ہے کہ ہم تم پر تعمیل احکام۔ اور ادھر یہ بھی ظاہر ہے کہ تبلیغ جب ہی کہہ سکتے ہیں کہ احکام کا بیان بھی کیا جائے اتنی بات کو کہ کاغذ قلم لاؤ میں تمہیں وہ باتیں لکھ دوں گا اگر ان پر عمل کرو تو گمراہ نہ ہو تبلیغ حکم کہنا اسی کا کام ہے جو برائے نام ہی انسان ہے اور عقل سے محروم اور دانش سے ناکام ہے الغرض اس صورت میں حضرت عمرؓ سے اگر تقصیر بھی ہوئی تو اتباع نبوی پھر بھی ہاتھ سے نہیں گیا اگر شیعہ حضرات جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتسلیمات اور اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نسبت اس تقصیر کو نعوذ باللہ منہ تجویز کر سکیں تو ہمیں بھی حضرت عمرؓ کے اس قدر گناہ گاری کا چنداں رنج نہیں۔ اول تو مرگ انبوہ جشنے دارد اور دوسرے

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی

گو مشت خاک ما ہم بر باد رفتہ باشد (ہدیۃ الشیعہ ص ۷۳)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ شیعہ علماء کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

کئی روز حضرت ﷺ بقید حیات رہے حضرت عمرؓ کیا اسی در کے دربان تھے جو نہ ٹلے اور گنجائش نہ ملی۔ پھر بیمار کے خطاب تو اپنے تیمارداروں کی نسبت ہوا کرتے ہیں جو کار خدمت ہوا کرتے ہیں اہل وعیال کو کہا کرتے ہیں آنے جانے والوں عیادت کرنے والوں کو کوئی نہیں کہا کرتا یہ حضرت علیؓ کا کام تھا انہوں نے کیوں نہ کیا حضرت عمرؓ نے بھی انہیں ہی دیکھ کر ان کی پیروی کی۔ سو اس میں کیا برائی ہے۔ (اجوبہ اربعین ص ۱۳۹)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اس حکم کے مخاطب فقط حضرت عمر ہی تو نہ تھے بلکہ سب اہلِ بیت تھے۔ اور یہاں حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے تو سب شور وغل کرتے رہے مگر کوئی کاغذ کیوں نہ لایا۔ کیا حضرت عمر ان سب کا راستہ روکے کھڑے تھے۔ ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہ نکلا جو قلم دوات لے آتا۔ اگر کہو کہ کاغذ عمر کے ڈر سے نہیں لائے تو تم تو حضرت علی کو شیر خدا مانتے ہو اور اس قدر شجاعانہ ان کے کارنامے بیان کرتے ہو۔ اتنے بڑے بہادر اور واقع میں بھی وہ ایسے ہی تھے تنہا حضرت عمر سے اس طرح کیوں ڈر گئے ؟

مسند احمد کی روایت میں خاص کر کے حضرت علی ہی کا ذکر ہے کہ ان کو حکم فرمایا تھا کاغذ قلم لانے کا اور عموماً ایسی خدمات کے اول مخاطب گھر والے ہی ہوتے ہیں تو وہ کیوں نہ لائے پس اگر یہ جرم ہے تو صرف حضرت عمر ہی مجرم نہیں کم و بیش سب ہی اس جرم میں شریک ہوئے۔ خصوصاً حضرت علی تو ضرور ہوں گے۔۔ (فضل الباری شرح صحیح بخاری ج ۲، ص ۱۵۱)

ایک مرتبہ راقم الحروف نے ایک شیعہ سے یہ بات پوچھی کہ آپ کے بقول یہ سب اس وقت کیا کرایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا تو پھر بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کیوں چپ بیٹھ گئے تھے ؟ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمہ وقت وہیں بیٹھے رہے تا کہ کوئی شخص قلم دوات نہ لا سکے ؟ بتلایئے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ چلے گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کیوں قلم دوات لے کر نہ آئے اور آپ جو لکھوانا چاہتے تھے وہ آپ سے لکھوا دیتے ؟ تو کہنے لگا کہ یہ صحیح ہے کہ مولا علی اکیلے میں لکھوا سکتے تھے مگر انہیں عمر صاحب کا خوف تھا کہ اگر انہیں پتہ چل گیا تو وہ مولا علی پر تشدد کریں گے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت ابو بکر کی بیعت کے لئے عمر صاحب کس طرح مولا علی کو رسیوں سے باندھ کر لائے تھے ؟ (معاذ اللہ) شیعہ عالم کی یہ بات سن کر راقم الحروف کے اس یقین میں مزید اضافہ ہو گیا کہ یہ لوگ اس طرح کی جاہلانہ اور گستاخانہ باتیں کر کے اہل بیت کرام کی توہین کے مرتکب ہیں۔

پھر یہ معاملہ اس وقت اور زیادہ قابل غور بن جاتا ہے جب خود حضرت علی مرتضیٰ یہ کہتے ہوں کہ

یہ حکم مجھے دیا گیا تھا مگر میں اس اندیشہ کے پیش نظر تعمیل حکم نہ کر سکا کہ اگر میں قلم قرطاس لینے گیا اور میرے پیچھے آپ اللہ تعالی کے پاس چلے گئے تو مجھے زندگی بھر اس کا افسوس رہے گا اس لئے میں آپ کا یہ مطالبہ پورا نہ کر سکا اور وہاں سے ہٹنا گوارا نہ کیا۔ آپ خود کہتے ہیں:

أمرنی النبی ﷺ ان اتیہ بطبق یکتب فیہ ما لاتضل امتہ من بعدہ فخشیت ان تفوتنی نفسہ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۴۵، البدایہ ج ۵ ص ۹۰)

مجھے حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ میں کوئی چیز آپ کے پاس لاؤں جس میں آپ وہ بات لکھوا سکیں کہ امت اس کے بعد گمراہ نہ ہو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں جاؤں اور حضور ﷺ فوت ہو جائیں۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اپنے قصد سے قلم و قرطاس لینے نہ گئے تھے اس صورت واقعہ میں جناب سلمان ندوی کی یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی کہ حضور ﷺ کی تو ہر بات ہر وقت حجت ہوتی ہے موصوف ایک اور رسالہ میں لکھتے ہیں:

نبی کی ہر بات ہر وقت حجت ہوتی ہے ہر حالت میں آپ کی اطاعت ضروری ہوتی ہے (بے لاک قوانین اور فیصلے ص ص ۷)

حاضرین پر لازم تھا کہ اس موقع کو غنیمت جانتے اور فورا قلم و کاغذ حاضر کرتے اور آپ وصیتیں املا فرما دیتے لیکن اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حضرت عمر نے لوگوں سے کیوں کہا کہ... الخ (ایضاص ۱۷)

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھڑکنے اور زبان دراز کرنے سے پہلے یہ تو فرمایئے کہ کیا اس وقت سیدنا حضرت علیؓ اور سیدنا حضرت عباسؓ حاضرین میں سے نہ تھے ؟ کیا ان پر ہر حالت میں آپ کی اطاعت ضروری نہ تھی؟ چلئے حضرت عمرؓ نے بقول آپ کے ایسا کیوں کیا؟ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں مگر یہ کیا ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے بھی معاذ اللہ حضور ﷺ کی بات کو اس وقت حجت نہیں سمجھا اور آپ نے حضور ﷺ کی معاذ اللہ نافرمانی کی ؟ یہ آپ کو کیا ہو گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر چڑھائی کرتے کرتے آپ نے حضرت علی مرتضیٰؓ پر چڑھائی کر دی۔ کچھ تو خوف خدا کریں۔ آپ

نے حضرت عمرؓ کے بارے میں دل کا بوجھ تو اگل دیا، خدارا کچھ تو اہل بیت کی عزت کا خیال کریں ان پر تو نہ بھڑ کیں اور ان سے تو عام مسلمانوں کو بدگمان نہ کرائیں۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کا مذکورہ بیان آپ کے حضور ﷺ کے ساتھ سچے تعلق اور محبت کی گواہی دیتا ہے اور آپ بیشک ایسے ہی تھے۔ آپ حضور ﷺ سے ایک لمحہ کے لئے بھی جدا ہونا پسند نہ کرتے تھے آپ کے پاس ہی رہتے تھے۔ تاہم غور طلب بات یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قلم دوات لاؤ تو آپ ایک خدشہ کے پیش نظر نہ اٹھے لیکن کیا وہاں گھر کے دوسرے لوگ نہ تھے جو آپ کو قلم دوات لا کر دیتے؟ حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹے حضرت فضلؓ بھی وہاں موجود تھے اور وہ آپ کے ساتھ ہی تھے حضرت علیؓ نے حضرت فضل بن عباسؓ سے کیوں نہ کہا کہ قلم دوات لے آؤ تا کہ حضور ﷺ جو کہنا چاہتے ہیں وہ میں لکھوالوں۔ یا یہ کہ قلم دوات کو آنحضرت ﷺ کے قریب کر دو۔ کسی روایت میں بھی یہ نہیں ملتا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے حضرت عباسؓ یا حضرت فضل بن عباسؓ یا وہاں موجود کسی بھی دوسرے شخص کو قلم دوات لانے کے لئے کہا ہو۔ کیا آپ کو حضور اکرم ﷺ کی اس خواہش کو پورا کرنے میں کوئی دلچسپی نہ تھی؟

شیعہ علماء کہتے ہیں کہ آپ ﷺ جو بات لکھوانا چاہتے تھے وہ حضرت علیؓ کی خلافت تھی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نہیں۔ اس میں خلافت کی کوئی بات تھی ہی نہیں۔ تو پھر تھا کیا؟ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے زبانی آپ سے دریافت کیا کہ آپ مجھے وہ بات بتادیں میں اسے یاد رکھ لوں گا اس پر حضور ﷺ نے نماز زکوۃ اور غلاموں کے حقوق کے بارے میں تاکید فرمائی:

قال قلت انی أحفظ واعی قال أوصی بالصلوة والزکوة
ومامملکت أیمانکم (مسند احمد ج ا ص ۱۴۵)

اب کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے لکھنے کی خواہش اور تمنا کی راہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ رکاوٹ بن گئے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ جس طرح ان واقعات سے حضرت علی مرتضیٰؓ کو مورد الزام نہیں بنایا جاسکتا اسی طرح اس واقعہ پر دوسروں پر بھی الزام تراشی نہیں کی جاسکتی

جب آپ نے اپنے گھر میں لکھنے کا سامان طلب کیا تھا اس وقت نہ آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے دیا اور نہ باہر والے کہیں سے لے کر آئے۔ آپ صحیح بخاری کے طلبہ کو یہ بات بتادیں کہ اکابر علماء نے ان واقعات کی جو شرح کی ہے اسے تسلیم نہ کرنے کی صورت میں بڑے خطرناک اعتقادی نتائج پیدا ہوتے ہیں اور صحابہ پر (خواہ وہ حضرت عمرؓ ہوں یا حضرت علیؓ یا دیگر اصحاب) بدگمانی بسا اوقات ایک مسلمان کو الحاد و بے دینی کی راہ پر ڈال دیتی ہے۔ اور روافض اسی راہ سے تو ان پڑھ مسلمانوں کو راہ راست سے دور کر دیتے ہیں۔

شیعہ کے مشہور مجتہد شیخ مفید (محمد بن محمد بن نعمان (۴۱۳ھ) تو اس بات کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ حضور ﷺ کی بیماری کے دنوں میں بہت سے اوقات ایسے بھی تھے جن میں صرف آپ کے اپنے گھر والے ہی ہوتے تھے باہر کا کوئی شخص اس وقت وہاں موجود نہ ہوتا تھا۔ انہی دنوں حضرت عباسؓ نے آپ سے پوچھا کہ اگر آپ کے بعد خلافت کا معاملہ ہمارے لئے طے ہے تو آپ ہمیں خوش خبری تو دے دیجئے اور اگر یہ خدمت کسی اور کے نصیب ہے، ہمارے مقدر نہیں تو اس کی بھی وضاحت کر دیجئے۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر صرف اتنا کہا کہ میرے بعد تم کمزور ہو جاؤ گے اور آپ خاموش ہو گئے اور یہ حضرات روتے ہوئے اٹھ کر چل دئے اور خلافت بلا فصل کے بارے میں ناامید ہو گئے:

فنهض القوم وهم يبكون قد يئسوا من النبي (الارشاد ص۹۹)
فی طلب رسول اللہ بدوات وکتف مطبوعہ قم۔ اعلام الوری ص ۱۴۲ الفضل بن حسن طبرسی)

حضرات صحابہ کرام بالخصوص حضرت عمر فاروقؓ پر کھلے اور دبے لفظوں میں جرح کرنے سے پہلے جناب سلمان ندوی کو چاہئے تھا کہ وہ ان حقائق کو سامنے رکھتے تو وہ حضرت علی مرتضیٰؓ پر بھی یہ چوٹ نہ کرتے کہ حضور ﷺ کی ہر بات ہر وقت حجت ہوتی ہے تو پھر حضرت علی مرتضیٰؓ نے آپ کی اس خواہش کا کیوں احترام نہیں کیا تھا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اگر وہ بات امت کو بتانا اس درجہ ضروری تھا تو پھر آپ ﷺ نے وہ حکم بعد میں کیوں نہیں بتایا؟ اور کیوں بعد میں قلم قرطاس نہیں منگوایا؟۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

لا یجوز لہ ترک الکتاب لشک من شک فلوکان مایکتبہ فی الکتاب مما یجب بیانہ وکتابتہ لکان النبی ﷺ یبینہ ویکتبہ ولا یلتفت الی قول احد فإنہ أطوع الخلق لہ فعلم أنہ لما ترک الکتاب لم یکن الکتاب واجبا ولا کان فیہ من الدین ماتجب کتابتہ حینئذ إذ لو وجب لفعلہ (منہاج السنۃ ج۵ ص۲۶)

آپ ﷺ کے لئے کسی کے شک کی بناء پر کوئی بات لکھوانے کو ترک کرنا جائز نہ تھا آپ جو کچھ لکھنا چاہتے تھے اگر وہ بات واجب الاظہار ہوتی تو حضور ﷺ بہر حال اسے لکھوا کر رہتے اور کسی کے قول کو لائق التفات قرار نہ دیتے اس لئے کہ تمام خلق سے بڑھ کی آپ کی اطاعت کی جاتی تھی جب آپ نے کتابت ترک کر دی تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ دین کی کوئی ضروری بات نہ تھی اور نہ ہی کوئی ایسی بات تھی جس کا لکھنا واجب ہوتا اس لئے کہ اگر کوئی بات تحریر کرنی واجب ہوتی تو حضور ﷺ اسے ضرور لکھوا دیتے (ص۶۹۰۔ المنتقی ص۵۱۰ مترجم)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۹۷ھ) لکھتے ہیں:

پھر رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ تحریر حکم معلوم تا وقت وفات کچھ نہ فرمایا ورنہ حکم خدا ہوتا تو ہم تو نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ خدا کی عدول حکمی کا۔ (اجوبہ اربعین ص۱۰۹)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اچھا حضور ﷺ نے کیوں سکوت فرمایا؟ کیا آپ ﷺ فقط حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روکنے کی بنا پر ایسے اہم تبلیغی فرائض سے رک سکتے ہیں۔۔۔۔۔ آپ سے یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ایسے تبلیغی فرائض سے رک جاتے۔ پھر سوچنے کا موقعہ ہے کہ ایک نہیں دو نہیں چار روز کے بعد آپ ﷺ کا وصال ہوا۔ اگر کوئی ضروری بات ہوتی تو بعد میں کیوں نہ بیان فرماتے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی ضروری بات ہو جس کے ترک سے امت گمراہ ہو جائے اور آپ ﷺ اس کو محض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے چھوڑ دیں۔ یہ سب نامعقول اور واہیات باتیں

ہیں۔(فضل الباری شرح صحیح بخاری ج۲،ص۱۵۲)

اہل سنت اس بات کے ہر گز قائل نہیں کہ حضور ﷺ کوئی ایسی بات لکھوانا چاہتے تھے جس کا حکم خدا نے دیا تھا اور آپ ﷺ نے باوجود چند روز حیات رہنے کے اللہ کا وہ حکم سنایا نہ لکھوایا۔ ہم اہل سنت کسی صورت شیعہ کے اس اعتقاد سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ آپ نے آخری وقت میں خدا کے ایک خاص حکم کو امت تک نہیں پہنچایا تھا (معاذ اللہ) اور جو ایسا کہتا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ایسے لوگوں کو کھل کر جھوٹا کہتی ہیں:

من حدثک ان محمداﷺ کتم شیئا مما انزل علیہ فقد کذب واللہ یقول یا ایھا الرسول بلغ ماانزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔الایۃ (صحیح بخاری ج۲ص۶۶۴)

جو شخص تجھے بتائے کہ اللہ تعالی نے حضور ﷺ پر جو کچھ اتارا اس میں سے آپ نے کوئی بات چھپائی تو اس نے جھوٹ کہا۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اے رسول پہنچادے جو تجھ پر اترا تیرے پروردگار کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام۔

اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضور نے اپنے آخری دنوں میں اللہ کا حکم بتانے کے لئے قلم قرطاس طلب کیا تھا مگر گھر میں عیادت کے لئے آئے ہوئے صحابہ بشمول حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی بات نہیں مانی اور کسی نے بھی آپ کو قلم قرطاس نہیں دیا۔ اس کے بعد حضور چند روز مزید حیات رہے اور آپ کا مسجد میں آنا بھی ہوا پھر بھی آپ نے وہ بات نہیں بتائی جسے بتانے کے لئے آپ نے قلم قرطاس مانگا تھا۔ (معاذ اللہ) تو ایسا کہنے والا کسی صحابی پر نہیں براہ راست حضور اکرم پر کتمان اور خیانت کا الزام لگانے کا مجرم نہیں تو اور کیا ہے۔ علامہ تقی الدین احمد بن علی المقریزی (۸۴۵ھ) نے ایسے بدبختوں کے بارے میں بالاجماع جو فیصلہ سنایا ہے اسے ملاحظہ فرمائیے:

ولم یکتم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم من الشریعۃ ولا کلمۃ، ولا أطلع أخص الناس بہ من زوجۃ أو ولد عمّ علی شیء من

الشريعة، كتمه عن الأحمر والأسود ورعاة الغنم، ولا كان عنده صلّى الله عليه وسلّم سرّ ولا رمز ولا باطن غير ما دعا الناس كلها إليه، ولو كتم شيئا لما بلغ كما أمر، ومن قال هذا فهو كافر بإجماع الأمّة۔ (المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار ج ۴ ص ۱۹۸)

رہی بات حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے رونے کی۔ تو کیا خود آپ نے کبھی اپنے رونے کی وجہ بتائی تھی؟ شیعہ علماء اور رفض زدہ لوگوں کا ان کے رونے سے عوام میں یہ تاثر دینا کہ وہ اس غم میں روئے تھے کہ اگر اس وقت خود حضرت علیؓ ہی قلم دوات لے آتے تو خلافت کا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا اور خلافت حضرت علیؓ کے ہاتھ سے نکل کر حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں نہ جاتی۔ ایک بے بنیاد اور غلط بات ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے حاشیہ خیال میں بھی کبھی یہ بات ہوتی کہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت غلط ہے اور انہوں نے حضور ﷺ کی قطعی ہدایت پر عمل نہیں کیا تھا تو کیا آپ کبھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں یہ کہتے کہ ان کی خلافت تو قرآن میں مذکور ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا یہ بیان بھی دیکھئے:

عن ابن عباس قال والله ان إمارة أبي بكر وعمر لفي كتاب الله قال الله تعالى وإذ أسر النبي إلى بعض أزواجه حديثا قال لحفصة ابوک وابو **عائشة** اولياء الناس بعدی فاياک ان تخبرنی به احدا۔ (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۱۱۸)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ کہتے تھے کہ اللہ کی قسم حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کتاب اللہ میں مذکور ہے اللہ تعالی نے فرمایا اور جب بطور راز کے نبی نے اپنی بعض ازواج سے ایک بات کہی۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ وہ بات یہ تھی کہ آپ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا تھا کہ تمہارے باپ اور عائشہؓ کے باپ میرے بعد لوگوں کے حاکم ہوں گے مگر خبردار کسی سے اس کو بیان نہ کرنا۔

یہی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ہیں جو حضرت ابو بکرؓ کو قرآنی لفظ الاتقی کا مصداق قرار دیتے ہیں:

عن ابن عباس فی قولہ وسیجنبھا الاتقی قال ھو أبوبکر الصدیق (تفسیر در منثور ج۸ ص۵۳۸)

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا رونا اس لئے ہر گز نہ تھا کہ حضور ﷺ کو اس وقت قلم دوات مل جاتا تو آپ حضرت علیؓ کی خلافت لکھوا لیتے تو خلافت حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ ہی نہ آتی۔ اگر یہ بات ہوتی تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کبھی حضرت ابو بکر کو الاتقی کا مصداق نہ بتاتے۔ کیا قرآن کبھی غاصب کو بھی الاتقی کہہ سکتا ہے؟ نہیں، ہر گز نہیں!

جناب سلمان ندوی کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر قلم قرطاس کے حوالہ سے جارحانہ حملہ کی حقیقت آپ کے سامنے ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر یہ الزام جھوٹ ہے افسوس کہ موصوف کو حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے داماد اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے بہنوئی پر اتنا بڑا الزام لگاتے کوئی حیاء نہیں آئی۔

دور حاضر میں مقام صحابہ بیان کرنے کی اہمیت

فضائل صحابہ، مقام صحابہ، عظمت صحابہ اور ان کے تاریخی وقائع یہ سب علیحدہ علیحدہ موضوع ہیں۔ راقم الحروف اپنے طویل تجربہ کی روشنی میں اس دور میں ان سب سے زیادہ اہم مقام صحابہ کا بیان سمجھتا ہے۔ اس وقت تین دینی جماعتیں ہیں جن کا علم حدیث ایک ہے، اور وہ اہلحدیث، دیوبندی اور بریلوی ہیں۔ اگر وہ اپنے ہاں اپنے مدارس میں، اپنی مساجد میں، اور اپنے گھروں میں مقام صحابہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں نکھار کر سامنے لے آئیں اور اسے عام بیان کرتے رہیں تو شیعہ کی چوتھی صدی ہجری سے پندرھویں صدی ہجری تک عوامی حلقوں میں لگائی ہوئی فتنہ وفساد کی آگ یکسر بجھ جائے گی۔

آسمان ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

{افادات: حضرت الاستاذ علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ}

حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنہما پر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کا الزام اور اس کا جواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ..... أَمَّا بَعْدُ!

حضور اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سب سے اونچا اور سب سے اعلی مرتبہ افضل الصحابہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ان کے بعد سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کا ہے اور اس میں اہل سنت کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (افسوس کہ جناب سلمان ندوی اس متفق علیہ عقیدہ کو بھی اختلافی قرار دینے کے لئے ہاتھ پیر مار رہے ہیں تا کہ حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ سے افضل بتایا جائے اور یوں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت مشکوک کر دی جائے۔ معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بزرگوں سمیت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدنیتی سے لب کشائی کرنے سے منع فرمادیا ہے اب جو شخص ان دونوں بزرگوں پر زبان طعن دراز کرے یا ان کی نیتوں کو زیر بحث بنا کر ان پر شک کی راہ کھولے اس سے زیادہ بدبخت اور بدنصیب اور کون ہو سکتا ہے۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ لکھنؤ کے جناب سلمان ندوی صحابہ کرام پر زبان و قلم چلاتے چلاتے اب شیخین کریمین رضی اللہ عنہما پر چڑھ دوڑے ہیں۔ ان کے درج ذیل الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف ان چند سطروں میں شیخین کریمین کے متعلق وہ کچھ کہہ گئے ہیں جسے پڑھ کر ہر دردمند مسلمان کا دل دکھی ہے۔ ان کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

> حضرت اسامہ کی قیادت میں لشکر کو رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے جانے کا بتاکید حکم فرمایا اور اس میں حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت ابوعبیدہ وغیرہ حضرات کو بتاکید ساتھ جانے کا حکم فرمایا اس کے بعد چند گھنٹوں کی تاخیر بھی آپ کو گوارا نہیں تھی۔ آپ کو معلوم تھا کہ یہ میرا آخری وقت ہے جبرئیل نے آپ کو مطلع کر دیا تھا اس موقع پر آپ ابو بکر و عمر کو شام روانہ کر رہے ہیں جہاں جانے اور وہاں سے واپس آنے میں

ڈیڑھ دو ماہ لگتے۔ ایسا آپ کیوں کر رہے تھے؟ (ازالہ ص ۹۔۱۰)

حضور اکرم ﷺ ان تینوں بزرگوں کو بقول جناب سلمان ندوی ڈیڑھ دو ماہ مدینہ منورہ سے باہر بھیج دینا چاہتے تھے تو سوال پیدا ہوا کہ آخر آپ ایسا کیوں کر رہے تھے؟

جواباً گذارش ہے کہ جب آپ ﷺ نے خود ہی کسی کو نہیں بتایا کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں تو ہم کیسے بتائیں کہ آپ ایسا کیوں کر رہے تھے؟ اگر آپ کو پتہ ہے کہ حضور ﷺ ایسا کیوں کر رہے تھے تو ضرور بتادیں اور اب یہ راز کھول ہی دیں؟ اور اپنے دل میں ان بزرگوں کے بغض کا بوجھ اب ہلکا کر دیں۔ اگر حضور ﷺ نے کسی کو بھی نہیں بتایا تو آپ ہی کہیں کہ ہم کیسے آپ کو بتائیں اور کیا بتائیں؟

ہاں آپ کی ان چند سطور نے یہ بات ضرور کھول دی ہے کہ آپ کے نزدیک حضور ﷺ کا مقصد ان تینوں حضرات کو مدینہ سے باہر بھیج دینا اور اتنی دور بھیجنا تھا کہ ان کے واپس آنے میں کم از کم ڈیڑھ دو ماہ لگ جائیں صرف اس لئے تھا کہ چونکہ آپ کو پتہ چل گیا تھا کہ میرا آخری وقت آگیا ہے اس لئے آپ کے انتقال پر یہ تینوں حضرات مدینہ میں نہ رہیں تاکہ میرے بعد حضرت علیؓ کی خلافت میں کوئی رخنہ ڈالنے والا نہ ہو اور وہ میرے جانشین اور خلیفہ بلافصل ہو جائیں۔ گویا حضور ﷺ انہیں دور اس لئے بھیجنا چاہتے تھے کہ آپ اپنے بعد خلافت حضرت علیؓ کو سپرد کرنا چاہتے تھے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا تھا جب یہ تینوں حضرات مدینہ منورہ میں موجود نہ ہوں۔ یہ ہے سلمان ندوی کے سوال میں چھپا زہریلا جواب کہ آپ ایسا اس لئے کر رہے تھے؟

اگر جناب سلمان ندوی شیعہ مجتہدین کے اس نتیجہ سے اختلاف کرتے ہیں تو وہ خود ہی بتادیں کہ آپ ایسا کیوں کر رہے تھے؟ شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی (۱۱۱۱ھ) آپ کے اس سوال کا بہت پہلے جواب دے چکے ہیں اور وہ یہ کہ حضور ﷺ نے جن لوگوں کو حضرت اسامہؓ کی امارت میں مدینہ منورہ سے دور بھیجنا چاہا تھا وہ دراصل منافقین اور سازشی لوگ تھے۔ یعنی آپ حضرات شیخینؓ حضرت ابوعبیدہؓ وغیرہم کو مدینہ سے باہر رکھنا چاہتے تھے۔ اور باہر بھیجنے کا واحد مقصد حضرت علیؓ کی خلافت کا انعقاد تھا۔ ملا باقر مجلسی شیعی لکھتا ہے:

پس اسامہ بن زید را امیر کرد و لشکرے از منافقاں و اہل فتنہ و غیر ایشاں او ترتیب داد ..... و غرض حضرت از فرستادن ایں لشکر آں بود کہ مدینہ از اہل فتنہ و منافقاں خالی شود و کسے با امیر المؤمنین منازعہ نکند تا امر خلافت بر آنحضرت مستقر گردد۔ (حیات القلوب جلد ص ۱۱۶۷ باب ۶۳ وصیت حضرت رسول)

آنحضرت ﷺ کا اس لشکر کو بھیجنے میں مقصد یہ تھا کہ اس طرح جہاد کے بہانہ سے مدینہ منورہ ان لوگوں سے خالی ہو جائے گا جو منافق اور فتنہ پرور ہیں اور ان کی غیر موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی کا تنازع باقی نہیں رہے گا اور خلافت کا معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں قرار پا جائے گا۔

لکھنؤ سے شائع ہونے والا شیعہ جریدہ کا یہ بیان بھی سامنے رکھ لیجئے:

حضور ﷺ اپنے آخری ایام حیات میں جیش اسامہ روانہ کرنے پر سخت زور دے رہے تھے اور نام بنام لوگوں کو بھیجنا چاہتے تھے جب کہ اس سفر کے آنے جانے میں طویل مدت صرف ہونا تھی گویا نبی اپنے اعلان غدیر کا سبوتاز ہونے سے بچانے کی کوشش کرتے رہے سازشوں نے ایسا نہ ہونے دیا۔ (ماہنامہ اصلاح مارچ ۲۰۱۹ء ص ۳۶)

سلمان ندوی شاید اپنے سوال کا یہی جواب چاہتے تھے جو خیر سے انہیں شیعہ مجتہد اور ان کے اپنے ہی شہر کے ایک شیعہ جریدہ نے دے دیا ہے اگر وہ اس جواب سے متفق نہ ہوں تو پھر خود ہی اس کا جواب دے کر اپنے اور اپنے شبابوں پر رحم فرمالیں۔

اس کے معابعد سلمان ندوی نے حضرات شیخین پر یہ طعن بھی کس دیا کہ:

حضور ﷺ کی بار بار تاکید کے بعد یہ حضرات کیوں نہیں روانہ ہوئے؟ یہ حضرات بار بار تاکید کے باوجود کیوں نہیں گئے؟

اب لگے ہاتھوں جناب سلمان ندوی کی تضاد بیانی بھی ملاحظہ کرتے چلیں موصوف اپنے ایک اور رسالہ میں لکھتے ہیں:

وہ (یعنی حضرت اسامہ۔ ناقل) فوج لے کر جس میں ابو بکر عمر ابو عبیدہ سعد سعید سلمہ بن اسلم اور قتادۃ بن نعمان تھے جُرف تک پہنچے لیکن حضور

ﷺ کی بیماری کی وجہ...(اللہ کے بے لاگ فیصلے اور قوانین ص ۷۲)

موصوف کے اس بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جن لوگوں کو حضور ﷺ نے جانے کے لئے کہا وہ سب کے سب ضرور تشریف لے گئے تھے۔ اب یہ فیصلہ موصوف کے شاہبوں کو کرنا ہے کہ موصوف نے اپنے دونوں رسالوں میں سے کس میں جھوٹ بولا اور عام مسلمانوں کو حضرات شیخین کریمینؓ اور مبشر بالجنۃ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کے بارے میں بدگمان کرنے میں شیعہ عقیدے کی ترجمانی کی ہے۔

جناب سلمان ندوی نے جو بات لکھی ہے ٹھیک وہی اعتراض شیعہ علماء بھی کرتے رہے ہیں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۹۷ھ) کی خدمت میں شیعہ علماء نے چالیس سوالات لکھ کر بھیجے تو ان میں سے ۲۶ واں سوال یہی تھا۔ آپ سوال ملاحظہ کیجئے۔ جواب کا ضروری حصہ ہم آگے نقل کریں گے:

شیخین اور دیگر صحابہ نے جیش اسامہ سے تخلف کیا یا نہیں۔ باوجود تاکیدات سخت پیغمبر خدا کے (اجوبہ اربعین ص ۱۴۵)

ہم اگر اس پر جناب سلمان ندوی کو کچھ کہیں گے تو وہ انہیں پسند نہیں آئے گا ان کی رگیں پھول جائیں گی وہ لال پیلے ہو جائیں گے وہ اسے جمہور جمہور کا شور ہے کہہ کر تڑپنا پھڑکنا بھڑکنا شروع کر دیں گے البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ موصوف ان سوالات کے ذریعہ حضرات شیخین کریمینؓ کی نیتوں پر ضرور حملہ آور ہوئے ہیں۔ اور کہتے کہتے یہ کہہ گئے ہیں یہ تینوں حضرات بدنیت تھے معاذ اللہ۔ ہم اس کی کچھ تفصیل کئے دیتے ہیں:

(۱) حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو معلوم تھا کہ حضور اکرم ﷺ بہت ہی جلد سفر آخرت پر روانہ ہو جائیں گے سو ان کا یہاں ٹھہرنا اس لئے ضروری تھا کہ کہیں خلافت ان کے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ وہ اگر ڈیڑھ دو ماہ کے لئے باہر چلے گئے تو ظاہر ہے کہ خلافت ان کا انتظار نہیں کرے گی اس لئے وہ آپ کی ہدایت اور تاکید کے باوجود نہیں گئے۔ یہ محض اقتدار کی ہوس تھی جس نے ان کو باہر جانے سے روکے رکھا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی حضور ﷺ کی وفات ہوئی

انہوں نے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور حضرت علی کو پیچھے چھوڑ دیا انہیں اپنے ساتھ لے کر بھی نہ گئے۔ اگر یہ لوگ مدینہ سے باہر بہت دور کی مسافت پر ہوتے تو خلافت بغیر کسی روک ٹوک کے حضرت علیؓ کے پاس ہوتی۔ ان کے پاس کبھی نہ جاتی۔ (معاذ اللہ)

(۲) حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار کی تاکید بھی اب اس لائق نہ رہی تھی کہ ان پر عمل کرنا ضروری ہو چنانچہ انہوں نے جب محسوس کیا کہ آپ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں تو انہوں نے آپ کی کسی بات کی پروانہ کی اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو یہ حضرات سیدھے ثقیفہ بنی ساعدہ پہنچے اور وہاں حضرت ابو بکر کی خلافت کا اعلان ہو گیا یہ تینوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے ساتھ لے کر نہیں گئے کہ کہیں پہلے سے تیار شدہ منظر نامہ تبدیل نہ ہو جائے اور ان کی خلافت ان کے ہاتھ سے نہ نکل جائے (معاذ اللہ)

چلتے چلتے شیعہ موقف بھی دیکھتے چلئے

> حضرت نبی کریم کے بعد مجلس شوری اور جمہوریت نے اکثریت کی بناء پر اسلام کی اصل صورت ہی بگاڑ دی ہے۔
>
> (ہفت روزہ شیعہ لاہور یکم جولائی ۱۹۸۸ء اداریہ)

ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ندوہ کے اتنے بڑے فاضل اور ۳۵ سالوں سے علوم حدیث کا شغل رکھنے والے جناب سلمان ندوی جیش اسامہ کی تاریخ اور اس کی تفصیل تک سے لاعلم ہونگے۔ اگر واقعی انہیں اس کا پتہ نہیں تو پھر جس نے بھی ان کو یہ بتلایا ہے اس نے ان کے ساتھ بڑا برا مذاق کیا ہے اور اگر موصوف نے یہ باتیں جانتے ہوئے لکھیں ہیں تو کہنا پڑتا ہے کہ موصوف نے حضرات شیخین کریمین کو بھی عام بدنیت شخص کی طرح سمجھ رکھا ہے اور اپنے شبابوں کو یہی سمجھایا ہے۔ استغفر اللہ العظیم واتوب الیہ

آیئے ہم اس واقعہ کی حقیقت ملاحظہ کریں کہ جیش اسامہ والی بات کیا تھی اور سلمان ندوی اور شیعہ مجتہدین نے اسے کیا سے کیا بنا دیا؟ مسند الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۳۹ھ) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر شیعہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سب سے پہلے تو یہ بات متعین ہونا ضروری ہے کہ ان لوگوں کا یہ اعتراض حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کس حیثیت اور پہلو سے ہے؟ کیا اس وجہ سے کہ آپ نے اس کے لئے تیاری نہیں کی؟ یا یہ صورت تھی کہ آپ اس میں شریک ہی نہیں ہوئے؟ اگر مد نظر پہلی صورت ہے تو یہ سفید جھوٹ ہے وہاں تو صورت یہ تھی کہ آپ نے دیگر صحابہ کی آراء کے علی الرغم جیش اسامہ کی ہر پہلو سے تیاری کی تھی اس سلسلہ کی تفصیل اور صحیح صورت حال یوں ہے ۔۔۲۶۔ صفر بروز دوشنبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا انتقام لینے اور رومیوں سے جہاد کی غرض سے لشکر ترتیب دیا جائے۔ سہ شنبہ کے دن آپ نے جناب اسامہؓ کو اس لشکر کا امیر مقرر فرمایا۔ ۲۷ صفر چہار شنبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض آخری لاحق ہوا دوسرے روز علالت کے باوجود دست مبارک سے علم (نشان) تیار فرمایا اور فرمایا کہ اللہ کے نام سے اللہ کے رستہ میں غزوہ کرو اور اللہ کے منکروں سے جنگ کرو پھر حضرت اسامہؓ اس علم کو لئے باہر نکلے اور جناب بریدہ رضی اللہ عنہ کو دے کر انہیں لشکر کا علمبردار مقرر کر دیا گیا اور یہ سب مدینہ سے چل کر مقام جرف میں آٹھہرے کہ سارے لشکر کی اجتماع گاہ یہی پہلی منزل تھی کہ جو آئے اس لشکر میں ملتا جائے ادھر کبار صحابہ مہاجرین وانصار حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت ابوعبیدہ بن جراح حضرت سعید بن زید قتادہ بن نعمان سلمہ بن اسلم (رضی اللہ عنہم) اس لشکر کے شایان شان تیاریوں میں مصروف تھے خیمے اور دیگر سامان روانہ کر چکے تھے اور خود بھی روانگی کے لئے پابہ رکاب تھے کہ چہار شنبہ کے غروب اور پنجشنبہ کی ابتدائی ساعتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض نے شدت اختیار کر لی اور مدینہ میں بے چینی جانثاروں میں ہلچل مچ گئی شب پنجشنبہ عشاء کی نماز کے لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جانشین مقرر کر لیا اور اس خدمت کے لئے آپ کو نامزد کر دیا (اور یہ سلسلہ کئی دن رہا) تا آنکہ ربیع الاول کی دس تاریخ کو آپ کے مرض میں کچھ تخفیف ہوئی

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو کنار محبت ورحمت میں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی اور فی امان اللہ کہا مگر یکشنبہ کو مرض میں اچانک اضافہ ہو گیا ادھر حضرت اسامہ دوشنبہ کی صبح روانگی کا ارادہ کر چکے تھے اور روانہ ہونے ہی کو تھے کہ ان کی والدہ ام ایمن کا قاصد یہ پیغام لایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزع کا عالم طاری ہے۔ حضرت اسامہ اور دیگر صحابہ گرتے پڑتے واپس مدینۃ النبی آئے۔ بریدہ نے وہ علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک کے سامنے گاڑ دیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منزل آخریں میں جا گزیں ہو چکے اور جناب صدیق اکبر مسند خلافت کے لئے منتخب کر لئے گئے تو آپ نے حکم دیا کہ علم اسامہ کے گھر کے دروازہ پر نصب کیا جائے جناب بریدہ کو حکم ہوا کہ اسامہ کے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہو کر لشکر کو از سر نو ترتیب دیں اور جناب اسامہ رضی اللہ عنہ کو کوچ کا حکم ملا چنانچہ وہ مدینۃ النبی سے روانہ ہوئے اور پہلا پڑاؤ جرف کے مقام پر کیا۔ اس دوران بعض قبائل عرب کے مرتد ہونے اور ان کے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تشویشناک خبر ملی تو سارے صحابہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے وقت بڑا نازک ہے حالات دگر گوں ہیں ایسے وقت اتنا بھاری لشکر دور دراز کی مسافت پر بھیجنا مناسب نہیں ایسا نہ ہو کہ قبائل عرب مدینہ خالی دیکھ کر شورش برپا کریں اور فتنہ کھڑا ہو جائے اور اہل مدینہ کسی مصیبت میں گھر جائیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس مشورہ کو قبول نہیں فرمایا اور فرمایا کہ اگر مجھے یہ معلوم بھی ہو جائے کہ اسامہ کے لشکر کی روانگی کے سبب میں میں خود مدینہ میں درندوں کا لقمہ بن جاؤں گا تب بھی مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی کے مقابلہ میں یہ صورت منظور نہیں ہو گی البتہ آپ نے حضرت اسامہ سے اتنی درخواست ضرور کی کہ حضرت عمر کو مدینہ ٹھہرنے کی اجازت دو کہ مدینہ اور اہل مدینہ کی حفاظت میں مجھے ان کے مشورہ کی ضرورت ہو گی چنانچہ حضرت عمر حضرت اسامہ کی اجازت سے مدینہ واپس آ گئے اور باقی لشکر جوں کا توں حضرت اسامہ کی قیادت میں روانہ ہو گیا۔

یہ ہے اصل قصہ اور واقعہ جو روضۃ الصفا روضۃ الاحباب۔ حبیب السیر اور شیعہ سنی کی دیگر معتبر کتابوں میں بیان کیا گیا ہے اگر ان (شیعوں اور سلمان ندوی) کے اعتراض کا مقصد دوسری صورت ہے کہ آپ رفاقت اسامہ سے بچھڑ گئے اور ان کا ساتھ نہ دیا تو واقعہ اور صورت بالا کو مد نظر رکھا جائے تو اس اعتراض کا کوئی جواز نظر نہیں آتا اور نہ اس کے جواب کی ضرورت باقی رہتی ہے تاہم اس کے چند جوابات ملاحظہ ہوں... الخ۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۵۲۱ مترجم)

حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے چل کر تفصیلا اس کے جوابات دئے اور بتلایا کہ ان شواہد و دلائل کے ہوتے شیعہ علماء کا حضرت ابو بکر صدیقؓ پر یہ اعتراض کرنا کسی طور درست نہیں ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی بیان سے واضح ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے جس بات کا حکم فرمایا تھا اس میں کسی ایک صحابی نے بھی حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کی تھی نہ حضرت ابو بکر و عمرؓ نے نہ حضرت ابو عبیدہؓ و سعید بن زیدؓ نے۔ یہ لوگ اپنا سفری سامان بھی بھیج چکے تھے اور مزید لوگوں کے آنے کا انتظار کر رہے تھے اس دوران جب حضرت ام ایمنؓ نے حضور ﷺ کی شدید بیماری کی اطلاع دی تو امیر لشکر حضرت اسامہؓ خود اس لشکر کو واپس مدینہ منورہ لے کر آ گئے تھے۔

(۲) آنحضرت ﷺ پر ضعف و نقاہت اس قدر تھی کہ آپ نماز کی امامت بھی نہ فرما سکے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو نماز کی امامت کا نہ صرف یہ کہ حکم دیا بلکہ بطور امام ان کا تقرر کر دیا آپ ﷺ کی خواہش ہی نہیں حکم بھی تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے سوا کوئی بھی نماز کی امامت نہ کرے حتی کہ حضرت عمرؓ کو بھی اس کی اجازت نہیں تھی (دیکھئے سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۹۳) اور نقل متواتر کے مطابق آپ نے بارہ دن نماز بھی پڑھائی سوموار کے دن علی الصبح حضور اکرم ﷺ نے پردہ ہٹا کر دیکھا کہ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں آپ کا چہرہ مبارک اس وقت یوں چمک رہا تھا جیسے قرآن کا ورق۔ آپ اس سے بہت خوش ہوئے پھر ایسی حالت میں ان کو لشکر اسامہ کے ساتھ کیسے روانہ کر سکتے تھے (المنتقی ص ۴۹۵ للحافظ الذہبی رحمۃ اللہ علیہ)

اس دوران حضرت اسامہ کا لشکر پھر سے اپنے سفر پر روانہ ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں تھے اور حضور ﷺ کے حکم پر نماز کی امامت کرتے رہے کہ وہ اب حضور ﷺ کی جانشینی میں امام تھے جب تک حضور ﷺ بیمار رہے حضرت ابو بکر ہی نماز پڑھاتے رہے جب حضور ﷺ کی بیماری کی شدت کا پھر سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے روانگی معطل کر دی اور سارا لشکر واپس مدینہ منورہ آ گیا۔

(۳) آنحضرت ﷺ کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ حضرت اسامہؓ کا لشکر جا چکا ہے اور صحابہ بھی ان کے ساتھ جا چکے ہیں جبکہ حضرت ابو بکرؓ یہیں ہیں اور وہ نماز کی امامت کرا رہے ہیں اس خبر کے باوجود حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ بھی نہیں فرمایا کہ ابو بکر جیش اسامہ کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟ جب جیش اسامہ میں ان کا نام بھی تھا تو پھر وہ یہاں کیوں رکے ہوئے ہیں؟ آپ ﷺ نے یہ بات خود حضرت ابو بکرؓ سے پوچھی نہ حضرت علی مرتضیٰؓ سے نہ کسی اور سے... اس سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ خود حضور ﷺ نے ان پر جو ذمہ داری پہلے (جیش اسامہؓ میں جانے کی) ڈالی تھی اب آپ نے خود ہی ان کو اس ذمہ داری سے فارغ کر دیا تھا اور ایک نئی اور نہایت ہی اہم (نماز کی امامت کی) ذمہ داری آپ کو دے دی تھی۔ اور آپ حضور ﷺ کی موجودگی میں اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی نبھاتے رہے۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۹۷ھ) لکھتے ہیں:

> حاکم بالادست اگر کسی ملازم کو نوکری دے اور پھر اس کام کو آپ ہی منسوخ کر دے اور اس کی جگہ دوسرا کام سپرد کر دے کیا پھر بھی وہ نوکر بوجہ تعمیل نہ کرنے حکم اول کے مستوجب عتاب رہے گا؟ رسول اللہ ﷺ کو دیکھئے آخر ایام حیات میں ابو بکر کو امامت نماز پر مامور فرمایا اول تو یہ جواب عام فہم بھی بہت ہے دوسرے بشہادت جواب سوال اول (یعنی) بہ تقرر امامت نماز امامت کبری کا تقرر تھا جس کو خلافت کہتے ہیں اب اس غلام خاندان نبوی ﷺ کی آپ کی خدمت میں اور سوائے آپ کے جو صاحب اہل انصاف ہوں ان کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ آخر حضرت اسامہ رسول اللہ ﷺ کے توزیر

حکم ہی تھے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر کو ایسی طرح اپنا قائم مقام کیا کہ صاف کہنے سے بڑھ کر۔ چنانچہ آیت فلا تقل لهما أف ولا تنهر هما اس کے اثبات کے لئے پیش کی تھی۔ (اجوبہ اربعین ص ۱۴۷)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے چچا زاد بھائی حضرت مولانا عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ اس پر لکھتے ہیں:

اب جاننا چاہئے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف اس بات کا طعن کہ وہ حسب فرمودہ حضرت تیار نہ ہوئے تو یہ بھی سب غلط ہے کیونکہ وہ اپنا سب سامان جرف میں بھیج چکے تھے اور اگر ان (شیعہ) کی طرف سے یہ اعتراض ہے کہ بعد وفات کے انہوں نے تجہیز جیش نہ کی تو یہ بھی صریح غلط ہے کیونکہ بسبب ارتداد قبائل عرب کے بعض اصحاب کی تو یہ رائے ہی ہوگئی تھی پر حضرت ابو بکرؓ نے تسلیم نہ کر کے اسی دم لشکر کو روانہ کیا اور اگر اعتراض حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف تخلف جیش کا ہے تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ تخلف ان کا بامر الرسول بخلافۃ الصلوات تھا کیونکہ ایک امر دوسرے سے ماقبل کا ناسخ ہوتا ہے اور یہاں دونوں امروں کا تقدم و تاخر واضح ہو چکا ہے۔ (اجوبہ اربعین ص ۱۴۹)

غور کیجئے کہ اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جان بوجھ کر جیش اسامہ کے ساتھ نہ جاتے (جیسا کہ شیعہ مجتہدین اور اب سلمان ندوی کہتے ہیں) تو کیا حضور ﷺ ان سے جیش اسامہ میں نہ جانے کا سوال نہ کرتے؟ اور پھر کیا آپ ﷺ انہیں بطور نائب اپنی جگہ مسلمانوں کی نماز کا امام مقرر کرتے؟ شیعہ بیشک یہ کہتے رہیں کہ انہوں نے جیش اسامہ کے لشکر میں نہ جا کر حضور ﷺ کی عمداً نافرمانی کی تھی مگر وہ اس سوال کا جواب نہیں دے پائے کہ پھر حضور ﷺ نے خود ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب امام کیوں بنالیا؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ حضرت ابو بکرؓ پر یہ الزام دھرتے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کی بار بار کی تاکید کے باوجود کیوں نہ گئے وہ یا تو عقل سے پیدل ہیں یا ان کے دلوں میں بغض و کینہ کی ایک بھڑکتی آگ ہے جو ان کے منہ سے اچھل اچھل کر باہر آرہی ہے۔

{قل موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور}

جناب سلمان ندوی پوچھتے ہیں کہ حضور ﷺ کی تاکید کے بعد یہ حضرات کیوں نہیں روانہ ہوئے ؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ آپ کو کس نے کہہ دیا کہ یہ حضرات نہیں گئے تھے۔ ہم اوپر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یہ بتا آئے ہیں کہ یہ حضرات اس لشکر میں موجود تھے (اور اب تو آپ بھی اپنے دوسرے رسالہ میں مان گئے ہیں کہ یہ حضرات تشریف لے گئے تھے) اور اگر اب بھی یقین نہ ہو تو لیجئے ہم شیعہ علماء سے بھی ان کی اس لشکر میں موجودگی بتائے دیتے ہیں کہ وہ آپ کے نزدیک زیادہ قابل اعتماد لوگ ہیں۔

ممتاز شیعہ عالم شیخ ابو منصور احمد بن علی طبرسی (۵۴۸ھ) احتجاج طبرسی کے (ذکر طرف مما جری بعد وفاۃ رسول اللہ من اللجاج والحجاج فی امر الخلافۃ) کی بحث میں لکھتے ہیں:

ونادی منادی رسول اللہ ﷺ ان لا یتخلف من أسامة أحد ممن أمرته علیه فلحق الناس به وکان أول من سارع إلیه أبوبکر وعمر وأبو عبیدة بن الجراح فنزلوا فی رقاق واحد مع جملة أهل العسکر (احتجاج طبرسی ج۱ ص۹۰ مطبوعہ نجف ۱۳۸۲ھ، جزء۸ ص۱۳ ش)

حضور ﷺ کے منادی نے آواز دی کہ آپ نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص ان لوگوں میں سے پیچھے نہ رہے جن پر میں نے اسامہ کو امیر مقرر کیا ہے سو تمام لوگ اس لشکر میں جا ملے ان میں سب سے زیادہ تیزی سے جانے والے ابو بکر اور عمر اور ابو عبیدہ بن الجراح تھے یہ تمام لوگ لشکر اسامہ کے ساتھ ایک ہموار زمین میں اترے۔

اگر اب بھی خلش باقی ہو تو شارح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید شیعی کا بیان دیکھ لیجئے:

فخرج اسامة واللواء علی راسه والصحابة بین یدیه حتی اذا کان بالجرف نزل ومعه ابوبکر وعمر واکثر المهاجرین والانصار... قال فما کان ابوبکر وعمر یخاطبان اسامة الی ان ماتا الا بالامیر (شرح نہج البلاغۃ ج۲ ص۲۱۔ فی جیش اسامۃ)

حضرت اسامہ اس حال میں چل پڑے کہ جھنڈا ان کے سر پر تھا اور صحابہ کی جماعت ان کے آگے آگے تھی یہاں تک کہ مقام جرف میں اترے حضرت اسامہ کے ساتھ ابو بکر اور عمر اور مہاجرین وانصار کی بڑی تعداد تھی۔ الخ

اب آپ ہی بتائیں کہ شیعہ علماء جس بات کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے نہ صرف یہ کہ تسلیم کرتے ہیں بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں سب سے زیادہ تیزی کے ساتھ پہنچنے والے یہی تین حضرات تھے۔ تو پھر جناب سلمان ندوی کو ان بزرگوں پر اتنا سنگین الزام لگاتے ہوئے کچھ تو حیاء آنی چاہئے تھی۔ اسے کہتے ہیں۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ اور اب بھی جو نہ مانے وہ اپنا سر پھوڑے

اس میں لطیفہ یہ ہے کہ یہ وہی تینوں نام ہیں (حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ) جنہیں جناب سلمان ندوی نے مطعون بنانے کی مذموم کوشش کی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ جناب سلمان ندوی کو جس نے بھی یہ بتایا کہ یہ تینوں حضرات بار بار کی تاکید کے باوجود بھی نہیں گئے انہوں نے سلمان صاحب کے ساتھ مذاق نہیں بہت برا مذاق کیا ہے۔

رہی یہ بات کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پھر کس کی اجازت سے روک لیا تھا؟ بجائے اس کے ہم اپنی طرف سے کچھ کہیں خود شیعہ علماء یہ مسئلہ حل کر چکے ہیں۔ شیعہ عالم فضل ابن حسن طبرسی اپنی کتاب اعلام الوری میں ذکر وفات رسول کے تحت لکھتے ہیں:

فقال اسامة لابی بکر ماتقول فی نفسک انت قال قد تری ما صنع الناس فانا احب ان تاذن لی ولعمر (اعلام الوری ص۱۴۵)

اسامہ نے حضرت ابو بکر سے کہا آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے (کہ آپ آرہے ہیں یا نہیں) حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ لوگوں نے مجھ پر خلافت کا بوجھ ڈال دیا ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ مجھے اور حضرت عمرؓ کو اس کی اجازت مل جائے کہ ہم یہاں رہیں (چنانچہ حضرت اسامہ نے انہیں اجازت دے دی)

ان حقائق کے ہوتے ہوئے حضرات شیخین کریمینؓ پر یہ الزام لگانا کہ حضور ﷺ کی قطعی

ہدایت اور بار بار کی تاکید کے باوجود یہ لوگ کیوں نہیں گئے جھوٹ اور بے بنیاد نہیں تو اور کیا ہے اور اس پر یہ کہنا کہ ہم پر شیخین کی بے حرمتی کا الزام نہ لگایا جائے تو کیا ہم یہ کہیں کہ آپ نے حضرات شیخین کو بدنیت بتا کر ان کی عزت بڑھانے کے لئے یہ الفاظ لکھے ہیں؟

حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کی پوری جماعت میں جس شخصیت کو افضلیت کا مقام حاصل ہوا ہے وہ خلیفہ بلافصل جانشین رسول حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ ہیں یہ بات ہم ہی نہیں کہتے امت کا اس بات پر اجماع ہے اور خود حضرت علی مرتضیٰؓ نے بھی ان حضرات کی افضلیت کو تسلیم کیا ہے۔ آپ ہی نہیں دیگر صحابہ کرام کے بیانات بھی اس پر شاہد ہیں (راقم الحروف نے {ازالۃ الضیق بسیرۃ سیدنا ابی بکر الصدیقؓ} کے مقدمہ میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے) حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) لکھتے ہیں:

وافضل الناس بعد النبیین علیهم الصلاة والسلام أبوبکر الصدیق ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ذو النورین ثم علی ابن ابی طالب المرتضی رضوان الله تعالی علیهم اجمعین عابدین ثابتین علی الحق ومع الحق فتولاهم جمیعا

(الفقہ الاکبر ص ۳۰۳ مع الشرح)

حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی افضلیت کی یہ آواز ہر دور میں برابر جاری رہی اور کسی نے امام ابو حنیفہؒ کے اس بیان کو غلط نہیں سمجھا ایک ہزار سال کے بعد بھی آپ کو پوری قوت کے ساتھ یہی آواز سننے کو ملے گی یہ آواز حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۴ھ) کی ہے آپ لکھتے ہیں:

افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ... الخ

(مکتوبات دفتر دوم ص ۳۸)

آپ ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است حضرت امیر (علی مرتضی) کرم اللہ وجہہ می فرمائید کسے کہ مرا برابی بکر و عمر فضل بدہد مفتری است واو را تازیانہ زنم چنانکہ مفتری را بزنند... الخ (مکتوب نمبر ۶۷)

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہے اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ پر فضیلت دے گا وہ مفتری ہے اور میں اسے کوڑوں کی سزا دلواؤں گا جس طرح مفتری کو دی جاتی ہے (مکتوب نمبر ۶۷ دفتر دوم ص ۱۳۰)

آپ خواجہ محمد اشرف کابلی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

در نظر ایں حقیر حضرات شیخین را در میان جمیع صحابہ شان علیحدہ است و درجہ منفردہ گویا بہیچ احدے مشارکت ندارد۔ (مکتوب نمبر ۲۵۱)

اس حقیر کی نظر میں حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی شان تمام صحابہ میں سب سے الگ اور بالکل نرالی ہے جس میں کوئی دوسرا ان کے ساتھ شریک نہیں ہے

آپ اسی مکتوب میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

شیخین بعد از موت نیز از حضرت پیغمبر جدا نشدند و حشر نیز در میان ایشاں خواہد بود چنانچہ فرمودہ پس افضلیت بواسطہ قربیت ایشان را بود... ایں قلیل البضاعت از کمالات ایشاں چہ گوید واز فضائل ایشاں چہ بیان نماید ذرہ را چہ یارا کہ سخن از آفتاب گوید و قطرہ را چہ مجال کہ حدیث بحر عمان بر زبان آرد... الخ۔ (ایضا)

حضرات شیخین تو وفات کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک سے اس حال میں اٹھیں گے کہ ایک جانب حضرت ابو بکرؓ ہوں گے اور دوسری جانب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس کی خبر دی ہے پس اس نزدیکی اور دائمی حضوری کی وجہ سے افضلیت انہی کو ہے یہ ناچیز حضرات شیخین کے فضائل کے متعلق کیا بیان کرے۔ اور کیونکر لب کشائی کرے۔ ذرہ کو کہاں طاقت کہ آفتاب کی باتیں کرے اور قطرہ کی کیا مجال کہ عمان کے ذخار سمندر کے متعلق زبان بھی کھولے۔

ایک طرف امت کے ائمہ عظام اور مجددین کرام حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو جس نگاہ عزت و عظمت سے دیکھتے اور سر جھکا دیتے ہیں اسے دیکھئے اور دوسری طرف لکھنؤ کے یہ ایک استاد ہیں

جنہیں ۳۵ سال علوم حدیث پڑھانے کے بعد پتہ چلا کہ حضرات شیخینؓ کی نیت میں فتور تھا وہ خلافت پر بزرو بازو قبضہ کر بیٹھے تھے اور انہوں نے پیغمبر کی بات بار بار کی سخت تاکیدات کے باوجود بھی نہیں مانی تھی۔(معاذ اللہ)اب یہ الزام موصوف کے شیابوں کو سمجھ میں آتا ہے تو سمجھتے رہیں مگر امت کا کوئی نیک نیت شخص حضرات شیخین کریمین کو پیغمبر کا نافرمان اور فساد نیت کا مجرم کبھی نہیں سمجھتا اور کوئی انہیں سمجھانے کی سعی نامشکور کرتا ہے تو اہل اسلام خود اسے ہی بدنیت اور طاعن صحابہ کا مجرم اور رفض کی شدید بیماری میں مبتلا قرار دے کر اس پر دو بول پڑھتے ہیں۔

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث {اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة الله علی شرکم(مشکوۃ ص ۵۵۴)کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنقید صحابہ کا منشاء ناقد کا نفسیاتی شر اور خبث و تکبر ہے آپ جب کسی شخص کے طرز عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ کسی صفت میں وہ آپ کے نزدیک آپ کی اپنی ذات سے فروتر اور گھٹیا ہے اب جب کوئی شخص کسی صحابی کے بارے میں یہ کہے گا کہ اس نے عدل وانصاف کی تقاضوں کو کماحقہ ادا نہیں کیا تھا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اس صحابی کی جگہ یہ صاحب ہوتے تو عدل وانصاف کے تقاضوں کو زیادہ بہتر ادا کرتے گویا ان میں صحابی سے بڑھ کر صفت عدل موجود ہے یہ ہے تکبر کا وہ شر اور نفس کا وہ خبث جو تنقید صحابہ پر ابھارتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی شر کی اصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں۔(ماہنامہ بنیات کراچی محرم ۱۳۹۰ھ)

ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جناب سلمان ندوی جس فخریہ اور طنزیہ لہجے میں گفتگو کرتے ہیں اور جس نخوت وغرور کے ساتھ اکابر صحابہ پر دن رات الزامات لگاتے چلے جاتے ہیں یہ دراصل اسی خبث کا نتیجہ ہے جس کی طرف حضرت شہید اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا ہے۔اللہ تعالی ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت

اور مطالبہ قصاص

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ..... أَمَّا بَعْدُ!

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری چند سالوں سے لے کر جنگ جمل اور جنگ صفین تک جو افسوسناک حالات پیش آئے ہیں وہ تاریخ کی کتابوں میں رطب ویابس کے ساتھ موجود ہیں اور مؤرخین نے اپنے اپنے طور پر ان واقعات کو جس طرح جمع کیا ہے اس کے بارے میں یہ سمجھ لینا کہ وہی درست اور سچ ہے درست نہیں ہے۔ ان واقعات میں بہت کچھ رطب ویابس بھر دیا گیا ہے اور ان حکایات واقعات سے ہر دو فریق اپنے اپنے موقف و مسلک کو نہ صرف یہ کہ سچ بتاتا ہے بلکہ دوسرے فریق کو ملزم ٹھہرا کر اسے فاسق فاجر ہی نہیں کافر تک کہنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ ناصبی اور خارجی لوگ مؤرخین کے انہی نقل کردہ واقعات سے سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت کو دائرہ اسلام سے باہر کرنے پر تلے رہتے ہیں۔ تو دوسری طرف رافضی گروہ اور رفض زدہ لوگ انہی تاریخی واقعات سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب رضی اللہ عنہم پر انتہائی گندی زبان استعمال کرتے اور ان سب کو بیک قلم کافر بتانے کو اہل بیت کی بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔ اللہ رب العزت ان علماء کرام اور محققین امت کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس باب کی من گھڑت اور غلط باتوں کا پوری علمی قوت اور دلائل سے رد کیا اور ان واقعات میں راہ اعتدال اختیار کی اور ان واقعات کی صحیح توجیہ اور درست محمل بیان کر کے ان واقعات کی حقیقت کھولی اور بتایا کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے اور مسلمانوں میں تفرقہ کی آگ بھڑکانے میں مذموم کردار ادا کیا۔ یہ کوئی انجانے لوگ نہ تھے اور نہ وہ لوگوں کی نظروں سے مخفی تھے ان کی جرات اس حد تک

بڑھ گئی تھی کہ انہیں اپنے آپ کو قاتلان عثمان کہتے ذرا خوف نہیں ہوتا تھا۔

سیدنا حضرت عثمان غنی کی شہادت ۱۸ ذی الحج کو ہوئی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ صدیقہ سفر حج سے مدینہ منورہ واپس آرہی تھیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام میں تھے مدینہ شام سے بہت دور ہے البتہ حضرت علی مرتضیٰؓ مدینہ منورہ میں موجود تھے اور ان کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ حضرت عثمانؓ کے قاتل کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں اور کس کس نے اس میں کیا کردار ادا کیا ہے یہ آپ کے علم میں تھا مگر آپ اس صورت حال میں کوئی بڑا قدم نہ اٹھاسکتے تھے کہ مدینہ منورہ باغیوں کے قبضہ میں تھا۔ تاہم آپ کو اتنا ضرور معلوم ہوچکا تھا کہ پہلے یہ لوگ آپ کی ولایت کے نام پر لوگوں کو لے کر آئے تھے اور پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت کا خاتمہ چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو ان سے چھپائے ہوئے تھے۔ مصر کے سبائی بلوائی اسی عقیدے کے ساتھ وہاں سے نکلے تھے کہ خلافت حضرت علی کا حق ہے کیونکہ وہ وصی رسول ہیں ابو بکر عمر اور عثمان نے جبراً خلافت پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ گروہ حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کرنے کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ کی تلاش میں تھا کہ ان کی بیعت کرلیں۔ حضرت علی مرتضیٰؓ اپنے آپ کو ان سے بچارہے تھے اور ان کی نظروں سے چھپ رہے تھے۔ وہ آپ کو کھینچنا چاہتے تھے آپ اپنا ہاتھ ان سے چھڑا رہے تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں

تقولون البيعة البيعة قبضت كفى فبسطتموها ونازعتكم يدى فجاذبتموها (نہج البلاغۃ ص ۴۱۱۔ کلام نمبر ۱۳۷)

مگر یہ لوگ کسی نہ کسی طرح حضرت علیؓ کو منظر پر لے آئے۔ اسی گروہ کے اشتر نخعی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرکے آپ کی خلافت کا اعلان کردیا تھا.

واهل الكوفة يقولون أول من بايعه الاشتر النخعى

(البدایہ ج ۷ ص ۲۲۷)

پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مدینہ منورہ میں موجود صحابہ کرام اور تابعین نے بیعت فرمائی اور یہ بیعت مسجد نبوی میں ہوئی تھی۔ بیعت عامہ کے بعد بعض حضرات کی جانب سے

قاتلین عثمان کو گرفتار کرکے سزا دینے کا مطالبہ ہوا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے تو اپنی بیعت کو بطور خاص اقامت حدود سے مشروط بھی کیا تھا جبکہ حضرت علیؓ کا موقف تھا کہ پہلے خلافت مستحکم ہو جائے پھر انہیں دیکھ لیں گے اس وقت تو ہم ان پر نہیں وہ ہم پر مسلط ہیں۔

كيف لى بقوة والقوم المجلبون على حد شوكتهم يملكوننا ولا نملكهم (نہج البلاغۃ خ۱۶۸)

جب قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر ہاتھ ڈالنے میں تاخیر ہونے لگی اور مدینہ منورہ میں مفسدین بلا خوف وخطر رہنے لگے تو ان دونوں بزرگوں نے فیصلہ کیا کہ وہ مکہ مکرمہ چلے جائیں چنانچہ وہ اور ان کے ساتھ ان کے ہم خیال حضرات مکہ مکرمہ روانہ ہوگئے۔ راستہ میں ان کی ملاقات ام المؤمنین حضرت عائشہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اور واپس آنے والے حجاج سے ہوئی۔ (البدایہ ج۷ ص۲۳۰)

ان حضرات نے مدینہ منورہ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کر دیا اور بتلایا کہ قاتلین اور مفسدین حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرکے ان کے آس پاس جمع ہوگئے ہیں اور یہ ان کی سیاسی اور حفاظتی چال ہے یہ لوگ حقیقت میں حضرت علیؓ کے وفادار نہیں ہیں انہوں نے محض آپ کو ایک ڈھال کے طور استعمال کیا ہے۔

جب ان حالات کا ام المؤمنین حضرت عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو علم ہوا تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ پر بالآخر بصرہ جانے کا فیصلہ کیا جہاں سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے منصوبے بنے تھے تاکہ یہاں کوئی ایسا رستہ نکالا جائے جس سے مسلمانوں میں مزید انتشار نہ ہو اور باغیوں اور ان ظالموں کا مرکز بھی ختم ہو جائے اور مدنیہ منورہ میں موجود قاتلوں کو کوئی فوجی اور سازوسامان کی امداد نہ پہنچ سکے۔ آپ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ بصرہ کی جانب سفر کا ایک بڑا مقصد مسلمانوں میں نظم وضبط رکھنا اور ان کی اصلاح تھا۔ جب لوگوں نے حضرت ام المؤمنین سے ان کے آنے کا مقصد پوچھا تو آپ نے صاف فرمایا:

سألت أم المؤمنين ما أشخصها وأقدمها هذه البلاد؟ قالت يا بنى اصلاح بين الناس۔۔۔ (تاریخ طبری ج۴ ص۴۸۸ ش)

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ جنگ کی نیت سے گئی تھیں وہ غلط کہتے ہیں۔ حافظ ابو محمد علی بن احمد ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

فقد صح صحة ضرورية لا اشكال فيها ان طلحة والزبير وعائشة رضوان الله عليهم لم يمضوا الى البصرة لحرب على ولا خلافا عليه ولا نقضا لبيعته (الفصل فی الملل ج۴ ص۱۲۳ش)

علامہ قاضی محمد بن عبد اللہ ابو بکر ابن العربی المالکی رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۳ھ) لکھتے ہیں:

وأما خروج عائشة إلى حرب الجمل فما خرجت عائشة لحرب (العواصم من القواصم ص۱۵۶)

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ:

إنها لم تخرج لقصد القتال ولا كان ايضا طلحة والزبير قصدهما قتال على (منہاج السنۃ ج۴ ص۳۲۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جنگ کی نیت سے نہیں نکلی تھیں اور نہ ہی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ سے جنگ کے خواہاں تھے۔

آپ شیعہ عالم ابن مطہر حلی کا جواب دیتے ہوئے یہی بات لکھتے ہیں:

فإن عائشة لم تقاتل ولم تخرج لقتال وإنما خرجت بقصد الاصلاح بين المسلمين ... لا قاتلت ولا أمرت بقتال هكذا ذكر غير واحد من أهل المعرفة بالاخبار (ایضاح ج۴ ص۳۱۷)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۷۹ھ) شیعہ عالم کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

حضرت عائشہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کا خود ارادہ قتال بھی نہ تھا۔ (اجوبہ اربعین ص۳۶۶)

روافض کا یہ کہنا بھی جھوٹ ہے کہ آپ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے خوش نہ تھیں اور

آپ اسی خلافت کو گرانے کے لئے آئیں تھیں۔ محدث جلیل حافظ ابن حجر عسقلانی (رحمۃ اللہ علیہ ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

ان أحدا لم ينقل أن عائشة ومن معها نازعوا عليا فی الخلافة ولا دعوا إلى أحد منهم ليولوه الخلافة۔ (فتح الباری ج۱۳ ص۵۶)

ادھر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو یہ غلط خبر دی گئی کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کے ساتھ مقابلہ کی تیاری کے لئے پہلے بصرہ گئی ہیں تو آپ نے اہل مدینہ کی اکثریت کے انکار کے باوجود وہاں جانے کا فیصلہ کیا تاکہ ان کے سامنے ان حالات کی صحیح صورت حال پیش کی جائے آپ کے اس گروہ میں جہاں نیک نیت لوگ تھے وہیں قاتلین عثمان اور دیگر مفسدین بھی موجود تھے جو بظاہر آپ کی حمایت میں چل رہے تھے مگر حقیقت میں وہ مسلمانوں میں فتنہ کی آگ بھڑکانے کے لئے نکلے تھے حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے بڑی منت سماجت سے آپ کو روکنے کی کوشش بھی کی، اس پر سبائیوں نے انہیں لعن طعن بھی کیا (منہاج ج۳ ص۴۶۶) مگر آپ نے ان کی بات نہ مانی اور سفر پر چل پڑے (طبری ج۵ ص۱۷۰) آپ کے صاحبزادہ حضرت سیدنا حسنؓ نے بھی آپ کو روکنے کی بھرپور کوشش کی۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے ان کو جواب میں کہا کہ میرا وہاں جانے کا مقصد اصلاح ہے۔ چنانچہ جب آپ بصرہ پہنچے تو آپ نے حضرت قعقاعؓ کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا کہ وہ ان کے یہاں آنے کا مقصد معلوم کریں جب حضرت قعقاعؓ نے حضرت ام المؤمنین سے ان کے آنے کا مقصد پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اے میرے بچے میں تو یہاں اصلاح بین الناس کے لئے آئی ہوں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی یہ بات دہرائی تو انہوں نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی دعوت دی تو آپ نے فرمایا آپ جایئے جب حضرت علیؓ یہاں آکر بات کریں گے تو معاملہ ضرور کسی اچھے نتیجہ پر پہنچ جائے گا اور صلح صفائی سے بات طے کرلی جائے گی (البدایہ ج۷ ص۲۳۷) حضرت علی مرتضیٰؓ کو جب اس بات کی اطلاع دی گئی تو اس سے آپ بہت خوش ہوئے اور ان سب نے اسے پسند کیا جو نیک نیت تھے البتہ جو مفسدین اور قاتلین حضرت علی مرتضیٰؓ کے گروہ میں شامل ہو کر ان کے ساتھ آئے

تھے وہ اس بات سے سخت ناخوش تھے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہم حضرت عائشہؓ سے ملنے جارہے ہیں اور ہمارے ساتھ وہ لوگ نہیں جاسکتے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے میں کوئی بھی کردار ادا کیا ہو۔ وہ سب کے سب ہماری جماعت سے نکل کر چلے جائیں۔

لا یرتحل معی أحد أعان علی قتل عثمان بشیء من أمور الناس (البدایہ ج۷ ص۲۳۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف جہاں حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھ موجود تمام حضرات آپ کی بیعت کے لئے تیار تھے وہیں حضرت علیؓ نے بھی قاتلین عثمان کو سزا دینے پر رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔ حضرت علیؓ کے اس خطبہ اور اعلان پر قاتلین اور مفسدین کے گروہ میں ہلچل مچ گئی اب انہیں اپنی فکر لاحق ہوگئی کہ اگر یہ دونوں فریق ایک ہوگئے تو ہماری خیر نہیں۔ اس لئے ان کے درمیان کسی صورت صلح کی راہ نہیں نکلنی چاہئے۔ انہوں نے اس کے لئے مختلف تدبیریں بھی سامنے رکھیں جن میں خود حضرت علی مرتضیٰؓ کو شہید بھی کرنا تھا تاہم وہ اس فیصلہ پر متفق ہوئے کہ دونوں فریق میں اپنے اپنے لوگ داخل کر دو اور رات کے اندھیرے میں اچانک دونوں فریق پر حملہ کر دو تاکہ دونوں ہی یہ سمجھیں کہ دوسرے نے ہمارے ساتھ دغا کی ہے اور یوں صلح کو جنگ میں بدل کر قتل وغارت کرادو۔ انہیں اتنا موقع بھی نہ دو کہ وہ اس پر غور کر سکیں کہ کیا ہوا ہے؟

وإذا التقی الناس غدا فانشبوا القتال ولا تفرغوهم للنظر

(طبری ج۴ ص۴۹۴۔ البدایہ ج۷ ص۲۳۸)

مفسر قرآن امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (۶۶۸ھ) لکھتے ہیں:

بصرہ میں ان کے درمیان جو کچھ پیش آیا وہ جنگ کے ارادہ سے نہ ہوا تھا بلکہ یہ اچانک پیش آیا تھا اور ہر ایک فریق نے اپنا دفاع کیا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ دوسرے نے دھوکہ کیا ہے کیونکہ معاملہ ان کے درمیان طے پا چکا تھا صلح مکمل ہو چکی تھی باہمی رضامندی سے وہ اپنی اپنی جگہ جارہے تھے اس وقت حضرت

عثمانؓ کے قاتلین کو خوف ہوا کہ اب ان کو پکڑ لیا جائے گا اور ان کا گھیراؤ کیا جائے گا۔

فخاف قتل عثمان من التمكين منهم والاحاطة بهم

تو انہوں نے اکٹھے ہو کر مشورہ کیا آخر کار ان کا اس بات کا اتفاق ہوا کہ وہ دو حصوں میں تقسیم ہوں اور سحری کے وقت دونوں لشکروں میں داخل ہو کر جنگ شروع کرادیں چنانچہ ان کے درمیان تیر چلے اس سے حضرت علیؓ کے فریق نے شور کیا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ساتھ دھوکہ کیا اور اس طرف کے لوگوں نے کہا کہ حضرت علیؓ نے ان کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اس طرح وہ منصوبہ جو انہوں (یعنی قاتلین عثمانؓ) نے بنایا تھا وہ پورا ہوا اور جنگ میں بدل گیا اور ہر فریق اپنے اپنے دفاع میں لگ گیا۔ (تفسیر قرطبی ج۸ ص۷۰۹ مترجم)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۹۷ھ) لکھتے ہیں:

قاتلان عثمان نے بغرض فساد دو گروہ ہو کر دونوں لشکروں پر شب خون مارا ہر ایک نے دوسرے کی دغا سمجھی اور لڑ لڑا کر قصہ تمام کیا۔

(اجوبہ اربعین ص۳۶۷)

چنانچہ ایسا ہی ہوا پھر دونوں فریق اپنے اپنے دفاع میں لگ گئے اور یوں اس میں دونوں فریق کے کئی لوگ جان سے گئے۔ جنگ کے اختتام پر حضرت علی مرتضیٰؓ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بڑے عزت واحترام اور حفاظت سے مدینہ منورہ پہنچادیا۔ اس پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ہمیشہ افسوس رہا اور آپ اپنے اس اقدام پر روتی بھی رہیں کہ وہ یہاں کیوں آئیں؟ یہ افسوس صرف آپ ہی کا نہ تھا حضرت علی مرتضیٰؓ کو بھی اس بات کا بڑا صدمہ رہا۔ آپ نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ سے کہا کہ کاش میں ان حالات کو دیکھنے سے پہلے مر گیا ہوتا (المصنف لابن ابی شیبہ ج۷ ص۵۳۹) اور آپ فرماتے تھے کہ:

اللّٰهم ليس هذا أردت اللّٰهم ليس هذا أردت (ج۷ ص۵۴۱ ش)

اے اللہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا اے اللہ میں نے اس کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمل والے دن حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر رو رہے تھے۔

یبکون علی طلحة والزبیر (ایضا)

پھر اسی مسئلے (یعنی قصاص خون عثمان) پر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی یہ جنگ حضرت علی مرتضیؓ کی جانب سے شروع کی گئی تھی (منہاج السنۃ ج ا ص ۵۲۱) اور اس میں انہی مفسدین اور قاتلین عثمان کا بڑا ہاتھ تھا حضرت علی مرتضیؓ کوفہ آچکے تھے پھر آپ ایک بڑے لشکر کے ساتھ شام کی طرف چلے تاکہ حضرت معاویہؓ اور اہل شام کو اپنی بیعت پر لے آئیں حضرت علیؓ کا موقف تھا کہ اہل شام پہلے ہماری بیعت کریں پھر قصاص کی بات کریں۔ جب حضرت معاویہؓ کو پتہ چلا کہ آپ ایک بڑے لشکر کے ساتھ آرہے ہیں تو آپ نے بھی ایک لشکر تیار کیا اور ان کا موقف تھا کہ حضرت عثمانؓ ظلما شہید کئے گئے ہیں اس لئے پہلے قصاص لیا جائے کیونکہ حضرت علیؓ کے لشکر میں قاتلین مفسدین اور قتل کا ساتھ دینے والے موجود ہیں ہمارا جھگڑا خلافت کا نہیں قصاص کا ہے۔ اگر آپ کسی وجہ سے بھی ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے اور ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کر سکتے تو پھر انہیں ہمارے حوالہ کر دیں ہم نمٹ لیں گے۔ حضرت معاویہؓ اپنے موقف میں تنہا نہیں تھے صحابہ کی ایک بڑی تعداد اور اہل شام سب اسی موقف پر متفق تھے اور حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر اسی بات کے لئے بیعت کر چکے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر یہ بیعت بطور خلیفہ کے نہیں تھی بطور امیر کی تھی اور یہ صرف طلب قصاص کے لئے ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ کا جواب یہ تھا کہ ہم ان کو آپ کے حوالے نہیں کر سکتے (الاخبار الطوال ص ۱۶۲ احمد بن داؤد دینوری شیعی) اس سے فساد زیادہ پھیل جائے گا اور پھر معاملہ ہاتھ سے نکل جائے گا، مسلمانوں میں مزید انتشار ہو گا۔ بہر حال دونوں فریق کے درمیان کئی دنوں تک اس پر گفتگو ہوتی رہی مگر کسی نتیجہ پر بات نہ پہنچ سکی کیونکہ اس میں ایسے لوگ موجود تھے جو اس صلح میں اپنی موت دیکھتے تھے وہ چاہتے تھے کہ جنگ ہو تاکہ ان کے

کر توت زیر بحث نہ آئیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بالآخر شدید قتال میں صحابہ سمیت کئی لوگ موت سے ہمکنار ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ دنیا کی وہ واحد جنگ تھی جس میں دونوں فریق کے مقتولین کی تغسیل تکفین و تجہیز ایک جگہ ہو رہی تھی نماز جنازہ سب کی ایک وقت میں ادا کی جا رہی تھی اور دونوں ایک دوسرے کے مقتولین پر اظہار افسوس اور تعزیت کرتے تھے۔ ایک طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان پر اظہار افسوس تھا تو دوسری طرف حضرت علیؓ کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اجتہادی غلطی کی وجہ سے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ کا موقف درست اور برحق تھا جبکہ حضرت معاویہؓ کا یہ موقف کہ پہلے سزا دی جائے یا قاتلوں کو ہمارے حوالہ کیا جائے پھر بیعت کی جائے گی یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا جو خطا کر گیا آپ یہ بات ہر گز بری نیت سے نہیں کہہ رہے تھے اور نہ ہی آپ حضرت علیؓ کی خلافت کو غلط کہتے تھے اور نہ خود آپ خلافت کے مدعی تھے۔ آپ حضرت علیؓ مرتضیٰ کے مقام و مرتبہ اور علم و فضل کے پورے قائل تھے آپ نے کبھی حضرت علی مرتضیٰؓ کی نیت پر شک نہیں کیا تھا۔ حافظ ابن حزم اندلسی ظاہری رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

ولم ينكر معاوية قط أفضل عليّ واستحقاقه الخلافة ... الخ

(الفصل فی الملل والاھواء والنحل ج۴ ص۱۲۴ ش)

امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ جوینی رحمۃ اللہ علیہ (۴۷۸ھ) لکھتے ہیں:

إن معاوية وإن قاتل عليا فإنه لا ينكر إمامته ولا يدعيها لنفسه وإنما كان يطلب قتلة عثمان ظنا منه أنه مصيب وكان مخطئا (لمعۃ الادلۃ فی عقائد اھل السنۃ والجماعۃ ص۱۱۵)

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

ومعاوية لم يدع الخلافة ولم يبايع له بها حين قاتل عليا ولم يقاتل على أنه خليفة ولا أنه يستحق الخلافة ويقرون له

بذلك ... الخ (مجموع الفتاوی ج۳۵ ص۷۲)

علامہ کمال الدین محمد بن محمد شریف (۹۰۵ھ) شرح المسایرۃ لابن الہمام (۸۶۱ھ) میں لکھتے ہیں:

ما جری بین علی ومعاویة رضی الله عنهما ... کان مبنیا علی الاجتهاد من کل منهما لا منازعة من معاویة رضی الله عنه فی الامامة (المسامرہ ص۲۷۰)

یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو معاملہ پیش آیا وہ اجتہاد پر مبنی تھا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت وامامت پر جھگڑا نہ تھا (اور نہ آپ مدعی خلافت تھے)

علامہ سید عبد الوہاب شعرانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۳ھ) کمال ابن ابی شریف کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

قال الکمال ابن أبی شریف ولیس المراد بما شجر بین علی ومعاویة المنازعة فی الامارة کما توهمه بعضهم وانما المنازعة کانت بسبب تسلیم قتلة عثمان رضی الله عنه إلی عشیرته لیقتصوا منهم (الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر ج۲ ص۷۷)

کمال الدین محمد بن محمد ابن ابی شریف کہتے ہیں کہ مشاجرات علیؓ ومعاویہؓ سے مراد امارت وخلافت میں جھگڑا نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے منازعت کا سبب قاتلین عثمان کو ان کے خاندان کے حوالہ کرنے کے لئے تھا تاکہ وہ ان سے قصاص لے سکیں

اسی طرح حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نیت پر کبھی شک نہیں کیا اور نہ کبھی آپ کے ایمان کو مشکوک سمجھا۔ آپ انہیں اپنا بھائی کہتے تھے۔ نہج البلاغۃ میں اب تک آپ کا یہ بیان موجود ہے کہ جو لوگ ہمارے خلاف باغی ہوئے وہ تو ہمارے بھائی ہیں ایمان وعقیدہ میں وہ نہ ہم سے آگے اور نہ ہم ان سے آگے ہیں۔ (نہج البلاغۃ خطبہ نمبر ۵۸ ص۷۶)

انہوں نے اپنے اجتہاد کی رو سے ہم سے پہلے قصاص کا مطالبہ کیا اور ہم نے اپنے بیعت کے

موقف کو حق اور درست جانا۔ جو ہوا وہ اجتہاد ا ہوا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کے لئے جو لفظ استعمال فرمایا اسے ملاحظہ کیجئے۔ یہ بات کسی اہل سنت کی نہیں۔ شیعہ عالم عبد اللہ بن جعفر حمیری کی ہے جو وہ حضرت امام جعفرؒ ان کے والد امام محمد باقرؒ سے اور وہ حضرت علی مرتضیؓ سے نقل کرتے ہیں:

عن جعفر عن ابیہ ان علیا علیہ السلام کان یقول لاھل حربہ انا لم نقاتلھم عن التکفیر ولم نقاتلھم علی التکفیر لنا ولکنا رأینا انا علی حق ورأؤ انھم علی حق (قرب الاسناد ص۴۵)

اس کا حاصل یہ ہے کہ نہ تو حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ لڑنے والوں کو کافر سمجھتے تھے اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو کافر سمجھا تھا حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے موقف کو حق سمجھا اور میدان میں آئے انہوں نے اپنے موقف کو حق جانا اور وہ میدان میں اترے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (جو اس جنگ میں شہید ہوئے تھے) کے قریب بیٹھے ایک شخص نے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ پر کفر پر فتوی جڑ دیا تو آپ نے اسے روک دیا اور فرمایا ایسا نہ کہو ہمارا اور ان کا نبی ایک ہے ہمارا اور ان کا قبلہ بھی ایک ہی ہے۔ ہوا یہ کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے معاملے میں غلط راہ چل پڑے سو ضروری ہوا کہ ہم ان سے لڑیں تاکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیں۔

لا تقولوا ذلک نبینا ونبیھم واحد وقبلتنا وقبلتھم واحدۃ ولکنھم قوم مفتونون جاروا عن الحق فحق علینا أن نقاتلھم حتی یرجعوا إلیہ (المصنف لابن ابی شیبہ ج۸ ص۷۲۲)

ای الی مبایعۃ علی (الفتنۃ بین الصحابۃ ص۲۴۶)

محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۱۲ھ) لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لڑائیوں میں اپنے کو حق بجانب سمجھتے ہوئے جانب مخالف کے مقتولین کو مستحق جنت کیسے قرار دے سکتے ہیں جب تک ان مقتولین کو

اپنے فعل میں ایک مجتہد کا مقلد نہ قرار دیں؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مجتہد تسلیم کرتے تھے اور ان کی مخالفت کو خطاء اجتہادی پر محمول فرماتے تھے اسی بناء پر ان کے طرفدار مقتولین کو مستحق جنت سمجھتے تھے کہ وہ ایک مجتہد کے پیرو تھے گو خطاء پر تھے

(ماخوذ از ماہنامہ الرشید ساہیوال اگست ۲۰۰۳ ص ۸)

ان جنگوں میں کئی اونچ نیچ آئے کئی مرتبہ بات بنتے بنتے بگڑی۔ صلح کی طرف اٹھے قدم کو جنگ میں دھکیلا گیا اس میں جو نیک نیت تھے انہوں نے بارہا کوشش کی کہ یہ جنگ نہ ہو مگر وہی مفسدین جو چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ لوگ آپس میں لڑ پڑیں بالآخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ یہ کون تھے؟ وہی قاتلین عثمان اور ان کے معاونین وغیرہم تھے۔

صفین میں جو لوگ اپنے آپ کو حضرت علیؓ مرتضی کو کا بڑا وفادار اور جانثار کہتے تھے ان میں سے ایک شمر بن ذی الجوشن بھی تھا یہ وہی شمر ہے جس نے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو میدان کربلا میں شہید کرنے میں بڑا کردار ادا کیا تھا۔ یہ صفین میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی جانب سے لڑتا اور اشعار پڑھ پڑھ کر حملہ کرتا تھا:

عن مسلم بن عَبْدِ اللَّهِ الضبابي، قَالَ شهدت صفين مع الحي ومعنا شمر بن ذي الجوشن --- الخ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۸)

اردو شاعر نے اس کے شعر کا یہ ترجمہ کیا ہے

علیؓ میرا امام ہے اور میں علیؓ کا غلام
علیؓ کے واسطے لڑتا ہوں میں بلشکر شام

(تحفہ امامیہ ص ۲۲۸)

یہی شمر جو کبھی حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے نام کا نعرہ لگایا کرتا تھا کربلا میں حضرت امام حسینؓ اور آپ کے گھر والوں کے نہ صرف یہ کہ مخالف گروپ میں تھا بلکہ اہل بیت نبوت کے خیموں میں آگ بھی اسی بدبخت نے لگائی تھی۔

خاص آپ کے (یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے) خیمہ پر شمر نے حملہ کیا برچھی مار کر پکارا آگ لاؤ میں اس خیمہ کو اور ان لوگوں کو جو اس خیمہ میں ہیں جلاڈالوں بیبیاں چلاتی ہوئی باہر نکل آئیں آپ نے پکار کر کہا (أنت تدعوا بالنار لتحرق بيتی علی اهلی حرقک الله بالنار) تو آگ منگا رہا ہے کہ میرے گھر کو میرے اہل بیت کو جلاڈالے۔ خدا تجھے آگ میں جلائے (تاریخ طبری ج۴ ص۲۴۵ مترجم)

اسی شمر کا ایک اور ظالمانہ اور بہیمانہ فعل دیکھئے:

(جب جناب کلبی شہید ہو گئے تو) ان کی اہلیہ ام وہب ان کی لاش پر آئیں ان کے سرہانے بیٹھ گئیں گرد و غبار ان کے چہرے سے صاف کر رہی تھیں اور کہہ رہیں تھیں هنيئا لک الجنة (تم کو جنت میں جانا مبارک ہو) شمر نے رسم نامی غلام سے کہا اس عورت کے سر پر لٹھ مار جب ان پر لٹھ مارا تو سر پاش پاش ہو گیا اور وہ اسی جگہ شہید ہو گئیں (ایضا)

اس سے آپ کچھ نہیں بہت کچھ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت نبوت کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کرنے والے کون لوگ تھے؟ اللہ رب العزت تمام شہداء کربلا کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے۔ آمین۔

اب پھر سے حضرت علی مرتضیٰؓ کے ان بیانات پر غور کیجئے جو آپ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمائے ہیں جو آپ کے حمایتی بن کر آپ کے ساتھ آئے تھے؟ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے حبّ علیؓ کے نام پر صرف بغض معاویہؓ کا ہی نعرہ نہیں لگایا بلکہ بغض اسلام بھی ان کے قول و عمل سے ظاہر ہو رہا تھا۔ وہ ایک طرف حضرت عثمانؓ کے قتل کا اعتراف کرتے تھے تو دوسری طرف یہی لوگ (اپنے مذموم مقاصد میں ناکامی پر) حضرت علیؓ مرتضی کو بھی شہید کرنے کا باقاعدہ پروگرام دے چکے تھے۔

نفعل كما فعلنا بابن عفان (طبری ج۴ ص۳۴۔ مناقب شہر بن آشوب شیعی ج۳ ص۲۸۲)

فان كان الامر هكذا ألحقنا عليا بعثمان (البدایہ ج۷ ص۲۳۹)

ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ غنی کی شہادت کا معاملہ بڑا واضح ہے کہ اس کے پیچھے مذہبی عقائد اور خوفناک سیاسی سازش تھی۔ رہا حضرت عثمانؓ کا قصاص تو اولاً یہ ذمہ داری خود حکومت وقت پر تھی کہ وہ امیر المؤمنین کے قاتلوں کو گرفتار کر کے سزا دے اس وقت حضرت علیؓ مرتضیٰؓ کی بیعت جس ماحول میں ہو رہی تھی خود حضرت علی مرتضیٰؓ بھی اس سے ناواقف نہ تھے مگر آپ کی مجبوری یہ تھی کہ آپ ان بدمعاشوں کے گھیراؤ میں تھے جس کا خود آپ نے بھی اقرار کیا تھا اور فرمایا:

یملکونا ولا نملکھم (نہج البلاغۃ ص ۹۲ خطبہ نمبر ۱۶۸)

ادھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ موقف بھی غلط نہ تھا کہ قاتلوں کو پکڑنے اور سزا دینے میں کوتاہی اور تاخیر نہیں ہونی چاہئے ورنہ وہ بلا کسی خوف وخطر کے مسلم سربراہوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کرتے رہیں گے اس پر بات بڑھتی چلی گئی اور پھر جو کچھ ہوا وہ تاریخی کتابوں میں رطب ویابس کے ساتھ سب کے سامنے ہے۔

سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت جنگ جمل اور جنگ صفین پر شیعہ علماء اور ان کے مجتہدین کی زبانیں ہمیشہ دراز ہی رہی ہیں ان کا کوئی مجتہد اور ذاکر ایسا نہیں جو ان واقعات کو بیان کر کے صحابہ عظامؓ اور حضرت ام المؤمنینؓ کو برا کہہ کر ان پر طرح طرح کے جملے نہ کستا ہو۔ یہ لوگ اپنے عقیدہ کی رو سے ایسا کرنا کار ثواب سمجھتے ہیں کہ جو جتنا ام المؤمنین حضرت عائشہؓ حضرت حفصہؓ حضرت معاویہؓ حضرت عمرو بن العاصؓ اور دیگر صحابہ عظام کے خلاف زبان دراز کرے گا وہ اہل بیت کا اتنا ہی بڑا محب اور خادم سمجھا جائے گا مگر ہمیں افسوس لکھنؤ کے ایک استاد اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ کے ایک فرد کے علم ودانش پر ہوتا ہے جو بغیر سوچے سمجھے شیعہ کے اگلے غلیظ لقمے نگلنے کو روحانی قوت اور اہل بیت کی محبت سمجھتا ہے۔ یہ جناب سلمان ندوی ہیں جو ان واقعات کو سوالیہ عنوان دے کر مسلمان نوجوانوں کے ذہنوں کو اپنے اسلاف بالخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدگمان کرنے کو دینی خدمت سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور یہ آگئے وہ کیوں نہیں آئے؟ کسی نے قاتل کا نام نہیں پوچھا؟ کسی نے مقدمہ نہیں سنا؟ کوئی عدالت میں نہیں گیا شواہد

نہیں دئے؟ یہ نہیں کیا وہ نہیں کیا؟ کہہ کر ایک پوری عدالت لگا بیٹھے ہیں جب یہ بات بارہا لکھی جاچکی کہ ان افسوناک واقعات میں حضرت علی مرتضیٰؓ جس موقف پر کھڑے تھے وہ ہی درست اور برحق تھا اور ہم فریق ثانی کے موقف کو بھی اس لئے غلط نہیں کہتے کہ (معاذ اللہ) وہ بدنیت تھے بلکہ اس لئے کہ ان سے اجتہاداً خطا ہوگئی اور وہ اپنے موقف کو درست سمجھتے تھے۔ مگر ان واقعات سے عام جاہل مسلمانوں میں یہ تاثر دینا کہ خلافت بلافصل کا معاملہ مشکوک ہے اور اس میں بڑا ہاتھ شیخین کریمین کا ہے کہ نہ وہ جیش اسامہؓ میں گئے اور نہ وہ حضرت علیؓ کو اپنے ساتھ میٹنگ میں لے گئے اور پھر حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے جو نتائج دیر تک سامنے آتے رہے ان سب کے ذمہ دار حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوا اور کوئی نہیں ہیں بہت خطرناک تاثر ہے۔ پھر یہ غلط فہمیاں پیدا کرنا کہ یہ لوگ حضرت علیؓ سے ان کا حق خلافت چھین لینا چاہتے تھے انہی کی وجہ سے لڑائی ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے خون سے زمین رنگ دی گئی ان کے سر توڑے گئے ان کی ہڈیاں توڑی گئیں ان کے گوشت کاٹے گئے وغیرہ وغیرہ کیا مسلمانوں میں کوئی اچھا تاثر قائم کرسکتا ہے۔ صحابہ عظام تو درکنار خود دین اسلام کے بارے میں اس طرح کا تاثر عام جاہل مسلمانوں میں کیا رنگ لائے گا اس سے ہر دردمند مسلمان لرز اٹھتا ہے۔

اللہ تعالی نے مؤمنین (یعنی صحابہ) کے بارے میں خبر دی کہ اللہ تعالی ان کے دلوں میں ایمان کو زینت دی ہے۔ یہ زینت کہاں اترتی ہے؟ ظاہر پر۔ جیسے ہم کہیں خوبصورت چہرہ، رنگین کپڑا۔ صحابہ کے ایمان کے بارے میں یہ جو کہا گیا کہ ایمان ان کے دلوں میں اتار دیا گیا ہے یہ ان کے ایمان کے اندر کی خبر دی گئی ہے۔ قرآن کریم نے جو یہ ان کے اندر کی بات بتلائی پہلے اس کا اردو ترجمہ دیکھ لیں اس سے آپ کے ذہن میں یہ بات آجائے گی کہ یہ ظاہر کی بات نہیں، صحابہ کے اندر کی بات ہے۔ وزینہ فی قلوبکم۔ اور کھبادیا اس کو تمہارے دلوں میں (ترجمہ شیخ الہند) یہ دلوں کے اندر گھسی بات کا پتہ دے رہے ہیں اس سے پہلے یہ بات نہایت روشن پیرائے میں کہہ دی گئی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے دلوں کا امتحان ہوچکا اور ان کے لئے ایمان اب ان کے دلوں کی زینت بن چکا۔

{افادات: مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ}

سیدنا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی خلافت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ..... أَمَّا بَعْدُ!

(۱)جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

حضرت علی کو کبار انصار و مہاجرین نے خلیفہ طے کر دیا...

(ازالہ ص۱۱)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی خلافت کس طرح طے ہوئی اس بارے میں متضاد روایات موجود ہیں لیکن اگر بالغ نظری سے کام لیا جائے تو کسی حد تک حقیقت کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔

شہادت عثمانؓ کے بعد مدینہ منورہ میں وہی باغی و شورش پسند لوگ چھائے ہوئے تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے پورے مدینہ میں ایک خوفناک فضا بنا رکھی تھی پورے شہر کا نظم ونسق ان لوگوں کے ہاتھوں میں تھا اور اس کا نگران غافقی بن حرب تھا اس فضا میں مدینہ کے باشندے کیا کر سکتے تھے۔ باغی ہی اس سلسلے میں دوڑ دھوپ کر رہے تھے مصر کوفہ اور بصرہ سے آئے ہوئے یہ اوباش لوگ جو حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے میں تو متفق تھے مگر امر خلافت کے بارے میں مختلف تھے مصر کے سبائی حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے پر مصر تھے کوفی لوگ حضرت زبیرؓ کو اور بصری لوگ حضرت طلحہؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اور یہ ان کے پاس گئے بھی مگر ان بزرگوں نے انکار کر دیا پھر یہ لوگ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس گئے آپ نے بھی ان کی بات نہ مانی پھر یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے آپ نے بھی ان کی بات نہ مانی (طبری ج۴ ص۴۳۲۔ البدایہ ج۷ ص۲۲۶)

جب انہیں ہر طرف سے مایوسی ہونے لگی تو انہیں فکر پیدا ہوئی کہ کیا کریں انہیں یہ خطرہ بھی نظر

آنے لگا کہ اگر خلافت کا معاملہ اسی طرح چھوڑ کر واپس اپنے اپنے علاقوں میں چلے گئے تو بالآخر پکڑے جائیں گے چنانچہ سوچ بچار اور تیاری کے ساتھ یہ لوگ پھر سے حضرت علی مرتضیٰؓ کے پاس آئے اور بیعت کے لئے اصرار کرنے لگے اس دوران اسی گروہ کے اشتر نخعی نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کرلی بعد ازاں دوسرے افراد نے بھی آپ کی بیعت کرلی (دیکھئے۔ خلافت وملوکیت کی شرعی حیثیت ص۲۱۸)

اہل کوفہ کہتے تھے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی سب سے پہلے بیعت کرنے والا اشتر نخعی تھا:

وأهل الكوفة يقولون أول من بايعه الاشتر النخعي

(البدایہ ج۷ ص۲۲۷)

محدث جلیل حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۲ھ) شرح صحیح بخاری میں امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۴ھ) کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ شہید کردئے گئے تو حضرت علیؓ سے کہا گیا کہ بیعت لے لیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اور لوگوں سے مشورہ تو کرلوں تو بعض حضرات نے کہا کہ اگر یہ لوگ حضرت عثمانؓ کو قتل کرکے واپس اپنے اپنے شہروں کو چلے گئے اور عثمان کے بعد کوئی خلیفہ کھڑا نہ ہوا تو پھر امت میں فساد اور بے سکونی کے سوا کچھ نہ ہوگا تو اشتر نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کرلی

فأخذ الاشتر بيده فبايعوه (فتح الباری ج۱۳ ص۵۴)

یہی اشتر نخعی تھا جس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں حضرت علیؓ سے کہا کہ مجھے اس کی اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑادوں آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے ان میں اب تک کوئی برائی نہیں دیکھی ہے (طبری ج۳ ص۴۳۳) اسی اشتر نے حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ سے کہا کہ بیعت کرو ورنہ میں یہ تلوار تیری پیشانی میں گھسادوں گا (ایضا)

شیعہ سنی عقائد ومسائل پر گہری نظر والے پاکستان کے ممتاز عالم حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

جن حالات میں حضرت عثمانؓ شہید ہوئے ان میں بھی یہ مفسد لوگ کسی امیر کو منتخب

کئے بغیر واپس لوٹنا اپنے لئے مہلک سمجھتے تھے اور اس میں اختلاف الناس وفساد امت کے خطرات تھے پس اس معاملے میں وہ خود بھی پریشان تھے کہ کس کو امیر بنائیں؟ ان میں سے بعض (بصریوں) کی رائے تھی کہ حضرت طلحہ کو خلیفہ بنایا جائے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ بعض (کوفیوں) کی رائے تھی حضرت زبیر بن عوامؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی جائے اور ان میں سے مصریوں کا ارادہ تھا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اور ان کو خلیفہ منتخب کیا جائے اس مقصد کے لئے انہوں نے پہلے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرف رجوع کیا تو ان دونوں نے منصب خلافت قبول کرنے اور بیعت لینے سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد (پھر یہ لوگ) حضرت علی مرتضیٰؓ کے پاس آئے تو آپ نے بھی اولاً انکار فرمایا اور اس مسئلہ سے الگ رہنے کی پوری کوشش کی۔... پھر ان حالات میں حضرت علیؓ نے بیعت لینا قبول فرمالیا... (سیرت سیدنا علی المرتضی ص ۲۲۶)

آپ آگے چل کر لکھتے ہیں:

قاتلین عثمان اور ان کی جماعت کثیرہ کا اس وقت اہل مدینہ پر رعب اور تسلط تھا اور حضرت علیؓ کی بیعت کرنے والے اولین افراد یہی تھے کیونکہ یہ لوگ حضرت علیؓ کی بیعت کر کے یک گونہ اپنی سیاسی پناہ چاہتے تھے اور اس کے بغیر انہیں کوئی چارہ کار نہیں تھا حضرت علیؓ ان مضطربانہ حالات کے تحت ان کی بیعت لینے سے گریز بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان سے اجتناب کرنا بھی ان کے لئے دشوار تر تھا۔ (سیرت سیدنا علی المرتضیٰؓ ص ۲۲۸)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس وقت حضرت علی مرتضیٰؓ کو توجہ دلائی کہ آپ ابھی ان سے بیعت نہ لیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کلاں آپ پر یہ الزام لگ جائے کہ آپ کسی نہ کسی طرح خون عثمانؓ میں شامل ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ذہن اس دُور تک کیسے پہنچا؟

فانک واللہ لئن نهضت مع هؤلاء اليوم ليحملنک الناس دم عثمان غدا (الکامل ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۰۱ طبری ج ۵ ص ۱۶۰)

آپ کے صاحبزادہ سیدنا حضرت حسنؓ نے بھی تو حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت سے پہلے ہی اپنے

والد محترم کو مشورہ دیا تھا کہ بہتر ہے کہ آپ مدینہ سے کہیں باہر چلے جائیں تا کہ ان بلوائیوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی نہ ملے جسے وہ خلافت کے لئے سامنے لا سکیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلین اور ان کے معاونین حضرت علیؓ کی بیعت کر کے اپنے لئے حفاظتی تدابیر اختیار کرنا چاہتے تھے انہیں اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ اہل مدینہ کی رائے کیا ہے اور کیا نہیں؟ حضرت علی مرتضیٰؓ کا انتخاب شوریٰ سے کیا جائے یا اس کے لئے اور کوئی طریقہ وضع کیا جائے وہ تو صرف اپنے مذموم مقاصد اور برے عزائم کی تکمیل کے لئے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے رہے تھے۔ جناب ابوالاعلیٰ مودودی بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے میں یہی لوگ تھے۔ موصوف لکھتے ہیں:

> حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے میں وہ لوگ شریک تھے جو حضرت عثمان کے خلاف شورش برپا کرنے کے لئے باہر سے آئے ہوئے تھے ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے بالفعل جرم قتل کا ارتکاب کیا اور وہ بھی جو قتل کے محرک اور اس میں اعانت کے مرتکب ہوئے اور ویسے مجموعی طور پر اس فساد کی ذمہ داری ان سب پر عائد ہوتی تھی خلافت کے کام میں ان کی شرکت ایک بہت بڑے فتنے کا موجب بن گئی۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۲۳)

موصوف یہ بھی لکھتے ہیں:

> اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان (یعنی حضرت علیؓ) کے ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے حتی کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دئے دئے دراں حالانکہ قتل عثمانؓ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے حضرت علیؓ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ (ایضاص ۱۴۶)

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

جناب مودودی صاحب آگے لکھتے ہیں:

بعض اکابر صحابہ حضرت علیؓ سے الگ رہے... وہ امت کے بااثر لوگ تھے ان میں سے ہر ایک ایسا تھا جس پر ہزاروں مسلمانوں کو اعتماد تھا ان کی علیحدگی نے دلوں میں شک ڈال دئے۔ (ایضاص ۱۲۳)

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) شیعہ عالم ابن مطہر حلی کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فان أكثر المسلمين أما النصف وأما اقل أو أكثر لم يبايعوه ولم يبايعوه سعد بن أبي وقاص ول إبن عمر وغيرهما

(منہاج السنۃ ج۴ ص۵۱۶)

نصف الامة أو أقل أو أكثر لم يبايعوه

(منہاج السنۃ ج۴ ص۱۰۵۔ ص۳۸۹)

آدھی امت مسلمہ یا اس سے کم و بیش نے آپ کی بیعت نہیں کی۔

جن حالات میں سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ کی بیعت ہوئی تھی۔ مؤرخ عبدالرحمن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ (۸۰۸ھ) اس کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شہادت عثمانؓ کے وقت لوگ مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے سب حضرت علیؓ کی بیعت کے موقع پر حاضر نہ ہو سکے اور جو حاضر تھے ان میں سے بھی سب نے بیعت نہیں کی بعض نے کی اور بعض نے اس وقت تک توقف کی روش اختیار کی جب تک لوگ ایک امام پر جمع نہ ہو جائیں ان میں حضرت سعد۔ حضرت سعید۔ حضرت عبداللہ ابن عمر حضرت اسامہ بن زید حضرت مغیرہ بن شعبہ حضرت عبداللہ بن سلام حضرت قدامہ بن مظعون حضرت ابوسعید خدری حضرت کعب بن مالک حضرت نعمان بن بشیر حضرت حسان بن ثابت حضرت مسلمہ بن مخلد حضرت فضالہ بن عبید اور ان جیسے دیگر اکابر ہیں (رضی اللہ عنہم)

جو لوگ مدینہ کے علاوہ دیگر شہروں میں تھے انہوں نے بھی بیعت کرنے سے اس وقت تک اعراض کیا جب تک خون عثمان کا مطالبہ پورا نہ ہو جائے اور جب تک مجلس شوریٰ خود کسی شخص کو خلیفہ منتخب نہ کرلے حضرت علیؓ کے متعلق یہ لوگ اگرچہ یہ

خیال تو نہیں رکھتے تھے کہ وہ خود بھی خون عثمانؓ میں شریک ہیں تاہم قاتلین عثمانؓ کے معاملے میں ان کے سکوت کو ان کی کمزوری اور سستی پر محمول کیا حضرت معاویہؓ بھی اس معاملے میں حضرت علیؓ کو جو کچھ کہتے تھے اس کی بنیاد بھی حضرت علیؓ کا یہی سکوت تھا۔...الخ

(خلافت وملوکیت کی تاریخی حیثیت ص۳۰۳ بحوالہ مقدمہ ابن خلدون ص۳۷۸)

علامہ ابن خلدونؒ کا یہ پورا بیان ان واقعات کے مطابق ہے جس کی تفصیل ابن جریر طبری ابن الاثیر اور حافظ ابن کثیر نے اپنی اپنی تاریخوں میں بیان کی ہے اس کی رو سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت اگرچہ منعقد ہوگئی تھی لیکن اس پر مسلمانوں کا اتفاق نہ ہوسکا تھا شام کے علاوہ کئی شہر تھے جہاں ہزاروں لوگ بیعت سے کنارہ کش رہے۔ اکابر صحابہ کی ایک معقول تعداد اس سے مجتنب رہی۔ مؤرخین نے جن اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام گنائے ہیں وہ چند نام بطور مثال گنائے ہیں نہ کہ نہ بیعت کرنے والوں کی کل تعداد۔ انہوں نے تو واضح طور پر نام گنا کر آخر میں لکھ دیا ہے:

وأمثالهم من أكابر الصحابة. (مقدمہ ابن خلدون ج۱ ص۲۶۷

اور ان جیسے دیگر اکابر صحابہ نے بھی بیعت نہیں کی

اور ہم سلمان ندوی سے ان کی زبان میں یہ بھی تو نہیں پوچھ سکتے کہ جب اشتر نخعی ساتھیوں سمیت پہلے پہل بیعت کرکے آپ کی خلافت کا اعلان کر رہا تھا اس میٹنگ میں نہ حضرت علیؓ نے کسی صحابی کی شرکت کو ضروری سمجھا اور نہ کہا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور دیگر اصحاب رسول کو بھی بلالیں اور نہ اشتر نخعی نے مدینہ منورہ میں سے اصحاب رسولؐ کو اس میٹنگ میں بلایا تھا۔ آخر کیوں؟۔ پس جس طرح بھی یہ بیعت منعقد ہوئی حضرت علی مرتضیٰؓ خلیفہ راشد بن گئے اور آپ کی خلافت طے ہوگئی۔ اب جس طرح اس بیعت کے انعقاد پر انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اچانک انعقاد خلافت پر بھی یہ طعن نہیں کسا جاسکتا کہ:

حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ گھر میں موجود تھے تو انہیں اس میٹنگ میں کیوں ساتھ نہیں لیا؟ (ازالہ ص۱۰)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی کسی باقاعدہ میٹنگ اور منصوبے کے تحت نہیں ہوئی تھی اچانک ایسے حالات پیش آگئے تھے اور اندیشہ ہوا کہ کہیں امت شدید افتراق وانتشار میں مبتلا نہ ہو جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر اجلہ صحابہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور آپ کی خلافت منعقد ہوگئی۔ جناب سلمان ندوی معلوم نہیں اس طرح کے سوالات کرکے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کو مشکوک بنانا چاہتے ہیں یا حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت پر انگلی اٹھا رہے ہیں؟

پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت عمرؓ فاروق حضرت ابو عبیدہؓ اور دیگر کبار اصحاب رسول تھے اور یہاں حضرت علی مرتضیٰؓ کی بیعت میں پہل کرنے والے کون تھے وہ آپ اوپر البدایہ فتح الباری اور جناب مودودی کے حوالہ سے پڑھ آئے ہیں۔ ہمارے نزدیک خلیفہ اول بلا فصل اور خلیفہ رابع کی خلافت کا انعقاد چونکہ اچانک پیش آگیا تھا بعد ازاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی توثیق کردی تھی تو ان خلافتوں کو مشکوک بنانا روافض اور خوارج کے موقف کو درست کہنا ہے اور ہم اہل سنت ہر گز اس کے قائل نہیں ہوسکتے۔ گو جناب سلمان ندوی یہی راگ الاپتے رہیں۔

(نوٹ) شیعہ علماء اشتر نخعی (مالک بن حارث) کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کے لئے ملا باقر مجلسی کا یہ بیان دیکھئے جو انہوں نے ابن ابی الحدید شیعی کے حوالہ سے نقل کیا ہے

> كان حارسا شجاعا رئيسا من اكابر الشيعة وعظمائها شديد التحقق بولاء امير المؤمنين عليه السلام ونصره وقال على فيه بعد موته يرحم الله مالكا فلقد كان لى كما كنت لرسول الله ﷺ (بحار الانوار ج ۴۲ ص ۱۷۶)

> اور اسی اشتر کے بارے میں سید عارف میر مخدوم نے نفاق اور تزلزل کی نسبت کی ہے نور اللہ شوستری کی مجالس المؤمنین میں اس کا ذکر موجود ہے کہ وہ کس پرلے درجے کا۔۔۔۔ تھا۔ (ایمانی دستاویز ص ۱۳۱)

(۲) جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت نائلہ سے قاتلوں کا نام پوچھا تو وہ

نہیں بتا سکیں؟ عرض یہ ہے کہ یہ آپ نے نہیں بتایا کہ حضرت علیؓ نے ان سے کب اور کہاں پوچھا تھا؟ پھر جب آپ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بیعت کے لئے بلایا تو انہوں نے کہا کہ پہلے قصاص لیں پھر ہم بیعت کریں گے تو کیا اس وقت حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ پہلے آپ قاتل کا نام بتلادیں؟ حضرت عثمانؓ کے قاتلین سے تو سب واقف تھے پوچھنے کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں قاتل نامعلوم ہوں جب کھلم کھلا اور دن دھاڑے یہ قتل ہوا تھا تو کیا پورے مدینہ میں ایک شخص بھی نہ تھا جو یہ کہے کہ ہم اس کی شناخت نہیں کر سکتے اور نہ ہم کو ان کے نام معلوم ہیں۔ سلمان ندوی اس پر جس قسم کے سوالات اٹھاتے ہیں اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی ہوائی مخلوق تھی جس نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا ہو اور کسی کو ان کے بارے میں علم ہی نہ ہوا جبکہ شیعہ مؤرخ احمد بن داؤد دینوری شیعی تسلیم کرتا ہے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے یہ بات کہی تھی:

انهم قوم معروفون وانهم بطانة علیؑ ورؤساء اصحابه

(الاخبار الطوال ج ا ص ۱۴۴)

یہ لوگ تو جانے پہچانے ہیں اور یہ حضرت علیؓ کے قریب رہنے والے اور ان کے ساتھیوں کے سردار ہیں۔

یعنی یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے اور یہ ہر وقت ان کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں تاکہ حضرت علیؓ ہماری خلاف کوئی کاروائی نہ کر سکیں۔ اور اگر انہوں نے ہمارے خلاف کوئی چال چلی تو ہم ان کو بھی وہیں پہنچادیں گے جہاں عثمان کو پہنچادیا تھا (البدایہ ج ۷ ص ۲۳۹) اور اس سے جو فتنہ پیدا ہو گا وہ بالکل ہماری مرضی کے مطابق ہو گا اور ہم سکون سے زندگی گزار سکیں گے۔ (طبری ج ۳ ص ۵۱۱)

جب حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اپنے بعض اقارب کو مناصب اور عہدے دئے تو اسی اشتر نخعی نے جو کہا اسے دیکھئے۔ ملا باقر مجلسی شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید سے نقل کرتا ہے:

انه قال لما ولی علی علیه السلام بنی العباس علی الحجاز

واليمن والعراق فلماذا قتلنا الشيخ بالامس

(بحار الانوار ج ۴۲ ص ۱۷۶۔ بہج الصناعۃ فی شرح نہج البلاغہ ص ۵)

جس وقت حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو حجاز یمن اور عراق میں مختلف عہدوں پر مامور کیا تو اشتر نے کہا کہ پھر ہم نے اس بوڑھے (یعنی حضرت عثمانؓ) کو کس لئے قتل کیا تھا؟

(۳) حضرت علی مرتضیٰؓ کی جب بیعت کر لی گئی تو اس دن سے لے کر جنگ صفین تک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسی بات پر اصرار کرتے رہے کہ آپ قصاص کے مسئلہ کو پہلے نمٹائیں اور وہ لوگ جن کے ہاتھ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کے خون سے رنگین ہیں (وہ قاتلین ہوں یا ان کے معاونین) انہوں نے بڑی عیاری سے اپنے آپ کو آپ کے کیمپ میں داخل کر دیا ہے اگر آپ ان کے خلاف کسی مجبوری کے تحت کوئی کاروائی کرنے سے قاصر ہیں تو انہیں ہمارے حوالہ کر دیجئے ہم خود ان سے نمٹ لیں گے۔

حضرت علیؓ کا جب ایک وفد حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آیا تو آپ نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ جب حضرت علیؓ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ غنی کی شہادت میں میرا کوئی عمل دخل نہیں تو ہم ان کی بات مانتے ہیں ہم ان کی اس بات کی تردید نہیں کرتے ہیں نہ ان پر کوئی تہمت لگاتے ہیں اگر بات یہی ہے تو پھر انہوں نے جو قاتلین کو پناہ دے رکھی ہے یا وہ بیعت کر کے ان کی سیاسی پناہ حاصل کر چکے ہیں تو پھر حضرت علیؓ کو چاہئے کہ ان سے اپنے آپ کو الگ کر دیں اور ان قاتلوں کو (اگر وہ کسی مجبوری کی بناء پر سزا نہیں دیتے تو پھر) ہمارے سپرد کر دیں ہم ان سے نمٹ لیں گے اس کے بعد ہم حضرت علیؓ کی اطاعت کے لئے تیار ہیں۔ (دیکھئے البدایہ ج ۷ ص ۲۵۷)

آپؓ نے یہ بھی کہا تھا کہ قاتلوں کو سزا مل جائے تو میں اہل شام میں سے سب سے پہلا آدمی ہوں گا جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا:

أنا اول من بايعه من أهل الشام (البدایہ ج ۷ ص ۲۵۹)

اس وقت بھی حضرت علی مرتضیٰؓ نے یہ نہیں پوچھا کہ ان قاتلوں کے نام بتاؤ، مقدمہ دائر کرو، بینات لاؤ اندھا دھند الزام تراشی نہ کرو۔ آپ چاہتے تھے کہ آپ کی خلافت اچھی طرح مضبوط

ہو جائے۔ یہ نہیں کہ آپ کو پتہ ہی نہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلین اور ان کے معاونین کون ہیں؟ اور کون آپ کے گروہ میں موجود ہیں جن پر آپ سر دست قابو نہیں پا رہے ہیں۔ اگر آپ اس سے بالکل ہی لاعلم ہوتے اور آپ کو اس کا ذرا بھی یقین ہوتا کہ آپ کے کیمپ میں یہ لوگ موجود نہیں تو آپ کبھی یہ نہ کہتے کہ میرے ساتھ وہ لوگ نہ چلیں جن کے ہاتھ خون عثمانؓ سے رنگین ہیں اور اس میں شک نہیں کہ جن لوگوں کے ہاتھ اور تعاون سے حضرت عثمانؓ کا خون ہوا اور جو مدینہ منورہ میں فساد پھیلانے کے ذمہ دار تھے انہوں نے ایک سیاسی چال کے تحت آپ کی بیعت کر لی تھی اور اس طرح وہ آپ کی سیاسی پناہ میں داخل ہو گئے تھے اور پھر ان میں سے بہت سے آپ کے ساتھ بصرہ اور صفین میں بھی موجود تھے یہ وہ لوگ تھے جنہیں نہ تو حضرت علی مرتضیٰؓ سے کوئی محبت و عقیدت تھی اور نہ وہ اہل بیت کی عزت و احترام کے دل سے قائل تھے، یہ صرف اس لئے مسلمانوں میں داخل ہوئے تھے کہ فتنہ کی آگ بھڑکائیں اور مسلمانوں میں انتشار پھیلائیں۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت علی مرتضیٰؓ اور اہل بیت کی عزتوں پر بھی ہاتھ ڈالا اور وہ خلفائے راشدینؓ پر بھی طعن و تشنیع سے باز نہ آئے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تو حنفی نہیں ہیں حنبلی المذہب ہیں۔ ان کا بیان ملاحظہ کیجئے:

فسعوا فی قتل عثمان وهو أول الفتن ثم انزووا الی علیّ لاحبّا فیه ولا فی اهل البیت لیکن لیقیموا سوق الفتنة بین المسلمین ثم هؤلاء الذین سعوا معه منهم من کفره بعد ذلک وقاتله کما فعلت الخوارج وسیفهم أول سیف سل علی الجماعة ومنهم من اظهر الطعن علی الخلفاء الثلاثة کما فعلت الرافضة (منہاج السنۃ ج۶ ص۳۷۰)

انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی بھرپور کوشش کی اور یہ اولین فتنہ ہے پھر یہ لوگ حضرت علیؓ کے قریب جمع ہو گئے اس لئے نہیں کہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ یا اہل بیت نبوی سے محبت تھی بلکہ محض اس لئے کہ وہ مسلمانوں میں فتنہ کی آگ بھڑکائیں پھر انہوں نے آپ کے ساتھ ہو کر لڑائیاں لڑیں پھر انہیں میں سے بعض نے آپ کی تکفیر کی اور آپ کے ساتھ لڑائی کی جیسا کہ خارجیوں نے کی اور مسلمانوں پر

سب سے پہلے تلوار انہی کی اٹھی اور انہی میں بعض نے حضرات خلفائے راشدینؓ پر طعن کیا جیسا کہ رافضیوں نے کیا ہے۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۷۶ھ) سے بھی یہی بات سن لیجئے:

و قاتلان بجز آنکہ پناہے بحضرت مرتضی برند و با او بیعت کنند علاجے نیافتند پس در باب عقد خلافت او از ہمہ بیشتر سعی کردند دوم موافقت او زدند کیف ماکان عقد بیعت واقع شد (قرۃ العینین ص ۱۴۳)

ترجمہ: قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ حضرت علیؓ کی پناہ لیں (کہ ان کی بیعت کرکے اپنے آپ کو گرفتاری اور قصاص سے بچالیں) اور ان کی بیعت کریں یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کے منعقد کرنے کے لئے بڑی محنت کی اور اس بیعت کی موافقت میں بھرپور حصہ لیا (لوگوں کو قائل یا گھیر کر لائے) سو جس طرح بھی ہوا یہ بیعت منعقد ہوگئی۔

(نوٹ) پیش نظر رہے کہ حضرت معاویہؓ کا یہ مطالبہ کہ آپ قاتلوں کو گرفتار کرکے انہیں سزا دیں آپ اکیلے کا مطالبہ نہ تھا۔ آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد تھی جن میں اہل علم و فضل ایک نہیں کئی تھے۔ اور وہ سب بھی اس مطالبے میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے۔ یہ کتنے تھے؟ اسے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے اس بیان میں دیکھئے آپ لکھتے ہیں کہ

اے برادر معاویہ تنہا دریں معاملہ نیست بلکہ نصفے از اصحاب کرام کم و بیش دریں معاملہ باوے شریک اند پس محاربان امیر اگر کفرہ یا فسقہ باشند اعتماد از شطر دیں می خیزد کہ از راہ تبلیغ ایشان بما رسیدہ است و تجویز نہ کند ایں معنی را مگر زندیقی کہ مقصودش ابطال دین است... الخ۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۲۵۱)

اے بھائی! اس مطالبہ میں حضرت معاویہؓ اکیلے نہیں بلکہ کم و بیش نصف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس معاملے میں ان کے ساتھ شریک ہیں پس اگر حضرت علیؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کافر یا فاسق ہوں تو نصف دین سے اعتماد دور ہو جاتا ہے جو ان کی تبلیغ کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے اس بات کو سوائے اس زندیق کے

جس کا مقصود دین کی بربادی ہے کوئی پسند نہیں کرتا۔

جناب سلمان ندوی قاضی، قضاء، مقدمہ، بینات اور شواہد وغیرہ جیسے بھاری بھر کم الفاظ لکھ کر جب لوگوں کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں تو ہم حیران ہیں کہ لکھنؤ میں بیٹھے پندرھویں صدی کے ایک استاد کو قصاص وسزا کے یہ قانونی اور شرعی نکتے تو معلوم ہیں اور وہ حضرت مولانا مفتی عتیق صاحب زید مجدہ کو پڑھانے بھی چلے ہیں مگر یہی قانونی اور شرعی نکتے حضور ﷺ کے ان معزز صحابہ کرام کو جو آدھے سے زیادہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ کھڑے تھے انہیں معلوم نہ ہو سکے۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی وہ قانونی نکتے نہیں اٹھائے جس پر لکھنؤ کے جناب سلمان ندوی کو بڑا فخر ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہوں یا آدھے سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب قاتلین اور ان کے معاونین کو سزا دینے کا مطالبہ کیا تو وہ جانتے تھے کہ حضرت علیؓ ان چہروں سے ناواقف نہیں ہیں۔ جب حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے مدینہ منورہ میں حضرت علیؓ سے کہا کہ ہم نے اقامت حدود کی شرط پر آپ کی بیعت بھی کر لی اور آپ کو معلوم ہے کہ باغیوں کی یہ جماعت حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک ہے اور اس طرح انہوں نے مسلمانوں کے خون کو حلال کیا ہے اس لئے آپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ آپ ان سب لوگوں سے قصاص لیں تو اس وقت بھی حضرت علیؓ نے یہ نہیں کہا کہ میں نہیں جانتا تم ان کے نام بتلاؤ بلکہ آپ نے فرمایا

يا أخوتاه إني لست أجهل ما تعلمون ولكني كيف أصنع بقوم يملكونا ولا نملكهم (طبری ج۳ص۴۵۸)

اے میرے بھائیو میں بھی تمہاری طرح ان تمام معاملات سے اچھی طرح واقف ہوں لیکن ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر۔

☆... پھر جب حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسی اشعری رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ میری حمایت کے لئے کوفہ سے فوجی مدد درکار ہے وہ بھیجی جائے اس پر حضرت ابو موسی رحمۃ اللہ علیہ نے قاصدین سے کیا کہا؟ اسے ملاحظہ کیجئے:

فقال أبو موسی واللہ ان بیعة عثمان لفی عنقی وعنق صاحبکما الذی أرسلکما ... الخ (طبری ج۴ص۴۷۷ش)

خدا کی قسم! عثمانؓ بن عفان کی بیعت میری گردن میں بھی پڑی ہوئی ہے اور تمہارے امیر (یعنی حضرت علیؓ) کی گردن میں بھی پڑی ہوئی ہے اگر جنگ میں ہماری شرکت ضروری بھی ہوئی تو ہم اس وقت تک ہرگز جنگ نہیں کریں گے جب تک کہ حضرت علیؓ قاتلین عثمان کے قتل سے فارغ نہ ہو جائیں خواہ یہ قاتلین دنیا کے کسی کونے پر کیوں نہ ہوں (طبری ج۳ص۴۹۷۔ مترجم)

دیکھئے اس وقت بھی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ قاتلین عثمان پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے قضاء کے قانون کو پورا کیا جائے، مقدمہ کیا جائے، شواہد اور بینات پیش کئے جائیں جسے سلمان ندوی بڑے جوش وخروش سے صحابہ کو سمجھانے چلے ہیں۔

☆... پھر جب مصر کے دس ہزار سے زیادہ لوگوں نے حضرت علیؓ کے مقرر کردہ مصری گورنر جناب قیس بن سعد سے کہا کہ آپ ہمارا یہ پیغام حضرت علیؓ تک پہنچادیں کہ:

لا نبایع حتی نقتل قتلة عثمان وکذلک أهل البصرة

(البدایہ ج۷ص۲۲۹)

اگر قاتلین عثمان کو قصاصاً قتل کر دیں گے تب تو ہم آپ کے ساتھ ہیں ورنہ ہم آپ کے مخالف ہیں یا تو ہم قصاص لے کر رہیں گے یا ختم ہو جائیں گے وہ اپنے انجام کو پہنچادئے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں ورنہ ہم بیعت کیلئے تیار نہیں ہیں۔ (طبری ج۳ص۴۵۰)

غور کیجئے کیا مصر کے دس ہزار افراد میں سے ایک بھی نہ تھا جس کو یہ پتہ ہو کہ قانون شہادت اور قانون قصاص کیا ہے ان میں سے بھی کسی نے مقدمہ، بینات، شواہد اور قاتلوں کے نام کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت علیؓ کو ان قاتلوں کے بارے میں علم ہے اور وہ ان کے کیمپ میں داخل ہو کر اپنے آپ کو بچا رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی جواباً ان سے یہ نہیں کہا کہ تم پہلے بیعت کرو پھر مقدمہ دائر کرو شواہد اور بینات لاؤ پھر قصاص اور سزا کی بات کرو۔

☆...جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو باہمی مصالحت کے لئے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا اور انہوں نے اس پر گفتگو کی اس پر حضرت عائشہؓ اور دیگر حضرات نے ان سے قصاص عثمان کا مطالبہ کیا جس کے جواب میں حضرت قعقاعؓ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی مجبوری بتائی اور کہا کہ جب تک حضرت علیؓ قاتلین عثمانؓ پر پوری طرح قابو نہ پالیں اس وقت تک انہوں نے قصاص کو مؤخر کر رکھا ہے:

فعلی اعذر فی ترکہ الآن قتل قتلة عثمان وإنما أخذ قتل قتلة عثمان إلی أن یتمکن منهم (طبری ج۳ص۵۰۲ البدایہ ج۷ ص۲۳۷)

اور جب ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے ان سے ان کی رائے پوچھی تو انہوں نے کہا:

أقول ان هذاالامر الذی وقع دواؤه التسکین فاذا سکن اختلجوا ... الخ (ایضا)

میں کہتا ہوں کہ اس صورت حال کا علاج سکون ہے جب حالات پر سکون ہو جائیں گے تو قاتلین کو پکڑ کر قصاص لیا جائے گا۔

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ بڑے مجاہد صحابی ہیں اور آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نمائندہ بن کر آئے تھے حضرت عائشہؓ نے جب پوچھا تو انہوں نے بھی اس بات کا مطالبہ نہیں کیا کہ شواہد لاؤ، نام بتاؤ، بینات پیش کرو۔ اور پھر جب خود آپ نے بھی قصاص کی بات کی تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے بھی قاتلین اور ان کے معاونین کے چہرے واضح تھے ورنہ آپ کیسے کہہ سکتے تھے کہ حالات پر سکون ہونے پر ہم قاتلوں کو پکڑ کر قتل کر دیں گے۔

☆...پھر جب حضرت علی مرتضیٰؓ سے اعور بن بنان نے ان کے بصرہ آنے کا مقصد پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میرے آنے کا مقصد اصلاح اور لوگوں کے اشتعال کو بجھانا ہے اس پر اعور نے کہا کہ اگر وہ اسے قبول نہ کریں تو؟ آپ نے فرمایا کہ ہم انہیں چھوڑ دیں گے جیسے انہوں نے ہمیں چھوڑ رکھا ہے۔ اعور نے پھر پوچھا کہ اگر وہ ہمیں نہ چھوڑیں تو؟ آپ نے فرمایا کہ ہم اپنا دفاع کریں گے۔ اعور نے پوچھا کہ کیا ان لوگوں کا بھی اس معاملے میں اسی طرح حق حاصل ہے جس طرح

ہمیں ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا ہاں۔ اس پر جناب ابو سلامہ رحمۃ اللہ علیہ الدالانی کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ کیا ان کو حضرت عثمانؓ کے خون کے قصاص کے مطالبہ کی حجت حاصل ہے؟ آپ نے کہا ہاں۔ اگر وہ یہ نیک نیتی کے ساتھ کرتے ہوں:

اتری لهؤلاء القوم حجة فيما طلبوا من هذا الدم ان كانوا أردوا الله عزوجل بذلک قال نعم (طبری ج۳ص۵۰۹ البدایہ ج۷ ص۲۳۸)

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ خود حضرت علی مرتضیٰؓ کی نظر میں بھی ان حضرات کا قصاص کا مطالبہ کرنا شرعاً درست تھا۔ آپ نے اپنے ہی ساتھیوں کے سوال کا جواب ہاں میں دیا ہے۔ آپ نے ان کو یہ نہیں کہا کہ وہ پہلے شواہد پیش کریں، بینات لائیں، نام بتائیں، پھر میں قصاص لوں گا۔

اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا تھی کہ جن لوگوں سے قصاص لئے جانے کا مطالبہ ہر طرف سے ہو رہا تھا وہ چہرے مخفی نہ تھے جانے پہچانے تھے۔ شیعہ مؤرخ احمد بن داؤد دینوی نے الاخبار الطوال میں اس کا اعتراف کیا ہے اور ہم پہلے اسے نقل کر آئے ہیں۔ اب دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت آدھے سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم قانون قصاص کے اتنے سادہ اور آسان قانون تک سے واقف نہ تھے جو انہیں جناب سلمان ندوی سکھانے چلے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔

(۲) یہ تمام جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم سب کچھ جانتے بوجھتے محض حضرت علیؓ کی مخالفت میں ایسا کر رہے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ حضرت علیؓ ان قاتلوں کو حوالہ نہیں کریں گے جس پر ہم ان سے جنگ کریں گے۔ جناب سلمان ندوی ان میں سے جو صورت بھی اختیار کریں سوچ سمجھ کر بولیں۔ عظیم القدر صحابہ کو قانونی اور شرعی نکتے سمجھانے سے قبل انہیں اپنا قبلہ درست کر لینا چاہئے اور علماء امت نے اس باب میں جو ہدایات دی ہیں ان کو تسلیم کر لینا ہی سلامتی کی راہ ہے۔

قرآن کریم کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ایمان کی طبعی رغبت اور کفر و گناہ سے طبعی نفرت پا چکے تھے۔ وہ کتنے خوش قسمت حضرات تھے جن کی طبیعت اور سریعت ایک ہو چکی تھی۔ ایمان ان کے لئے کوئی دکھاوے کا عمل نہ تھا، یہ ان کی طبعی فطرت تھی (حضرت مفکر اسلام)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر شام سے مدینہ مدد کے لئے نہ پہنچنے کا طعن

جناب سلمان ندوی پوچھتے ہیں کہ:

مصر سے بلوائی آ گئے مگر شام سے امیر معاویہ کیوں نہیں پہنچے۔

(ازالہ ص ۱۰)

جناب من! پہلے یہ تو واضح کر دیجئے کہ کیا حضرت معاویہؓ کو پہلے سے پتہ چل گیا تھا کہ مصر سے جو سبائی بلوائی مدینہ کی جانب چل پڑے ہیں وہ کس لئے نکلے ہیں؟ ان کا منصوبہ کیا ہے؟ وہ حج کے لئے جا رہے ہیں یا مدینہ منورہ میں فتنہ برپا کرنے اور امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے خلاف بغاوت کر کے ان کو شہید کرنے کے لئے؟ ہاں حضرت عثمانؓ نے اگر انہیں اپنی مدد کے لئے آواز دی ہو اور وہ پھر بھی نہ آئے ہوں تو آپ انہیں بے شک قصوروار کہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی بتا دیں کہ اگر واقعی یہ خبر موجود تھی تو مدینہ کے اصحاب کیوں حج کے لئے چلے گئے؟ اور مدینہ کس کے لئے خالی چھوڑ گئے تھے؟ اور جو اصحاب مدینہ منورہ میں موجود تھے یا وہ تابعین جو بڑی تعداد میں یہاں مقیم تھے وہ حضرت عثمانؓ کی مدد کو کیوں نہ آئے؟ کیا آپ کہیں گے کہ یہ سب بھی حضرت عثمانؓ کے خون کی سازش میں شریک تھے؟ اور ان سب کو حضرت عثمان غنی کی ذات اور ان کی حرمت عزیز نہ تھی؟

واقعہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہوں یا دوسرے علاقوں کے مسلمان، یا مدینہ منورہ میں موجود اصحاب کرام، کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ سبائی گروہ حضرت عثمانؓ کے خلاف بڑے خطرناک منصوبہ کے تحت مدینہ منورہ آ رہا ہے یا وہ پہنچ گیا ہے۔ اگر ان حضرات کو اس کا علم ہوتا تو کیا وہ اس پر خاموش رہ سکتے تھے؟ یا مدینہ منورہ خالی چھوڑ کر جا سکتے تھے؟ اس میں نہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قصور تھا نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اور نہ کسی دوسرے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے نشانہ پر رکھنے والے جناب مودودی کو بھی اس بات کا اعتراف ہے

موصوف لکھتے ہیں:

وہاں کسی کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہ لوگ قتل جیسے گناہ عظیم کا واقعی ارتکاب کر بیٹھیں گے مدینہ والوں کے لئے تو یہ انتہائی غیر متوقع حادثہ تھا جو بجلی بن کر ان پر گرا۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۲۰)

ہاں جب مدینہ منورہ میں رہنے والے صحابہ اور تابعین کے علم میں یہ بات آئی کہ ان لوگوں کے ارادے بڑے خطرناک ہیں تو وہ خود اور دوسرے علاقوں کے مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ انہیں قتال کی اجازت دی جائے اور ان باغیوں کو ایسا سبق سکھایا جائے کہ آئندہ کسی دوسرے کو اس کی جرات نہ ہو سکے۔ مگر کیا کریں خود امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ اس پر تیار نہ تھے آپ نہیں چاہتے تھے کہ مدینہ منورہ میں کسی مسلمان کا خون بہے اور مدینہ کی سرزمین کسی بھی مسلمان کے خون سے رنگین ہو۔ آپ نے مدینہ منورہ کی حرمت کی خاطر جان دینا تو گوارا کر لیا مگر باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم کے اصرار کے آپ نے لڑائی کو پسند نہیں کیا اور کسی کو بھی ان باغیوں سے لڑنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ جب آپ نے اہل مدینہ کو جو اس وقت وہاں موجود تھے جنگ اور دفاع سے روک دیا تو آپ ہی بتائیں کیا وہ حضرت معاویہؓ اور ان کی فوج کو مدینہ منورہ آنے کی اجازت دے سکتے تھے؟

تاریخی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت معاویہؓ مدینہ منورہ سے واپس شام جانے لگے تو آپ نے حالات کے پیش نظر حضرت عثمانؓ کو مشورہ دیا کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے ملک شام چلے آئیں آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس کے سوا کسی اور جگہ جانا پسند نہیں اگرچہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے:

أنا لا أبيع جوار رسول الله ﷺ بشئ وإن كان فيه قطع خيط عنقي (تاریخ طبری ج۴ ص۳۴۵)

لا أختار بجوار رسول الله ﷺ سواه (البدایہ ج۷ ص۱۶۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا کہ کیا میں آپ کے لئے ملک شام سے ایک بڑی فوج

تیار کر کے نہ بھیج دوں جو آپ کے ساتھ رہے اور آپ کی مدد کرے۔

فأبعث اليک جندا منهم يقيم بين ظهرانی اهل المدينة لنائبة إن نابت المدينة أو إياک (تاریخ طبری ج۴ ص۳۴۵)

فقال اجهز لك جيشا من الشام يكونون عندك ينصرونك (البدایہ ج۷ ص۱۶۹)

اس کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

إنی أخشی أن أضيق بهم بلد رسول الله ﷺ علی اصحابه من المهاجرين والانصار (ایضا)

مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں ان کے ذریعے حضور اکرم ﷺ کے شہر اور آپ کے انصار اور مہاجرین صحابہ کو تنگ نہ کر دوں۔

اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ خدا کی قسم (ان کے رنگ ڈھنگ سے) معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ جنگ کریں گے اور دھوکہ سے قتل کر دیں گے۔

آپ جب واپس شام جا رہے تھے تو رستے میں مسلمانوں کے ایک قافلے سے ملاقات ہو گئی جو مدینہ منورہ آ رہا تھا آپ نے ان کو حالات کی اطلاع دیتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور کہا اس بارے میں کوتاہی نہ کرنا۔ حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

وتكلم بكلام بليغ يشتمل علی الوصاة بعثمان بن عفان والتحذير من إسلامه إلی أعدائه ثم انصرف ذاهبا

(البدایہ ج۷ ص۱۶۹)

مؤرخ عزالدین علی بن محمد جزری (ابن اثیر ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

إنی قد خلفت فيكم شيخا فاستوصوا به خيرا (الکامل ج۳ ص۷۹)

میں تم میں اپنے پیچھے ایک بزرگ کو چھوڑے جا رہا ہوں ان کی بھلائی کا ہر طرح خیال رکھنا۔

پھر جو لوگ مدینہ منورہ میں موجود تھے وہ بھی چاہتے تھے کہ ان مفسدین کا ڈٹ کر مقابلہ کریں مگر حضرت عثمانؓ نے سب کو تاکید کر رکھی تھی کہ کوئی بھی ان کی خاطر مدینہ میں قتل وقتال نہ کرے اور نہ کوئی اپنی تلوار نکالے۔

اعزم علی کل من رأی ان علیہ سمعا وطاعۃ لی إلا کف یدہ وسلاحہ (العواصم من القواصم ص۱۳۸)

أعزم علیکم أن ترجعوا وأن تضعوا أسلحتکم وأن تلزموا بیوتکم (تاریخ خلیفہ بن خیاط ص۳۹)

شیخ الحدیث حضرت ابوہریرہؓ نے جب آپ سے اس بات کی درخواست کی تو ان کو بھی آپ نے روک دیا تھا:

أعزم علیک لتخرجن إلی بیتک یا أباھریرۃ (ایضا۳۸)

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے کہنے پر آپ کا جواب یہ تھا کہ میں اپنے خاطر کسی مسلمان کا خون بہانا پسند نہیں کرتا

ما احب أن یھرق دم بسبی (تاریخ ابن عساکر ج۳۹ ص۳۹۸)

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات نے باغیوں سے جنگ کا ارادہ کر لیا تھا اور وہ مسلح ہو کر باہر نکلنے لگے حضرت عثمانؓ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا کہا گر تم لوگ مجھ پر حق سمجھتے ہوئے میری اطاعت کرنا چاہتے ہو تو اپنی تلواروں کو نیام میں ڈالو اور واپس چلے جاؤ کیونکہ میں مدینہ منورہ میں لڑائی جھگڑا اور قتل وقتال نہیں چاہتا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن یحی اندلسی (۴۱۷ھ) لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابوہریرہؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت سعد بن مالک آپ کے دفاع کے لئے تلواریں لے کر آئے تو حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا واپس ہو جاؤ میرے دفاع کی ضرورت نہیں ہے:

إن کنتم ترون الطاعۃ والحق فأغمدوا أسیافکم وانصرفوا عنا ولا تستقلوا (التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان ص۱۱۳)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے یہ کہنے کے باوجود کہ آپ اگر اجازت دیں تو ہم ابھی باغیوں کو سبق سکھادیں آپ نے اس وقت بھی منع فرمایا اور اللہ کا وسطہ دے کر کہا کہ وہ خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہائیں (دیکھئے طبقات ابن سعد)

اس وضاحت کے باوجود بھی جناب سلمان ندوی اپنی ہی بات پر مصر ہوں کہ معاویہ خود شام سے کیوں نہ آئے، اور ان کے عزیز بیٹے یزید کیوں نہیں پہنچے؟ تو پھر انہیں اس پر بھی غور کرنا ہو گا کہ مدینہ منورہ اور اس کے قرب وجوار میں مقیم صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے بھی ان کا کیوں دفاع نہیں کیا تھا؟ پھر کوئی بدبخت خارجی یہ سوال بھی اٹھا سکتا ہے کہ جب حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو ان بلوائیوں کے منصوبہ کا پوری طرح علم ہو گیا تھا اور انہیں یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ وہ حضرت علیؓ کی الٰہی خلافت کے عقیدہ پر لوگوں کو جمع کر کے مدینہ لائے ہیں اور وہ سب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا تختہ الٹانے کے لئے یہاں جمع ہو گئے ہیں تو گو آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے باہر کھڑا تو کر دیا مگر آپ خود کیوں نہیں پہنچے؟۔ کیا آپ کو پتہ نہیں تھا کہ یہ لوگ کس خطرناک منصوبہ کے ساتھ یہاں موجود ہیں؟ حضرت معاویہؓ تو شام میں تھے اور ان دو ملکوں کے درمیان بڑا فاصلہ بھی ہے مگر آپ تو مدینہ میں تھے اگر آپ اس وقت خود سامنے آجاتے اور کہہ دیتے کہ جو شخص حضرت عثمانؓ کی بغاوت پر کھڑے ہوئے ہیں اور انہیں مسجد نبوی میں نماز پڑھنے پڑھانے سے روک رہے ہیں میرا ان سے کوئی تعلق نہیں اور نہ میرا یہ موقف ہے کہ خلافت پر میرا حق تھا مجھ سے خلافت جبراً چھینی گئی ہے؟ تو ممکن تھا کہ معاملہ سلجھ جاتا اور سبائی اور بلوائی گروہ اپنے مذموم عزائم میں ناکام ہو جاتے کہ جن کے نام پر ہم یہ تماشہ کر رہے ہیں جب وہ خود ہمارے خلاف ہیں تو ہم اپنی موت کو کیوں دعوت دیں؟ شیعہ تو کھل کر کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ خود حضرت عثمانؓ کے دفاع پر راضی نہ تھے۔ ملا حسین بخش شیعی کا بغض باطنی دیکھئے وہ لکھتا ہے:

> قتل عثمان قطعی کوئی جرم نہیں تھا بلکہ یہ تو اسلامی معاشرے کے اعلی مقاصد کے عین مطابق تھا اور خود حضرت علی علیہ السلام عثمان کے دفاع

کے لئے راضی نہ تھے۔(امامت وملوکیت ص ۱۲۳)

یہ صرف ملا بخش ہی نہیں کہتا سابق روافض بھی یہ کہتے رہے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

والرافضة تقول ان عليا كان ممن يستحل قتل عثمان بل وقتل ابى بكر وعمر وترى ان الاعانة على قتله من الطاعات والقربات (منہاج السنۃ ج ۴ ص ۳۴۴)

فانه يزعم ان عليا كان ممن يستحل قتله وممن ألب على وقام فى ذلك (ایضا)

رافضی کہتے ہیں کہ حضرت علی قتل عثمان بلکہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے قتل کو بھی حلال سمجھتے تھے اور ان کو قتل کرنے والے کی اعانت ونصرت کو اجر وثواب کا موجب بتاتے تھے۔ رافضی اس زعم میں مبتلا ہیں کہ حضرت علی قتل عثمان اور آپ کے ساتھ جنگ وقتال کو مباح تصور کرتے تھے اور یہ قتل آپ کی مساعی کا رہین منت تھا۔

ہم تو اپنے اعتقاد کی رو سے ببانگ دہل کہتے ہیں کہ ایسا کہنا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ پر بہتان ہے آپ اس سے بری ہیں اور آپ نے خود بھی اس سے برات کا کھلا اظہار کیا تھا۔ مگر کیا جناب سلمان ندوی بھی سمجھتے ہیں کہ واقعی بات یہی تھی؟ کیا اسی لئے حضرت علیؓ مرتضی مدینہ منورہ میں ہونے کے باوجود (بقول روافض) خاموش رہے؟ اور امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمانؓ کی مدد کو بذات خود نہیں پہنچے تھے؟

خدا کسی سے راضی ہو جائے یہی ایک بڑی بات تھی وہ بھی اس قدر پائے کہ اللہ سے راضی ہو جائے ،۔۔ صحابہ واقعی وہ مقام پاگئے کہ نہ صرف خدا ان سے راضی ہوا، خدا نے ان کی بھی رضا چاہی, اور وہ اللہ تعالی سے راضی ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔۔۔ اتنا اونچا مقام کہ خدا ان کی رضا چاہے، یہ صحابہ کو ملا اور زمانے کی بو قلمی دیکھئے کہ ایسے بھی بد قسمت دنیا میں پائے گئے جو انہی کے ایمان کے منکر ہوئے جو اللہ تعالی سے ورضوا عنہ کا تمغہ ربانی پا چکے تھے۔

{حضرت الاستاذ مفکر اسلام علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ}

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جہنم کی بشارت کس کو دی تھی؟

☆...جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

حضرت طلحہ کو مروان نے مارا علی نے فرمایا کہ طلحہ کے قاتل کو جہنم کی وعید سنادو (ازالہ ص۱۱)

یعنی موصوف حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے اس بیان کو جناب مروان پر فٹ کر کے ان کو جہنم بھیج رہے ہیں جو کہ غلط ہے۔

(۲) ان کے نزدیک حضرت علیؓ کا یہ ارشاد حضرت طلحہؓ کے قاتل کے متعلق ہے جو کہ غلط ہے۔ حضرت طلحہؓ کو کس نے شہید کیا تھا؟ اس پر مؤرخین کوئی قطعی بات نہیں بتاتے۔ بعض حضرات آپ کا قاتل مروان لکھتے ہیں اور ان میں سے بھی بعض یقال کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں جبکہ بعض حضرات نے آپ کا قتل ایک نامعلوم تیر (سھم غرب) کا لگنا لکھا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگرچہ مروان کا نام بطور قاتل مشہور تو ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ حضرت طلحہؓ کا قتل جناب مروان نے نہیں کسی اور نے کیا ہے:

یقال ان الذی رماہ بھذا السھم مروان بن الحکم... وقد قیل ان الذی رماہ غیرہ وھذا عندی اقرب وان کان الاول مشھورا۔ واللہ اعلم (البدایہ ج۷ ص۲۴۷)

فیزعمون أن مروان بن الحکم رماہ (تاریخ الطبری ج۴ ص۵۰۹ ش)

اس میں بھی غیر یقینی بات کہی جارہی ہے کہ گمان کیا جاتا ہے جناب مروان نے ان کو تیر مارا ہے۔ مؤرخ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سھم غرب لکھا ہے کہ ان کی شہادت ایک نامعلوم تیر لگنے سے ہوئی تھی۔ محدث علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۵ھ) نے بھی یہی بات لکھی ہے آپ کو تیر مارنے والا کون تھا اس کا پتہ نہیں اور مروان پر اس کی تہمت لگ گئی۔

قتل یوم الجمل أتاہ سھم لایدری من وراءہ واتھم بہ مروان (عمدۃ القاری ج۱ ص۲۶۵) وفی نسخۃ أتاہ لایدری من رماہ (ایضاحاشیہ)

پھر سلمان ندوی کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ حضرت علیؓ نے جس کو جہنم کی آگ کی بشارت سنائی وہ

حضرت طلحہؓ کا قاتل تھا۔ جناب والا... حضرت علی مرتضیٰؓ کا یہ بیان حضرت طلحہؓ کے بارے میں نہیں ہے حضرت زبیر بن عوامؓ کے قاتل کے بارے میں ہے۔ آپ جب جنگ جمل سے باہر نکل آئے اور جاتے ہوئے ایک جگہ آرام کی غرض سے لیٹ گئے تو عمرو ابن جرموز جو آپ کا پیچھا کر رہا تھا اس نے آپ کو سونے کی حالت میں شہید کر دیا پھر وہ حضرت علیؓ کے پاس جب حضرت زبیرؓ کا سر لے کر آیا (معجم کبیر للطبرانی ج ا ص ۱۲۳) کہ حضرت علی مرتضیٰؓ اس پر خوش ہونگے اور اسے شاباشی ملے گی حضرت علیؓ نے نہ صرف یہ کہ اس خون سے اپنی برات ظاہر کر دی بلکہ فرمایا:

بشر قاتل ابن صفية بالنار (اسد الغابۃ ج ۲ ص ۲۱۰ قرطبی ج ۱۶ ص ۳۲۱ البدایہ لابن کثیر ج ۷ ص ۲۵۰)

اس پر ابن جرموز نے کہا:

اتيت عليا برأس الزبير ارجو يديه به الزلفة فبشر بالنار إذ جئته فبئس البشارة والتحفة (الاستیعاب ج ۲ ص ۵۱۶)

میں اس امید کے ساتھ زبیر کا سر لے کر حضرت علیؓ کے پاس آیا کہ اس سے مجھے آپ کا قرب حاصل ہو گا مگر آپ نے مجھے جہنم کی بشارت سنا دی یہ بہت بری خبر اور بہت برا تحفہ ہے:

شیعہ مؤرخ احمد بن داؤد دینوری شیعی نے الاخبار الطوال میں بھی یہ بات نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ قاتل نے آپ کو حالت سجدہ میں شہید کر دیا تھا۔ پھر جب اس نے حضرت علیؓ کو یہ خبر سنائی تو آپ نے فرمایا کہ اسے جہنم کی بشارت دے دو۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ ہم تو آپ کے دشمنوں کو ختم کر رہے ہیں اور آپ ہمیں جہنم کی آگ کی بشارت دیتے ہیں

ابشر يا قاتل ابن صفية بالنار فقال عمرو نقتل اعدائكم وتبشروننا بالنار (الاخبار الطوال ص ۱۴۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے کیمپ میں بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جو ظاہرا حضرت علیؓ کی حمایت کا دعوی کرتے تھے مگر حقیقت میں وہ مسلمانوں کے درمیان نہ صرف یہ کہ غلط فہمیاں پھیلا رہے تھے بلکہ ان کے ہاتھ خون صحابہ سے رنگین تھے۔۔۔۔۔

جنگ جمل و صفین پر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا اظہار افسوس:

☆... جنگ جمل کی صورت میں جو افسوسناک واقعہ رونما ہوا تھا اس پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا دل بڑا دکھی تھا اور آپ جب بھی اس واقعہ کو یاد کرتیں تو انہیں افسوس ہوتا اور رو پڑتی تھیں۔ اس پر جناب سلمان ندوی حضرت مولانا مفتی عتیق بستوی صاحب مدظلہ کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

> پھر اپنی غلطی پر عمر بھر روتی تھیں خاص طور پر جب بھی وقرن فی بیوتکن والی آیات پڑھتی تھیں تو اتنا روتی تھیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا تھا اس پڑھنے کی آپ کو توفیق ہوئی ہے یا نہیں؟ (ازالہ ص ۱۱)

جناب سلمان ندوی کے اس طنز و طعن کا نشانہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ ہیں یا جناب مولانا مفتی عتیق صاحب؟ ہم اس پر کچھ نہیں کہتے۔ ہمارے قارئین خود فیصلہ کریں۔ تاہم ہمیں یقین ہے کہ حضرت مولانا مفتی عتیق صاحب نے مذکورہ قرآنی آیت کو ضرور پڑھا ہو گا اور بار بار پڑھا ہو گا۔ اور ہم یہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ اس آیت سے حضرت مفتی صاحب وہ نتیجہ نہ نکال سکے جو سلمان ندوی بتانا چاہتے ہیں کاش کہ وہ خود ہی اس کا مطلب بتا دیتے۔

زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو اپنے اس اقدام (یعنی وقرن فی بیوتکن پر عمل نہ کرتے ہوئے بصرہ جانے) کا بڑا افسوس تھا۔ اور وہ اس غلطی پر عمر بھر روتی تھیں۔ آپ اس لئے عمر بھر نہیں روئی کہ خدانخواستہ آپ نے کسی غلط مقصد کے تحت بصرہ کا سفر کیا تھا۔ آپ کا رونا اس لئے تھا کہ آپ بجائے بصرہ جانے کے گھر تشریف لے آتیں۔ اور اس لئے کہ بھی آپ کو افسوس تھا کہ اگر وہ بصرہ نہ جاتیں تو یہ معاملہ شاید اس دور تک نہ جاتا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

ان عائشة لم تقاتل ولم تخرج لقتال وانما خرجت لقصد

الاصلاح بین المسلمین وظنت ان فی خروجها مصلحة للمسلمین ثم تبین لها فیما بعد ان ترک الخروج کان اولی فکانت إذا ذکرت خروجها تبکی حتی تبل خمارها

(منہاج السنۃ ج۴ ص۳۱۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لئے نہیں نکلی تھیں اور نہ ہی آپ کی نیت جنگ کرنے کی تھی بلکہ مسلمانوں کے مابین صلح کرانے کے جذبہ سے باہر نکلی تھیں ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی بہبود و مصلحت کا تقاضا یہی ہے۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ مدینہ سے نکلنا ان کے لئے موزوں نہ تھا چنانچہ ان کی یہ حالت تھی کہ جب بھی باہر نکلنے کا واقعہ یاد آتا تو اس قدر روپڑتیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا (طبقات ابن سعد ج۸ ص۵۸)

امام شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

لا ریب أن عائشة ندمت ندامة کلیة علی مسیرها الی البصرة وحضورها یوم الجمل وما ظنت ان الامر یبلغ ما بلغ

(سیر اعلام النبلاء ج۲ ص۱۷۷)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا عمر بھر رونا اس لئے نہ تھا کہ وہ جس مقصد کے لئے بصرہ گئی تھیں وہ غلط تھا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے مکہ مکرمہ میں موجود صحابہ کرام کے مشورہ کے بعد یہ قدم اٹھایا تھا آپ اسے ان کا اجتہاد کہہ سکتے ہیں مگر یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ حضرت عائشہؓ اور دیگر اصحاب کے اس سفر کا مقصد حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت کا انکار اور آپ سے جنگ کرنا تھا۔ نہیں۔ محدث حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۲ھ) محدث شیخ مہلب رحمۃ اللہ علیہ (۴۳۵ھ) سے نقل کرتے ہیں:

ان احدا لم ینقل أن عائشة ومن معها نازعوا علیا فی الخلافة ولا دعوا الی احد منهم لیولوه الخلافة وانما انکرت هی ومن معها علی علیؑ منعه من قتل قتلة عثمان وترک القصاص منهم (فتح

البارى ج۱۳ص۷۰)

کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں کا مقصد حضرت علیؓ سے خلافت میں جھگڑا تھا اور نہ ان میں سے کسی نے اپنے بارے میں یہ کہا کہ انہیں خلیفہ بنایا جائے ان کا حضرت علیؓ سے اختلاف صرف اس بات پر تھا کہ وہ قصاص عثمان کے معاملے پر آڑے آرہے ہیں اور وہ خود بھی قاتلوں سے قصاص نہیں لے رہے ہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

وعلى رضى الله عنه لم يقاتل أحدا على إمامته من قاتله ولا قاتله أحد على إمامته نفسه ولا ادعى أحد قط فى زمن خلافته أنه أحق بالإمامة منه لا عائشة ولا طلحة ولا الزبير ولا معاوية وأصحابه ولا الخوارج بل كل الامة كانوا معترفين بفضل على وسابقته بعد قتل عثمان وأنه لم يبق فى الصحابة من يماثله فى زمن خلافته كما كان عثمان كذلك لم ينازع قط أحد من المسلمين فى إمامته وخلافته ولا تخاصم اثنان فى أن غيره أحق بالامامة منه فضلا عن القتال على ذلك وكذلك ابوبكر وعمر رضى الله عنهما (منہاج السنۃ ج۶ص۳۲۹)

حضرت علی مرتضیٰؓ سے کسی نے بھی آپ کی امامت کے مسئلہ پر جنگ کی نہ آپ نے کسی سے اپنی امامت منوانے کے لئے قتال کیا اور نہ آپ کے دور میں کسی نے دعوی کیا کہ وہ آپ سے زیادہ مستحق خلافت وامامت ہے۔ نہ حضرت عائشہؓ نے نہ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت معاویہؓ نے اور نہ ہی دیگر اصحاب رسول نے نہ ہی خارجی لوگوں نے۔ بلکہ پوری امت حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کی فضیلت اور ان کی اسلام میں مسابقت کا اعتراف کرتی تھی اور آپ کے عہد خلافت میں صحابہ میں سے کوئی دوسرا فرد ایسا بھی نہیں تھا جو کہ آپ کا ہم پلہ اور

برابر ہو جیسا کہ حضرت عثمانؓ اپنے دور خلافت میں تھے اور ایسا بھی نہیں ہوا کہ مسلمانوں میں سے کسی ایک نے آپ سے خلافت وامامت کے مسئلہ پر قتال کیا ہو اور نہ ہی دو افراد کا اس بات میں اختلاف تھا کہ آپ سے زیادہ کوئی دوسرا مستحق خلافت ہے چہ جائے کہ کوئی اس بات پر آپ سے جنگ کرتا یہی حال حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا بھی تھا۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

أنهم معذورون فی إجتهادهم الحامل لهم علی قتال وأنهم كانوا مخطئين فيه ولو اقتصى قتالهم هذا إثما عليهم ونقصا فی رتبتهم لعاقبهم علیّ عليه بعد انقضاء القتال وليس الامركذلک بل لم يتعرض بعد القتال لأحد من مقاتليه بوجه من الوجوه بل قابلهم بغاية الحلم والاحسان ونهاية السلم والامتنان

(تطہیر الجنان واللسان ص ۳۶)

وہ لوگ اپنے اجتہاد کی بناء پر اس بارے میں معذور ہیں اور وہ اس میں غلطی پر تھے اگر یہ جنگ ان کا گناہ اور ان کے مرتبے میں کسی نقص کا باعث ہوتی تو حضرت علیؓ جنگ کے بعد انہیں ضرور سزا دیتے حالانکہ آپ نے کسی کو سزا نہیں دی بلکہ آپ نے فریق ثانی کے کسی شخص سے کسی وجہ سے بھی کوئی تعرض نہ کیا آپ ان سے نہایت حلم واحسان سے ملے۔

آپ سے پہلے حضرت امام محمد بن احمد قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (۶۶۸ھ) حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے بارے میں بھی یہی بات لکھ آئے ہیں:

فقد ثبت أن طلحة والزبير غير عاصين ولا آثمين أی انهما معذوران باجتهادهما ولو كان غير ذلک لم يقل النبی ﷺ فی طلحة شهيد ولم يخبر النبی ﷺ ان قاتل الزبير فی النار ...الخ

(تفسیر قرطبی ج ۸ ص ۳۲۲)

جب معاملہ اس طرح ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نافرمانی کرنے والے اور قتال کے ذریعہ گنہ گار نہ تھے کہ وہ اپنے اجتہاد کی بناء پر اس میں معذور تھے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو حضور اکرم ﷺ حضرت طلحہؓ کے بارے میں یہ نہ فرماتے کہ وہ شہید ہیں اور نہ حضرت زبیرؓ کے قاتل کے بارے میں فرماتے کہ وہ جہنم میں جائے گا اللہ تعالی نے انہیں اجتہاد کی راہ دکھائی جب معاملہ اس طرح ہے تو یہ امر انہیں لعن طعن کرنے ان سے برات کا اظہار کرنے اور ان کو فاسق قرار دینے کو ثابت نہیں کرتا ان کے فضائل اور ان کے جہاد کو باطل نہیں کرتا اور دین میں ان کا جو عظیم مقام ہے اس کو ختم نہیں کرتا۔

مگر افسوس کہ شیعہ علماء اب تک اسی لکیر کو پیٹتے چلے آرہے ہیں کہ حضرت معاویہؓ اور وہ تمام حضرات جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے مقابل آئے وہ مسلمان نہیں رہے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان کی زیادتیوں کا اس طرح جواب دیتے ہیں:

فأولئک کالانعام بل هم أضل سبیلا فلا یتأهلون لخطاب ولا یوجه الیهم جواب لانهم معاندون وعن الحق ناکثون بل أشبهوا کفار قریش فی العناد والبهتان حتی لم تنفع فیهم معجزة ولا قرآن وانما النافع لهم القتل والجلاء عن الاوطان کیف وهم لا یرجعون لدلیل وشفاء العلیل منهم کالمستحیل وقد صح فی الاحادیث الکثیرة انه ﷺ قال بحضرة الجم إظهارا لمنقبة ولده الحسن رضی الله عنه وعن أهل بیته إن إبنی هذا سید وسیصلح الله به بین فئتین عظیمتین من المسلمین وهما فئة الحسن وأبیه وفئة معاویة فحکم ﷺ علی کل من الفئتین بالاسلام وذلک صریح فی بقائهم أجمعین علی کمالهم وأنهم معذورون فیما صدر

عنهم وإن كان الامام الحق هو علی کرم الله وجهہ

(تطہیر الجنان ص ۳۷)

یہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی گئے گزرے ہیں جو کسی خطاب کے قابل نہیں اور نہ ہی انہیں جواب دینے کی ضرورت ہے کیونکہ وہ معاند اور حق سے پھر جانے والے ہیں بلکہ عناد و بہتان طرازی میں کفار قریش کے مشابہ ہیں جنہیں قرآن کریم اور کسی معجزہ نے فائدہ نہیں پہنچایا انہیں صرف قتل اور جلاء وطنی نے ہی فائدہ دیا ہے اس لئے کہ وہ کسی دلیل کی طرف رجوع نہیں کرتے اور ان میں سے کسی بیمار کا شفا پانا ایک محال بات ہے اور بہت سی صحیح احادیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بڑے مجمع میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے مناقب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے جو عنقریب مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے والد محترم حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا گروہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ یہ وہ دو بڑی جماعتیں ہیں پس حضور ﷺ نے دونوں جماعتوں کے مؤمن ہونے کا فیصلہ دیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ سب لوگ اپنے کمال پر قائم ہیں اور جو کچھ ان سے ہوا اس میں معذور ہیں اگرچہ حضرت علیؓ امام برحق ہیں۔

(تطہیر الجنان ص ۱۰۱۔ اردو)

حضرت علی مرتضیٰؓ کے بصرہ پہنچنے اور حضرت ام المؤمنینؓ سے گفت وشنید کے بعد سارے معاملات طے پا گئے تھے مگر حضرت علیؓ کے ساتھ موجود انہی سازشیوں اور ظالموں نے بات بگاڑ کر جنگ چھیڑ دی۔ اور وہاں جو کچھ ہوا اس پر ام المؤمنینؓ حضرت عائشہ کو جتنا دکھ اور افسوس ہوا تھا اس سے کہیں زیادہ دکھ اور افسوس حضرت علی مرتضیٰؓ کو بھی ہوا تھا۔

اس جنگ میں (جو اپنی اساس میں تو جنگ نہ تھی لیکن قاتلین عثمان کے ہم نواؤں کی مفسد پردازی سے جنگ بنادی گئی) مسلمانوں کی بڑی تعداد جان سے گئی تھی۔ حضرت علیؓ نے جب لڑائی کی شدت کا منظر دیکھا تو اپنے بیٹے حضرت حسنؓ نے کہا کہ:

ليت أباک مات قبل هذا اليوم منذ عشرين سنة

(البدایہ ج ۷ ص ۲۴۱ المصنف لابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۵۴۴)

اے حسنؓ کاش تیرا باپ آج سے بیس سال قبل فوت ہو چکا ہوتا۔

سیدنا حضرت حسنؓ نے اس کے جواب میں فرمایا:

يا أبت قد كنت أنهاك عن هذا قال يابنى إنى لم أر ان الامر يبلغ هذا.... عن الحسن بن ابى بكرة لما اشتد القتال يوم الجمل ورأى على الرؤس تندر أخذ على ابنه الحسن فضمه الى صدره ثم قال إنا لله ياحسن أى خير يرجى بعد هذا

(البدایہ ج ۷ ص ۲۴۱)

ابا جان میں نے آپ کو اس بات سے روکا تھا آپ نے کہا بیٹا مجھے معلوم نہ تھا کہ بات اتنی دور تک پہنچ جائے گی۔ حسن بن ابی بکرہ کہتے ہیں کہ جب جنگ میں بہت زیادہ تیزی آگئی اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے لوگوں کو جان سے جاتے دیکھا تو آپ نے اپنے بیٹے کو اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا پھر انا للہ پڑھا اور کہا بیٹے اس کے بعد کس بھلائی کی امید کی جا سکتی ہے؟

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ قتال کے علاوہ کئی اور امور پر بھی ندامت اور افسوس کا اظہار فرماتے تھے:

وعلى ابن ابى طالب ندم على أمور فعلها من القتال وغيره وكان يقول ... (منہاج السنۃ ج ۶ ص ۲۰۹)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان بیانات پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ کا موقف غلط تھا۔ نہیں۔ سو جس طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ کا افسوس اور دکھ کا اظہار کرنا اس لئے نہ تھا کہ آپ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم جس مقصد کے لئے بصرہ گئے تھے وہ مقصد ہی سرے سے غلط تھا، اسی طرح حضرت علی مرتضیٰؓ کا اظہار افسوس اور دکھ اس پر نہ تھا کہ آپ اپنے موقف کو غلط سمجھ رہے تھے۔ یہ بات نہیں تھی۔ سو اس پر جناب سلمان ندوی کا محض حضرت ام المؤمنینؓ اور دیگر اصحابِ رسول کے بارے میں بات بگاڑنا اور ان بزرگوں کو ملزم ٹھہرانا ہرگز درست نہیں ہے۔۔۔۔۔

سیدنا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی..... أَمَّا بَعْدُ!

صفین میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو صحابہ کرام آئے تھے ان میں سے ایک صحابی رسول حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے موقع پر یہ کہہ کر ایک پیش گوئی فرمائی تھی کہ اے عمار تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت چونکہ اسی جنگ میں ہوئی تھی اس لئے بعض حضرات کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کا مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کا لشکر ہے۔ جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

> جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحت کے مطابق باغیوں کے سردار (یعنی حضرت معاویہؓ۔ ناقل) کو عمرو بن العاص حدیث ان عمار تقتله الفئة الباغية یاد دلاتے ہیں تو وہ ان کو جھڑک دیتے ہیں اور لڑائی اسی طرح جاری رکھی جاتی ہے اور صحابہ کے خون سے زمین رنگ دی جاتی ہے۔
>
> (ازالہ ص ۱۲)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کس نے شہید کیا تھا؟ یہ تاریخ کا ایک پرانا مختلف فیہ مسئلہ چلا آرہا ہے اور اس کا اب تک صحیح اور یقینی جواب نہیں ملتا۔ آپ ایک نامعلوم تیر کا نشانہ بنے تھے اور تیر چلانے والا کون تھا اس کا پتہ نہیں۔ جو لوگ امام حاکم کے حوالہ سے تین چار صحابہ کا نام لے کر انہیں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل بتاتے ہیں وہ درست نہیں، امام حاکم نے یہ باتیں مؤرخ واقدی کے حوالہ سے نقل کی ہیں اور مؤرخ واقدی کا متہم بالکذب اور بات کا بنانے اور بگاڑنے والا ہونا بھی اہل علم سے مخفی نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں اس کی وسعت علم کے باوجود اسے متروک قرار دیا ہے اور محدثین نے اسے یضع الحدیث یعنی بات گھڑنے والا بتایا ہے۔ (دیکھئے

میزان الاعتدال ج۳ص۶۶۶ للذہبی)

لیکن چونکہ آپ حضرت علی مرتضیٰؓ کی صف میں تھے ان کی حمایت کے لئے آئے تھے اس لئے یہ بات کہی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں سے کسی نے ان پر تیر چلایا اور ان کو شہید کیا۔ جب حضرت عمرو بن العاصؓ کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو انہوں نے حضرت معاویہؓ سے اس بارے میں بات کی کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مصداق ہم تو نہیں؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا ہم نے ان پر تیر چلایا؟ کیا ہم نے ان کو قتل کیا ہے؟ ان کو انہی لوگوں نے نشانہ بنایا جو ان کو اس لڑائی میں لے کر آئے ہیں

أونحن قتلناه... انما قتله الذين جاءوا به (البدایہ ج۷ ص۲۷۱)

اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت میں نہ وہ خود ملوث ہیں نہ وہ اس قتل پر راضی اور خوش ہیں۔ جس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ ان کے قتل میں اسی گروہ کا ہاتھ تھا جو خون عثمان میں ملوث تھا اس گروہ کے علم میں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشن گوئی لوگوں میں مشہور ہے لہذا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جائے تو لامحالہ اس کا نشانہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر ہی بنے گا سو انہیں قتل کر کے حضرت معاویہؓ کو فئة باغية کا مصداق بنا کر بدنام کر دو۔ جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قتل سے کھلے عام برات کا اظہار کر رہے تھے۔ محدث جلیل حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مولانا محمد بشیر احمد حصاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> حضرت معاویہؓ سے جو الفاظ منقول ہیں وہ یہ ہیں أو نحن قتلنا عمارا؟ ارے کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟...انما قتل عمارا من جاء به...جو عمار کو لے کر آئے۔ انہوں نے خود اسے قتل کیا ہے...
>
> (البدایہ ج۷ ص۲۶۹)

یہ کل دو جملے ہیں پہلا جملہ استفہام انکاری ہے اور تعجب ہے اور تعجب استفہام انکاری کا مطلب ہے ایسا سوالیہ فقرہ جس سے مقصد الزام کا انکار کرنا ہے۔ ارے کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے مطلب ہے ہرگز نہیں۔ ہم نے عمار کو قتل

نہیں کیا۔ دوسرا جملہ انما سے شروع ہوتا ہے۔ اس جملہ کے لفظی معنی یہ ہیں۔ (انما) صرف (قتل) قتل کیا (عمارا) عمار کو (من) اس نے جو (جاء) آیا (بہ) اسے لے کر۔ بتایئے اس جملہ میں کونسا وہ لفظ ہے جو ایک عام آدمی کی سمجھ میں نہ آتا ہو۔ (اصحاب محمد کا دفاع ص ۱۸۹)

بعد ازاں آپ فریقین کے دلائل پر گفتگو کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

جہاں تک دلائل کی قوت استدلال کا تعلق ہے۔ دونوں طرف دلائل قوی اور معقول ہیں البتہ اہل شام کے دلائل کو جو مشاہداتی خصوصیت حاصل ہے اس خصوصیت نے ان کے دلائل کو راجح اور قوی تر بنا دیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ ایک تاریخی المیہ ہے کہ چرچا جو ہوا وہ اہل عراق کے دلائل کا ہوا اور اہل شام کے دلائل سبائی پراپیگنڈے کی دھول میں گم ہو کر رہ گئے اور اہل شام کے دلائل راجح اور قوی تر ہونے کے باوجود حضرت معاویہؓ کی جماعت کے عمار کا قاتل ہونے کو ایک مسلمہ تاریخی حقیقت کے طور پر تسلیم کر لیا گیا پھر اس پر مزید ستم یہ ہوا کہ قتل عمار کو فئۃ باغیۃ ہونے کی علامت قرار دے کر حضرت معاویہؓ کی جماعت کو فئۃ باغیۃ قرار دے دیا گیا... الخ۔ (ایضاص ۱۹۳)

اس حقیقت کا بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے گروہ میں ایک پورا گروہ ان لوگوں کا موجود تھا جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ شروع سے مخلص نہ تھا وہ اوپر اوپر سے آپ کی محبت اور حمایت کا دعویدار ضرور تھا مگر اندرونی طور پر وہ گروہ مسلمانوں میں اختلافات پیدا کرنے اور امت کی وحدت کو توڑنے میں پوری طرح مستعد تھا حضرت علی مرتضیٰؓ کو خود بھی اس کا پتہ تھا کہ میرے اندر موجود لوگوں نے مجھے گھیراؤ میں لیا ہوا ہے یہ مجھے قابو کئے ہوئے ہیں میرا ان پر بس نہیں چلتا

یملکوننا ولا نملکھم (نہج البلاغۃ ص ۹۲ خطبہ ۱۶۶)

حضرت علی مرتضیٰ تو یہاں تک کہہ اٹھے کہ یہ لوگ میری بات بھی نہیں مانتے اس سے اچھے تو حضرت معاویہؓ کے لوگ ہیں جو ان کی بات سنتے ہیں اور ان کی اطاعت کرتے ہیں آپ نے کھلے

بندوں یہ بھی کہا تھا:

أيها الشاهدة أبدانهم الغائبة عقولهم المختلفة أهوائهم المبتلى بهم أمراؤهم صاحبكم يطيع الله وأنتم تعصونه وصاحب أهل الشام يعصى الله وهم يطيعونه لو وددت والله لو أن معاوية صارفنى بكم صرف الدينار بالدرهم فاخذ منى عشرة منكم وأعطانى رجل منهم (نہج البلاغۃ ج۱ ص۲۸۶ خ۹۵)

یہ وہی گروہ تھا جس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف خروج کیا اور آخر کار آپ کو شہید کر دیا تھا وہ اس وقت کے خارجی تھے وہی مفسدین اور قاتلین عثمان حضرت علی مرتضیٰؓ کے گروہ میں فتنہ وفساد کے لئے موجود تھے وہ حضرت علیؓ کے ساتھ ہو کر بھی دور دور رہتے تھے تاکہ سیدنا حضرت علیؓ کو ان کی سازشوں کا پتہ نہ چلے آپ انہیں اکٹھے رہنے کی ہدایت کرتے مگر وہ فرقہ بنا کر الگ رہتے ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو ان کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ وہ جماعت کے ساتھ رہیں، الگ الگ کیوں ہیں۔ شارح بخاری علامہ بدر الدین العینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

انما يصح هذا فى الخوارج الذى بعث اليهم علىّ عمارا تدعوهم الى الجماعة (عمدۃ القاری ج۴ ص۲۰۹)

چونکہ ان لوگوں کا مقصد ہی مسلمانوں میں تشتت اور انتشار پیدا کرنا تھا اس لئے اس امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے ہی حضرت عمار بن یاسرؓ کو شہید کر دیا ہو۔ تاکہ اس سے وہ اپنا مقصد حاصل کر سکیں کہ ایک طرف حضرت معاویہؓ کے لشکر پر حدیث منطبق کر کے ان کو بدنام کریں اور دوسری طرف مسلمانوں کی ان دو بڑی جماعتوں میں فتنہ وفساد بھی پیدا کرائے رکھیں تاکہ مسلمانوں کی اجتماعیت کمزور پڑ جائے اور وہ کبھی اکٹھے نہ ہو پائیں۔

پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ اگر حضرت معاویہؓ یا حضرت عمرو بن العاصؓ کے حکم پر حضرت عمارؓ کی شہادت ہوئی ہوتی تو کیا حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت عمار بن یاسرؓ کے قاتل کو کبھی بد دعا دیتے؟ جو لوگ یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ حضرت عمارؓ کی شہادت میں قطعی طور پر حضرت معاویہؓ اور

حضرت عمرو بن العاصؓ یا ان میں سے کسی دوسرے صحابی کا ہاتھ تھا تو انہیں تو خوش ہونا چاہئے تھا مگر دیکھئے کہ آپ تو قاتل عمارؓ کو کھلے لفظوں بد دعا دیتے ہیں۔ سوچیں کیا وہ خود اپنے آپ کو بد دعا دے رہے تھے؟ یہاں یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ تقیۃً ایسا کر رہے تھے آپ تو تقیہ کے کبھی قائل نہ تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس سے گزرا اور کہا کہ میں نے حضرت عمارؓ کو قتل کیا ہے حضرت عمروؓ نے اس سے کہا کہ تیرے ہاتھ برباد ہوں تو نے اپنے رب کو ناراض کیا ہے:

والله ما ظفرت يداک وقد أسخطت ربک (البدایہ ج۷ ص۲۶۹)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے نزدیک حضرت عمار بن یاسرؓ کو شہید کرنے والے کبھی لائق تحسین نہ تھے اور آپ نے تو حضرت عمار بن یاسرؓ کے قاتل کو بد دعا دی ہے اس سے یہ بات واضح ہے کہ یہ حضرات اس قتل میں کہیں ملوث نہ تھے اور یہ سب اس کا انکار کرتے تھے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

كل الناس كانوا منكرين لقتل عمار حتى معاوية وعمرو

(فتاوی ابن تیمیہ ج۳۵ ص۷۷)

سو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کس نے شہید کیا تھا؟ یہ بات شروع سے اب تک مختلف فیہ چلی آرہی ہے اس میں کسی کو قطعی طور پر ملزم ٹھہرانا درست نہیں۔ حدیث میں تو دونوں طرف کے لوگوں کو فئتین عظیمتین کہا گیا ہے فئة باغية کسی چھوٹے گروہ کو ہی کہا جاسکتا ہے۔ نہ کہ وہ جسے پیغمبر کی زبان عظیم کہے۔

پوری دنیا کی عدالتوں کا یہ متفق علیہ موقف ہے کہ قاتل کی نشاندہی میں جلدی نہ کی جائے اور دور سے دور کے احتمال کو بھی اس میں زیر غور لایا جائے (یہ الگ بات ہے کہ قاتل خود ہی قتل کا اعتراف کرلے) سو اب حضرت عمارؓ کے قاتل کی بلا دلیل نشاندہی کسی فریق کے کام نہیں آسکتی سوائے اس کے کہ حضرت عمارؓ کو خود ایک برگزیدہ شخصیت مانا جائے اور آپ کو ایک متفق علیہ

شہید کا درجہ دیا جائے ہمارے نزدیک وہ شخص نہایت بدترین اور بدبخت ہو گا جو حضرت عمارؓ کے مرتبہ شہادت کا منکر ہو اور حضور ﷺ کے ارشاد میں ذرا سا بھی شک کرے۔

ہم اس احتمال کو بھی رد نہیں کرتے کہ شاید حضرت معاویہؓ کے لشکر میں بھی کچھ ایسے لوگ وہاں سے آگھسے ہوں جنہوں نے اپنے کسی خاص مقصد کے حصول کے لئے حضرت عمار بن یاسرؓ کو شہید کر دیا ہو جس طرح جنگ جمل کے موقع پر حضرت علی مرتضیٰؓ کے گروہ میں وہی سازشی اور فسادی لوگ موجود تھے جو رات کے وقت دونوں فریق کے گروہ میں تقسیم ہو گئے تھے اور پھر صبح ہوتے ہی انہوں نے اچانک جنگ کی آگ بھڑکا دی تھی۔

جب حضرت معاویہؓ اور دیگر اکابر اس قتل کی ذمہ داری نہیں لیتے اور دوسری طرف دونوں فریق کے متعلق یہ احتمالات موجود ہیں تو پھر ہم کسی طرح یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ حضرت معاویہؓ اس قتل میں ملوث تھے اور حضور ﷺ کی حدیث کے مصداق آپ ہی ہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ الفئۃ الباغیۃ سے مراد دونوں طرف میں سے کسی اس ایک گروہ کو کہا گیا ہو جو سربراہ جماعت کے حکم کی اطاعت نہ کرتا ہو اور ان کا باغی ہو۔ ہم جس طرح حضرت زبیرؓ کے قاتل کے بارے میں نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ کھڑے تھے اس لئے حضرت علیؓ اس کے ذمہ دار ہونگے۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ کے بارے میں بھی یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت میں آپ کسی طور ملوث رہے ہوں۔ پھر حضرت زبیرؓ کے قاتل کا نام تو سنی شیعہ کتابوں میں معلوم بھی ہے۔ حضرت عمارؓ کس کے تیر سے شہید ہوئے وہ اب تک یقینی معلوم نہ ہو سکا۔ پھر جس طرح حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کے قاتل کو بددعا دی تھی اسی طرح حضرت عمرو بن العاصؓ نے بھی حضرت عمار کے قاتل کو بددعا دی تھی۔ ان سارے احتمالات کے ہوتے ہوئے ہم کس طرح کہہ دیں کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کو حضرت معاویہؓ نے شہید کرایا تھا۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رکھئے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے صحابی رسول ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے یہ دونوں بزرگ بھی اسی طرح کے صحابی ہیں جس طرح دوسرے اصحاب رسول ہیں (ہاں سلمان ندوی نے اصطلاحی اور اصلی کی تقسیم بتلا کر صحابہ کو الگ

الگ فہرست میں لانے کی مذموم و مردود کوشش ضرور کی ہے)۔ سو ان کے شرف صحابیت کا انکار تو اب تک کسی نے نہیں کیا ہے اور آپ ﷺ سے یہ بات بھی مروی ہے کہ حضرت عمارؓ کو صحابہ میں سے کوئی قتل نہیں کرے گا ان کی شہادت فئة باغية کے ہاتھوں ہو گی حضور ﷺ نے حضرت عمار بن یاسرؓ سے فرمایا:

لا يقتلك اصحابي ولكن تقتلك الفئة الباغية

(وفاء الوفاء ج ا ص ۲۵۴)

اے عمار تیرا قتل میرے صحابی کے ہاتھوں نہ ہو گا تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔

(نوٹ) سیرۃ ابن ہشام میں بھی یہ بات ذرا مختلف الفاظ میں ملتی ہے (دیکھئے ج ا ص ۴۹۶)

اس سے اس طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت کسی ایسے گروہ کے ہاتھوں ہو گی جس کی بغاوت سب مسلمانوں کے نزدیک مسلم رہی ہو۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف بغاوت کرنے والا اور آپ کے خون سے مدینہ کی زمین رنگین کرنے والا وہی گروہ سب کے ہاں مسلمہ باغی سمجھا گیا ہے اور اسی گروہ کے لوگوں نے نہایت مکارانہ چال چل کر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کا گھیراؤ کر لیا اور اپنے آپ کو قصاص سے بچانے کے لئے وہ آپ کی جماعت میں داخل ہو گئے پھر انہی لوگوں کے ہاتھوں مسلمانوں نے کتنے دکھ اٹھائے اور زخم کھائے یہ خون بھری داستان تاریخی صفحات میں دیکھی جا سکتی ہے۔

امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خانصاحب صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مخلص ساتھیوں اور حضرات صحابہ کرام کا دامن حضرت عمارؓ کے قتل کرنے سے بالکل صاف پاک ہے نہ تو انہوں نے حضرت عمار کو قتل کیا نہ ہی وہ باغی اور داعی الی النار بنے۔۔ یہ سب کارستانی سبائی پارٹی اور اسلام کے باغی فرقہ کی تھی کہ زبان سے اسلام کا دعوی کرتی رہی اور اندر سے اسلام کی جڑیں کاٹتی رہی... حضرت عمارؓ کے قاتلین میں سے کوئی بھی صحابی اور داعی الی الجنۃ نہ تھا بلکہ سبھی شریر فتنہ گر اور اسلام کی بیخ کنی کرنے

والے تھے حضرت عمارؓ کو نہ تو کسی صحابی نے قتل کیا اور نہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم اور رضا سے قتل ہوئے... ان تمام شہادتوں اور اندرونی اور بیرونی قرائن اور شواہد سے روز روشن کی طرح آشکارا ہو گیا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی شامی فوج اور کوئی دیگر صحابی نہ تھا بلکہ وہی شرارتی سبائی تھے جو اسلام اور اہل اسلام کے ذاتی دشمن تھے۔

(بخاری شریف کے چند ضروری مباحث ص ۱۳)

محدثین اور اکابر علماء اسلام پوری دیانت داری کے ساتھ ان دلائل اور شواہد اور حالات وواقعات کی روشنی میں اس موقف کا اظہار کر چکے ہیں کہ تقتلک الفئۃ الباغیۃ میں فئۃ باغیۃ سے مراد وہی لوگ ہیں جن کے ہاتھوں پر حضرت عثمان غنی کا خون لگا ہے اور جو کبھی حضرت علی مرتضی کے ساتھ مخلص نہ تھا اور ان کی ہمیشہ کوشش رہی کہ مسلمانوں کے درمیان افتراق اور جدل پیدا کر کے ان کی قوت کمزور کر دی جائے۔ اس سے حضرت امیر معاویہ اور اہل شام کی جماعت مراد لینا درست نہیں ہے۔ ائمہ صحاح (امام بخاری، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ کے شیخ) حضرت عبدالرحمن بن دمشقی (۲۴۵ھ) نے تو اس میں اہل شام کے ملوث ہونے کی نہایت سخت الفاظ میں تردید کی ہے۔ امام الجرح والتعدیل احمد بن عبداللہ العجلی (۲۶۱ھ) امام دمشقی سے نقل کرتے ہیں کہ ان کو جب معلوم ہوا کہ کچھ لوگ الفئۃ الباغیۃ سے اہل شام مراد لیتے ہیں تو اس پر آپ نے کیا فرمایا اسے دیکھئے۔

كَانَ يختلف إِلَى بَغْدَاد سمعُوا مِنْهُ فَذكرُوا الفئة الباغية هم أهل الشَّام فَقَالَ من قَالَ هَذَا فَهُوَ بن الفاعلة فنكب النَّاس عَنهُ ثمَّ سمعُوا مِنْهُ۔ (معرفۃ الثقات ص ۷۲ للامام العجلی۔ تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۵۴۹ للخطیب)

جناب سلمان ندوی نے پھر ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ پر اس طرح دل کی بھڑاس نکالی:

کیا معاویہ کے مقابلہ میں علی اور عمار دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہنے کی ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں نہیں دی تھی؟

(ازالہ ص ۱۶)

حضور ﷺ کی یہ ہدایت اور واضح الفاظ کہاں ہیں؟ جس میں آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر یہ بات کہی ہو۔ رہی بات حضرت عمارؓ کے شہادت کی پیشگوئی کی تو ہم اوپر اس پر تفصیلی گفتگو کر آئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری نظر اس حدیث پر نہ پڑی ہو جس میں آپ ﷺ نے حضرت معاویہؓ کا نام لے کر واضح الفاظ میں ہدایت دی ہو جناب سلمان ندوی ازراہ کرم اس حدیث کی نشاندہی فرما کر مشکور فرماویں تا کہ ہم اس پر بھی غور کر لیں؟

حضور اکرم ﷺ نے جب (آپ کے بقول) حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کا ساتھ دینے کی واضح الفاظ میں ہدایت دی تھی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس معرکہ میں جو صحابہ کرام حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے یا وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو اس وقت صفین میں نہ تھے مگر وہ آپ کے موقف کے مؤید تھے۔ ان کو پتہ بھی تھا کہ حضور ﷺ نے (بقول آپ کے) حضرت عمارؓ کا ساتھ دینے کی واضح الفاظ میں ہدایت دی تھی تو کیا ان سب نے آپ کی واضح الفاظ میں دی گئی ہدایت کو بھلا دیا تھا؟ اور یہ جاننے کے باوجود بھی (کہ حضرت معاویہؓ کا مقابلہ حضرت علیؓ سے ہو رہا ہے) پھر بھی وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ کھڑے رہے اور انہوں نے آپ ﷺ کی (بقول آپ کے) واضح ہدایت کا کوئی پاس ولحاظ نہیں رکھا تھا؟ پھر جس وقت جناب مودودی صاحب کے بقول حضرت عمارؓ کی حضرت علیؓ کے لشکر میں شرکت کو دیکھتے ہوئے حضرت زبیرؓ اس جنگ سے علیحدہ ہو کر چلے گئے تھے (خلافت وملوکیت ص ۱۳۸) تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ کا ساتھ دینے کے بجائے کیوں غیر جانبدار ہو کر جنگ سے نکل گئے؟ کیا ان کا اس طرح چھوڑ کر چلے جانا واضح الفاظ میں دی گئی ہدایت کی خلاف ورزی نہ تھی؟ اور پھر وہ تمام صحابہ جنہوں نے باوجود یہ دیکھنے کے کہ حضرت زبیرؓ جنگ سے نکل کر جا رہے ہیں وہ پھر بھی حضرت معاویہؓ کا آخر تک ساتھ دیتے رہے کیا وہ سب بھی آپ کی واضح الفاظ میں دی گئی ہدایت کی عمدا مخالفت کے مجرم تو نہیں ہوئے؟۔

یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ حضرت معاویہؓ کے مطالبہ کا ساتھ دینے والے ایک دو تین چار نہیں صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد حضرت معاویہؓ کے ساتھ کھڑی تھی اور وہ آپ کے موقف

کے حامی تھے۔ اور ہم پیچھے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یہ بات بتا آئے ہیں۔

پھر اس پر بھی غور کریں کہ وہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جو اس معاملے میں کسی کے ساتھ نہ تھے غیر جانبدار تھے یا وہ لوگ جو اب تک اس کشمکش میں تھے کہ کس کا ساتھ دیا جائے اور کس کا نہیں؟ ان کی بھی ایک بڑی تعداد مکہ مکرمہ مدینہ منورہ کوفہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں موجود تھی اور وہ تمام لوگ جو حضرت علیؓ کے بلانے اور حضرت عمارؓ کی حضرت علیؓ کے لشکر میں شرکت کو دیکھنے کے باوجود کیوں غیر جانب دار رہے؟ وہ آپ کے ساتھ نہیں گئے۔ کیا وہ سب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس واضح الفاظ میں دی گئی ہدایت پر عمل نہ کرنے کے قصوروار سمجھے جائیں گے؟ کیا سلمان ندوی ان تمام صحابہ کو بھی اصطلاحی اور اصلی میں تقسیم کرکے ان پر فرد جرم عائد کردیں گے؟ جنہوں نے اس قدر اہم معاملے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایت کا کوئی خیال نہیں کیا تھا۔ جب بقول جناب مودودی حق اور باطل کا فرق معلوم ہو گیا تھا (خلافت وملوکیت ص ۱۳۷) پھر بھی بے شمار صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ نے حق کا ساتھ نہ دیا اور وہ باطل کے ساتھ کھڑے رہے (العیاذ باللہ)

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں:

نصف الامة أقل أو أكثر لم يبايعوه بل كثير منهم قاتلوه وقاتلهم وكثير منهم لم يقاتلوه ولم يقاتلوا معه وفي هؤلاء من هو أفضل من الذين قاتلوه وقاتلوا معه وكان فيهم من فضلاء المسلمين من لم يكن مع علي مثلهم بل الذين تخلفوا عن القتال معه وله كانوا افضل ممن قاتله وقاتل معه (منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۰۵ ش)

کم وبیش آدھی امت مسلمہ نے آپ کی بیعت نہیں کی بلکہ وہ آپ کے خلاف نبرد آزما ہوئے اور بہت سے لوگوں نے نہ تو آپ کی مخالفت کی اور نہ ہی آپ کا ساتھ دیا (وہ غیر جانبدار رہے) اور ان میں ایسے اصحاب فضل بھی تھے کہ ان جیسے لوگ آپ کے ساتھ نہ تھے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جو لوگ لڑائی سے الگ رہے وہ ان لوگوں سے بہت افضل تھے جنہوں نے آپ سے جنگ کی اور

جنہوں نے آپ سے مل کر جنگ کی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ حضرت حسن بن علی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولهذا أحبه وأحب أسامة ودعا لهما فان كلاهما كان يكره القتال فى الفتنة فأما أسامة فلم يقاتل لا مع على ولا معاوية والحسن كان دائما يشير على على بترك القتال

(منہاج السنۃ ج۴ ص۴۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما سے محبت کا اظہار فرمایا اور ان دونوں کے لئے دعا فرمائی:

اللهم إنى أحبهما فاحبهما (سیر اعلام النبلاء ج۲ ص۴۹۷)

اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت کر

یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں حضرات جنگ و قتل کو پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے تو جنگ میں حصہ ہی نہیں لیا نہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ تو ہمیشہ اپنے والد محترم کو جنگ بند کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت اسامہؓ نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس واضح الفاظ میں دی گئی ہدایت کا کوئی خیال نہیں کیا کہ معاویہؓ کے مقابلہ میں علیؓ کا ساتھ دینا ان کے ساتھ رہنا؟ کیا یہ وہی الزام اور بہتان نہیں جو روافض لگاتے رہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کا کوئی لحاظ نہیں کیا تھا اور آپ کی (بقول سلمان ندوی) واضح ہدایات تک کی کوئی پروا نہیں کی۔ العیاذ باللہ پھر یہ معاملہ صرف ان حضرات صحابہ اور تابعین تک محدود نہیں خود حضرت علیؓ بھی اس واضح ہدایت پر عمل نہ کرنے کے بھی قصوروار ہو جائیں گے (معاذ اللہ) جب حضرت علیؓ کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح الفاظ میں دی گئی ہدایت کے مطابق میں حق پر ہوں اور حضرت عمارؓ نہ صرف یہ کہ میرے ساتھ ہیں بلکہ میری ہی حمایت کرنے پر ان کی شہادت بھی ہوئی ہے اور حضرت معاویہؓ کا باطل پر ہونا خوب واضح ہو چکا اور بقول سلمان ندوی جب حضرت علیؓ نے جنگ صفین بھی جیت لی اور ان کی فوجیں شام میں داخل ہونے لگیں (ازالہ ص۱۳) تو حضرت علیؓ

نے پھر جنگ بندی کس لئے قبول کی تھی؟ کیا حضرت معاویہؓ نے اپنی شکست کا اعلان کر دیا تھا؟ آپ اور آپ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا؟ پھر جب دونوں فریق کے درمیان ثالثی کی بات شروع ہوئی تو آپ نے یہ جاننے کے باوجود کہ دوسرا فریق غلط اور اس کا موقف باطل ہے آپ نے ثالثی کیوں قبول کی تھی؟ ہمیں جناب سلمان ندوی جیسے فاضل کو یہ بتلانے کی ضرورت تو نہیں کہ ثالثی کی ضرورت کیوں اور کس وقت پیش آتی ہے۔

غور کیجئے جب حضرت علیؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایت معلوم تھی اور حضرت عمارؓ کی شہادت نے اس کو اور زیادہ پختہ کر دیا تھا تو پھر آپ ثالثی پر کیوں رضامند ہوئے تھے؟ کیا حضرت علی مرتضیٰؓ نے بھی حضرت عمارؓ کی شہادت سے استدلال کر کے کبھی کہا کہ حضرت معاویہؓ کا موقف باطل ہے اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو حضرت معاویہؓ کے ساتھ کھڑے ہیں یا وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو غیر جانب دار ہیں کسی فریق کا ساتھ نہیں دیتے وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح الفاظ میں دی گئی ہدایت پر عمل نہیں کر رہے ہیں بلکہ الٹا میرا ساتھ نہ دے کر وہ باطل کا ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ (معاذ اللہ) حضرت علی مرتضیٰؓ کا اپنے ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ بیان کہیں ہماری نظر سے نہیں گذرا اگر کسی دوست کی نظر سے گزرا ہو تو اس کی نشاندہی فرمائیں۔ (جزاکم اللہ)

حضور کی تعلیمات صحابہ کے دینی اعمال میں جلوہ گر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات قدسیہ قولی ہوں یا فعلی یا تقریری، صحابہ کرام کی زبان سے آگے بیاں ہوں یا ان کے عمل سے یہ دونوں طریقے نعمت حدیث کو آگے پہچانے میں برابر کارفرما رہے ہیں۔ وہ کبھی نام لے کر کہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تمہیں کر کے دکھائیں؟ اور پھر صحابہ کا عمل سامنے آتا۔ کبھی وہ یوں کہتے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا کیا کرتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ صحابہ کے اپنے دینی اعمال ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نشان سمجھے جاتے تھے۔ اور یہ وہ کام تھے جن میں کسی اجتہاد کی گنجائش نہ ہوتی تھے اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی تعلیم ہے جو صحابہ کے اعمال میں جلوہ گر ہے۔

{افادات: مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ}

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ قصاص کا تھا یا حکومت شام کا؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ..... أَمَّا بَعْدُ!

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے بعد جب ملک شام کی طرف اپنے قدم بڑھائے (جناب مودودی کے الفاظ میں جب شام پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی (خلافت وملوکیت ص ۱۳۴) تو آپ نے حضرت جریر بن عبد اللہ البجلیؓ (۵۴ھ) کو حضرت معاویہؓ کے پاس ایک خط دے کر بھیجا کہ جنگ جمل کے بعد اب حالات میرے قابو میں آچکے ہیں مجھے فتح حاصل ہو گئی ہے اس لئے آپ میری بیعت کر لیں حضرت معاویہؓ نے خط پڑھ کر شام میں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر رؤسائے شام کو بلایا اور ان سے مشورہ طلب کیا ان حضرات نے حضرت جریر بن عبد اللہ البجلیؓ کی موجودگی میں حضرت علیؓ کی بیعت سے اس وقت تک انکار کر دیا جب تک حضرت علیؓ قاتلین عثمانؓ اور ان کے معاونین کو سزا نہیں دے دیتے اگر وہ کسی مجبوری کی بناء پر ایسا نہیں کر سکتے تو جو لوگ اس میں ملوث ہیں انہیں ان کے حوالہ کر دیں اگر حضرت علیؓ ان دونوں میں سے کسی پر عمل نہیں کرتے اور لڑائی کی جاتی ہے تو پھر وہ بھی اپنا دفاع کر لیں گے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فلما انتهى إليه جرير بن عبدالله أعطاه الكتاب فطلب معاوية عمرو بن العاص ورؤس أهل الشام فاستشارهم فأبوا أن يبايعوا حتى يقتلهم قتلة عثمان أو أن يسلم اليهم قتلة عثمان وإن لم يفعل قاتلوه ولم يبايعوه

(البدایہ ج۷ ص۲۵۳۔ تاریخ طبری ج۵ ص۲۳۵)

فقال أهل الشام باجمعهم بل نطلب بدمه فأجابوه إلى ذلك وبايعوه ووثقوا له ان يبذلوا فى ذلك انفسهم واموالهم أو يدركوا بثأره أو يفنى الله أرواحهم قبل ذلك (البدایہ ج۸ ص ۱۲۷)

علامہ جمال الدین عبد الرحمن بن علی جوزی رحمۃ اللہ علیہ (۵۹۷ھ) لکھتے ہیں:

فبعث اليه جرير بن عبدالله البجلى يدعوه الى الطاعة فأبى فحينئذ عزم على على الخروج الى صفين

(المنتظم فی تاریخ الملوک والامم ج۵ ص۹۷)

یہی بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ تک پہنچادی تھی، آپ نے کہا:

فادفع إلينا قتلة عثمان إن زعمت أنك لم تقتله... نقتلهم به

(طبری ج۴ ص۴)

اگر آپ کسی وجہ سے قاتلین عثمان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے تو آپ انہیں ہمارے حوالہ کردیں ہم ان سے قصاص لے لیں گے۔

تاہم حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ آپ کا یہ مطالبہ پورا نہ کرپائے۔

بعث معاوية أبا مسلم الخولانى إلى على باشياء يطلبها منه منها أن يدفع أليه قتلة عثمان فأبى على (سیر اعلام النبلاء ج۲ ص ۶۴۴)

شیعہ مؤرخ احمد بن داؤد دینوری (۲۸۲ھ) لکھتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو جواب دیتے ہوئے کہا:

انى ضربت أنف هذا الامر وعينه فلم أر ليستقيم دفعهم إليك ولا إلى غيرك (الاخبار الطوال ۱۶۳)

میں نے آپ کے مطالبہ پر خوب غور کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان لوگوں کو (یعنی قاتلین عثمان کو) نہ تم لوگوں کے حوالے کروں گا اور نہ کسی دوسرے کے حوالے کروں گا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاصد سے بھی یہ بات کہی تھی کہ اگر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو سزا دے دیتے ہیں تو وہ سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے ہوں گے:

أنا أوله من أبايعه من أهل الشام (البدایہ ج۷ ص۲۷۰)

جناب سلمان ندوی نے اس واقعہ کی صورت جس طرح بیان کی ہے پہلے اسے دیکھئے۔ موصوف لکھتے ہیں:

> جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ کے پاس بطور سفیر بھیجا ان کے علاوہ اور بار بار کبار صحابہ کو سمجھانے کے لئے بھیجا تو ان کا کہنا تھا کہ شام کی حکومت میرے حوالہ کر دیں تو میں جنگ بند کر دوں گا یہ سب بیانات مفتی صاحب آپ کے جمہور کے سرنام علماء طبری ابن کثیر اور ذہبی جیسے حضرات محدثین کے ہیں۔ (ازالہ ص۱۳)

آیئے جناب سلمان ندوی کے بیان کردہ بیان پر ایک نظر کریں۔

(۱) حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ جب شام کی طرف چڑھائی کے لئے چلے تو اس وقت شام کی حکومت کس کی پاس تھی؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس۔ جب خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے حکمران تھے اور اہل شام ان کی حکمرانی پر راضی اور مطمئن اور قصاص عثمان کے مسئلے پر ان کے ساتھ کھڑے تھے تو پھر انہیں حکمرانی مانگنے کی ضرورت کیا تھی؟ جناب سلمان ندوی کے الفاظ کہ شام کی حکومت میرے حوالہ کر دیں کا مطلب تو یہ ہے کہ اس وقت شام حضرت علیؓ کی حکمرانی میں تھا یا وہاں آپ کا کوئی گورنر مقرر تھا جس کو ہٹا کر آپ حکمراں بننا چاہتے تھے۔ جبکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔

(۲) جناب سلمان ندوی کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ حضرت معاویہؓ نے کہا میں جنگ بند کر دوں گا۔ جب اس وقت جنگ شروع ہی نہیں ہوئی تو جنگ بند کرنے کا کیا معنی؟ جنگ شروع ہو چکی ہو اور

معاملہ کسی نتیجہ تک نہ پہنچ رہا ہو تو پھر تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے لیکن جب جنگ شروع ہی نہ ہوئی تھی تو حضرت معاویہؓ کیسے کہہ سکتے تھے کہ حکومت میرے حوالہ کر دیں تو میں جنگ بند کر دوں گا۔ آپ یہ تو کہہ سکتے تھے کہ میں قصاص کا مطالبہ بند کر دوں گا۔ جنگ بندی تو اس وقت ہوتی ہے جب جنگ شروع ہو گئی ہو۔

(۳) جناب سلمان ندوی نے یہ بات جس طرح کہی ہے اس سے تو مفہوم ہوتا ہے کہ جنگ کی ابتداء حضرت معاویہؓ نے کی ہو جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جنگ کی ابتداء (اور شام پر چڑھائی کی تیاری) حضرت علیؓ کی جانب سے ہوئی تھی۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

لم يكن معاوية ممن يختار الحرب إبتداء بل كان من أشد الناس حرصا على أن لا يكون قتال (منہاج السنۃ ج۲ ص۲۲۰)

حضرت معاویہؓ جنگ کی ابتداء کرنے والے نہیں تھے بلکہ آپ تو اس بات کے بہت زیادہ حریص تھے کہ کسی طرح مسلمانوں میں جنگ نہ ہو

وعلى بدأ بالقتال أصحاب معاوية ولم يكونوا يقاتلونه ولكن امتنعوا من بيعته (ایضاً ج۴ ص۴۵۹)

حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے جنگ کی ابتداء کی جبکہ وہ لوگ جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے ہاں وہ آپ کی بیعت نہیں کر رہے تھے اگر ان لوگوں سے جنگ کرنا جائز ہے جو کسی ایسے امیر کی بیعت نہ کرنا چاہتے ہوں جن کی بیعت آدھے مسلمان یا اس سے کم یا زیادہ لوگ کر چکے ہوں تو پھر ایسے لوگوں سے جنگ کرنا زیادہ اہم ہے جو ایسے امام (حضرت عثمانؓ) سے جنگ کریں اور انہیں شہید کر دیں جس کی بیعت پر تمام مسلمانوں کا اجتماع ہو چکا ہو (ایضاً۔ ج۱ ص۵۲۱)

اشتر نخعی کا اعتراف دیکھیں اس نے کہا کہ چونکہ ہم اس لڑائی میں پہل کے ذمہ دار ہیں اسی لئے لوگ ہمارے مخالفین کی مدد کرتے ہیں:

قال الاشتر النخعي انهم ينصرون علينا لانا نحن بدأناهم بالقتال (منہاج ج۴ ص۳۸۳)

حضرت علی مرتضیٰؓ جس مقصد کے لئے صفین آئے تھے کہ حضرت معاویہؓ اور اہل شام کو بالآخر اپنی بیعت پر مجبور کر دیں گے۔ آپ اس میں حق بجانب بھی تھے مگر آپ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور معاملہ تحکیم کے حوالہ ہو گیا اور پھر اس کا کبھی حل ہی نہ نکلا اس لئے اشتر نخعی کا یہ کہنا کہ جو لوگ قصاص عثمان کا مطالبہ لے کر اٹھے ہیں ہم انہیں کبھی ہرا نہیں سکیں گے ان کی نصرت کی جائے گی لوگ ان کا ساتھ دیں گے درست ثابت ہوا تھا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اس بات کا یقین تھا کہ حضرت معاویہؓ کبھی شکست سے دوچار نہیں ہوں گے۔

جب حضرت علی مرتضیٰؓ کی طرف سے بھیجے گئے ایک وفد نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ وہ حضرت علی کی بیعت کر لیں تو انہوں نے کہا کہ میں حضرت علیؓ سے اس شرط پر بیعت کے لئے تیار ہوں کہ وہ خود قاتلوں کو سزا دے دیں یا پھر انہیں میرے حوالہ کر دیں۔ حضرت معاویہؓ نے دلیل کے طور پر یہ آیت تلاوت کی:

ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل انه کان منصورا (پ۱۵ بنی اسرائیل ۳۳)

اور جو شخص ظلما مار دیا جائے تو ہم نے بنا رکھا ہے اس کے والی وارث کے لئے مضبوط حق۔ پھر وہ وارث (بدلہ لیتے وقت) مارنے میں زیادتی نہ کریں (تو) بلاشک وہی مدد یافتہ غالب اور کامیاب رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے اسی وقت یقین ہو گیا تھا کہ اگر عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص نہ لیا گیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ ضرور غالب ہوں گے (البدایہ ج۸ ص۲۱۔ برات عثمان ص۳۸)

(۴) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی البدایہ میں حضرت معاویہؓ سے منسوب یہ بات منقول ہے اگر یہ بات درست ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ بڑے عالی دماغ اور اونچے درجہ کے مدبر تھے۔ غور کیجئے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی صفوں میں ان لوگوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی جن کے

ہاتھوں اور سازشوں سے حضرت عثمانؓ کا خون ہوا تھا۔ یہی وہ لوگ تھے جن کی فتنہ پردازی اور سازشوں سے جنگ جمل برپا کی گئی اور پھر جنگ صفین میں بھی اسی ٹولے کے ہاتھوں حضرت عمار بن یاسرؓ۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ شہید ہوئے تھے یہی وہ لوگ تھے جو چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے درمیان جنگ چلتی رہے۔ یہی وہ لوگ تھے جو مسلمانوں کے مابین تفرقہ کی آگ بھڑکا کر تماشا دیکھتے تھے انہی لوگوں کی سازشوں سے مسلمانوں کی بڑی تعداد اس جنگ میں کام آگئی۔ اس صورت حال میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا اس لئے نہ تھا کہ انہیں حکمرانی عزیز تھی وہ تو پہلے ہی اس پورے علاقے کے حکمراں تھے بلکہ اس سے مقصود مسلمانوں کی وحدت کو قائم رکھنا اور خانہ جنگی کی آگ کو مزید پھیلنے سے روکنا تھا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے بھی حضرت علی مرتضیٰؓ کو یہ مشورہ دیا تھا۔ اگر حضرت علی مرتضیٰؓ اس بات کو تسلیم کر لیتے تو نتیجۃ جنگ کی یہ آگ بجھ جاتی اور آگ بھڑکانے والے یہ سازشی اور فتنہ وراپنے عزائم میں ناکام ہو جاتے۔ آپ کی یہ بات حضرت علی مرتضیٰؓ نے ھذہ خدیعۃ کہہ کر رد کر دی اس کے بعد صفین میں جو کچھ ہوا ہے وہ سب کے سامنے ہے اور اس سے ہر مسلمان کا دل اب تک غمزدہ ہے۔ وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔

ہم نے یہ بات اس صورت میں کہی ہے اگر حضرت معاویہؓ نے واقعی اس بات کا مطالبہ کیا ہو۔ جبکہ انہی کتابوں میں یہ بات بھی موجود ہے کہ جب حضرت علی مرتضیٰؓ کے نمائندہ حضرت جریر بن عبداللہؓ نے ان سے کہا کہ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اسے لکھ دیجئے میں اسے حضرت علیؓ کو پہنچادوں گا تو آپ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے نام جو خط لکھا اس میں اس مطالبہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اس لئے اس شبہ کو تقویت ملتی ہے کہ آپ سے منسوب یہ مطالبہ درست نہ ہو۔ آپ نے خط میں لکھا:

وقد أبى أهل الشام إلا قتالك حتى تدفع اليهم قتلة عثمان فان فعلت كانت شورى بين المسلمين ولعمرى ليس حجتك على كحجتك على وطلحة والزبير لانهما بايعاك ولم أبايعك وما

حجتک اهل الشام کحجتک علی أهل البصرة لان أهل البصرة أطاعوك ولم یطعك أهل الشام وأما شرفك فی الاسلام وقرابتك من النبی ﷺ وموضعك من قریش فلست ادفعه

(شرح نہج البلاغۃ ج ۱۲ ص ۱۲۸۔ لابن ابی الحدید شیعی)

آپ نے ہم سے بیعت کا جو مطالبہ کیا ہے اہل شام اس کو قبول نہیں کر سکتے جب تک آپ قاتلین عثمان کو (سزا نہیں دیتے بصورت دیگر) ان کے حوالہ نہیں کرتے اہل شام اس وقت تک بر سر پیکار رہیں گے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو پھر (یہ معاملہ) مسلمانوں کے شوری کے سپرد ہو گا اور بخدا مجھ پر آپ کی حجت اس طرح کی نہیں جیسی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ پر ہے کہ وہ دونوں آپ کی بیعت کر چکے ہیں اور میں نے آپ کی بیعت ابھی تک نہیں کی ہے پھر جس طرح عراق والوں پر آپ کی حجت ہے شام والوں پر نہیں ہے کیونکہ اہل عراق نے بذریعہ بیعت آپ کی اطاعت کر لی ہے جبکہ اہل شام نے آپ کی اطاعت لازم نہیں کی کیونکہ انہوں نے آپ کی بیعت نہیں کی ہاں یہ بات اپنی جگہ سچ ہے کہ اسلام میں آپ کا جو مقام و مرتبہ ہے اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ آپ کی جو قرابت داری ہے اور قریش میں آپ کا جو مقام ہے تو میں اس کا انکار نہیں کرتا۔۔۔۔۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر واقعی حضرت معاویہؓ کا مطالبہ شام اور مصر کی امارت کا تھا اور اس پر وہ قصاص کے مطالبہ سے پیچھے ہٹنے کے لئے تیار تھے تو آپ اپنے اس خط ضرور اس کا ذکر کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طرف منسوب یہ بیان درست نہیں اور اگر یہ بات درست ہو تو اس سے آپ کا مقصود حکمرانی کی طلب نہیں مسلمانوں کی وحدت کو قائم رکھنا آپس میں خانہ جنگی سے بچنا اور سازشی ٹولے کے عزائم کو ناکام بنانا تھا۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین معاہدہ تحکیم کا معاملہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ..... أَمَّا بَعْدُ!

تحکیم کا معنی اپنی طرف سے کسی کو حکم بنانا ہے اور یہ راہ قرآن کریم کی سورہ نساء آیت نمبر ۳۵ میں بتلائی گئی ہے کہ جب خاوند اور بیوی میں کوئی تناؤ پیدا ہو جائے تو دونوں فریق اپنا اپنا کوئی حکم مقرر کریں اور وہ حکم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔

صفین میں جب فریقین کے مابین جنگ کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا اور معاملہ تحکیم پر آیا تو حضرت معاویہؓ نے اپنی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا حکم بنایا۔ اس سے قبل پیدا ہونے والی صورت کے سلسلے میں جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

> جنگ جمل جیتنے کے بعد جب خلیفہ راشد نے جنگ صفین بھی جیت لی اور آپ کی فوجیں شام میں داخل ہونے لگیں تو نیزوں پر قرآن کس نے بلند کیا تھا اور کیوں کیا تھا؟ (ازالہ ص ۱۳)

جناب موصوف کے نزدیک نیزوں پر قرآن اٹھانے کا واقعہ حضرت علیؓ کے جنگ جیتنے کے بعد پیش آیا تھا۔ مگر یہی بات جناب مودودی اس طرح بتاتے ہیں:

> حضرت معاویہ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی اس وقت حضرت عمروؓ نے حضرت معاویہ کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھائے۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۳۹)

پھر حضرت علی مرتضیٰؓ کے جنگ جیتنے کی بات بھی خوب رہی اگر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جنگ صفین جیت ہی چکے تھے تو پھر آپ کو کیا ضرورت پیش آئی کہ آپ تحکیم پر رضامند ہو گئے۔ خدا جانے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کس نے مشورہ دیا کہ وہ جیتی ہوئی جنگ کو پھر سے متنازع بنا دیں اور

اپنی ساری محنتوں پر تحکیم قبول کر کے پانی پھیر دیں۔

شیعہ کے مشہور مجتہد قاضی نور اللہ شوستری اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ جنگ صفین میں فتح یاب نہ ہوئے تھے۔ موصوف لکھتے ہیں:

گر در صفین ظفر نیافت او در حنین فتح نیافت (مجالس المؤمنین ص ۲۰۴)

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صفین میں فتح نہ پائی تو (کیا ہوا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو حنین میں فتح یاب نہ ہو سکے تھے۔

جناب سلمان ندوی کے اس بیان کو خود شیعہ مجتہد نے مسترد کر دیا۔ اب وہ خود فیصلہ کر لیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں یا شیعہ مجتہد کی بات درست ہے؟

(۲) جناب سلمان ندوی پوچھتے ہیں کہ قرآن کس نے بلند کیا اور کیوں کیا تھا؟

جواب... امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو وائل کی روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم صفین میں تھے جب لڑائی نے خوب زور پکڑا اور اہل شام شکست کے قریب پہنچ گئے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

أرسل إلى علي بمصحف فادعه الى كتاب الله فانه لن يابى عليك فجاء به رجل ... فقال على نعم انا أولى بذلك بيننا وبينكم كتاب الله (مسند احمد ۲۵ ص ۳۴۸۔ البدایہ ج ۷ ص ۲۷۲)

آپ حضرت علیؓ کے پاس قرآن بھیج کر انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایئے وہ یقینا آپ کی دعوت کو رد نہیں کریں گے چنانچہ ایک شخص نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا ہمارے اور آپ کے درمیان کتاب اللہ (بطور حکم) ہے... حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں ہم اس کے زیادہ قریب ہیں ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب حکم ہے۔

اس وقت حضرت علیؓ کے آس پاس وہ فسادی اور سبائی لوگ بھی موجود تھے انہوں نے کہا:

يا امير المؤمنين ما ننتظر بهؤلاء القوم الذين على التل الا نمشى اليهم بسيوفنا حتى يحكم الله بيننا وبينهم (ایضا)

اے امیر المؤمنین اس شکست کے قریب پہنچی ہوئی قوم کے بارے میں انتظار کیسا؟ کیا ہم ان پر تلوار نہ چلائیں یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔

(۳) جناب سلمان ندوی کا دوسرا سوال... کیوں کیا تھا؟

جواب... مسلمانوں کی باہمی خون ریزی کا سلسلہ ختم کرنے اور امت کی اجتماعیت کو مزید کمزور ہونے سے بچانے کے لئے۔ حضرت الاستاد علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ:

حضرت معاویہؓ نے جنگ صفین کے آخر میں جو قرآن اٹھا کر تحکیم کی تجویز پیش کی تو یہ کوئی بدعت کی راہ نہ تھی جس پر حضرت معاویہؓ کو ملامت کیا جائے یہ باہمی صلح کے لئے ایک قرآنی پیشکش تھی۔

مگر افسوس کہ شیعہ علماء (کھلے طور پر) اور جناب مودودی (اور جناب سلمان ندوی دبے لفظوں میں) اس کو حضرت علیؓ کے خلاف حضرت عمروؓ کی سازش قرار دیتے ہیں کہ اس سے ان کا مقصد حضرت علیؓ کی فوج میں اختلاف پیدا کر دینا تھا یہ لوگ اپنے استدلال میں جن تاریخی کتابوں سے یہ بات نقل کرتے ہیں یہ اس کے راوی کا نام کبھی نہیں بتاتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ بات کہنے والا جلا بھنا کٹر رافضی ابو مخنف لوط بن یحی اور بات گھڑنے والا مؤرخ واقدی ہے۔ اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ صحابہ کرام کے بارے میں بدگمانی پیدا کرنے میں ابو مخنف لوط بن یحی (۱۵۷) اور ہشام بن محمد کلبی کا کردار کس قدر گھناؤنا رہا ہے۔

امام ابن عدی نے ابو مخنف لوط بن یحی کے بارے میں شیعی محترق اور امام ذہبی نے الکذابون المعروفون بالکذب مثل ابی مخنف (المنتقی) من الکذابین الذین شهد الائمة بکذبهم وسقوط اخبارهم (منہاج ج۳ ص۱۹) کے الفاظ لکھے ہیں جس سے اس کے مذہبی مزاج اور عقائد کا بآسانی پتہ چل جاتا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ واقدی کے بارے میں لکھتے ہیں:

صاحبو! اول تو واقدی اہل سنت کے نزدیک مؤرخ معتبر نہیں مجمع البحار کے

آخر میں دیکھ لیجئے واقدی کے بارے میں کیا لکھا ہے۔

(اجوبہ اربعین ص ۳۶۳)

جو لوگ اس روایت سے... کیوں کیا تھا؟ کہہ کر صحابی رسول حضرت عمرو بن العاصؓ پر انگلی اٹھاتے ہیں انہیں کم از کم اس پر تو غور کرنا چاہئے کہ جب حضرت علیؓ کے سامنے قرآن رکھا گیا تو پھر آپ نے اس کی حمایت کیوں کی تھی؟ آپ نے یہ کیوں کہا کہ میں اسے قبول کرنے کا معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حقدار ہوں؟ (تیسر القاری شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۵۷۰ بحوالہ مسند احمد ونسائی) آپ نے کیوں فرمایا کہ ہاں مجھے منظور ہے؟ فقال علی نعم... (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۷۷) کیا حضرت علی مرتضیٰؓ اتنی سادہ اور آسان بات بھی نہ سمجھ سکے جو رافضی ابو مخنف جناب مودودی اور اس قبیل کے لوگ سمجھ گئے تھے کہ قرآن کا بھیجنا ایک سازش کے تحت تھا۔ اور آپ اور آپ کے ساتھی کمانڈر اس سازش کا شکار ہوگئے اور جنگ جیتنے کے باوجود آپ تحکیم پر راضی ہوگئے۔ فقال الناس قد رضینا وقبلنا (طبری ج ۴ ص ۳۶) حضرت علیؓ کے ساتھی فوجیوں اور لوگوں نے کہا کہ ہم اس پر خوش ہیں اور یہ بات ہمیں قبول ہے۔ ہاں چند ایک اشتر نخعی کے ساتھ تھے جن کا کہنا تھا کہ جنگ جاری رہے مگر دوسروں نے اس کی بات نہ مانی اور لوگوں نے اس پر لعن طعن بھی کیا تھا۔ (ایضاً البدایہ ج ۷ ص ۲۷۴)

سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ کو علم و فہم اور عقل و خرد سے اتنا عاری تو شاید خوارج بھی نہ بتاتے ہوں گے جتنا رافضی بتاتے ہیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جناب سلمان ندوی نے... کیوں کیا تھا؟ کا سوال کر کے نہ صرف حضرت عمرو بن العاصؓ کی نیت اور ان کے کردار پر طعن کیا بلکہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں بھی یہ تاثر دیا کہ آپ اور آپ کے تمام ساتھی اتنی سادہ بات نہ سمجھ سکے اور تحکیم پر راضی ہو کر جیتی ہوئی بازی ہاتھ سے نکال بیٹھے۔ جبکہ اشتر نخعی آپ سے زیادہ سمجھ دار تھا کہ اس نے آپ کو اس سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

(نوٹ) اگر اس قسم کے مشکل حالات میں فیصلہ کرانے کے لئے لوگوں کو قرآن کی طرف بلانا اور اس کی دعوت دینا جرم عظیم اور گناہ کبیرہ ہے تو پھر جنگ جمل میں حضرت علی مرتضیٰؓ نے کس

لئے اس جرم عظیم اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا تھا؟

عمار بن معاویہ الدہنی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے روز اپنے ہاتھ میں قرآن اٹھایا اور پورے لشکر کا چکر لگایا اور فرمایا کون ہے جو اس قرآن کو اٹھا کر مخالفین کو اسے قبول کرنے کی دعوت دے...الخ (طبری ج۳ ح۲ ص۵۲۸ اردو ترجمہ)

اب کس میں جرات ہے کہ وہ سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی بدگمانی پیدا کرائے جو بدگمانی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں پیدا کرائی جاتی ہے۔ جو لوگ اس قسم کی باتوں کو اچھے محامل پر رکھتے ہیں ان کو قرآن نے ہدایت یافتہ اور عقل مند بتلایا ہے۔ اس سے آپ سمجھ لیں کہ جو باتوں کو بگاڑتے ہیں اور اسلام کی صف اول کے لوگوں کے بارے میں عام مسلمانوں میں بدگمانی پیدا کرنے میں لگے رہتے ہیں کیا وہ مفسد فتنہ پرور اور عقل و خرد سے عاری نہیں ہیں؟

جب جنگ صفین معاہدہ تحکیم کے نتیجہ میں ختم ہوئی اور دونوں فریق نے اپنے اپنے نمائندے مقرر کر دئے اور اس کے لئے ایک وقت بھی مقرر ہو گیا مگر اس کا کوئی فیصلہ کن نتیجہ سامنے نہ آسکا۔ قدیم مؤرخ خلیفہ ابن خیاط (۲۴۰ھ) کہتے ہیں کہ دونوں طرف کے حضرات چونکہ کسی ایک بات پر اتفاق نہ کر سکے اس لئے صلح کی بات آگے نہ بڑھی:

فلم یتفق الحکمان علی شیء وافترق الناس

(تاریخ خلیفہ بن خیاط ج۱ ص۱۷۴)

اس پر جناب سلمان ندوی کا تبصرہ دیکھیں:

طے شدہ بات سے کون مکر گیا تھا کس کو ابو موسیٰ نے جھوٹا اور دھوکہ باز کہا ۔(ازالہ ص۱۳)

جناب سلمان ندوی جب اتنے ہی کھل کر سامنے آچکے ہیں تو پھر انہیں اور زیادہ کھل کر یہ بھی بتادینا چاہئے تھا کہ وہ کون تھا جس نے بقول ان کے حضرت ابو موسیٰؓ کو جھوٹا کہا تھا؟ موصوف جن راویوں کی زبانی یہ بے ہودہ بات نقل کر رہے ہیں انہیں کم از کم اتنا تو بتادینا چاہئے کہ اس بات کا

راوی کون ہے ؟ افسوس کہ موصوف نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر انگلی اٹھانے اور ان کے بارے میں برا تاثر قائم کرنے سے پہلے ان روایات کی چھان پھٹک کیوں نہ کی ؟ اور اگر انہوں نے حقیقت جاننے کے باوجود محض حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے کردار کو بدنام کرنے کے لئے ایسا کیا ہے تو ہم اسے حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ کو بدنام کرنے کی بھونڈی کوشش کے سوا اور کیا کہیں۔

جن بعض مؤرخین نے دونوں فریق کے درمیان جو نازیبا اور سخت جملوں کا تبادلہ لکھا ہے قاضی ابو بکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۳ھ) اس بات کا انکار کرتے ہیں اور اسے کذب صریح بتاتے ہیں:

هذا كله كذب صراح ما جرى منه حرف قط وإنما هو شيء اخترعته المبتدعة ووضعته التاريخية للملوك

(العواصم ص۱۳۹)

یہ سب کا سب صراحتاً جھوٹ ہے اس میں ایک لفظ بھی کبھی نہیں بولا گیا بلکہ یہ ایک ایسی خبر ہے جس کو بتلانے والے بدعتی (یعنی روافض اور اسلام دشمن) قسم کے لوگ ہیں اور بادشاہوں کی تاریخ لکھنے والوں نے اس قسم کی باتیں گھڑے ہیں بلکہ اللہ تعالی کی نافرمانی کرنے والے اور بدعات وخرافات میں مبتلا رہنے والے لوگوں نے ایک دوسرے کو بتلایا ہے۔

حضرت امام ابن عربی اس سے قبل یہ بھی لکھ آئے ہیں

تحکیم کے بارے میں لوگوں نے خود ہی ایسی باتوں اور راہوں کو اختیار کیا ہے جسے اللہ تعالی پسند نہیں فرماتے۔ اور جب تم دیانت داری چھوڑ کر اس قسم کی باتوں کو پڑھو گے تو دیکھو گے کہ ان کتابوں کے اندر یہ واقعات جس طرح بیان کئے گئے ہیں نہایت غیر معقول ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لکھنے والوں میں اکثر بے دین اور جاہل قسم کے لوگ ہیں (دیکھئے ص ۱۳۶)

حضرت امام ابن عربی نے ثقہ روایات کی روشنی میں اتنی ہی بات کو درست قرار دیا کہ پھر یہ معاملہ

مجلس شوری کے فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا۔ حضرت ابو موسی اشعری نے حضرت عمرؓ سے کہا:

أری انہ فی النفر الذین توفی رسول اللہ ﷺ وھو عنھم راض

(العواصم من القواصم ص ۱۴۰۔ تاریخ کبیر ج ۵ ص ۳۹۸ للامام البخاری)

میری رائے ہے کہ یہ معاملہ اس جماعت کے سامنے رکھا جائے جن سے رسول اللہ ﷺ اپنے آخر وقت تک خوش تھے (ایضاص ۱۷۸)

پاکستان کے معروف محقق عالم حضرت مولانا محمد نافع صاحب نور اللہ مرقدہ نے معاہدہ تحکیم کی تفصیل لکھنے کے بعد ان مکروہ لفظوں کو بھی جانچا اور پرکھا ہے جو جناب سلمان ندوی نے نقل کیا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

یہ سب بیان کرنے والوں کی اپنی قبیح تعبیریں ہیں جو ان اکابر صحابہ کرام کی شان میں تنقیص کا موجب بنتی ہیں اور تحقیر کا تاثر دیتی ہیں سو یہ روایات کسی صورت میں صحیح نہیں ہیں۔ اس مقام پر پہلے ہم حضرت ابو موسی اشعریؓ اور جناب عمرو بن العاصؓ کے باہم مکالمہ کی روایات پر نقد اور تجزیہ پیش کرتے ہیں جن کی بناء پر لوگوں نے ان ہر دو صحابہ کرام کو مورد الزام ٹھہرایا گیا اور ان کی تحقیر و تنقیص کے درپے ہوئے ہیں۔

اس سلسلے میں عموماً طبری کی روایات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے جن کے رواۃ پر اہل فن نے جرح اور تنقید ذکر کی ہے۔ طبری کی ان روایات کا بنیادی راوی ابو مخنف لوط بن یحی ہے یہ شخص علماء رجال کے نزدیک سخت قسم کا شیعہ اور رافضی ہے کچھ قابل اعتماد آدمی نہیں اخباری آدمی ہے چنانچہ حافظ الذہبی اور ابن حجر لکھتے ہیں... (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۲۰۔ لسان المیزان ج ۴ ص ۴۹۲)

مطلب یہ ہے کہ ابو مخنف ناقابل اعتماد ہے متروک ہے بے کار ہے صحابہ کے نام پر جلنے والا شیعہ ہے روایتیں چلانے والا اخباری اور قصہ گو آدمی ہے اور قصہ گو لوگوں کے بیانات قابل تسلیم نہیں ہوتے۔

(۲) طبری کی ان روایات کا دوسرا راوی ابو جناب کلبی یحی بن ابی حیۃ ہے یہ شخص اہل فن کے نزدیک مندرجہ ذیل جرح و نقد کے ساتھ مجروح و مقدوح ہے...

کتاب المجروحین لابن حبان ج۳ ص ۷۲۔ الکامل لابن عدی ج۷ ص ۲۶۷۰۔ میزان الاعتدال ج۴ ص ۳۷۱) مطلب یہ ہے کہ یہ شخص مدلس تھا ضعیف لوگوں سے جو کچھ سنتا اس کو ثقات کی طرف منسوب کر کے نقل کر دیتا تھا اس طرح اس نے مشاہیر لوگوں سے منکر روایات نقل کی ہیں علماء فن کے نزدیک یہ شخص ضعیف ہے بلکہ کسی درجہ میں نہیں اور اس کو متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ یہ شخص شیعان کوفہ میں سے تھا اور یحی قطان اس کے متعلق فیصلہ دیتے ہیں کہ میں اس شخص سے روایت نقل کرنا حلال نہیں سمجھتا۔ مختصر یہ کہ اس مقام کی روایات کے مرکزی روات مندرجہ بالا جرح کے ساتھ مجروح اور مقدوح ہیں اور اہل فن کے نزدیک نہایت غیر معتمد اور نا قابل اعتبار ہیں۔ پس ان روایات کی روشنی میں مذکور اکابر صحابہ کرام کے خلاف جو تنقیص و تحقیر کی جاتی ہے وہ سراسر افتراء اور دروغ گوئی ہے اس قسم کے تاریخی اور اخباری ملغوبات کی بناء پر اکابر صحابہ کے مقام و مرتبہ کو داغدار نہیں کیا جاسکتا۔

(سیرت سیدنا علی المرتضی ص ۳۲۶)

یہ صرف رافضی ابومخنف کی بنائی کہانی نہیں اس قسم کی روایتوں میں ابوجناب الکلبی کی ذات شریف بھی موجود ہے پھر اس روایت میں صرف جھوٹا اور دھوکہ باز کے الفاظ ہی نہیں اس سے کہیں زیادہ سخت اور بے ہودہ الفاظ بھی ان دونوں صحابہ کی زبانی کہلوائے گئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے یہ روایت گھڑی ہے اور اپنے گندے الفاظ جلیل القدر صحابہ کے منہ میں ڈالے ہیں اس کا مقصد عام مسلمانوں کے دلوں سے صحابہ کرام کی عظمت و فضیلت نکالنا اور ان کے اخلاق و کردار کو ہر صورت داغدار دکھانا ہے۔ صحابہ کرام کو مطعون اور مجروح بتانے کے لئے ان سے جھوٹی باتیں اور جھوٹے واقعات منسوب کرنے میں تو رافضی علماء ہر اخلاقی حدود سے باہر نکل چکے ہیں مگر ایک دینی مدرسہ کا استاد اور بقول خود ۳۵ سالوں سے حدیث نبوی پڑھانے والا بھی ان کے نقش قدم پر اس تیزی کے ساتھ چلے گا اور اس کے اپنے شبابوں کی مجلس نشریات اس کا پرچار کرنے میں خوشی محسوس کرے گی اس پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جاسکتا

ہے۔

جناب سلمان ندوی جن روایتوں کے سہارے ان بزرگوں کو نشانہ بنا رہے ہیں انہیں کم از کم یہ تو سوچ لینا چاہئے کہ اس قسم کی روایتوں سے حضرت علی مرتضیٰؓ کی ذات گرامی بھی نشانے پر آجاتی ہے اور اس باب میں جو کچھ نقل کیا جاتا ہے اس کو پڑھ کر کوئی مسلمان ہرگز یہ بات نہیں تسلیم کر سکتا کہ حضرت علی مرتضی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اخلاقی اعتبار سے اس گراوٹ تک جا چکے ہوں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو اپنی نمازوں میں بد دعائیں دینے تک سے گریز نہ کریں۔ تاریخ طبری (ج۶ ص ۳۴۰ھ) کامل ابن اثیر (ج۳ ص ۳۳۳) البدایہ (ج۷ ص ۲۸۴) کے علاوہ شیعہ کی کئی کتابوں میں یہ واقعات موجود ہیں۔ اس قسم کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان کے مشہور غیر مقلد عالم مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب لکھتے ہیں:

> یہ ہے فیصلہ تحکیم کی وہ پوری روایت جس کو بنیاد بنا کر حضرت عمرو بن العاصؓ کو پیکر مکر و فریب ثابت کیا جاتا ہے لیکن اس روایت سے صرف عمرو بن العاصؓ کا مکر و فریب ہی تو ثابت نہیں ہوتا اس سے تو صحابیت کی بنیاد ہی منہدم ہو کر رہ جاتی ہے اس روایت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ سمیت تمام صحابہ کرام کی زبان شرافت سے ان کا کردار رفعت سے اور ان کا اخلاق شرعی حدود سے یکسر نا آشنا تھا۔
>
> اللہ تعالی نے اور اس کے برگزیدہ رسول نے ان کی تعریف اور مدح کر کے محض ایک شاعری کی تھی جس کی بنیاد حقائق ہی نہیں محض شاعرانہ تخیل پر تھی اس لئے مولانا (مودودی) نے فیصلے کی جو روایت کی نقل ہے {اور جناب سلمان ندوی نے جس سے حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ پر جرح کی ہے۔ (اقبال} وہ اسنادی حیثیت سے تو ہے ہی محل نظر لیکن درایت کے لحاظ سے بھی یکسر نا قابل یقین ہے۔ (خلافت و ملوکیت کی تاریخی حیثیت ص ۳۸۲)

اب یہ جناب سلمان ندوی پر منحصر ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو سامنے رکھ کر اپنی غلط فہمیاں دور کریں یا پھر ابو مخنف لوط بن یحی اور اس قبیل کے قماش لوگوں کی اس قسم کی

باتوں پر اعتماد کر کے صحابہ کرام پر بد گمانی کی وہ راہ کھولیں جس سے ان پڑھ مسلمان نوجوانوں کے دماغ ہی نہیں زبان بھی بگڑے اور پھر ان کا ایمان بھی خطرے میں پڑ جائے۔

(۳) جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

> اور بے انتہا شرمندگی سے پھر ابو موسی حضرت علی کے سامنے نہیں آسکے اور مکہ مکرمہ چلے گئے تھے۔ (ازالہ ص ۱۳)

جناب سلمان ندوی صاحب نے بے انتہا شرمندگی کا لفظ جس بے شرمندگی سے بولا ہے وہ لائق مذمت ہے اس روایت کا ماخذ طبری ہے اور اس کا روای یہی ابو مخنف رافضی۔ اس میں بھی اس بے انتہا شرمندگی کا لفظ کہیں موجود نہیں صرف اتنا لکھا ہے فرکب راحلة ولحق بمكة (طبری ج ۴ ص ۵۲) حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور مکہ پہنچ گئے۔

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونچے درجہ کے صحابہ کرام میں سے ہیں اللہ تعالی نے آپ کو لحن داؤد عطا کیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم بھی بنایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب انہیں دیکھتے تو فرماتے کہ آؤ ہمیں رب تعالی کی یاد کراؤ (الاصابہ ج ۳ ص ۳۳۳) آپ ان چار لوگوں میں سے ایک ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فتوی دیا کرتے تھے آپ کا فقہ میں بھی بڑا اونچا مقام تھا اہل بصرہ نے آپ سے ہی علم فقہ حاصل کیا تھا

اس قدر عظیم علمی اور فقہی شخصیت کے بارے میں جناب سلمان ندوی نے جو غلط تاثر دینے کی کوشش کی ہے وہ لائق صد افسوس ہے۔ آپ شرمندہ تو اس وقت ہوتے جب ان کے ذمہ لگایا کام انہوں نے پورا نہ کیا ہوتا جبکہ حکمین نے مفوضہ فرائض کو اچھی طرح ادا کرنے میں کوئی کمی کوتاہی نہ کی تھی یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ جنگ صفین کے بعد کوئی اور جنگ نہ ہوئی۔ یہ حضرات اگر اتنے ہی جانبدار اور ایک دوسرے کو دھوکہ باز اور جھوٹا کہہ کر نکل گئے ہوتے تو آپ ہی سوچیں کہ کیا پھر سے جنگ نہ چھڑ جاتی۔

طبری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حکمین کے ذمہ جو کام لگایا گیا تھا اس میں سے ایک یہ بھی

تھا کہ مسلمان آپس میں پھر نہ لڑیں گے۔ **ولا یرادها فی حرب ولا فرقة** (طبری ج۴ ص ۳۸) تاریخ شاہد ہے کہ پھر ایسا ہی ہوا اور آپس میں قتل وقتال اور خونریزی کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے رک گیا تھا۔ یہ ان حضرات کی کوششوں کا ہی نتیجہ تھا۔ عرب کے شاعر ذوالرمہ نے حضرت ابوموسیٰؓ کے پوتے حضرت بلال بن ابی بردہ کو مخاطب کرکے ان کے دادا کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا تھا۔

ابوک تلا فی الدین والناس بعد ما تشاء وا وبیت الدین منقطع الکسر
فشد إصار الدین ایام أذرح ورد حروبا قد لقحن الی عقر

(حاشیہ العواصم من القواصم ص ۱۳۹)

آپ کے باپ (یعنی دادا) نے انتشار اور پراگندگی کے بعد امت کو پھر سے مجتمع کر دیا اور دین کا گھر منہدم ہونے کے بعد اسے پھر جوڑ دیا انہوں نے اذرح (یعنی مقام تحکیم) کے دنوں میں دین کو مضبوط و محکم بنادیا اور ان جنگوں کو ختم کر دیا جو بالیقین بھڑک کر مسلمانوں کی نسل کشی کا باعث بن رہی تھی۔ (عادلانہ دفاع ص ۴۳۱)

(۲) حضرت ابوموسیٰؓ مکہ مکرمہ گئے یا کوفہ ؟ ان کی وفات مکہ میں ہوئی یا کوفہ میں ؟ اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے ابن سعد (۲۳۰ھ) کا بیان ہے کہ آپ کوفہ چلے آئے اور انہوں نے یہیں اپنا مکان بنایا اور آپ کی اولاد کا مسکن بھی کوفہ ہی رہا آپ کا انتقال ۴۲ ہجری میں کوفہ ہی میں ہوا تھا:

ثم قدم علیّ علی الکوفة فلم یزل أبو موسی معه وهو أحد الحکمین ومات بالکوفة سنة اثنتین وأربعین (طبقات کبری ج۶ ص ۹۵)

علامہ عزالدین ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ (۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

مات أبوموسی بالکوفة (اسد الغابۃ ج۳ ص ۶۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۲ھ) نے تہذیب التہذیب اور الاصابہ میں اور علامہ یوسف بن

عبد الرحمن المزی (۷۴۲ھ) نے تہذیب الکمال فی اسماء الرجال میں بھی دونوں قول نقل کئے ہیں اس لئے قطعی طور پر یہ کہنا کہ آپ مکہ چلے گئے تھے درست نہیں ہے۔

جناب سلمان ندوی جلیل القدر صحابہ پر انگلی اٹھانے سے پہلے اگر ان روایتوں پر پیش نظر رکھتے تو بہتر تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا سلمان ندوی کے نزدیک ابو مخنف لوط بن یحی جیسا متعصب شیعی اور ہشام جیسے پکا رافضی (تنقیح المقال ج۳ ص ۳۰۲) اس قدر لائق اعتماد ہو گیا کہ اس کی بات بلا چوں وچرا قبول کر لی جائے اور اس کی بات پر صحابہ کرام کے کردار پر حملہ کر دیا جائے جناب مودودی کی خلافت وملوکیت اور شیعہ کتابوں میں صحابہ پر جرح کے لئے جو مواد اکٹھا کیا گیا ہے وہ اسی قسم کے راویوں کی روایات سے لیا گیا ہے افسوس کہ جناب سلمان ندوی انہی مواد سے بزعم خود جناب مولانا مفتی عتیق بستوی صاحب کے ازالہ کا ازالہ کرنے نہیں بلکہ نوجوان مسلمانوں کے دلوں سے صحابہ کرام کا احترام واکرام اور ان کی محبت وعقیدت کا بھی ازالہ کرنے نکل پڑے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

صحابہ کے اعمال حضور ﷺ کے ترجمان

یہ نقطہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حضور ﷺ کی اتباع صحابہ کی اقتداء سے ہی امت میں جاری ہوئی ہے۔ صحابی آنحضرت سے جتنا قدیم الصحبت ہو اور جتنا کثیر الصحبت ہو اتنا ہی وہ حضور ﷺ کے عمل کا زیادہ نمونہ سمجھا جائے گا۔ اس کے علاوہ کوئی حضور ﷺ کے بارے میں کسی علم کا دعوی کرے تو وہ آنحضرت ﷺ سے روایت لائے گا۔۔۔۔

اکابر محدثین نے صحابہ کے اقوال واعمال کو حضور ﷺ کی احادیث کی شرح کرنے میں بڑی اہمیت دی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ صحابہ کرام اپنے قول وعمل میں حضو ﷺ رکے ہی ترجمان سمجھے جاتے تھے۔ ان کے تمام دینی ارشادات اور اعمال حضور ﷺ کی ہی تعلیمات قدسیہ کا نشان تھے۔ جو علمی اختلاف صحابہ میں راہ پا گیا آگے امت کے لئے سند بن گیا۔ جس طریقہ پر بھی کسی صحابی کا عمل مل گیا اسے اب کسی طرح گمراہی قرار نہ دیا جائے گا۔ اسے باطل کہنا صرف اہل باطل کا نصیب ہو گا۔ ان حضرات کے جملہ دینی اعمال کسی نہ کسی شکل میں حضور ﷺ سے ہی استناد رکھتے ہیں۔

{افادات: حضرت مفکر اسلام علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ}

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کا الزام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ..... أَمَّا بَعْدُ!

جناب سلمان ندوی جب لفظ صحابی کی تعریف بدلنے کا کوئی جواب نہ دے سکے تو انہوں نے حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء پر وہی الزام لگادیا جو شیعہ مجتہدین اور ان کے ذاکر صدیوں سے لگاتے چلے آرہے ہیں جنہیں بعد ازاں جناب مودودی نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں ایک نہایت مکروہ بدعت کہہ کر بیان کیا ہے اور اسے اپنی اسلامی جماعت کی تربیت کے لئے ضروری سمجھا ہے۔ جناب سلمان ندوی کا یہ سب و شتم کا اعتراض اور اس کا الزام پہلی دفعہ سامنے نہیں آیا اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ شیعہ علماء اور جناب مودودی کے صحابہ کرام پر لگائے ان الزامات کے اب تک جوابات نہیں دئے گئے۔ جناب مودودی کی خلافت وملوکیت کے جواب میں جو کتابیں خود ان کی زندگی میں اور ان کے بعد شائع ہوئیں جن میں جناب سلمان ندوی کے ان الزامات کے مفصل اور مدلل جوابات بھی موجود ہیں۔ ان جوابات کے ہوتے ہوئے موصوف کا پھر سے ان الزامات کو دہرانا دین کی کوئی ایسی خدمت نہیں جس سے ان کی عزت و وقار میں کوئی اضافہ ہوا ہو اور جس کو کئے بغیر ان کے چند ایک شبابوں کو قرار نہ مل سکتا ہو۔

موصوف نے حضرت معاویہؓ کے حضرت علی مرتضیٰؓ پر سب و شتم کے جو الزامات دہرائے ہیں اس کے عالمانہ جوابات امام اہل سنت مولانا نور الحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿عادلانہ دفاع﴾ کے نام سے اور محقق اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے ﴿سیرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ﴾ میں اور شیخ الاسلام حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی نے ﴿حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق﴾ کے نام سے دئے ہیں۔ حضرت موصوف کی اس کتاب کا ایک عنوان {حضرت علی رضی اللہ عنہ پر شب و شتم} ہے۔ اس الزام کا جواب دینے سے پہلے جناب مودودی کا الزام ملاحظہ کیجئے

ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ

خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں بر سر منبر حضرت علی پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے حتی کہ مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علی کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف ہے اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا حضرت عمر بن عبد العزیز نے آکر اپنے خاندان کی دوسری غلط روایات کی طرح اس روایت کو بھی بدلا۔ (خلافت وملوکیت ص ۳۲)

اب جناب سلمان ندوی کی عبارت بھی دیکھئے اور پھر بتایئے کہ جناب سلمان ندوی اور جناب مودودی میں قدر مشترک صحابہ عظام کے کردار پر حملہ نہیں تو اور کیا ہے موصوف ندوی لکھتے ہیں

خلیفہ راشد حضرت علی پر تبرا بازی کا حکم کس نے دیا تھا؟ حضرت علی پر تبرا بازی کی روایتوں سے کون سی تاریخی کتاب ہے؟ سب سے پہلے اس تبرا بازی کو حضرت عمر بن عبد العزیز نے کیا بند نہیں کرایا تھا اور پھر ان کو بنو امیہ کے مجرموں نے زہر دے کر مار دیا اور پھر تبرا بازی شروع ہو گئی؟

(ازالہ ص ۱۳)

جواباً گذارش ہے کہ جناب سلمان ندوی میں تو اتنی جرات نہ ہوئی کہ وہ تبرا بازی کا حکم دینے والے کا نام لیں البتہ جناب مودودی نے وہ نام حضرت معاویہؓ کا لیا ہے؟ اور پھر جن کتابوں کے حوالہ سے یہ دونوں (مودودی اور ندوی) حضرت معاویہ کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں ان کتابوں میں کہیں بھی حضرت معاویہؓ کا نام نہیں ملتا کہ وہ منبروں پر حضرت علی مرتضیٰؓ پر سب و شتم کرتے تھے اور نہ کہیں یہ بات ثابت ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے گورنروں کو اس بات کا حکم دیا یا پابند کیا کہ وہ منبروں پر حضرت علی مرتضیٰؓ پر سب و شتم کریں۔

جناب سلمان ندوی کے بغض معاویہ میں جب اور زیادہ ابال آیا تو انہوں نے حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ عنہ پر حضرت علی مرتضی کے ساتھ ساتھ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو بھی گالیاں دینے کی تہمت اور بہتان باندھ دیا۔ حال ہی میں موصوف نے اپنی ایک ویڈیو کلپ وائرل کرائی ہے جس میں وہ بڑے جوشیلے انداز میں حضرت معاویہ پر بھڑکتے پھڑکتے نظر آتے ہیں۔ موصوف کی گندی ذہنیت اور اخلاقی گراوٹ پر مبنی یہ کلپ ہم شروع میں نقل کر آئے ہیں۔ پھر سے اس کا یہ حصہ ملاحظہ کیجئے۔

> معاویہ کے یہاں حضرت علی کو گالی دی جاتی تھی، حضرت فاطمہ جو خواتین جنت کی سردار ہیں اس کو گالی بکی جاتی تھی، حسین و حسن کو قتل کروایا اور ان کو گالیوں سے نوازا جاتا تھا وہ گھر تھا جہاں یہ ہوتا تھا

پھر جناب سلمان ندوی نے یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ جس دعوی کو سوالیہ نشان بنا کر لکھ رہے ہیں تاریخ کی کونسی کتاب میں وہ دعوی موجود ہے اور اس الزام کے راوی کون ہیں؟ پھر وہ یہ بھی نہیں بتاتے کہ وہ کون سے الفاظ تھے جو سب و شتم کے مفہوم میں آتے ہیں؟ اور معاشرے میں انہیں گالی سمجھا جاتا ہے۔ جناب سلمان ندوی سے گذارش ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کی مذکورہ کتاب کا مطالعہ کریں تو انہیں پتہ چلے گا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے الزامات اور افسانے کی حقیقت کیا ہے اور یہ کن لوگوں کے گندی دماغ کی اختراع ہے۔

جناب سلمان ندوی کی حضرت معاویہؓ پر یہ بوچھاڑ درست ہے تو پھر اسی تاریخ کی کتابوں سے انہیں حضرت علیؓ کے دور خلافت میں ان لوگوں کے سب و شتم کو بھی سامنے رکھنا پڑے گا جو وہ اس وقت حضرت عثمانؓ پر کرتے تھے؟ اب اگر کوئی تاریخی روایتوں سے ان سب و شتم کو جمع کرکے (سلمان ندوی کی طرح نام بدل کر) یہ لکھ دے کہ

خلیفہ راشد امیر المؤمنین حضرت عثمان ذو النورینؓ پر کھلے عام تبرا بازی کا حکم کس نے دیا تھا؟ حضرت عثمان غنیؓ پر سب و شتم اور تبرا بازی کی روایتوں سے تاریخ کی کونسی کتابیں بھری ہیں؟

تو کیا آپ یہ مان لیں گے کہ یہ سب کچھ حضرت علی مرتضیؓ کے حکم سے ہو رہا تھا (معاذ اللہ) اور

ان کے قریبی ساتھی اور حمایتی برسر عام ایسا کر رہے تھے اور کوئی ایسا نہ تھا جو حضور ﷺ کے دوہرے داماد اور امیر المؤمنین کے خلاف بولنے والی زبان بند کرائے؟

جناب مودودی اور جناب سلمان ندوی نے جس لب ولہجہ میں لفظ سب وشتم اور تبرا بازی کہا ہے اس سے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے حکم سے ان کے گورنر حضرت علی مرتضیٰؓ کو ماں بہن کی گالی دے رہے تھے اور ایسا روضہ رسول کے سامنے مسجد نبوی کے منبر پر کیا جارہا تھا (معاذ اللہ) اور ان علاقوں میں ایک مسلمان بھی ایسا نہ تھا جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے خلاف بولنے والی زبان کو روک سکے یا کم از کم احتجاجاوہ ان مجلسوں سے اٹھ کر چلے جائے۔ گویا خیر القرون کے سب مسلمان بڑے اطمینان سے حضرت علی مرتضیٰؓ کو دی جانے والی گالی گلوچ کو سن کر بھی نہ پھڑکے نہ تڑپے۔ اس سے کیا اس دور کے مسلمانوں بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ تاثر نہیں ملتا قرآن وحدیث میں جن حضرات کی عظمت ورفعت اور ان کی حق گوئی اور باطل اور غلط کے خلاف میدان عمل میں اتر جانے کی جو بات بیان کی گئی تھی وہ سب غلط ہے۔

جناب سلمان ندوی نے خیر القرون کے صحابہ اور تابعین کی جو تصویر دکھانے کی کوشش کی ہے اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ آج ۲۰۱۸ء کے وہ گنہ گار مسلمان بھی ان سے بہت بہتر ہیں جو منبر ومحراب سے حضرت علی مرتضیٰؓ اور اہل بیت نبوی کے خلاف اٹھنے والی آواز کو کبھی برداشت نہیں کرسکتے۔ وہ جان دے دیں گے مگر وہ اہل بیت نبوی کے خلاف کوئی لفظ سننا گوارا نہ کریں گے۔

لیجئے اس گالی گلوچ کو بھی دیکھیں جس پر جناب سلمان ندوی غصہ میں پھڑک اور تڑپ رہے ہیں:

> ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت سہلؓ سے کہا کہ فلاں امیر (یعنی جناب مروان بن حکم) حضرت علی مرتضیٰؓ کو برسر منبر سب کرتا ہے حضرت سہلؓ نے اس سے پوچھا کہ وہ کس الفاظ سے حضرت علیؓ کو سب کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ حضرت علیؓ کو ابوتراب کہہ کر مخاطب کرتا ہے یہ سن کر حضرت سہلؓ ہنس پڑے اور فرمایا کہ بخدا اس نام سے تو خود حضور ﷺ حضرت علیؓ کو پکارا کرتے تھے اور حضرت علیؓ کو ایسا کہنا اچھا لگتا تھا۔ (دیکھئے

صحیح بخاری ج ا ص ۵۲۵)

اس کے باوجود بھی جناب سلمان ندوی کو اس پر اصرار ہو کہ سبّ کے معنی گالی گلوچ ہی کے ہیں تو حدیث کے ان الفاظ کو بھی سامنے رکھئے:

فسبهما النبی ﷺ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۶) حضور ﷺ نے ان دونوں کو سب کیا۔

پھر حضرت علی مرتضی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان جو کچھ ہوا اسے ان لفظوں میں پڑھ لیجئے۔ یہ تاریخ کی نہیں حدیث کی کتاب ہے۔ جی جناب صحیح بخاری کی حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

فاستبّ علیّ وعبّاس (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۵)

پاکستان کے معروف عالم حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہؓ پر لگے اس الزام کا جس خوبصورتی سے تجزیہ کیا ہے اسے دیکھئے:

> جب سیدنا علیؓ کے نور نظر اور لخت جگر حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور آپ کے عم زاد حبر امت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ برادر زادہ رضی اللہ عنہم کے دل حضرت علیؓ پر (معاذ اللہ) لعنت اور سب و شتم سے اتنے زخمی ہوں کہ وہ مدینہ طیبہ سے دمشق تشریف لے جائیں اور خون کے گھونٹ پی پی کے حضرت معاویہؓ کی دعوتیں کھائیں اور لاکھوں کے ہدایا وعطیات قبول فرمائیں تو کون ہے جو مودودی (اور ندوی۔ ناقل) کی ان خرافات وہزلیات کی صداقت میں شک کرے۔ کیا مودودی (اور ندوی) دنیا کو اتنا احمق سمجھتے ہیں کہ لوگ یہ تسلیم کرلیں گے کہ منبروں پر علانیہ حضرت علیؓ پر لعنت اور سب و شتم کے سلسلہ سے عام مسلمانوں کے دل تو ہر جگہ زخمی ہو رہے تھے لیکن خود حضرت علیؓ کے صاحبزادے اور بھائی بند حضرت معاویہؓ کی ضیافتیں اڑا رہے تھے اور عطیات قبول فرما رہے تھے۔ (عادلانہ دفاع ص ۴۶۱)

اور اگر کوئی یہ الزام جناب مروان بن حکم پر لگاتا ہے تو اسے بھی یہ سوچ لینا چاہئے کہ اس الزام کو درست بتاتے کہیں وہ حضرات حسنین کریمینؓ کی عزت وعظمت کو تو داغدار نہیں کر رہا ہے۔ اس

لئے کہ اگر حضرات حسنین کریمینؓ کو یہ بات معلوم ہوتی کہ جناب مروان مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور اکرم کی شاہزادی اور آپ کے محبوب اور عزیز ترین نواسے اوران کے والد محترم ومکرم کو گالیاں دیتا ہے تو کیا یہ دونوں شاہزادے ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے؟

كان الحسن والحسين كانا يصليان خلف مروان ولا يعيدانها يعتدان بها (البدایہ ج۸ ص۲۵۸)

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما مروان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے اور انہیں لوٹاتے نہیں تھے بلکہ ان نمازوں کو صحیح شمار کرتے تھے۔

اس حقیقت کا شیعہ بھی انکار نہیں کرسکے ملا مجلسی امام محمد باقر کے حوالہ سے لکھتا ہے:

عن موسى بن جعفر عن أبيه قال كان الحسن والحسين يصليان خلف بن مروان بن الحكم فقالوا لاحدهما ماكان أبوك يصلي إذا رجع الى البيت فقال لا والله ماكان يزيد على صلوة(بحار الانوار ج۱۰ ص۱۴۱)

دنیا میں شاید ہی کوئی بے غیرت بیٹا ہو جس کے باپ کو بر سر منبر گالیاں دی جاتی ہو اور وہ نہ صرف یہ کہ وہاں بیٹھا اسے سنے بلکہ باپ کو کھلے عام گالیاں دینے اور تبرا بازی کرنے والے کے پیچھے نمازیں پڑھنے میں بھی کوئی بوجھ محسوس نہ کرے۔ یہاں تقیہ کی سیاہ چادر بھی نہیں ڈالی جاسکتی کیونکہ حضرات حسنین کریمینؓ نے یہ کہہ کر (کہ جناب مروان کی اقتداء میں پڑھی گئیں ہماری وہ نمازیں درست ہیں اور ہم اسے دوبارہ نہیں لوٹاتے) تقیہ کی سیاہ چادر بھی تار تار کردی ہے۔

ہم یہ بات کسی صورت قبول نہیں کرسکتے کہ اگر واقعی بر سر عام سب وشتم ہوتا تھا تو حضرات حسین کریمین رضی اللہ عنہما اسے ٹھنڈے پیٹوں کیسے برداشت کرلیتے تھے۔ہاں جو لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور جناب مراون پر بار بار تبرا بازی کا الزام لگاتے نہیں تھکتے وہ حضرات حسنین کریمینؓ کی تعظیم کرتے ہیں یا تحقیر وتنقیص؟ اس کا فیصلہ آپ بآسانی کرسکتے ہیں۔ آج اگر کسی

مشترکہ مجلس میں کوئی شخص ایران کے آیت اللہ خمینی یا خامنائی کو منبر پر گالیاں دے تو وہاں بیٹھے شیعہ خواہ وہ چرسی اور ملنگ ہی کیوں نہ ہو فوراً کھڑا ہو جائے گا اور مرنے مارنے پر تل جائے گا مگر افسوس کہ شیعہ علماء اور وہ تمام نام نہاد مؤرخین جو یہ کہتے ہیں کہ حضرات حسنین کریمینؓ اور دیگر اکابرین اہل بیت کے سامنے منبر پر نہ صرف حضرت علی مرتضیٰؓ بلکہ خاتون جنت اور نوجوانان جنت کو برا کہا جاتا تھا اور ان میں سے کوئی ایک بھی نہ تھا جو کم از کم اس مجلس سے اٹھ کر چلا جاتا اور پھر وہ زندگی بھر حضرت معاویہؓ سے ملنے والے وظائف اور تحائف کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا۔ ان بزرگوں کا حضرت معاویہؓ کی جانب سے ملنے والے وظائف اور تحائف کا بار بار وصول کرنا ہی اس الزام کی تردید کے لئے کافی وافی ہے۔

شیعہ علماء تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حضرت علی مرتضی کو سبّ وشتم کرنے کے لئے کہے تو تم کر لیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ ان سے برات کا اظہار نہ کرنا۔ یہ لوگ نہج البلاغۃ کے اس بیان سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضرت علی مرتضیٰؓ نے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

اما السبّ فسبّونی فانہ لی زکاۃ ولکم نجاۃ وأما البراء ۃ فلا تتبرأوا منی (خطبہ نمبر۴۹ ص۱۷۰)

جہاں تک مجھے برا کہنے کا تعلق ہے تو مجھے برا کہہ لینا اس لئے کہ یہ میرے لئے پاکیزگی کا سبب اور تمہارے لئے نجات کا باعث ہے لیکن مجھ سے بیزاری اختیار نہ کرنا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیعہ علماء کے نزدیک حضرت علیؓ مرتضی کو سب وشتم کرنا کوئی برا عمل نہیں بلکہ اس طرح کرنے میں جہاں حضرت علی مرتضیٰؓ کا بڑا فائدہ ہے وہیں سب وشتم کرنے والا بھی فائدہ سے خالی نہیں رہتا کہ آپ کو سبّ کر کے نجات پاؤ۔ استغفر اللہ

رہی یہ بات کہ تاریخ کی کونسی کتابوں میں یہ باتیں موجود ہیں تو عرض یہ ہے کہ کیا تاریخ کی کتابیں اور اس میں لکھے واقعات اور ہر قسم کے روایوں کی ہر قسم کی روایات قرآن وحدیث کا درجہ پالیتی ہیں کہ اس کی رو سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کردار کو مشکوک کر دیا جائے اور عام جاہل

مسلمانوں کو یہ بتا کر کہ تاریخ کی فلاں اور فلاں کتابوں میں حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت معاویہ حضرت عمرو بن العاص حضرت طلحہ حضرت زبیر ام المؤمنین حضرت عائشہ اور دیگر اصحاب رسول (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے متعلق یہ باتیں موجود ہیں کیا مسلمانوں کو اپنے اسلاف سے بدگمان کرنا نہیں؟ تاریخی روایات کی رو سے ان بزرگوں پر انگلی اٹھانا (جن کی تعریف اللہ نے اپنے قرآن میں کی اور ان کی غلطیوں کو معاف کرنے کا اعلان کیا اور ان کو اسی دنیا میں جنتی ہونے کی بشارت سنادی تھی) کونسی ایسی دینی ملکی ملی خدمت ہے جس کو کئے بغیر ایسے لوگوں کی راتوں کی نیند اور دن کا چین خراب ہو جاتا ہے۔

جناب سلمان ندوی نے یہ بھی خوب کہا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس سب وشتم کو بند کرایا تھا۔ مگر جناب نے یہ بات بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ یہ کہانی کس نے بتائی ہے؟ موصوف یہ بات اس لئے نہیں بتاسکتے تھے کہ اس کہانی کا سرا اسی متعصب مفتری لوط بن یحی رافضی سے جاملتا ہے۔

عن لوط بن یحی قال کان الولاۃ من بنی امیۃ قبل عمر بن عبدالعزیز یشتمون علیا رحمہ اللہ فلما ولی عمر أمسک عن ذلک (الطبقات الکبری ج۵ ص۳۰۷ش)

بات جب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی چل ہی نکلی ہے تو یہ بھی دیکھتے جایئے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کس عقیدت و محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور کس خلوص دل سے ان کی عظمت کے قائل تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کبھی کسی مجرم کو اپنے ہاتھ سے سزا نہیں دی سوائے اس مجرم کے جس نے کبھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زبان دراز کی تھی۔ حضرت ابراہیم بن میسرہؒ (۱۳۲ھ) کہتے ہیں:

ما رایت عمر بن عبد العزیز ضرب إنسانا قط إلا إنسانا شتم معاویۃ فانہ ضربہ أسواطا (البدایہ ج۸ ص۱۳۹)

میں نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو کبھی نہیں دیکھا کہ کسی کو خود مارا ہو مگر وہ

شخص جس نے حضرت معاویہؓ کو برا کہا تو اس کو انہوں نے خود کوڑے لگائے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ مجھے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا میں نے دیکھا کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں مجھے بھی حاضری کا شرف ملا اور میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اس دوران میں نے دیکھا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں لائے گئے اور دونوں کو ایک گھر میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا گیا پھر میں نے دیکھا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ یہ کہتے ہوئے جلدی سے باہر آئے کہ رب کعبہ کی قسم، فیصلہ میرے حق میں ہو گیا پھر جلدی سے حضرت معاویہؓ باہر یہ کہتے ہوئے نکلے کہ رب کعبہ کی قسم ،اس نے مجھے بخش دیا

فما كان بأسرع من أن خرج علي وهو يقول قضى لي ورب الكعبة ثم ما كان بأسرع من أن خرج معاوية وهو يقول غفر لي ورب الكعبة (البدایہ ج۸ ص۱۳۰)

لیجئے ایک اور اموی خاندان کے بزرگ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف بولنے والے کو کس طرح ایک اور اموی بزرگ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سزا دیتے ہیں وہ بھی دیکھ لیجئے:

علامہ ابو القاسم ھبۃ اللہ بن حسن اللالکائی (۴۱۸ھ) حارث بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایسا شخص لایا گیا جس نے حضرت عثمانؓ کو برا بھلا کہا تھا آپ نے اس سے پوچھا کہ تو انہیں کیوں برا کہہ رہا ہے اس نے کہا کہ میں ان سے بغض رکھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اگر تو کسی سے بغض رکھتا ہو تو کیا اسے گالی دینا چاہئے۔ پھر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو تیس کوڑے مارنے کا حکم دیا:

فأمر به فجلد ثلاثين سوطا۔ (شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ ج۷ ص۱۳۴۰ش۔ الصارم المسلول ص۵۶۹)

سو جو لوگ تاریخ کی بے سروپا روایتوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کردار کشی پر تلے رہتے ہیں اور عام

مسلمانوں کے دل ودماغ میں ان کے خلاف زہر بھرتے ہیں انہیں عنقریب اپنے کئے کا عبرتناک خمیازہ بھگتنا پڑے گا اس دن انہیں پتہ چل جائے گا کہ اسلام کی صف اول کے بزرگوں، اللہ کے محبوبوں اور پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے ہم نشینوں کے خلاف زبان کھولنا اور ان کے کردار کو مشکوک بنانے کے لئے جن سیاہ قبوں وجبوں سے سودے بازی کی تھی وہ کس قدر ذلت ونکبت میں لے آئی ہے۔{فسیعلم الذین ظلموا أی منقلب ینقلبون}

شیعیت اسلام کے مقابل ایک الگ تحریک ہے

شیعیت اسلام کی شاخ کے طور پر نہیں، اس کے مقابل ایک تحریک ہے، کسے مذہب کی برانچیں اس کی فروع ہوتی ہیں ان کے اپنے اپنے اصول نہیں ہوتے جیسے حنفی، مالکی، سافعی اور حنبلی، اسلام کی فروع ہیں اصول وعقائد میں یہ چاروں مذاہب ایک ہیں، یہ چار طریقے ہیں چار فرقے نہیں ہیں، بخلاف ان فروع کے شیعیت اسلام کے ایک بالکل برابر کی آواز ہے۔ جس طرح اسلام کے تین اصول ہیں۔ توحید، رسالت اور آخرت۔ شیعیت کے اصول پانچ ہیں۔ توحید، عدل، رسالت، امامت اور آخرت۔ توحید کے ساتھ انہوں نے عدل رکھا اور ذات واجب پر عدل واجب کیا۔ رسالت کے مقابل وہ امامت لائے اور اسے نبوت کی طرح ایک آسمانی عہدہ کہا اور آخرت کے ساتھ انہوں نے رجعت کر جوڑا۔ تاہم رجعت کو وہ عقائد میں لائے۔ اصول دین ان کے ہاں پنج تن کی طرح پانچ ہی رہے۔ سو شیعیت اسلام کے ماتحت نہیں، اس کے مقابل کی ایک الگ تحریک ہے جس کے اپنے اصول ہیں۔ سو شیعہ کے عام مسلمانوں سے اختلافات فروعی نہیں اصولی ہیں

(افادات: مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان شرائط صلح کیا کیا تھیں؟

جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مصالحت میں یہ شرط نہیں رکھی تھی کہ حضرت علی پر تبرا بند کیا جائے اور معاویہ کے بعد خلافت ان کے حوالہ کی جائے؟

جواباً گذارش ہے کہ حضرت حسنؓ نے جب اپنے دور خلافت میں دیکھا کہ ان کے اپنے لوگ ان کی بات نہیں مانتے ان کی عزت نہیں کرتے اور خود ان کے اپنے لوگوں میں انتشار بڑھ رہا ہے تو اس سے آپ کو سخت دکھ ہوا۔ چنانچہ آپ نے حالات کا بغور جائزہ لے کر حضرت معاویہؓ کے نام ایک خط لکھا جس میں آپ نے صلح و مصالحت کی پیش کش کی۔ حضرت معاویہؓ اور اہل شام اس کے لئے تیار اور راضی تھے چنانچہ دونوں فریقین کے درمیان چند ایک شرائط پر مصالحت ہو گئی اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت حسنؓ کے حق میں دی گئی پیشگوئی پوری ہو گئی کہ میرا یہ بیٹا سید ہے امید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔

إبنی هذا سید ولعل الله أن یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۳۔ مسند احمد ص ۱۳۸ عن ابی بکرۃ)

جن شرائط پر ان دونوں بزرگوں کے درمیان مصالحت ہوئی تھی شیعہ سنی کتابوں میں اس کی تفصیلات موجود ہیں جن میں سے بعض شرائط وہ ہیں جنہیں بعد کے لوگوں نے ان شرائط میں شامل کر دیا تھا جن کا ان دونوں بزرگوں کے درمیان ہونے والی شرائط میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ سیدنا حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے مصالحت کے لئے جو شرطیں رکھی تھیں اسے ایک نظر دیکھئے۔ سیدنا حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کی طرف سے آنے والے حضرت عبداللہ بن عامرؓ اور حضرت عبدالرحمن بن سمرۃؓ سے کہا:

(۱) کوفہ کے بیت المال سے وہ پچاس لاکھ درہم حاصل کریں گے اور دارابجرد کا خراج بھی حضرت

حسنؓ ہی کو ملے گا۔

(۲) حضرت علی مرتضیٰؓ کے خلاف کسی قسم کی ہتک آمیز گفتگو ان کے سامنے نہیں کی جائے گی۔ (البدایہ ج۸ ص۱۶)

(۳) محض کینہ کی وجہ سے کسی بھی اہل عراق کو نہیں پکڑا جائے گا۔ (اخبار الطوال ص۲۱۸ للدینوری شیعی)

(۴) ہر عام رعایا کو امان دی جائے گی (ایضا)

(۵) لوگوں کی غلط تنقیدات کو برداشت کیا جائے گا (وہ کچھ بھی کہیں آپ کو برداشت کرنا پڑے گا) (ایضا)

(۶) علاقہ اہواز کا مکمل خراج ہر سال حضرت حسنؓ کے حوالہ کیا جائے گا (ایضا)

(۷) حضرت حسینؓ کو سالانہ بیس لاکھ درہم (بطور وظیفہ) دیا جائے گا۔ (ایضا)

(۸) تحفے تحائف اور صلہ جات میں بنی ہاشم کو بنی عبد الشمس پر ترجیح دی جائے گی اور ان کے حق کو اوپر رکھا جائے گا (ایضا)

(۹) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور سیرت الخلفاء الراشدین الصالحین رضی اللہ عنہم کے مطابق سارے امور کی انجام دہی ہو گی۔

بسم الله الرحمن الرحيم هذا ماصالح عليه الحسن بن على بن ابى طالب معاوية بن ابى سفيان صالحه على ان يسلم إليه ولاية أمر المسلمين على ان يعمل فيهم بكتاب الله تعالى وسنة رسول الله صلى الله عليه وآله وسيرة الخلفاء الراشدين

(کشف الغمہ ج۲ ص۶۵ للاردبیلی شیعی ۶۸۷ھ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان تمام شرائط کو قبول کیا اور حضرت حسنؓ نے خلافت ان کے حوالہ کر دی اور اب آپ تمام مسلمانوں کے بالاتفاق خلیفہ بن گئے۔ اگر حضرت حسنؓ کے عقیدے میں امامت و خلافت کا حق صرف آپ کے خاندان کا ہوتا اور یہ اللہ کی طرف سے مقرر کر دیا ہوتا کہ

اس خاندان کے سوا کسی کو امامت و خلافت کا حق نہیں ہے تو آپ ہی بتائیں کیا حضرت حسنؓ اتنا بڑا قدم اٹھاتے اور حضرت معاویہؓ کو خلافت سپرد کرنے کا جرم کرتے؟ محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۴۶ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں:

خلفاء راشدین سے مراد ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ بجز ان کے اور کوئی خلیفہ نہیں ہوا جس کی سیرت کی اتباع کا عہد لیتے اور جب خلفاء ثلاثہ کو جناب امام حسن نے خلیفہ راشد تسلیم کر لیا تو اپنی خلافت دے دی بلکہ اپنے والد ماجد کی خلافت بلا فصل کو بھی باطل کر دیا۔

دوسرے یہ کہ یہ امر اجماعیات طائفہ سے ہے کہ امامت تالی نبوت ہے اور (شیعوں کے) شہید ثالث وغیرہ فیصلہ فرما چکے ہیں کہ امام اور نبی میں بجز اطلاق اسم نبوت اور نزول وحی کے اور کوئی فرق نہیں ہے تو جو امور نبی کے لئے جائز نہ ہوں امام کے لئے بھی جائز نہ ہوں گے اور ظاہر ہے کہ رد نبوت (نبوت کسی کو دینا) نبی کو جائز نہیں اور نیز یہ ہر گز جائز نہیں کہ خلعت نبوت کسی کو عطا کر دیوے یہ ہم نے مانا کہ نبوت ایسی چیز نہیں ہے کہ کسی کو دی جا سکے لیکن ظاہری اور لفظی طور پر بھی جس کو عرف عام میں دینا یا بنانا سمجھیں جائز نہیں ہو سکتا یا ایسا معاملہ کرنا جس سے ثابت ہو کہ غیر کو نبی بنا دیا نہ تقیۃً نہ مصلحۃً کسی طرح جائز نہ ہو گا تو خلعت خلافت کسی غیر مستحق کو پہنا دینا اور امامت کا رد کرنا اور ایسا معاملہ کرنا جس سے یہ امر ثابت ہو کہ اس غیر کو امام بنا دینا جائز نہ ہو گا بلکہ جس قدر استحقاق غیر زیادہ ہو گا عدم جواز بھی زیادہ ہو گا اور جب جناب امام حسن رضی اللہ عنہ کے حالات میں غور کیا جاتا ہے تو بالاتفاق اہل تاریخ و سیر بلکہ باجماع فریقین ثابت ہے کہ جناب امام ثانی نے ایسے وقت میں جبکہ آپ کی قوت و شوکت اعلی درجہ پر تھی اور شیعیان جانثار کا لشکر جرار آپ کے ہم رکاب تھا اور ضعف و مغلوبی کی کوئی علامت نمایاں نہ تھی بلکہ اس قوت و شوکت کو دیکھ کر دشمنوں کے دلوں میں ہیبت اور اضطراب تھا اور نوبت قتال کی بھی ابھی تک نہیں پہنچی تھی خلاف رضا جناب امام حسین اور خلاف رائے اپنے امراء و سرداران لشکر کے خلعت خلافت و امامت امیر معاویہ کو دے کر صلح کر لی اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور سیرت خلفاء

راشدین پر عمل کرنے کا عہد لیا گویا تمام حقوق اسلام اور اہل اسلام جن کے آپ ذمہ دار تھے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمادئے جس پر مسود وجوہ (آپ کا منھ کالا ہو۔ معاذ اللہ) آپ کو کہا گیا بعض مقتدایان فرق شیعہ نے اسی وجہ سے حضرت امام حسنؓ کی تکفیر کر دی بلکہ جناب امام حسینؓ کی بھی کیونکہ انہوں نے اپنے بھائی کے کفر میں متابعت فرمائی اگرچہ بناخوشی ہی سہی ایسے وقت میں جبکہ امام حسنؓ صلح کر چکے تھے سرداران لشکر کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے اور امیر معاویہؓ کو خلافت سے منع کرنے کے لئے مستعد ہو جاتے تو ہر گز خلافت خاندان سے نہ نکلتی اور نہ بنی امیہ میں پہنچتی اور اگرچہ اس وقت جناب امام حسینؓ بالفعل خلیفہ نہ تھے لیکن ظاہر ہے کہ خلافت کا بہ نسبت نااہل بلکہ بد دین کے منتظر الخلافت کے پاس پہنچ جانا کچھ بجا اور نامناسب نہیں تھا بلکہ جب امام حسنؓ بار خلافت سے سبکدوش ہو گئے تو اس وقت امام حسینؓ بالفعل ان کے قائم مقام ہو گئے اور خلیفہ بالفعل ہو گئے جیسا امام وقت کی وفات کے بعد امام لاحق امام اور خلیفہ خود بخود ہو جاتا ہے طرفہ تماشا ہے کہ شیعیان کوفہ کی دھوکہ میں آ گئے اور ان کے جعلی خطوط ہی پر آمادہ ہو گئے اور نہ دشمن کے فرط قوت اور شوکت کا لحاظ کیا اور نہ اپنے ضعف و عجز کا خیال کیا اور نہ اپنے شیعیان کوفہ کے دھوکے بازی اور حیلہ سازی سے کچھ اندیشہ کیا اور یہاں تک کہ ہر طرح اپنی قوت و شوکت علی وجہ الکمال تھی اور دشمنوں کے دلوں میں بھی خوف سے زلزلہ تھا خلعت خلافت بلاضرورت ملجئہ اور بدوں اضطرار کے ایک دشمن دین کے حوالہ کر دیا

(مطرقۃ الکرامۃ ص ۲۸۸ تا ۲۹۰)

شیعہ مؤرخ احمد بن داؤد دینوری (۲۸۲ھ) شرائط صلح کے متعلق لکھتا ہے کہ:

لما رأى الحسن من اصحابه الفشل أرسل إلى عبدالله بن عامر بشرائط اشترطها على معاوية على أن يسلم له الخلافة وكانت الشرائط إلا ياخذ أحدا من أهل العراق باحنة وان يومن الاسود والاحمر ويحتمل مايكون من هفواتهم ويجعل له خراج الاهواز مسلما فى كل عام ويحمل الى أخيه الحسين بن على فى كل عام ألفى ألف ويفضل بنى

هاشم فی العطاء والصلات علی بنی عبد الشمس (اخبار الطوال ص۲۱۸)

جیسا کہ ہم اوپر عرض کر آئے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے ان تمام شرائط کو قبول کیا جو حضرت حسنؓ نے رکھی تھیں بعد ازاں حضرت حسنؓ نے امور مملکت حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دئے اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ مصالحت کا یہ عمل ربیع الثانی یا جمادی الاول ۴۱ھ میں بمقام مسکن ہوا تھا اور اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ مشہور ہو گیا کیونکہ اہل اسلام آپس کے انتشار سے باہر نکل آئے اور نہایت حسن وخوبی سے معاملہ انجام پا گیا تھا۔

یہ صرف حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب سے صلح نہ تھی حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ برابر شریک رہے۔ اور جب کسی نے انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ آپ کے بھائی تو بڑے نرم دل ہیں صلح و مصالحت سے کام لے لیتے ہیں آپ آگے بڑھیں ہم آپ کے ساتھ ہیں اس پر حضرت حسینؓ نے ان کی پیشکش مسترد کر دی اور فرمایا کہ ہم نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کر لی ہے ان سے ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے میں یہ بیعت توڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ اب بھی بعض لوگ حضرت حسنؓ کی اس صلح پر یہ کہنے کے باوجود کہ آپ نے بعض مصالح کی بناء پر یہ صلح کر لی تھی کہتے ہیں کہ مگر ان کا قلبی تصفیہ نہیں ہوا تھا اور کدورتیں باقی تھیں۔ گویا حضرت حسنؓ یہ سب کچھ کسی مجبوری میں کر رہے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے متعلق جو پیشگوئی تھی اس کا تعلق بھی کسی مجبوری کی صورت میں تھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی صلح کی تعریف فرما کر آپ کو سید کا خطاب بھی عطا فرما دیا تھا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو صلح سے روکنے اور جنگ کی طرف لے جانے والوں میں سے ایک جناب حجر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے انہوں نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے کہا:

ودعاه إلى دار الحرب حجر بن عدى فقال له يا ابن رسول الله لوددت أنى مت قبل ما رأيت أخرجتنا من العدل إلى الجور فتركنا الحق الذى كنا عليه ودخلنا فى الباطل الذى كنا نهرب منه وأعطينا الدنية من أنفسنا وقبلنا الخسيسة التى لم تلق بنا

(الاخبار الطوال ص ۲۲۰۔ از احمد بن داؤد دینوری شیعی)

اے حسن! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں مر جاتا اور اس صورت صلح کو نہ دیکھتا آپ نے تو ہمیں عدل سے نکال کر ظلم کی جانب دھکیل دیا ہے ہم نے اس حق کو جس پر ہم تھے چھوڑ دیا ہے ہم اس باطل میں داخل ہو چکے ہیں جس سے ہم بھاگتے تھے اور ہم نے اپنے نفوس کو کمینگی دی ہے اور ہم نے وہ ذلت قبول کر لی ہے جو ہمیں اب تک نہ آئی تھی۔

جناب سلمان ندوی نے مذکورہ شرائط میں شرط نمبر ۲ کے ساتھ ایک اور شرط کا بھی ذکر کیا ہے اس پر ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

اس بات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جب دو فریقوں کے درمیان کسی بات پر شدید اختلاف ہو جاتا ہے تو بات چیت اور لہجے میں سختی آ ہی جاتی ہے۔ کبھی خود سر براہ سے یہ بات سرزد ہوتی ہے اور کبھی اس جماعت میں شامل لوگ یہ حرکت کر جاتے ہیں اور اپنی زبان کو قابو میں نہیں رکھ پاتے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ خلفائے راشدین میں سے ہیں اور حضرت معاویہؓ بھی شرف صحابیت رکھتے ہیں ان دونوں بزرگوں کے بارے میں تو ہم یہ بات مان ہی نہیں سکتے کہ انہوں نے خود ایک دوسرے کے خلاف کبھی بدکلامی کی ہو اور نہ ہم یہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنی جماعت کو اس کا حکم یا ترغیب تک دی ہو۔ تاریخی کتابوں میں اگر خود ان کے بارے میں یہ بات کہیں موجود ہے بھی تو اس میں بھی ایک کو نہیں دونوں کو مورد الزام ٹھہرایا گیا ہے گویا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت علی مرتضیٰؓ تمام اخلاقی حدود کو پامال کر کے فریق مخالف کے خلاف بدزبانی کرتے تھے یہ بات ایک مسلمان کس طرح قبول کر سکتا ہے؟

ہاں یہ ممکن ہے کہ دونوں فریق کے نچلے درجہ کے لوگ ایک دوسرے کے بارے میں کبھی اس طرح کی زبان استعمال کرتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے کسی نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں ہتک آمیز الفاظ استعمال کئے ہوں یا وہ الفاظ کہے ہوں جو فی نفسہ تو ہتک آمیز نہ ہوں مگر سننے والے اسے ہتک آمیز تصور کرتے ہوں۔ یہی وجہ ہے جس کی بناء پر حضرت حسن مجتبیٰؓ نے یہ شرط بھی رکھی کہ جب آپ بالاتفاق امیر مملکت بن گئے ہیں تو آپ کو اس بات کا خیال

رکھنا ہو گا کہ آپ کے عمال اور حکام اور رعایا میں سے کوئی بھی حضرت علی مرتضیٰؓ کی شان میں ایسے الفاظ نہیں بولے گا جس سے حضرت علی مرتضیٰؓ کی توہین و منقصت کا پہلو نکلتا ہو۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (بشمول دیگر شرائط) اس شرط کو بھی قبول کیا اور پھر آپ نے اس کا پورا خیال و لحاظ رکھا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے ان شرائط کی خلاف ورزی کی حضرت معاویہؓ سے شکایت کی ہو۔ معاہدہ میں جن مالی امور کا ذکر تھا حضرت معاویہؓ نے اس سے بڑھ کر ان کی خدمت میں پہنچایا۔ حضرت حسنؓ کبھی کسی مالی مشکلات میں مبتلا ہوتے اور اس کا حضرت معاویہؓ کو پتہ چلتا تو آپ کسی نہ کسی ذریعہ سے ان تک ایک بڑی رقم پہنچا دیا کرتے تھے۔

جمہور اہل سنت کے نام سے چونکہ جناب سلمان ندوی کچھ زیادہ ہی تڑپ اور پھڑک جاتے ہیں اس لئے ہم ایک شیعہ مؤرخ احمد بن داؤد دینوری شیعی (۲۸۲ھ) کی زبانی اس کی شہادت پیش کئے دیتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں:

قالوا ولم یر الحسن ولا الحسین طول حیاۃ معاویۃ منہ سوء فی انفسھما ولا مکروھا ولا قطع عنھما شیئا مماکان شرط لھما ولا تغیر لھما عن بر (الاخبار الطوال ج ا ص ۲۲۵ ش)

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے پوری زندگی حضرت معاویہؓ سے اپنے حق میں کوئی بدخواہی نہ دیکھی نہ ان کا اپنے بارے میں کوئی ناپسندیدہ عمل دیکھا نہ حضرت معاویہؓ نے کوئی ایسی بات جس پر آپ نے انہیں عہد دیا تھا توڑ دی اور نہ ہی ان دونوں کے ساتھ آپ نے کسی نیکی میں دریغ کیا۔ (عبقات من باب الاستفسارات ص ۳۹۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں شہزادوں کی اس شہادت کے ہوتے ہوئے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ان کے ساتھ کبھی کوئی زیادتی کی ہو گی؟ نہیں۔

آیئے اب اس شرط کو بھی دیکھیں جس کا جناب سلمان ندوی نے ذکر کیا ہے:

معاویہ کے بعد خلافت ان کے حوالہ کی جائے گی۔ (ازالہ ص ۱۳)

تاریخ کی قدیم کتابوں میں جہاں صلح کے شرائط کا ذکر اور اس کی تفصیل موجود ہے ان میں مذکورہ شرط کا کہیں ذکر نہیں ملتا جس سے پتہ چلتا ہے کہ بعد کے کسی شخص نے حضرت معاویہؓ کو بدنام کرنے کے لئے ان شرائط میں اسے بھی داخل کر دیا ہے۔ جناب سلمان ندوی اسے سند صحیح کے ساتھ پیش کریں ہم غور کر لیں گے۔ تاہم یہ بات جہاں منقول ہے بے سند ہے اور اگر کہیں سندا منقول ہے تو بھی وہ اس لائق نہیں کہ اس پر اعتراض کی بناء رکھی جائے۔ ۴۱ ہجری کا صلح نامہ اگر وہ شخص بتائے جو ۸۶ھ میں پیدا ہوا ہو تو کیا اسے مانا جا سکتا ہے؟ اور پھر وہ بتانے والا یہ بھی نہیں بتاتا کہ اس نے کس سے یہ بات سنی ہے؟ اور اس نے کہاں اس صلح نامہ کو دیکھ لیا جس میں یہ شرط بھی موجود تھی۔؟

(۲) شیعہ عالم علی بن عیسی اردبیلی (۶۸۷ھ) اور شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی (۱۱۱۱ھ) نے بحار الانوار میں جو شرائط صلح نقل کی ہیں اس میں صرف یہ بات ملتی ہے کہ:

> لیس لمعاویة بن ابی سفیان ان یعهد الی احد بعده عهدا بل یکون الامر من بعده شوری بین المسلمین (بحار الانوار ج ۴۴ ص ۴۳۔ باب کیفیة مصالحة الحسن علیه السلام من معاویة۔ کشف الغمة ۶۵ للاردبیلی ۶۸۷ھ)
>
> حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اجازت نہیں ہو گی کہ وہ اپنے بعد کسی کو اپنا ولی عہد مقرر کریں بلکہ مسلمان آپس میں مشورہ کر کے کسی کو مقرر کریں گے۔

شیعہ علماء نے تسلیم کیا ہے کہ اس میں بھی کہیں اس شرط کا ذکر نہیں ملتا کہ خلافت سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دی جائے گی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط بعد میں داخل کی گئی ہے۔

(۳) سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں ہوا جبکہ حضرت معاویہؓ ان کے بعد دس سال حیات رہے۔ آپ کا انتقال ۶۰ھ میں ہوا تھا۔ چاہئے تھا کہ اس شرط کی رو سے جس دن سیدنا حضرت حسنؓ کا انتقال ہوا اسی دن حضرت حسینؓ حضرت معاویہؓ سے مطالبہ کرتے کہ حضرت حسنؓ کے بعد اس شرط میں میرا نام شامل کر دیا جائے۔ اگر واقعی ان شرائط میں یہ شرط بھی ہوتی تو

حضرت حسینؓ کیا اس پر کبھی خاموش رہ سکتے تھے ؟ نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جن شرائط پر مصالحت ہوئی تھی اس میں یہ شرط نہیں تھی۔ حضرت سیدنا حسینؓ کا اس پر خاموش رہنا اور حضرت معاویہؓ سے عطایا اور تحائف لیتے رہنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ شرط اس صلح نامہ میں کہیں موجود نہ تھی۔

(۴) جب حضرت معاویہؓ نے اپنی جانشینی کے لئے یزید کو منتخب کیا اس وقت بھی حضرت حسینؓ نے اس شرط کا ذکر نہ چھیڑا اور نہ یہ کہا کہ ان شرائط میں سے ایک آپ کے بعد حضرت حسنؓ کی خلافت تھی اب جبکہ وہ نہیں رہے تو آپ کو یہ اختیار نہیں رہا کہ اپنے بیٹے کو منتخب کریں۔ چونکہ حضرت حسنؓ میرے بڑے بھائی تھے اور میں نے بھی انہی شرائط پر آپ کی بیعت کی تھی اس لئے آپ کے بعد خلافت میرے حوالہ کی جائے۔ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ مطالبہ بھی کہیں موجود نہیں ہے۔

(۵) اگر ان شرائط میں یہ شرط واقعی موجود ہوتی تو اس پر ان تمام شیعہ حضرات کو غور کرنا چاہئے جو اپنے ائمہ کو عالم الغیب سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انہیں اپنی موت کے وقت کا علم ہوتا ہے (دیکھئے شیعہ کی مرکزی کتاب اصول کافی ج ا ص ۲۰۲۔ کتاب الحجۃ۔ باب الائمۃ یعلمون متی یموتون ولا یموتون الا باختیار ھم)۔

اگر سیدنا حسنؓ یہ جانتے کہ میرا انتقال حضرت معاویہؓ سے دس سال قبل ہو جائے گا تو آپ ہی بتائیں کہ کیا آپ کبھی اس شرط کو لکھتے ؟ شیعہ دوستوں کو اس پر غور کرنا ہو گا کہ اگر یہ شرط درست ہے تو انہیں اپنے ائمہ کے بارے میں وضع کردہ عقائد پر نظر ثانی کرنی چاہئے اور اگر وہ ان ائمہ کے بارے میں ان عقائد پر مقر اور اس پر مصر ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ اپنی موت کا علم رکھنے کے باوجود ایک ایسی شرط کیوں لگا رہے تھے جو بالکل بے فائدہ تھی۔ فافھم وتدبر...

(۶) جناب سلمان ندوی کہتے ہیں کہ ان شرائط میں سے ایک یہ تھی کہ ان کے بعد خلافت حضرت حسنؓ کو واپس دی جائے گی مگر افسوس کہ ان کی یہ بات غلط ہے۔ تاریخ کی مشہور کتابیں

تاریخ یعقوبی تاریخ ابن کثیر تاریخ طبری تاریخ الکامل مروج الذھب میں اس شرط کا کہیں تذکرہ نہیں اور خود شیعہ علماء تسلیم کرتے ہیں کہ ان شرائط میں ایسی کوئی بات تھی ہی نہیں۔ بلکہ الٹا حضرت حسنؓ کے فوجی یہ کہتے تھے کہ حضرت حسنؓ نے یہ شرط کیوں نہیں رکھوائی؟ شیعہ کا ممتاز محدث ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ جب صلح نامہ لکھ لیا گیا اور اس پر دستخط بھی ہو گئے تو جناب سلیمان بن صرد خزاعی نے حضرت حسنؓ کو مخاطب کر کے کہا:

> آپ نے پیمان محکم صلح نامہ میں نہ لیا اور بہرہ کامل عطا میں نہ لکھوایا اگر بروقت مصالحہ اہل مشرق و مغرب کو آپ گواہ کرتے اور نوشتہ اس سے لیتے کہ بعد اس کے خلافت آپ میں ہوتی ہمارا کام بہت آسان تھا۔
>
> (جلاء العیون ج ا ص ۳۸۱ اردو ترجمہ)

مؤرخ جناب اکبر شاہ خان نجیب آبادی تو یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ تو اس شرط کو بھی قبول کرنے کے لئے تیار تھے مگر خود حضرت حسنؓ اس پر راضی نہ تھے۔ موصوف لکھتے ہیں:

> لوگوں کو عام طور پر اس کا علم تھا کہ امام حسنؓ سے مصالحت کرتے وقت عبداللہ بن عامرؓ کی کوشش کے موافق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ معاہدہ صلح میں اس اقرار کو اپنی طرف سے درج کرانے پر آمادہ تھے کہ ان کے بعد امام حسن خلیفہ بنائے جائیں لیکن حضرت امام حسنؓ نے یہ بات صلح نامہ میں درج نہیں کرائی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اگرچہ امام حسن علیہ السلام کی آئندہ خلافت کا کوئی تذکرہ عہد نامہ میں نہیں ہوا مگر عالم اسلام حضرت امام حسنؓ کی خلافت پر متفق ہو جائے گا۔
>
> (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۳۸ مطبوعہ نفیس اکیڈیمی کراچی)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جناب سلمان ندوی جس شرط کا دعوی کرتے ہیں اس شرط کا تو خیر سے متعصب و تبرا باز شیعہ علماء بھی نہیں کرتے۔ حضرت معاویہؓ کی مخالفت میں حقائق مسخ کرنے والے یوں تو کچھ کم نہیں ہیں مگر لکھنؤ ایک استاد سلمان ندوی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جتنا پھڑکا اور بھڑکا ہے ہمیں کم از کم اس کی امید نہ تھی۔۔۔۔

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال طبعی ہوا یا زہر خورانی سے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی..... أَمَّا بَعْدُ!

شیعہ دوستوں سے جب پوچھا جاتا ہے کہ اگر سیدنا حضرت حسنؓ کی وفات زہر خورانی سے ہوئی ہے تو اس کی وجہ کیا تھی؟ ان کا جواب ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ کو زہر دے کر قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ امیر شام کی وفات کے بعد خلافت حضرت حسنؓ کو نہ ملے۔ اس لئے آپ کو ایک منصوبہ کے تحت زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ تاکہ جب وہ رہیں گے ہی نہیں تو خلافت کون مانگ سکے گا۔ (دیکھئے مروج الذہب ج۲ ص۴۲۷ از شیعہ مؤرخ مسعودی)

افسوس کہ جناب سلمان ندوی نے بھی یہ دونوں الزام اکٹھے ہی لکھے ہیں۔ موصوف نے ازالہ کے نمبر۱۷ میں شرائط صلح میں بطور خاص اس شرط کا ذکر کیا اس کے بعد نمبر۱۸ میں زہر خورانی کو یزید کی بیوی (حضرت معاویہؓ کی بہو) سے اس طرح منسوب کر دیا:

> کیا حضرت حسن کو یزید کی سازش کے نتیجے میں ان کی بیوی جعدہ نے زہر نہیں دیا تھا اہل سنت مؤرخین و محدثین کی کتابوں میں یہ حقائق کیا درج نہیں ہیں۔ (ازالہ ص۱۳)

جناب سلمان ندوی نے یہ بات اس یقین کے ساتھ تحریر فرمائی ہے کہ تمام مؤرخین اور محدثین بیک زبان یہی بات کہتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات اب تک اختلافی رہی ہے کہ آپ کی وفات طبعی ہوئی تھی؟ کسی بیماری کی وجہ سے ہوئی؟ یا آپ زہر خورانی کی وجہ سے انتقال فرما گئے تھے۔ بعض حضرات نے زہر خورانی اس کا سبب لکھا ہے بعض نے بیماری بتائی ہے۔ سو زہر خورانی کی نسبت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب کی جائے یا ان کے بیٹے یزید کی جانب۔ اس کو یقینی بتا کر پیش کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟۔ مؤرخ ابن خلدون نے اسے شیعہ کی گھڑی ہوئی بات کہا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۴ھ) تو سرے سے ہی اس کو غلط بتاتے ہیں

وعندی ان هذا لیس بصحیح وعدم صحته عن أبیه معاویة بطریق الاولی والاخری (البدایہ ج۸ ص۴۳)

میرے نزدیک زہر خورانی کی نسبت یزید اور ان کے والد حضرت معاویہؓ کی جانب تو بطریق اولی صحیح نہیں ہے (غلط ہے)

علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (۷۴۹ھ) نے بھی اس نسبت کو غلط قرار دیا ہے:

قلت هذا شیء لا یصح فمن الذی اطلع علیه

(تاریخ اسلام ج۲ ص۲۱۹)

میں کہتا ہوں کہ یہ بات بالکل صحیح نہیں کون ہے جو اس پر مطلع ہو گیا تھا؟

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ (۸۰۸ھ) نے تو یہ بات اور کھول کر بتائی ہے کہ اس الزام کا اصل موجد شیعہ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟

وما ینقل ان معاویة دس الیه السم مع زوجته جعدة بنت الاشعث فهو من احادیث الشیعة وحاشا لمعاویة من ذلك

(مقدمہ ابن خلدون ج۲ ص۶۴۹ ش)

اور یہ جو نقل کیا گیا ہے کہ امیر معاویہ نے حضرت حسنؓ کی بیوی کے ذریعہ ان کو زہر دلوانے کی کوشش کی یہ شیعوں کی گھڑی ہوئی بات ہے حضرت معاویہؓ پر اس قسم کا الزام لگانا غلط ہے اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آپ اس سے بری ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

أما قوله ان معاویة سم الحسن فهذا مما ذکره بعض الناس ولم یثبت ذلك ببینة شرعیة أو اقرار معتبر ولا نقل یجزم به وهذا مما لا یمکن العلم به فالقول به قول بلا علم ... وبالجملة فمثل هذا لا یحکم به فی الشرع باتفاق المسلمین فلا یترتب علیه أمر ظاهر لا مدح ولا ذم والله أعلم (منہاج السنۃ ج۴ ص۴۷۱)

جن لوگوں نے یہ بات کہی کہ (معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کھلایا تھا) کسی

شرعی دلیل وبرہان سے یا کسی معتبر کے اقرار سے یا کسی سچے ناقل کے کلام سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کا علم ممکن ہے پس یہ کہنا کہ آپ نے حضرت حسنؓ کو زہر دیا تھا بغیر علم کے بات کرنا ہے... خلاصہ یہ کہ باتفاق مسلمین شرعا ایسی بلا دلیل بات کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس پر کسی کی مدح یا مذمت کا ترتب درست ہے۔ (ج ا ص ۵۲۸)

مناسب معلوم ہوتا ہے شیعہ روایات کی روشنی میں بھی یہ بات معلوم کر لیں۔ شیعہ مؤرخ احمد بن داؤد دینوری (۲۸۲ھ) کی کتاب الاخبار الطوال ہمارے سامنے ہے اس میں حضرت حسنؓ کی زندگی کے آخری لمحات کا ذکر ہے جس میں آپ اپنے بھائیوں کو وصیت فرماتے ہیں اس میں آپ کی بیماری کا ذکر تو ملتا ہے مگر زہر خورانی کا نہیں (دیکھئے ذکر موت الحسن بن علی ص ۲۲۱)

(۲) شیعہ عالم احمد بن علی بن حسین کا بیان ہے کہ آپ کی وفات کا سبب بیماری تھی جس میں آپ چالیس دن مبتلا رہے اور اسی میں آپ کا انتقال ہوا تھا (عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۴۶)

(۳) محمد بن حامد شاہ (۹۰۳ھ) کی کتاب روضۃ الصفاء میں آپ کی وفات کا سبب (۱) آپ کا چالیس دن ایک بیماری میں مبتلا ہو جانا (۲) زہر کا پیالہ پلا کر شہید کرنا لکھا ہے (روضۃ الصفاء ج ۳ ص ۱۴۰ ذکر وفات امام حسنؓ مطبوعہ لکھنؤ)

(۳) جن مؤرخین نے آپ کی وفات کا سبب زہر خورانی بتایا وہ بھی وثوق سے یہ بات نہیں کہتے کہیں لفظ قیل کہیں لفظ ذُکر سے یہ بات لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات کا زہر خورانی سے ہونا یقینی اور قطعی بات نہیں ہے۔ خود مؤرخ مسعودی شیعی نے مروج الذھب میں بھی لفظ ذُکر سے یہ بات لکھی ہے۔

(۴) شیعہ مؤرخ مسعودی یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ حضرت حسنؓ کو زہر دینے والے کون تھا یا تھی ؟ اس کا کسی کو بلکہ خود حضرت حسنؓ کو بھی علم نہ تھا۔ آپ اپنے گمان پر کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہرانا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حسنؓ کے آخری لمحات میں جب حضرت حسینؓ نے پوچھا کہ اگر آپ کو اس کا نام معلوم ہے تو بتا دیں آپ نے فرمایا کہ اگر تو وہی ہے جس کے بارے

میں میرا گمان ہے (یقینی بات نہیں) تو اللہ خود اس سے بدلہ لے گا اور اگر تو وہ نہیں ہے تو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کوئی بے گناہ پکڑا جائے (دیکھئے مروج الذھب ج۳ص۵)

اگر حضرت حسینؓ کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات ہوتی کہ میرے بڑے بھائی اور نوجوانان جنت کے سردار حضرت حسنؓ کو حضرت معاویہؓ یا یزید نے زہر دے کر شہید کر دیا ہے تو آپ ہی بتائیں کیا حضرت حسینؓ اس کے بعد حضرت معاویہؓ کے ہاں کبھی جاتے؟ نہیں۔ آپ کا ہر سال حضرت معاویہؓ کے پاس جانا اور حضرت معاویہؓ کی جانب سے دئے گئے تحفے تحائف اور عطایا کو خوش دلی سے قبول کرنا بتلاتا ہے کہ آپ نے اپنے بھائی کی موت کا ذمہ دار نہ یزید کو جانا اور نہ ہی حضرت معاویہؓ کو۔ ورنہ آپ ہی سوچیں کہ ۵۱ ہجری میں حضرت حسینؓ کسی ایسے غزوہ میں کیسے جاتے جس کا نگراں یزید ہو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر آپ کی وفات زہر خورانی کے سبب ہوئی تھی تو بھی اس کا نام اس وقت کہیں نہیں لیا گیا اور اگر آپ نے ایک طویل بیماری کے بعد انتقال فرمایا ہے تو پھر یہ الزام ہی سرے سے غلط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

خادم رسول حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب اللہ تعالیٰ میری امت میں سے کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے دل میں میرے صحابہ کی محبت پیدا کر دیتے ہیں

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس دل میں صحابہ کرام کی محبت وعقیدت موجود ہے اور جو ان بزرگوں کے احسانات کو یاد رکھتے ہوئے ان کے لئے دعائے رحمت ومغفرت کرتے ہیں وہ دل اللہ کی طرف سے خیر کا حامل ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جو اس نے اپنے پیغمبر کے اصحاب کی محبت اور عقیدت کی وجہ سے اسے عطا فرمائی ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اہل خیر بنے۔ اور بد قسمت ہیں وہ لوگ جو ان بزرگوں کے بارے میں بد گمانی رکھتے ہیں اور اپنی زبان گندی کر کے اہل شر بن گئے ہیں۔ خدا ان کے شر سے سب کو محفوظ رکھے۔

(م۔ا۔ر)

قصہ جناب حکم بن ابی العاص کی جلاءوطنی کا

جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

> کیا حضور ﷺ کے پاس جب مروان کا باپ حکم آیا تھا اور مسلمان ہوا اور صحابہ میں داخل ہوا پھر وہ حضور ﷺ کی نقل اتارنے لگا مذاق کرنے لگا تو آپ نے اس کو مدینہ سے نکال دیا تھا اور پھر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے اس کو طائف سے مدینہ منورہ کبھی آنے نہیں دیا؟

جناب حکم بن ابی العاصؓ کی جلاءوطنی کے قصہ کی حقیقت بتانے سے قبل ہم اپنے قارئین کو جناب سلمان ندوی کی اس عبارت پر توجہ دلانا چاہتے ہیں جو انہوں نے طنزا لکھی {اور صحابہ میں داخل ہوا}۔ جب جناب حکم حضور ﷺ کے پاس آکر مسلمان ہوگئے تو یہ بات خود بخود ثابت تھی کہ وہ صحابی تھے۔ "اور صحابہ میں داخل ہوا" کہہ کر موصوف سوائے اس کے اور کیا کہنا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابہ میں اچھے برے دونوں تھے۔ اس لئے مجھے صحابہ کی تعظیم و تکریم کا سبق نہ پڑھایا جائے۔ رہی بات اس واقعہ کے سند کی تو جناب مودودی نے خلافت وملوکیت میں بھی جناب حکم کا یہ واقعہ بغیر کسی سند کے لکھا ہے۔

جناب سلمان ندوی نے یہ بتانے کی زحمت نہ فرمائی کہ انہوں نے یہ بات کہاں سے نقل کی ہے؟ کیا جناب حکم کی جلاءوطنی کا واقعہ سند صحیح سے ثابت بھی ہے؟ جناب سلمان ندوی یہ واقعہ دور نبوت کا بتاتے ہیں مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا کوئی صحابی یہ واقعہ بیان نہیں کرتا اور نہ حدیث کی کسی کتاب میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ حافظ ابن کثیر طبری ابن سعد وغیرہم بھی اس واقعہ کو نقل نہیں کرتے اور جن ایک دو حضرات نے یہ واقعہ نقل کیا ہے وہ بھی بغیر سند کے۔ اور پھر جس نے کہیں سے اس کی سند ڈھونڈی بھی تو انہی لوگوں سے جن کے کذاب ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) نے کھل کر شیعہ علماء سے پوچھا ہے کہ اس کی کوئی سند صحیح ہے؟ یا یہ واقعہ کسی صحابی سے سند صحیح کے ساتھ منقول ہے تو بتلاؤ؟

وقد طعن کثیر من اهل العلم فی نفیه وقالوا هو ذهب باختیاره وقصة نفی الحکم لیست فی الصحاح ولالها اسناد یعرف به امرها..... واما قصة الحکم فعامة من ذکرها انما ذکرها مرسلة وقد ذکرها المؤرخون الذین یکثر الکذب فیما یروونه وقل ان یسلم لهم نقلهم من الزیادة والنقصان فلم یکن هنا نقل ثابت یوجب القدح (منہاج السنۃ ج۶ ص۲۶۵۔۲۶۷)

حضرت شیخ الاسلام ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

وقد ذکر غیر واحد من العلم ان نفی الحکم باطل فان النبی ﷺ لم ینفه الی الطائف بل هو ذهب بنفسه وذکر بعض الناس انه نفاه ولم یذکروا اسنادا صحیحا بکیفیة القصة وسببها (منہاج السنۃ ج۶ ص۳۵۳)

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے پورے وثوق کے ساتھ یہ بات لکھی ہے اگر جناب حکم کی جلاء وطنی کا واقعہ کسی حدیث میں ہوتا یا کسی صحابی کی زبانی یہ بات منقول ہوتی تو آپ یہ دعوی کبھی نہ کرتے اور نہ ہی اب تک کسی شیعہ عالم نے حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس دعوی کو غلط ثابت کیا ہے۔ کسی صحابی کی عزت پر بغیر کسی سند صحیح کے کیچڑ اچھالنا کیا کسی شریف شخص کو زیبا دیتا ہے؟

(۲) تاریخ کی جن کتابوں میں یہ واقعہ بغیر سند کے منقول ہے بالفرض اسے درست بھی مان لیں تو کیا انہی کتابوں میں بھی یہ بات موجود نہیں کہ پھر جناب حکم اپنے عمل پر نادم ہوئے اور توبہ کی (الصواعق المحرقہ ص۱۱۳) اور حضرت عثمان کی سفارش پر خود حضور ﷺ نے انہیں واپس آنے کی اجازت مرحمت فرمادی تھی (الاصابہ ج۱ ص۳۴۵) یہ بات تو شیعہ معتزلی حاکم محسن بن کرامہ اپنی کتاب سرح العیون میں تسلیم بھی کر چکا ہے۔ (دیکھئے الروض الباسم ج۱ ص۱۴۱ لابن الوزیر الیمنی ۸۴۰ھ) بلکہ محمد بن ابراہیم وزیر نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ معتزلہ اور زیدی شیعہ کے لئے اس حدیث کو قبول کرنا لازم ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس حدیث کا راوی ان کے مشہور علماء میں

سے ہے اور ان کو اس کے علم اور صحت عقیدہ پر اعتماد ہے۔ علامہ ابن الوزیر نے بعد ازاں برات عثمان پر پورے دلائل کے ساتھ تفصیلی بحث بھی کی ہے۔

جناب حکمؓ کے مدینہ واپس آنے سے پہلے حضور ﷺ انتقال فرما چکے تھے حضرات شیخین کو چونکہ یہ بات معلوم نہ ہوئی تھی اس لئے باوجود اس کے کہ حضرت عثمانؓ نے بتایا تھا پھر بھی انہوں نے اس کی اجازت نہیں دی کیونکہ حضرت عثمان اس بات کے اکیلے گواہ تھے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضرات شیخینؓ کو حضرت عثمانؓ پر اعتماد نہ تھا۔ نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت علیؓ کے چیف جسٹس حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقدمہ میں حضرت علیؓ کی بات تسلیم نہ کی تھی کہ وہ بھی اکیلے گواہ تھے کوئی دوسرا باہر کا گواہ ان کے پاس نہ تھا۔ نہ یہ کہ حضرت شریح کو حضرت علیؓ کے قول پر اعتماد نہ تھا۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو چونکہ آپ کو معلوم تھا کہ حضور ﷺ نے ان کو معاف کر دیا تھا اور واپس آنے کی اجازت بھی دے دی تھی اس لئے آپ نے انہیں مدینہ آنے کی اجازت دے دی۔ ہمیں کسی ایک روایت سے بھی معلوم نہیں ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے اس فیصلہ پر حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اعتراض کیا ہو۔ اگر یہ بات غلط ہوتی تو حضرت علی مرتضیٰؓ اور دیگر اجلہ صحابہ کا اس پر ضرور احتجاج ریکارڈ ہوتا اور یہ احتجاج حدیث کی کتابوں میں پایا جاتا۔

(۳) ہم نے یہ جواب اس صورت میں دیا ہے اگر یہ واقعہ کسی سند صحیح سے ثابت بھی ہو۔ ورنہ تاریخ تو یہ بھی بتاتی ہے کہ جناب حکم ہمیشہ مکہ ہی میں رہے۔ مدینہ کبھی آئے ہی نہ تھے۔ آپ حضرت عثمانؓ کے دور میں مدینہ منورہ آئے تھے۔ مؤرخ محمد ابن سعد (۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:

أسلم يوم فتح مكة ولم يزل بها حتى كانت خلافة عثمان

(طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۵)

اگر یہ بات صحیح ہے تو ان کی جلاء وطنی کا بیان سرے سے من گھڑت ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ صرف جناب حکم کی عزت پر حملہ نہیں بلکہ اصل نشانہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ ہیں اور یہ کہانی محض آپؓ کے کردار کو داغدار دکھانے کے لئے گھڑی گئی معلوم ہوتی ہے۔۔۔۔

جناب حکم کی اولاد کو منبر پر کودتے دیکھنے کی روایت؟

جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

کیا حضور ﷺ نے نہیں فرمایا تھا کہ میں نے حکم کی اولاد کو اپنے منبر پر اس طرح کودتے دیکھا جیسے بندر کودتے ہیں؟(ازالہ ص ۱۳)

حضور اکرم ﷺ نے ایک خواب دیکھ کر یہ بات ارشاد فرمائی تھی آپ کے ارشاد میں بنی الحکم (حکم کی اولاد) کا لفظ وارد ہے؟ محدثین میں سے کسی نے بالاتفاق اس بات کا تعین نہیں کیا کہ بنی الحکم سے مراد کوئی ایک خاص فرد ہے یا قیامت تک پیدا ہونے والی جناب حکم کی نسل مراد ہے؟ جناب سلمان ندوی نے بھی گو کہ کسی کا تعین کرنے کی جرات نہیں کی۔ سو اس حدیث میں جناب حکم تو مراد نہیں ہوسکتے کیونکہ حضور ﷺ نے حکم نہیں بنی الحکم ارشاد فرمایا ہے۔

(۲) جناب حکم کے ایک بیٹے جناب مروان ہیں۔ ان کے بیٹے عبدالعزیز اور ان کے بیٹے عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔ مروان کے دوسرے بیٹے عبدالملک ہیں ان کے بیٹے سعید اور ان کے بیٹے عبداللہ ہیں۔ جناب مروان کے تیسرے بیٹے کا نام معاویہ تھا۔

محدثین اور مؤرخین تسلیم کرتے ہیں کہ جناب مروان بن حکم کو حضور ﷺ کی زیارت اور سماع کا شرف حاصل تھا اس لئے محدثین نے انہیں احترام کی نظر سے دیکھا اور ان کی روایت کو قبول کیا ہے اور حدیث کی کتابوں میں ان سے روایت نقل بھی کی ہیں۔

اب جو لوگ اس روایت کا مصداق جناب مروان کو بناتے ہیں انہیں غور کرنا چاہئے کہ اہل بیت نبوی نے انہیں کس نظر سے دیکھا ہے۔ جناب مروان بن حکم کی عزت کے لئے کیا یہ گواہی کافی نہیں کہ حضرات حسنین کریمینؓ ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھا کرتے تھے اور ایسا تقیۃً ہرگز نہیں کرتے تھے ہم پہلے امام جعفر صادق کے والد حضرت امام محمد باقرؒ کے حوالہ سے یہ بات نقل کر آئے ہیں:

کان الحسن والحسین کانا یصلیان خلف مروان ولا یعیدانها

يعتدان بها (البدایہ ج۸ ص۲۵۸)

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما مروان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے اور انہیں لوٹاتے نہیں تھے بلکہ ان نمازوں کو صحیح شمار کرتے تھے۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا شیعہ علماء بھی انکار نہیں کر سکے حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

عن موسى بن جعفر عن ابيه قال كان الحسن والحسين يصليان خلف بن مروان بن الحكم فقالوا لاحدهما ما كان ابوك يصلى إذا رجع الى البيت فقال لا والله ما كان يزيد على صلوة (بحار الانوار ج۱۰ ص۱۴۱)

جناب مروان کے لئے یہ شرف بھی کچھ کم نہیں کہ حضرت امام حسین بن علیؓ کے صاحبزادے حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ (علی بن حسینؓ) نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں (دیکھئے ج۱ ص۲۱۲) حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں (ج۲ ص۱۳) امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن میں (دیکھئے ج۲ ص۹۶) اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں (دیکھئے ج۱ ص۱۵۳) ان کی روایتیں نقل کی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مصداق اگر واقعی جناب مروان ہوتے تو آپ ہی بتائیں کہ امام زین العابدینؒ کبھی آپ سے حدیث کی روایت کرتے؟ پھر صرف روایت ہی نہیں اہل بیت نے تو اپنے گھرانے کی صاحبزادیاں بھی جناب مروانکے صاحبزادوں کے نکاح میں دی تھیں۔ اسے بھی دیکھتے جایئے۔

(۱) حضرت علیؓ کی ایک صاحبزادی محترمہ رملہ کا دوسرا نکاح جناب مروان کے صاحبزادے جناب معاویہ کے ساتھ ہوا تھا (کتاب نسب قریش ص۴۵)

(۲) حضرت حسنؓ بن علی کی پوتی محترمہ زینب جناب عبدالملک بن مروان کے نکاح میں تھی (ایضا۔ وناسخ التواریخ ج۲ ص۳۳۶)

(۳) حضرت حسن بن علیؓ کی پوتی (حضرت زید بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی) نفیسہ رحمۃ اللہ علیہ کی شادی

جناب مروان کے پوتے ولید بن عبد الملک کے ساتھ ہوئی تھی

خاندان نبوت کے ساتھ جناب مروان کے تعلقات کی کچھ مزید تفصیل راقم الحروف کی کتاب "فتح الرحمن بسیرۃ سیدنا عثمان بن عفان" ص ۵۵۰ پر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

سو جو لوگ حضور ﷺ کے اس خواب کی رو سے جناب مروانؒ کو نشانہ بناتے اور ان پر طنز و طعن کرتے ہیں انہیں غور کرنا چاہئے کہ ان کے طنز و طعن کا نشانہ کیا خاندان نبوت تو نہیں؟ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ حضور اکرم ﷺ یہ بات ارشاد فرماویں اور خاندان نبوت اس بات کو بھلا کر نہ صرف یہ کہ نمازوں میں ان کی اقتداء کریں اور ان سے حدیث کی روایت کریں، بلکہ ان کے ساتھ خاندانی تعلقات تک قائم کر لیں۔ ہاں اگر بنی الحکم سے مراد اگلے امراء اور خلفاء ہوں تو ہوں اگر وہ کسی جرم کے مرتکب ہوئے تو وہ اپنے کئے کو ضرور بھگتیں گے۔

(جناب سلمان ندوی صاحب کے شہر) لکھنؤ میں مقبول احمد نامی ایک شیعہ تبرائی واعظ تھا اس نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں صحابہ کرام کی شان میں گستاخیاں کر کے فتنے کی آگ لگا رکھی تھی ایک دفعہ اس پر اسی جرم کی وجہ سے فیض آباد میں مقدمہ قائم ہوا مقبول احمد نے عدالت میں بیان دیا کی اصحاب رسول پر تبرا کرنا ہمارا مذہبی شعار ہے پس جس طرح تمام لوگوں کو اپنے اپنے مذہبی فرائض کو ادا کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے اسی طرح ہمیں علی الاعلان تبراء کی آزادی ملنی چاہئے اس کے جواب میں مسٹر محمد افضل بیرسٹر رائے بریلے نے جو اہل سنت کے وکیل تھے عدالت سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جناب ان کا مذہبی فریضہ پیغمبر کے اصحاب ورفقاء کو گالیاں دینا ہے اور ہمارا مذہبی فریضہ یہ ہے کہ تبرا کرنے والوں کے لئے ایک خاص سزا مقرر ہے۔ اس لئے مقبول احمد کو اس کے مذہبی فریضہ کی اجازت دی جائے اور ہم کو ہمارے مذہبی فریضہ کی، بات چونکہ نہایت معقول تھی۔ مقبول احمد سے اس کا جواب نہ بن پڑا اور عدالت نے اس بدلگام کو سزا دے دی۔ (ائمہ تلبیس ج ا ب ص ۳۹۲ تبغیر یسیر)

جناب مروان رحمۃ اللہ علیہ پر محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کرانے کا الزام

جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

> کیا ابو بکر صدیق کے بیٹے حضرت محمد بن ابی بکر کو جن کو حضرت عثمان نے مصر کا گورنر بنایا تھا اور مروان نے حضرت عثمان کی مہر استعمال کر کے ان کے قتل کرنے کا آرڈر بھیجا تھا۔ (ازالہ ص ۱۴)

جناب مروان رحمۃ اللہ علیہ پر یہ الزام کہ انہوں نے جناب محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کرانا چاہا غلط الزام ہے۔ کیا کسی مستند اور قابل اعتماد ذریعہ سے یہ بات بتائی جاسکتی ہے کہ جناب مروان نے جناب محمد بن ابی بکر کو قتل کرنے کے لئے خط لکھا تھا اور اس کے لئے حضرت عثمان کی مہر چرائی تھی؟

(۲) بالفرض یہ الزام درست ہو کہ جناب مروان بن حکم نے ہی قتل کی اتنی خوفناک سازش رچائی تھی اور یہ بات کسی چھوٹے بڑے سے مخفی نہ تھی تو پھر اس سوال کا جواب بھی دینا پڑے گا کہ آخر خاندان نبوت کو ایسی کیا ضرورت اور مجبوری پیش آگئی تھی کہ وہ ایسے شخص کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے، ان سے حدیث کی روایت بھی کی، ان کے گھر رشتے بھی دیتے لیتے رہے جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس نے حضرت علیؓ کے لے پالک بیٹے کو قتل کرانے کا خطرناک منصوبہ بنایا تھا؟ جب تک اس سوال کا جواب نہیں ملتا اس وقت تک ہم یہ کیسے مان لیں کہ جناب سلمان ندوی جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سو فیصد سچ ہے اس میں جھوٹ نہیں ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں اس کی جو تفصیل ملتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوفہ بصرہ اور مصر والے حضرت عثمانؓ کے ساتھ معاملہ طے ہو جانے کے بعد مدینہ منورہ سے واپس اپنے اپنے علاقوں کی طرف چلے گئے تو اچانک چند ہی دنوں میں یہ تینوں گروہ واپس مدینہ پہنچ گئے۔ اہل مدینہ کو اس پر بڑا تعجب ہوا کہ جب سارے معاملات طے پا گئے ہیں تو پھر یہ تینوں ایک ساتھ واپس کیوں آئے ہیں؟۔ حضرت علی مرتضیٰؓ اور دیگر حضرات نے جب ان لوگوں سے واپس

آنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے راستہ میں ایک خط پکڑا ہے جو حضرت عثمانؓ نے مصر کے حاکم کے نام لکھا ہے اور اس میں ہمارے قتل کا حکم دیا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ اور دیگر حضرات حیران ہوئے کہ مصریوں نے یہ خط مصر کے رستے میں پکڑا؟ لیکن بصرہ اور کوفہ والوں کو اس خط کا پتہ کیسے چل گیا؟ آپ نے کہا تم تو اپنے اپنے شہروں کو لوٹ چکے تھے۔ تم سب کے راستے بھی الگ الگ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات گھڑی گئی ہے اور تم یہاں ایک سازش کے تحت آئے ہو۔ تمہارے آنے کا مقصد کچھ اور ہے اور تم نے اس خط کا بہانہ بنایا ہے۔

فقال لهم الصحابة كيف علمتم بذلك من اصحابكم وقد افترقتم وصار بينكم مراحل؟ انما هذا امر اتفقتم عليه

جب انہوں نے یہ بات سنی تو کہنے لگے:

فقالوا ضعوه على ما أردتم لا حاجة لنا فى هذا الرجل ليعتزلنا ونحن نعتزله يعنون انه ان نزل عن الخلافة تركوه آمنا

(البدایہ ج۷ ص۱۷۴)

یعنی اس کو آپ جو چاہیں سمجھیں ہمارا مقصود تو اس شخص (یعنی حضرت عثمان) کو خلافت سے ہٹانا ہے اگر وہ سیدھے طریقے سے خلافت چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو ٹھیک۔ ہم انہیں جانے دے دیں گے (...ورنہ...)

حضرت علیؓ مرتضی نے ان سے یہ بھی کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے مدینہ میں بیٹھ کر یہ سازش تیار کی ہے:

والله أمر برم بالمدينة (طبری ج۳ ص۳۸۷)

سوال... یہ خط ان کے پاس کیسے آیا؟

جواب... یہ خط انہوں نے خود ہی گھڑا تھا تاکہ حضرت عثمانؓ پر قتل کا الزام عائد کرکے انہیں خلافت سے معزول کرادیا جائے۔ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف منصوبہ بندی کر رکھی تھی وہ اس طرح کے کاموں میں بڑی مہارت رکھتے تھے یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم

کے نام سے جھوٹ پھیلا رکھا تھا اور ان کے نام سے لوگوں کو خطوط بھی بھیجے تھے کہ وہ مدینہ آئیں اور حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کریں تاکہ عام مسلمان یہ سمجھیں کہ جو لوگ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے مخالف ہیں وہ مدینہ کے عام لوگ نہیں بلکہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کا خود صحابہ رضی اللہ عنہم میں بڑا مقام و رتبہ ہے جب ان کے نام سے بات چلائی جائے گی تو حضرت عثمانؓ کو خلافت سے ہٹانا پھر مشکل نہیں ہو گا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے طبری کے حوالہ سے یہ بات اس طرح لکھی ہے:

ان الصحابة كتبوا الى الآفاق من المدينة يامرون الناس بالقدوم على عثمان ليقاتلوه وهذا كذب على الصحابة وانما كتبت كتب مزورة عليهم كما كتبوا من جهة علي وطلحة والزبير الى الخوارج كتبا مزورة عليهم انكروها وهذا زور هذا الكتاب على عثمان ايضا فانه لم يامر به ولم يعلم به ايضا

(البدایہ ج ۷ ص ۱۷۵)

(یہ بات کہ) صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدینہ کے اطراف کی طرف لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے پاس آنے کے لئے خطوط لکھے تاکہ وہ آپ سے قتال کریں یہ صحابہ پر جھوٹ ہے کہ انہوں نے یہ خطوط لکھے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے نام سے جھوٹے خط لکھے تھے جن کا ان سب نے انکار کیا تھا اسی طرح حضرت عثمانؓ کے بارے میں بھی جھوٹا خط تیار کیا گیا حالانکہ نہ آپ نے اس کا حکم دیا تھا اور نہ آپ کو اس کا علم تھا۔

ان بدبختوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نام سے بھی جعلی خطوط لکھے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف تحریک چلائیں۔ جب حضرت ام المؤمنین عائشہؓ سے پوچھا گیا تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میرا ان خطوط سے کوئی تعلق نہیں ہے میں نے تو حضرت عثمانؓ اور آپ کی خلافت کے بارے میں کبھی ایک حرف بھی نہیں لکھا:

قالت عائشة والله الذى آمن به المؤمنون وكفر به الكافرون ما

كتبت إليهم بسوداء في بيضاء (المصنف لابن ابی شیبہ ج۶ ص۳۶۳)

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خط جس کے بہانے باغی مدینہ منورہ واپس آگئے وہ جعلی تھا۔ حضرت عثمانؓ بھی اس سے لاعلم تھے اور جناب مروان کا بھی اس سے تعلق نہ تھا۔ ورنہ صحابہ کو یہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی کہ آخر تم سب الگ الگ رستے پر جا چکے تھے پھر تم کو کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ خط مصر جا رہا تھا۔ تم سب کا اکٹھے واپس مدینہ آنا بتا رہا ہے کہ دل میں کچھ کالا نہیں ساری دال ہی کالی ہے تم لوگ سازشی ہو اور تمہارا یہ خط جعلی ہے۔

یہ ہے وہ تفصیل جس کو بتائے بغیر جناب سلمان ندوی جناب مروان پر قتل کرانے کا الزام لگاتے پھولے نہیں سماتے ہیں۔

☆... قصہ جناب محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ کے قتل کا

جناب محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ ہیں آپ چھوٹے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا انتقال ہو گیا حضرت علیؓ نے جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے نکاح کیا تو یہ بچہ بھی آپ کی زیر کفالت آگیا اور آپ ہی کے پاس وہ رہنے لگا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں نوجوان تھا اور اسے خواہش بھی تھی کہ حضرت عثمانؓ اسے کوئی بڑا عہدہ دیں۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی نوجوانی اور ناتجربہ کاری کی بناء پر بڑا عہدہ دینے سے معذرت کر دی اور پھر جب حضرت عثمانؓ کے خلاف سبائی مصریوں نے بغاوت کی سازش تیار کی تو جناب محمد بن ابی بکرؓ بھی ان کے فریب میں آگیا اور حضرت عثمانؓ کے خلاف گرم کئے گئے محاذ میں پھر وہ اس حد تک بڑھ گیا کہ حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہو کر اس نے آپ کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ حضرت عثمانؓ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمہارے والد حضرت ابو بکرؓ زندہ ہوتے اور تمہیں ایسا کرتے دیکھتے تو کیا اسے پسند کرتے؟ تمہارے والد میری تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے اور آج تم اس گراوٹ پر آگئے کہ تمہارے ہاتھ میری ڈاڑھی تک پہنچ گئے۔

فأخذ بلحيته فقال لقد أخذت مني مأخذا وقعدت مني

مقعدا ما كان أبوك ليأخذه أو يقعده

(صب العذاب علی من سب الاصحاب ص۴۱۸ ش)

آپ کی اس نصیحت پر اسے کچھ احساس ہوا قبل اس کے کہ سبائی اور گمراہ لوگ حضرت عثمانؓ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کریں وہ گھر سے باہر نکل کر چلا گیا۔ دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے خون میں محمد بن ابی بکر کا بھی ہاتھ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حسنؓ جناب محمد بن ابی بکر کا نام لینے کے روادار نہ تھے بلکہ اسے جس نام سے پکارتے تھے اسے طبقات ابن سعد (ج۳ ص ۶۱ش) پر دیکھا جاسکتا ہے جناب محمد کے صاحبزادے حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے لئے سجدہ میں ان کے اس عمل کی مغفرت کے لئے دعا کرتے تھے جو ان سے حضرت عثمان غنیؓ کے حق میں ہو گیا تھا۔

اللهم اغفر لأبی ذنبه فی عثمان

(وفیات الاعیان ج۴ ص۵۹ لابن خلکان ۶۸۱ھ)

حضرت عثمانؓ اللہ تعالیٰ کے مقبولین میں سے تھے جب کوئی شخص خدا کے والی پر ہاتھ اٹھاتا ہے اللہ خود اس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیتے ہیں۔ خدا کے نیک بندوں کے ساتھ جو لوگ زیادتی کا ارتکاب کرتے ہیں کبھی کبھی وہ اس دنیا میں بھی خدا کی پکڑ میں آجاتے ہیں۔ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف جن لوگوں نے بھی بدنیتی کے ساتھ قدم اٹھائے اور آپ کی توہین اور گستاخی میں کسی طرح کا بھی حصہ لیا اللہ نے اس دنیا میں بھی اس کا حساب برابر کر دیا اور ان میں سے کوئی بھی خدا کی پکڑ سے نہیں بچا۔ جناب محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا حضرت عثمانؓ کے ساتھ توہین آمیز سلوک اور گستاخی خدا کو پسند نہیں آئی۔ چنانچہ جب حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ مصر میں ان لوگوں کا مقابلہ ہوا تو جناب محمدؒ بن ابی بکر اپنے لشکر سے الگ ہو گیا اور چھپ چھپا کر اس نے ایک ویران غار میں پناہ لے لی۔ جناب معاویہ بن خدیجؓ اس کی تلاش میں نکلے اور بالآخر اسے وہیں قتل کر دیا۔ اس پر جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

> معاویہ اور عمرو بن العاص نے اپنے دور حکومت میں شہید کر کے اور ایک گدھے کی کھال میں ڈال کر جلایا نہیں تھا؟ اور اس کے علم کے بعد ان کی

بہن حضرت عائشہ صدیقہؓ نے معاویہ اور عمرو بن العاص کے خلاف ہر نماز کے بعد بد دعا نہیں کی تھی؟؟(ازالہ ص ۱۴)

جناب سلمان ندوی نے یہ بات نہیں بتائی کہ جناب محمد بن ابی بکر کی لاش کے ساتھ جس توہین آمیز سلوک کا موصوف ذکر کر رہے ہیں وہ بات کس نے بتائی ہے؟ ہو سکتا ہے کہ موصوف آپ کو نہ بتائیں۔ ہم بتائے دیتے ہیں۔ یہ بات بیان کرنے والا وہی متعصب جلا بھنا کٹر رافضی ابو مخنف لوط بن یحی ہے۔ صحابہ عظام بالخصوص حضرت معاویہؓ کے بارے میں اس کا مکروہ پروپیگنڈہ کس اہل علم و خبر سے مخفی ہے۔

پھر اسی ابو مخنف کی ایک روایت عن شیخ من اھل المدینۃ کے حوالہ سے بھی نقل کی جاتی ہے یہ مدینہ کا شیخ کون ہے؟ مؤرخین اور محدثین کو تو اس کا علم نہ ہو سکا البتہ اس شیخ کا شیخ سلمان ندوی کو پتہ ہو تو ہمیں اطلاع دے کر مشکور فرمائیں۔ سچ کہا ہے حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ تعالی نے کہ:

یہاں بناء الفاسد علی الفاسد کا معاملہ ہے اس لئے یہ وحشیانہ سلوک کی داستان ہی غیر صحیح ہے۔(سیرت حضرت امیر معاویہ ص ۵۷۳)

افسوس کی بات ہے کہ جناب سلمان ندوی اسی قسم کے ملعون رافضیوں کی روایت کو گلے لگائے ہوئے ہیں اور انہی کے سہارے صحابہ کرام کی عزت اور کردار کو داغدار بتانے میں پیش پیش ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں کہ حبّ صحابہ رضی اللہ عنہم پر چیخنے والوں کی بات درست ہے یا ان لوگوں کی جو رافضیوں کی خود ساختہ اور تاریخ کے راویوں کی غلط اور بے سند روایتوں سے چیخ چیخ کر صحابہ کرام کے منہ آرہے ہیں؟ علامہ خیر الدین زرکلی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ(۱۳۹۶ھ) ایک قول یہ بھی لکھتے ہیں:

لم یحرق ودفنت جثته مع رأسه فی مسجد یعرف بمسجد زمام خارج مدینة الفسطاط قال ابن سعید وقد زرت قبره فی الفسطاط (الاعلام ج۶ ص۲۲۰)

محمد بن ابی بکر کو جلایا نہیں گیا انہیں سر سمیت ایک مسجد (مسجد زمام) میں دفن کیا گیا تھا یہ فسطاط شہر سے باہر ہے ابن سعید کہتے ہیں کہ میں نے

فسطاط میں انکی قبر دیکھی ہے۔

ان سب کے باوجود جناب سلمان ندوی کو رافضی کذاب ابو مخنف کی روایتوں پر (جو کھلے عام صحابہ دشمنی پر مبنی ہیں) اندھا اعتماد ہے کہ اس نے سچ ہی بولا ہے تو پھر بتایئے کہ اگر حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ محض اس بات پر قابل گردن زدنی اور لائق طعنہ زنی ہیں کہ یہ واقعہ ان کے دور میں ہوا ہے تو پھر آپ ان تمام واقعات کو کس کے کھاتے میں ڈالیں گے جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے دور خلافت کے دوران پیش آئے تھے؟

جناب سلمان ندوی سے یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے جب جناب بسر بن ارطاۃ کے مقابلہ کے لئے جناب جاریہ بن قدامہ اور جناب وہب بن مسعود کو دو دو ہزار کا لشکر دے کر بھیجا تھا وہ نجران پہنچے تو انہوں نے حضرت عثمانؓ سے محبت رکھنے والے لوگوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔

فسار جارية حتى بلغ نجران فخرق بها وقتل ناسا من شيعة عثمان (البدایہ ج۷ ص۳۲۳)

پھر انہی جناب جاریہ کو حضرت علیؓ نے بصرہ بھیجا تو انہوں نے جناب عبداللہ ابن حضرمی کے ساتھ کیا کیا تھا اسے بھی دیکھئے:

وكان من اصحاب على بن ابى طالب وشهد معه حرورية وهو الذى حصر عبدالله بن الحضرمى بالبصرة فى دار ابن سنبيل وحرقها عليه وكان معاوية ارسله الى البصرة ليأخذها له فنزل ابن الحضرمى فى بنى تميم وكان زياد بالبصرة اميرا فكتب الى على فأرسل على اليه اعين بن ضبيعة المجاشعى فقتل غيلة فبعث على بعده جارية بن قدامة فأحرق ابن الحضرمى الدار التى سكنها (اسد الغابہ ج۱ ص۵۰۲)

امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

یہ (جناب جاریہ رحمۃ اللہ علیہ) علیؓ ابن ابی طالب کے اصحاب میں سے ہیں اور آپ کے ہمراہ تمام جنگوں میں شریک رہے ہیں۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے عبد اللہ بن حضرمی کو بصرہ میں محصور کر لیا تھا ابن سبیل کے گھر میں اور اس گھر میں آگ لگادی تھی حضرت معاویہؓ نے ابن حضرمی کو بصرہ پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا تھا ابن حضرمی بنی تمیم کے یہاں اترے تھے زیاد اس زمانہ میں بصرہ کے حاکم تھے انہوں نے حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع کی تو حضرت علیؓ نے اعین بن ضبیعہ مجاشعی کو بھیجا مگر وہ دھوکے سے قتل کر دئے گئے پھر حضرت علیؓ نے ان کے بعد جاریہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا انہوں نے ابن حضرمی کا گھر جس میں وہ تھے آگ سے جلادیا۔

جناب محمد بن ابی بکر کے ساتھ جو کچھ ہوا اگر وہ کہیں سند صحیح سے ثابت ہے تو اس میں شک نہیں کہ وہ نہایت افسوسناک تھا۔ تاہم یہ بات بھی منقول ہے کہ آپ کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ در حقیقت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ایک بد دعا کا نتیجہ تھا جو آپ نے جنگ جمل کے موقع پر اس کے بارے میں دی تھی اور آپ کو یہ پتہ نہ تھا کہ یہ ہاتھ جو ان تک بڑھ رہا ہے یہ ان کے اپنے بھائی کا ہے جو جنگ جمل میں حضرت علی مرتضی کے لشکر میں تھا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں

واما العسکر الذین قاتلوها فلو لا انه کان فی العسکر محمد بن ابی بکر مد یده الیها لمد یده الیها الاجانب ولهذا دعت عائشة علی من مد یده الیها وقالت ید من هذه؟ أحرقها الله بالنار فقال ای اخیة فی الدنیا قبل الآخرة فقالت فی الدنیا قبل الآخرة فأحرق بالنار بمصر (منہاج السنۃ ج۴ ص۳۵۵)

جہاں تک اس لشکر کا تعلق ہے جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بر خلاف بر سر پیکر تھا اگر اس میں حضرت عائشہؓ کا بھائی محمد بن ابی بکر جس نے حضرت عائشہ کی جانب دست درازی کی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے دست

درازی کرنے والے کے بارے میں پوچھا یہ کس کا ہاتھ ہے اللہ اسے آگ میں جلائے؟ محمد بن ابی بکر نے کہا کہ اے میری بہن کیا آخرت سے پہلے دنیا میں جلائے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ ہاں دنیا میں آخرت سے پہلے۔ چنانچہ محمد بن ابی بکر کو مصر میں جلایا گیا۔

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ کو حضرت عثمان غنی کے ساتھ کئے گئے ظالمانہ سلوک کا ہمیشہ غم اور قلق رہا تھا آپ ان تمام لوگوں کے لئے جنہوں نے حضرت عثمان کو شہید کرنے میں ذرا سا بھی کردار ادا کیا تھا معاف کرنے کے لئے تیار نہ تھیں۔ آپ ان کے حق میں بد دعا کرتی تھیں کہ اللہ حضرت عثمان کے قاتلوں پر لعنت اتارے اور انہیں دنیا میں بھی اس ظلم کا سزا دے۔ جناب طلیق بن خشافؒ کہتے ہیں:۔

قتلِ عثمانؓ کے معلومات کے لئے ہمارا ایک وفد مدینہ منورہ آیا۔ ان میں سے کچھ احباب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے۔ بعض کا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس جانا طے ہوا۔ اور کچھ حضرات امہات المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔ میں نے آپ کو سلام کیا اور آپ نے سلام کا جواب دیا۔ آپؓ نے پوچھا۔ کہاں سے ہو؟ میں نے کہا۔ بصرہ سے۔ پوچھا۔ کس قبیلے سے؟ میں نے کہا: بکر بن وائل سے۔ آپ نے پوچھا کس شاخ سے؟ میں نے کہا: بنو قیس بن ثعلبہ سے۔ میں نے عرض کیا: اے ام المؤمنین! امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا: اللہ کی قسم ان کو ظلماً شہید کیا گیا تھا۔ ان کے قاتلوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ اللہ تعالی محمد بن ابی بکر سے ان کا بدلہ لے۔ اللہ تعالی بنو تمیم کو ذلیل و رسوا کرے۔ اللہ تعالی بنو بدیل کا خون بہائے۔ اللہ تعالی اشتر کو اپنے تیر سے ہلاک کرے۔

«قُتِلَ وَاللهِ مَظْلُومًا، لَعَنَ اللهُ قَتَلَتَهُ، أَقَادَ اللهُ ابْنَ أَبِي بَكْرٍ بِهِ، وَسَاقَ اللهُ إِلَى أَعْيُنِ بَنِي تَمِيمٍ هَوَانًا فِي بَيْتِهِ، وَأَهْرَاقَ اللهُ دِمَاءَ بَنِي بُدَيْلٍ عَلَى ضَلَالَةٍ، وَسَاقَ اللهُ إِلَى الْأَشْتَرِ سَهْمًا مِنْ سِهَامِهِ»

جناب طلیق بن خشاف کہتے ہیں

اللہ کی قسم۔ان میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں تھا جس کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا کی بد دعا نہ پہنچی ہو۔

فَوَاللهِ مَا مِنَ الْقَوْمِ رَجُلٌ إِلَّا أَصَابَتْهُ دَعْوَتُهَا (المعجم الکبیر للطبرانی ج ا ص ۸۸)

یہ صرف ان چند لوگوں کی بات نہیں وہ تمام لوگ جنہوں نے سیدنا حضرت عثمان غنی کی شہادت میں کسی طرح کا کوئی کردار ادا کیا تھا اللہ تعالی نے ان سب کو اسی دنیا میں پکڑا اور انہوں نے اسی دنیا میں اس ظلم و ستم کی سزا بھی پائی تھی حضرت حبیب بن یزید فرماتے ہیں کہ جنہوں نے بھی حضرت عثمان کے ساتھ زیادتی کا ارتکاب کیا تھا وہ پاگل ہو گئے تھے۔

«أَنَّ عَامَّةَ الرَّكْبِ الَّذِينَ سَارُوا إِلَى عُثْمَانَ جُنُّوا» (المعجم الکبیر ج ا ص ۸۸ للطبرانی)

اللہ رب العزت صحابہ کرام اور اپنے مقبولین کی گستاخی اور توہین سے محفوظ رکھے۔ آمین

اسلام اور شیعیت

اسلام اور شیعیت۔۔ یہ دو سلسلے اسلام کی دو شاخیں نہیں، بلکہ ہر دو فریق کے اپنے اپنے اسلام ہیں، اور ہر دو فرقے ایک دوسرے سے اپنے اپنے علمی ماخذ میں بھی جدا جدا ہیں۔ انہیں دو برابر کے عقیدے کہا جا سکتا ہے۔ ایک اصول کی دو فرع (شاخیں) نہیں کہا جا سکتا، نہ ان کے ساتھ اختلاف فروعی اختلاف ہیں۔

(افادات: مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

☆... قصہ جناب حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کی سزائے موت کا

جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

> حجر بن عدی جیسے صحابی جلیل کو اپنے دور حکومت میں معاویہ نے اس لئے قتل کرادیا کہ وہ حضرت علی کے ساتھ تھے اور ان پر لعن طعن کے لئے تیار نہیں تھے۔ کیا اہل سنت علماء نے یہ نہیں لکھا کہ حضرت عائشہ نے ان کے حق میں سفارش بھیجی تھی معاویہ نے اس کو بھی نہیں سنا اور ان کے خون ناحق سے زمین لالہ زار کردی۔ حب صحابہ کا حوالہ دے کر چیخنے والو قتل صحابہ جائز ہے؟ (ازالہ ص ۱۴)

جناب سلمان ندوی کا یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت معاویہؓ نے محض اس لئے جناب حجر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کرادیا تھا کہ وہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور ان پر لعن طعن کے لئے تیار نہ تھے۔ جن مؤرخین نے بھی جناب حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قتل کا واقعہ لکھا ہے انہوں نے اس کی پوری تفصیل بھی بتائی ہے کہ انہیں کس جرم میں سزائے موت دی گئی تھی۔ اگر ان کا جرم محض حضرت علیؓ کی حمایت تھا تو بتایئے کیا حضرت معاویہؓ نے ان تمام لوگوں کو بھی تہہ تیغ کرادیا تھا جو جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ تھے اور ان کی حمایت میں آئے ہوئے تھے۔ اور ان پر لعن طعن کے لئے تیار نہ تھے؟ جب اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر حضرت معاویہؓ پر یہ الزام دھر دینا کہ انہوں نے محض اس وجہ سے ان کو قتل کرادیا کہ وہ حضرت علیؓ کی حمایت اور ان پر لعن طعن کے لئے تیار نہ تھے ایک قول زور نہیں تو اور کیا ہے؟

جناب سلمان ندوی نے ایک انٹرویو میں اپنے خلاف کہے جانے والے بقول ان کے جھوٹ پر بد دعا کی ہے۔ کیا جناب ندوی یہی بد دعا اس آدمی کے بارے میں کہہ سکتے ہیں جو حضرت معاویہؓ پر جھوٹ اور تہمت لگا رہا ہو؟ موصوف کے الفاظ ملاحظہ کیجئے۔ ان کے شیدائیوں سے درخواست ہے کہ وہ درج ذیل سطروں میں (میرے بارے۔ اور مولانا رابع صاحب کے بارے کے بجائے)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر ایک بار اللہ کے آگے یہی الفاظ تو دہرا دیں کہ:

خدا کی پکڑ سے ڈرنا چاہئے اور میں اللہ سے دعا مانگتا ہوں کہ جو میرے بارے میں جھوٹ بول رہا ہے اور جو مولانا رابع صاحب کے بارے میں جھوٹ بول رہا ہے اے اللہ اس کی ایسی پکڑ فرما ایسی عبرتناک سزا دے کہ بس اس کی نسلیں یاد رکھیں۔

جناب حجر رحمۃ اللہ علیہ کے صحابی ہونے نہ ہونے پر محدثین و مؤرخین میں اختلاف ہے بعض حضرات نے انہیں صحابی بتایا ہے جبکہ بعض محدثین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ بن خیاط رحمۃ اللہ علیہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم آپ کو تابعی بتاتے ہیں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اکثر محدثین ان کے صحابی ہونے کی تصدیق نہیں کرتے

اکثر المحدثین لا یصحون لہ صحبۃ (البدایہ ج۸ ص۵۰)

اور جناب سلمان ندوی انہیں صحابی نہیں، صحابی جلیل بتا رہے ہیں۔ کیوں؟ محض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لئے۔

جناب حجر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بڑی محبت اور عقیدت رکھتے تھے اور آپ کے مخالفین کے بارے میں ان کا رویہ بڑا سخت اور جارحانہ تھا۔ کوفہ سبائیوں کا مرکز تھا اور یہاں سبائی کھلے عام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے تھے ان کی ان تنقیدات سے جناب حجر رحمۃ اللہ علیہ کا متاثر ہونا کسی سے مخفی نہ تھا جو لوگ اس میں بہت آگے آگے تھے جناب حجر رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک تھے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

قد ذکر ابن جریر وغیرہ عن حجر بن عدی واصحابہ انھم کانوا ینالون من عثمان ویطلقون فیہ مقالۃ الجور وینتقدون علی الامراء ویسارعون فی الانکار علیھم ویبالغون فی ذلک ویتولون شیعۃ علی ویتشددون فی الدین (البدایہ ج۸ ص۵۵)

جناب حجر رحمۃ اللہ علیہ بن عدی اور ان کے ساتھیوں کا یہ معمول بن گیا تھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بدگوئی

کرتے اور آپ کے بارے میں ظالمانہ باتیں کرتے تھے اور ان کے گورنروں پر تنقید کرتے تھے اوران کی تردید میں لگے رہتے تھے اور اس بارے میں بہت غلو کرتے تھے۔ اور حضرت علیؓ کے پیروکاروں کی حمایت کرتے اور دین میں تشدد کرتے تھے اور پھر ایک وقت آیا کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو برا کہنا شروع کیا اور ان کے خلاف بغاوت کے لئے باقاعدہ ایک بڑا لشکر تک تیار کر لیا۔ حافظ ابن کثیر آگے لکھتے ہیں:

وقد التفت علی حجر جماعات من شیعة علی یقولون امره ویسبون علی معاویة ویتبرؤن منه (ایضاص ج۸ ص۵۰)

جناب حجر کے پاس شیعان علی کے کچھ گروہ جمع ہو گئے جو آپ کی امارت کی بات کرتے اور آپ کے ہاتھ مضبوط کرتے۔ یہ لوگ حضرت معاویہ کو برا کہتے اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے۔

شیعہ مؤرخ احمد بن یعقوب (۲۸۴ھ) لکھتا ہے:

انهم یجتمعون فیتکلمون ویدبرون علیه وعلی معاویة ویذکرون مساویهما ویحرضون الناس

(تاریخ یعقوبی ص ۲۳۰ تذکرہ وفات حسن بن علی)

یہ لوگ جناب حجر کے پاس جمع ہوتے اور باتیں کرتے اور سیدنا حسن اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے خلاف تدابیر پر غور کرتے اور ان کی برائیں کرتے اور لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکاتے۔

حتی کہ موصوف نے حضرت معاویہ کے کوفہ میں گورنر پر دوران خطبہ پتھر بھی پھینکے تھے (البدایہ ج۸ ص۵۱) اس کے علاوہ اور بھی بعض امور ایسے تھے جو براہ راست بغاوت اور سرکشی کے جرم میں آتے تھے۔ چنانچہ ایک عرصہ بعد ان کو گرفتار کیا گیا اور پیش کئے گئے بغاوت اور سرکشی کے شواہد پر انہیں سزائے موت دی گئی۔ یہ بات تاریخ کی تقریباً تمام کتابوں میں موجود ہے۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۲۰۱۴ء) اس واقعہ کی بحث میں لکھتے ہیں کہ

بے شمار مؤرخین نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ مسلمانوں کا اس وقت ایک خلیفہ اسلام پر اتفاق ہو گیا تھا اور ہاشمی حضرات سمیت اکابرین وقت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے امت کے اختلاف وافتراق کو ختم کر دیا تھا۔ اس طریقہ سے اسلام کی ایک نئی شیرازہ بندی ہو گئی تھی، اسلامی حکومت کا نظام ایک مرکز کے تحت قائم ہو گیا تھا۔ اب ان حالات میں مسلمانوں کی اس اجتماعی قوت اور مرکزی طاقت کو ختم کرنے کے لئے یہ ایک گونہ سبائی پارٹی کی طرف سے تحریک تھی جو کسی طرح جایز نہیں تھی اور اس میں افتراق پیدا کرنے کا سرعا کوئی جواز نہ تھا۔ (سیرت حضرت امیر معاویہ ص ۵۸۰)

حضرت والا مرحوم اس سے ایک صفحہ پہلے اس اس واقعہ کی تفصیل کے بعد لکھتے ہیں

مختصر یہ ہے کہ حجر بن عدی اور ان کی سبائی پارٹی اس وقت کے نظام حکومت اور انتظامی خلافت کو الٹ کر کوئی دوسرا اقتدار قائم کرنے کا منصوبہ رکھتے تھے اور لوگوں کو اس تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دیتے تھے گویا اسلام کی متفقہ قوت میں پھر انتشار ڈالنا ضروری سمجھتے تھے (ایضا ۵۷۹)

جناب حجر بن عدی حضرت امیر معاویہ کی مخالفت میں بہت دور تک جا چکے تھے جب جب حضرت علی مرتضی کو اس کا پتہ چلتا تو آپ اس پر ناگواری کا اظہار فرماتے تھے حتی کہ جناب حجر حضرت امیر معاویہ اور اہل شام پر کھلے عام لعن طعن اور سب وشتم کرنے لگے تو حضترت علی مرتضی نے ان کو بلایا اور فرمایا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو مجھے یہ پسند نہیں ہے اگر کسی بات پر اختلاف ہے تو دعا کرو کہ ان میں سے جس کی غلطی ہے اللہ اس کی اصلاح کر دے اور جس کو حق بات کا پتہ نہیں اسے حق کا پتہ چل جائے۔ شیعہ مؤرخ دینوری لکھتے ہیں کہ

وبلغ عليا ان حجر بن عدى وعمرو بن الحمق يظهران شتم معاويه، ولعن اهل الشام، فأرسل إليهما ان كفا عما يبلغني عنكما. فاتياه، فقالا: يا امير المؤمنين، السنا على الحق، وهم على الباطل؟، قال: بلى،

ورب الكعبه المسدنه، قالوا: فلم تمنعنا من شتمهم ولعنهم؟، قال: كرهت لكم ان تكونوا شتامين لعانين،(الاخبار الطوال ص۱۶۵ش)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہر گز اس بات سے خوش نہ تھے کہ کوئی شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرے اگر آپ جناب حجر کی ان باتوں راضی ہوتے تو آپ ہی بتلائیں کیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ انہیں اس لعن طعن سے باز آنے کا حکم فرماتے ؟ جو لوگ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور آل بیت کی محبت کے نام پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دن رات برا کہتے اور اپنی زبان دراز کرتے ہیں ایمنداری سے بتلائیں کیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس عمل سے خوش ہوں گے ؟ اور سچ بھی یہی ہے کہ جو لوگ حضرت علی اور اہل بیت کے نام پر صحابہ کرام پر تبرا کرتے ہیں یہ صرف ان کے دل کا بغض ہے جو آل بیت کی محبت کے خوبصورت عنوان پر نکالا جارہا ہے۔

ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ حضرت حسنؓ جب حضرت معاویہ سے صلح کر رہے تھے اس وقت بھی جناب حجر اس پر خوش نہ تھے اور انہوں نے سیدنا حضرت حسن کو حضرت معاویہ سے صلح کرنے پر عار اور شرم دلائی اور کہا کہ آپ کو صلح کے بجائے جنگ کرنی چاہئے۔ آپ نے جو کچھ کیا ہے اس سے اچھا تھا کہ مجھے موت آجاتی۔ آپ ہمیں حق کے بجائے باطل پر لے گئے ہیں اور آپ نے ہمیں ذلیل کر کے رکھ دیا ہے۔ جناب حجر کی اس گفتگو کو بھی شیعہ مؤرخ دینوری نے نقل کیا ہے

وكان أول من لقى الحسن بن على رضى الله عنه، فندمه على ما صنع،،(الاخبار الطوال ص۲۲۰ش)

یہ صرف جناب حجر کی بات نہیں، آج بھی شیعہ علماء کے دل سیدنا حضرت حسن کے اس صلح سے بوجھل ہیں۔ جس صلح پر جناب رسول اللہ نے خوشی کا اظہار فرمایا، جس صلح کہ پیشن گوئی حضرت حسن کے حق میں فرمائی، حضرت حسن کے اس عمل سے ہاتھوں امت کا شیرازہ منتشر ہونے سے محفوظ رہا۔ افسوس کہ جناب حجر بن عدی کو وہ صلح اچھا نہ لگی اور نہ شیعہ علماء کو مسلمانوں کی یہ اجتماعیت پسند آئی۔ شیعہ علماء اس صلح کے شرائط اور اس عہد کے پورا ہونے نہ ہونے پر تو بحث

کرتے نظر آئیں گے لیکن وہ کبھی سیدنا حضرت حسن کے اس صلح کو تحسین کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے۔ کیونکہ اس سے ابن سبا کے اعتقاد کی عمارت ڈھڑام سے نیچے گر جائے گی۔

سوال یہ ہے کہ کیا سیدنا حضرت حسین جناب حجر بن عدی سے خوش تھے؟ نہیں۔ جناب حجر جس طرح سیدنا حضرت حسن سے جس سخت لہجے میں گفتگو کی تھی، سیدنا حضرت حسین سے بھی اسی سخت لہجے میں گفتگو کی تھی۔ اور ان سے کہا کہ آپ کے بھائی نے جو صلح کی ہے آپ اس کی مخالفت کریں آپ لوگوں نے تو عزت کے بجائے ذلت خریدی ہے آپ ان کی بات نہ مانیں میں کوفہ سے لوگوں کو جمع کر کے آپ کے پاس لاتا ہوں آپ مجھے اس کی ذمہ داری دیں تاکہ ہم معاویہ سے جنگ و قتال کریں۔ مگر سیدنا حضرت امام حسین نے بھی جناب حجر کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور صاف فرمادیا کہ میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ ہوں ہم نے حضرت معاویہ سے بیعت کرلی ہے ہمارا ان کے ساتھ عہد و معاہدہ ہو چکا ہے اس لئے بیعت اور عہد و معاہدہ توڑنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جب مسلمانوں میں اتحاد اور اتفاق ہو چکا اور سب مسلمان ایک جھنڈے تلے جمع ہو چکے ہیں تو تم لوگ کیوں انتشار اور افتراق چاہتے ہو اور کیوں مسلمانوں کو جنگ و جدل پر اکساتے ہو۔

فقال الحسین: انا قد بایعنا وعاھدنا، ولا سبیل الی نقض بیعتنا. (الاخبار الطوال ص ۲۲۰ ش)

سیدنا حضرت علی مرتضی کا طرز عمل، سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین کی جناب حجر سے ہونے والی گفتگو ہمارے سامنے ہے۔ اب اگر جناب سلمان ندوی کو ائمہ اہل بیت کے بجائے جناب حجر بن عدی کا طرز عمل زیادہ پسند ہے تو وہ انہیں مبارک ہو۔ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی۔

تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔ جناب مودودی نے بھی حضرت معاویہ پر چڑھائی کرنے اور ان کو صحابہ کا قاتل قرار دینے کے لئے اسی طرح چیخ چیخ کر جناب حجر بن عدی کے قتل کا ماتم کیا تھا جس کا انہی دنوں علماء عظام نے دلائل کے ساتھ جواب دے کر یہ بات واضح کر دی تھی کہ جناب حجر کو سزائے موت دینے کے حقیقی اسباب کیا تھے۔ انہی علماء عظام میں سے ایک شیخ الاسلام مولانا مفتی

محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم العالی بھی ہیں جنہوں نے جناب مودودی کے صحابہ کے خلاف اٹھائے گئے اعتراضات اور الزامات کا تنقیدی جائزہ لیا اور بتلایا کہ موصوف نے اپنی کتاب (خلافت وملوکیت) میں کہاں کہاں ٹھوکریں کھائی ہیں اور تاریخی کتابوں میں موجود ان واقعات اور افسانوں کی حقیقت کیا ہے۔ انہی افسانوں میں ایک جناب حجر بن عدی کی سزائے موت کا واقعہ بھی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی کتاب {حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق} سے اختصار کے ساتھ اس کا وہ ضروری حصہ نقل کر دیں جن سے قارئین پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اس واقعہ کی حقیقت کیا تھی جسے کیا کیا بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مد ظلہم لکھتے ہیں:

> حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضرت حجر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ کو ناجائز طور پر قتل کیا مولانا مودودی صاحب نے بھی اس الزام کو تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے (دیکھئے حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق ص ۵۷ سے ۸۴ تک) میں نے اس کے جواب میں حضرت حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قتل کا پورا واقعہ تاریخ طبری وغیرہ سے نقل کر کے بیان کر دیا تھا جس میں مولانا مودودی کے اس موقف کی تردید ہو جاتی ہے کہ حجر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ کو محض ان کی حق گوئی (یا حضرت علیؓ کے حمایتی ہونے۔ ناقل) کی سزا میں قتل کیا گیا۔ میں نے حوالوں کے ساتھ ثابت کیا تھا کہ حضرت حجر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے سبائی فتنہ پردازوں کے اکسانے پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کے خلاف ایک بھاری جمعیت تیار کی تھی جو مختلف اوقات میں ان کی حکومت کا تختہ الٹنے کے منصوبے بناتی رہی۔ اس نے کھلم کھلا حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما پر لعن طعن کو اپنا وطیرہ بنالیا اور بالآخر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کے خلاف بر سر پیکار ہو گئی۔
>
> حضرت مغیرہؓ اور زیاد بن ابی سفیانؓ نے نرمی اور گرمی کا ہر طریقہ آزمایا مگر یہ لوگ اپنی شورش سے باز نہ آئے آخر کار کوفہ کے ستر شرفاء نے جن میں اونچے درجے کے صحابہ و تابعین بھی شامل تھے ان کے خلاف ان امور کی شہادت دی

اس شہادت کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ کے قتل کا فیصلہ کیا۔

حضرت مولانا مدظلہ آگے چل کر لکھتے ہیں:

اگر حجر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات کو تفصیل کے ساتھ تاریخوں میں دیکھا جائے تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ ان کی جمعیت ایک بھاری اور طاقت ور جمعیت تھی جسے قابو میں لانے کے لئے زیاد جیسے گورنر کو بڑی مشقت و محنت اٹھانی پڑی مندرجہ ذیل دلائل اس کی تائید کرتے ہیں۔

(۱) حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (۷۴۸ھ) نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حجر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ تین ہزار افراد کی مسلح جمعیت لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کوفہ سے نکلے تھے... فسار حجر عن الکوفۃ فی ثلاثۃ آلاف بالسلاح (تاریخ الاسلام ج۲ ص۲۷۶)

(۲) ان کی جمعیت (لشکر) اتنا بڑا تھا کہ اسی کے بل بوتے پر انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کیے خلاف یہ کہہ کر آمادہ کرنا چاہا تھا کہ اگر آپ اس معاملے (یعنی خلافت) کو طلب کرنا پسند کرتے ہوں تو ہمارے پاس آجایئے اس لئے کہ ہم لوگ آپ کے ساتھ مرنے کے لئے اپنی جانوں کو تیار کر چکے ہیں... فان کنت تحب ان تطلب ھذا الامر فاقدم الینا فقد وطنا انفسنا علی الموت معک (الاخبار الطوال ص۲۲۱)

(۳) ان کے طاقت ور ہونے کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ زیاد جب حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا کر بصرہ گئے تو وہ ان لوگوں پر قابو نہ پاسکے اور انہوں نے زیاد کو خط میں لکھا کہ اگر تم کوفہ کو بچانے کی ضرورت سمجھتے ہو تو جلدی آجاؤ (طبقات ابن سعد ج۸ جزء۲۲ ص۲۱۸)

(۴) طبری نے نقل کیا ہے کہ زیاد نے تین مرتبہ اپنی پولیس حجر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجی ہر بار پولیس کی تعداد میں اضافہ بھی کیا گیا لیکن کسی بھی مرتبہ پولیس حجر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں پر غالب نہ آسکی

(۵) پولیس کی ناکامی کے بعد زیاد نے ہمدان ہوازن ابناء اعصر مذحج اسد اور غطفان کے قبائل پر مشتمل ایک پوری فوج تیار کی (تہذیب تاریخ ابن عساکر ج۲ ص۳۷۳) اور اسے کندہ میں حجر رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں بھیجا یہ فوج بھی حجر رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار نہ کر سکی یہاں تک کہ حجر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔

(۶) حضرت وائل بن حجرؓ اور حضرت کثیر بن شہابؓ حضرت حجر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف گواہیوں کا جو صحیفہ لے کر گئے تھے جس پر انہوں نے خود بھی گواہی دی اس میں یہ الفاظ تھے کہ... انہوں نے امیر المؤمنینؓ کے عامل کو نکال باہر کیا ہے... ظاہر ہے کہ دو چار افراد پر مشتمل ایک چھوٹی سی ٹولی یہ کام نہیں کر سکتی۔

☆... حضرت مولانا مدظلہ اور آگے چل کر لکھتے ہیں:

ان ستر گواہوں میں سے دو گواہ خود حضرت وائل بن حجرؓ اور حضرت کثیر بن شہابؓ بھی تھے جن کے ذریعہ یہ صحیفہ بھیجا گیا تھا لہذا ان دو گواہوں نے اپنی گواہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے زبانی پیش کی تھی اور باقی گواہیاں محض تائید کے طور پر تھیں۔ شرعی نصاب شہادت حضرت وائل بن حجرؓ اور حضرت کثیرؓ کی زبانی گواہیوں پر پورا ہو گیا تھا

وجاء الشهود فشهدوا عند معاوية عليه (تاریخ الاسلام ج۲ ص۲۷۶ للذہبی)

گواہ آئے اور انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو حجر رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف گواہی دی۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے شہود کا لفظ صیغہ جمع کے ساتھ استعمال کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو حضرات کے علاوہ بھی بعض گواہوں نے زبانی شہادت دی تھی۔ (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص۱۹۷)

حضرت شیخ الاسلام اس بات کی تفصیل کے بعد (کہ باغیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے اور اس میں امام وقت کو کیا اختیارات حاصل ہیں) ایک ضروری گذارش کے تحت لکھتے ہیں:

ہم نے حجر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ

ان کی سرگرمیاں نفس الامر میں بغاوت کے تحت آتی تھیں اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا اس میں وہ معذور تھے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ حضرت حجر رحمۃ اللہ علیہ اس بغاوت کی بناء پر فسق کے مرتکب ہوئے بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ بغاوت کرنے والا اگر صاحب بدعت نہ ہو اور نیک نیتی کے ساتھ معتدبہ دلیل و تاویل کی بناء پر اسلامی حکومت کے خلاف خروج کرے تو اگرچہ اس پر احکام تو اہل بغی ہی کے جاری ہوں گے لیکن اس بناء پر اسے فاسق بھی نہیں کہا جائے گا جیسا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کی اس میں جمہور اہل سنت کے نزدیک حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اسی لئے حضرت علیؓ نے ان کے ساتھ اہل بغی کا سا معاملہ کر کے ان کے ساتھ جنگ کی۔ اس جنگ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہت سے رفقاء شہید بھی ہوئے اور ظاہر ہے کہ ان کی شہادت میں حضرت علیؓ کا چند ان قصور بھی نہیں تھا کیونکہ وہ امام برحق تھے لیکن اس بناء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مرتکب فسق قرار نہیں دیا گیا بلکہ انہیں مجتہد مخطی کہا گیا ہے (ایضاص ۲۰۰)

حضرت حجر رحمۃ اللہ علیہ چونکہ ایک زاہد انسان تھے اور ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کے خلاف جو کچھ کیا اس کا منشاء طلب اقتدار تھا اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ انہوں نے خروج کا ارتکاب کسی تاویل کے ساتھ ہی کیا ہوگا اس لئے ان کا ذکر بھی ادب واحترام کے ساتھ ہونا چاہئے اور شاید یہی وجہ ہے کہ بعض علماء مثلاً شمس الائمۃ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی موت کے لئے شہادت کا لفظ استعمال کیا ہے (ایضاص ۲۰۱)

اس تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جناب حجر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ کو دی جانے والی سزائے موت کی وجوہات اور اس کے اسباب کیا تھے۔ سو جناب سلمان ندوی کا یہ کہنا کہ انہیں محض حضرت علیؓ کے حمایتی ہونے کی بناء پر سزائے موت دی گئی تھی ایک مغالطہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(۲)۔ جناب سلمان ندوی کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ

جناب حجر حضرت علی پر لعن طعن کے لئے تیار نہیں تھے (ازالہ ص ۱۴)

جناب سلمان ندوی نے یہ بات کہاں سے لی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کو اس شرط پر چھوڑنے کے لئے تیار تھے کہ وہ حضرت علی پر لعن طعن کریں؟ طبری سے... اور طبری کی یہ بات اس لئے ناقابل اعتبار ہے کہ اس کی سند ہی نہیں کہ کس نے کس کو اور کب یہ بات بتائی تھی۔ البتہ طبری کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بے سند روایت کا واضع محترق رافضی ابو مخنف لوط بن یحی ہے جس نے جناب حجر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ کی شورش اور بغاوت کی بات کو بدلنے کے لئے یہ کہانی گھڑی کہ ان کی سزائے موت کا سبب ان کی بغاوت اور جتھہ بندی نہیں تھی بلکہ حضرت علیؓ پر لعن طعن نہ کرنا تھا یعنی اگر وہ ایسا کرتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں چھوڑ دیتے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کردار پر جارحانہ حملے کے لئے جناب سلمان ندوی کو اگر کہیں سے حوالہ اور سہارا ملا بھی تو وہ اس رافضی کذاب سے جس کی صحابہ دشمنی عیاں ہے۔ یا پھر جناب مودودی سے کہ جن کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض ان کی کتاب خلافت وملوکیت میں دیکھا جاسکتا ہے۔ لیجئے وہی بات جناب مودودی سے بھی سن لیجئے:

> قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وہ یہ تھی کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علی سے برات کا اظہار کرو اور ان پر لعنت بھیجو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۶۵)

جناب مودودی نے بھی یہ زحمت گوارا کرنا ضروری نہیں جانا کہ اس بات کا راوی کون ہے؟ کیا کوئی صحیح العقیدہ شخص ایسی بات کہہ سکتا ہے؟ اور پھر موصوف نے یہ بھی نہیں بتایا کہ ان کے علاوہ اور کتنے لوگ تھے جن کو پکڑ پکڑ کر اس لئے قتل گاہ میں لایا جاتا رہا کہ انہوں نے حضرت علیؓ پر لعن طعن کرنے سے انکار کر دیا تھا اور پھر وہ سب کے سب مارے گئے تھے۔

(۳) جناب سلمان ندوی کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ:

> کیا اہل سنت علماء نے یہ نہیں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے ان کے حق میں سفارش بھیجی تھی معاویہ نے اس کو بھی نہیں سنا۔ (ازالہ ص ۱۴)

واقعہ یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو جب اس بات کا پتہ چلا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے سزائے موت کا حکم دیا ہے تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ وہ ان کے بارے میں نرمی سے کام لیں۔ حضرت ام المؤمنینؓ کا قاصد جب یہ پیغام لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو دیر ہو چکی تھی:

وجاء رسول عائشة بعد ما فرغ من شانهم (البدایہ ج۸ ص۵۴)

پھر اسی سال حج کے موقعہ پر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جناب حجر رحمۃ اللہ علیہ پر سزائے موت کا حکم دینے پر آپ کی بردباری کہاں چلی گئی تھی؟ (ایضا)

علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں حضرت عائشہؓ نے جب حضرت عبد الرحمن بن الحارث رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ کیا کہ وہ جناب حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں نرمی سے کام لیں۔ آپ کو پہنچنے میں دیر ہو گئی جب حضرت عبد الرحمن کو پتہ چلا کہ جناب حجر رحمۃ اللہ علیہ پر سزا جاری کر دی گئی تو آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہا تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ انہیں قید خانوں میں بند کر کے رکھتے اور انہیں طاعون کی بیماری کا نشانہ بن جانے دیتے۔

فقال أين عزب عنك حلم أبي سفيان في حجر وأصحابه إلا حبستهم في السجون وعرضتهم للطاعون (الاستیعاب ج۱ ص۳۹۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قاصد کو بھی معلوم تھا کہ جناب حجر رحمۃ اللہ علیہ کو کس جرم میں سزا دی جا رہی تھی؟ اگر یہ سزا محض حضرت علیؓ کے حمایتی ہونے اور آپ پر لعن طعن نہ کرنے پر دی گئی ہوتی تو حضرت عائشہؓ کا قاصد کیا کبھی کہہ سکتا تھا کہ انہیں سزائے موت دینے کے بجائے اس طرح جیل میں قید کر دیں کہ وہ وہاں طاعون کا شکار ہو کر فوت ہو جائیں؟

افسوس کی بات ہے کہ لکھنؤ ایک استاد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کے لئے تاریخی کتابوں کی ان روایات کے سہارے چلتا ہے جن کے راوی جھوٹے اور جلے بھنے رافضی ہیں۔۔۔

حضرت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے دو معصوم بچوں کے قتل کا معاملہ

جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

کیا معاویہ کے ایک گورنر بسر بن ارطاۃ نے حضرت عبید اللہ بن عباس کے دو ننھے بچوں کو ماں کی گود سے چھین کر نہیں مار دیا تھا۔

(ازالہ ص ۱۴)

ہمیں علم نہیں کہ جناب سلمان ندوی نے اس واقعہ کا محض اتنا ہی حصہ کہیں پڑھ لیا اور اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جرائم میں گنوا دیا یا اس واقعہ کی پوری تفصیل بھی ان کی نظر سے گزری ہے؟

پیش نظر رہے کہ جناب مودودی نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائیوں میں سے ایک برائی یہ بھی لکھی ہے (دیکھئے ص ۱۷۶)

گذارش ہے کہ تاریخ نگاروں نے اس کی جو تفصیل لکھی ہے اس سے اس واقعہ کی صحت مشکوک معلوم ہوتی ہے اسی لئے حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) بھی اس کی صحت پر شک کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

هذا الخبر مشهور عند أصحاب المغازی والسير وفی صحته عندی نظر (البدایہ ج ۷ ص ۳۲۲)

محدث جلیل حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ بسر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو خبریں فتنے کے زمانے میں مشہور ہوئی ہیں۔ مناسب نہیں کہ ان خبروں میں مشغول رہا جائے

وله أخبار شهيرة فی الفتن لا ينبغی التشاغل بها

(الاصابہ ج ۱ ص ۱۴۸)

(۲) ۔ تاریخ نگاروں نے یہ بات کس سے لی ہے؟ اور کس سند سے یہ بات تاریخ نگاروں نے لکھی ہے اسے دیکھئے۔ علامہ ابو سلیمان عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب التمیمی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۴۲ھ) نے اس

واقعہ کی سند یہ بتائی ہے:

ذکر ابن الانباری عن أبیہ عن احمد بن عبید عن ھشام بن محمد عن أبی مخنف لوط قال . . .

(جواب اھل السنۃ فی نقض کلام الشیعۃ ص ۲۰۱)

لیجئے جناب۔ یہ الزام بیان کرنے والا وہی ہشام بن محمد اور ابو مخنف لوط بن یحی شیعی نکلا جس کا صحابہ (بالخصوص حضرت علی مرتضیٰؓ کے سیاسی مخالفین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں) جھوٹ پر مبنی روایتیں بیان کرنا اہل علم و صاحب خبر سے مخفی نہیں ہے۔ سو اس خبر کے غلط ہونے کے لئے اب مزید شواہد کی ضرورت نہیں رہتی تاہم اس سلسلے میں کچھ مزید حقائق بھی پیش نظر رکھئے۔

مؤرخ طبری نے اس واقعہ کی جو سند بیان کی ہے اسے بھی دیکھتے جایئے:

عن زیاد بن عبداللہ البکائی عن عوانہ قال أرسل معاویۃ . . . الخ (طبری ج۵ ص۱۳۹۔ش)

بسر بن ارطاۃ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب واقعہ ۴۰ ہجری کا ہے اور اسے بیان کرنے والے کی وفات ۱۴۷ھ یا ۱۵۸ھ میں ہوئی تھی۔ گویا یہ واقعہ ان کی وفات سے ۹۷ یا ۱۰۷ سال قبل پیش آیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ صاحب اس وقت موجود تھے؟ اور اگر تھے تو کس عمر کے تھے؟۔ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ جناب یہ بات کس سے نقل کر رہے ہیں۔ سو اتنی کمزور روایت پر اتنی بڑی بات بغیر سند کے کیسے مانی جاسکتی ہے؟

(۳) جناب بسر بن ارطاۃ رحمۃ اللہ علیہ پر لگایہ الزام کس دور کا ہے؟ حضرت علیؓ کے دور خلافت کا؟ اگر یہ واقعہ درست ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت علی مرتضیٰؓ یا سیدنا حضرت حسنؓ نے کبھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس بات کا بھی مطالبہ کیا تھا کہ بسر بن ارطاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے جن بچوں کو ان کی ماں کی گود سے چھین کر قتل کیا تھا اسے ہمارے حوالہ کیا جائے یا ان پر شرعی سزا نافذ کی جائے؟ آپ نے تو اس وقت بھی اس کا تذکرہ نہیں چھیڑا جب مصالحت کے لئے فریقین اکٹھے ہوئے تھے

آخر اس مصالحت میں ان دو بچوں کا ذکر کیوں نہیں لایا گیا؟

(۴) حضرت علی مرتضیٰؓ کے بعد جب حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے ان دنوں حضرت عبید اللہ بن عباسؓ (جن کے بچوں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا) آپ کی جانب سے بعض مقامات کے والی اور گورنر تھے اور جب حضرت حسنؓ چند شرائط کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کر رہے تھے اس وقت بھی حضرت حسنؓ نے اتنا بڑا اور سنگین واقعہ بھلا دیا اور اس کا اس صلح میں ذکر تک نہ کیا اور نہ آپ کے مشیروں میں سے کسی نے آپ کو اس طرف توجہ دلائی۔ یہ ایک بڑا خاندانی حادثہ تھا اس کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ذکر تک نہ کرنا اور اس پر قصاص یا دیت کا مطالبہ نہ کرنا بتلاتا ہے ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا جسے ابو مخنف شیعی اور ہشام جیسے روایوں کی زبانی بیان کیا جاتا ہے یا منقطع سند کے ساتھ اس سے حجت لی جاتی ہے

علامہ ابن اثیر جزری (۶۳۰ھ) کے بیان سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت عبید اللہ بن عباسؓ بھی اس مجلس میں بذات خود موجود تھے آپ نے بھی اس وقت اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ کیا آپ بھی بھول گئے تھے کہ ان کے دو بچوں کو ان کی ماں سے گود سے چھین کر قتل کیا گیا تھا؟

انما کان الذی شهد صلح الحسن عبیدالله بن عباس

(الکامل ج۲ ص۷۳۵۔ ش)

(۴) سیدنا حضرت حسنؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت عبید اللہ بن عباسؓ کو ایک لشکر کا امیر بنایا اور ایک پرچم دے کر روانہ کیا تھا۔ جب اس بات کی خبر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ نے ایک قاصد کے ذریعہ ایک لاکھ درہم ان کی خدمت میں بھیجے اس کے بعد حضرت عبید اللہ بن عباسؓ خود وہ پرچم لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے اور وہیں رہ گئے اور آپ کے ماتحت بھیجا جانے والا لشکر بغیر قائد اور سردار کے رہ گیا۔ یہ بیان شیعہ عالم ملا عبد اللہ مامقانی (۱۳۰۰ھ) کا ہے موصوف حضرت عبید اللہ بن عباسؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں

فبعث إليه معاوية بمائة الف درهم فمر بالرايته ولحق معاوية وبقى العسكر بلا قائد ولا رئيس (تنقیح المقال ج۲ ص۲۳۹)

سوچیں کہ جن کے دو بچے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لوگوں کے ہاتھوں اس بے دردی سے مارے جائیں، ان بچوں کی ماں اس صدمہ سے نڈھال ہو جائے، ان کے والد محترم ان کے قاتلوں کے سرپرستوں سے نہ صرف یہ کہ لاکھ درہم کا تحفہ قبول کریں بلکہ حضرت حسن مجتبیٰ کا جھنڈا اور ان کے لشکر کو بغیر امیر چھوڑ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا ملیں یہ بات جناب سلمان ندوی کو سمجھ آتی ہو تو ٹھیک ہے۔ ہم اس پر کیا تبصرہ کریں۔

دیکھنے کی بات تو یہ بھی ہے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا ملے تھے۔ کیا وہ بھی معاذ اللہ اتنے بے غیرت ہو گئے تھے کہ ان کے چچا حضرت عباسؓ کے دو معصوم پوتے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مارے گئے اور ان کی والدہ اس صدمہ سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی پھر بھی انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے علیحدہ ہونا تو دور کی بات، یہ کہنا تک گوارا نہیں کیا کہ اس ظالمانہ فعل کی سزا تو نافذ کیجئے تاکہ ہمارے خاندان کے دلوں کو قرار آئے؟ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت قریبہ بنت ابی سفیانؓ نے ساتھ شادی بھی کی تھی۔ (الاصابہ ج۴ ص۳۹۰)

(۵) ہم یہاں یہ بھی نہیں کہتے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر زادے جناب ولید بن عتبہ بن ابی سفیانؓ کی شادی حضرت عبید اللہ بن عباسؓ کی صاحبزادی جنابہ لبابہ رحمۃ اللہ علیہا کے ساتھ ہو رہی تھی اس وقت بھی کسی کو یاد نہیں آیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کے گھر کے دو ننھے بچوں کے ساتھ کتنا دردناک واقعہ پیش آیا تھا؟ آپ ہی بتائیں اگر یہ واقعہ درست ہوتا تو کیا اس طرح آپس میں رشتہ داری قائم ہوتی؟ (دیکھئے نسب قریش ص ۳۲ المصعب الزبیری)

(۶) حضرت عبید اللہ بن عباسؓ کے بھائی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جن شاندار لفظوں میں خراج عقیدت پیش کیا ہے پہلے اسے دیکھئے۔ مؤرخ احمد بن یحی بن جابر بلاذری (۲۷۹ھ) نقل کرتے ہیں:

ان ابن عباس قال لله در ابن هند ولينا عشرين سنة فما آذانا على ظهر منبر ولا بساط صيانة منه لعرضه واعراضنا ولقد كان

يحسن صلتنا ويقضى حوائجنا (انساب الاشراف جزء۵ ص۸۳ ش)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ہند کے بیٹے (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) بڑی شاندار خوبیوں کے حامل تھے وہ تقریباً ۲۰ سال حکمراں رہے انہوں نے اپنی اور ہماری عزت کی خاطر نہ تو منبر پر نہ فرش پر ہمیں کسی طرح کی کوئی تکلیف اور ایذاء پہنچائی انہوں نے ہمارے ساتھ خوب صلہ رحمی نبھائی اور آپ ہماری ضروریات کو پورا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کا پتہ چلا تو آپ نے اس پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

اما والله ما كان مثل من قبله ولا ياتى بعده مثله

(سیرت امیر معاویہ ص۴۱۹)

خدا کی قسم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے سے پہلے خلفاء کی مثل تو نہیں تھے مگر (یاد رکھنا) ان کے بعد ان کے مثل بھی کوئی نہیں آئے گا۔

آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کس عظمت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس کے لئے آپ کے اپنے بیانات ملاحظہ کیجئے:

انه فقيه (صحیح بخاری ج۱ ص۵۳۱)۔ حضرت معاویہ فقیہ شخص ہیں۔

ليس أحد منا أعلم من معاوية (سنن کبری ج۳ ص۲۶)

ہم میں سے اس مسئلے پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی دوسرا عالم نہیں ہے

ما كان معاوية على رسول الله ﷺ متهما

(مسند امام احمد ج۴ ص۱۰۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ پر اتہام لگانے والے نہیں (یعنی ان کی بیان کردہ روایت صحیح ہے)

ما رأيت أحدا كان أحق للملك من معاوية (سیرت معاویہؓ ج۱ ص۴۲۱)

میں نے نظام مملکت چلانے میں حضرت معاویہ سے بہتر دوسرا حاکم نہیں دیکھا۔

ما رأيت رجلا كان أخلق بالملك من معاوية

(البدایہ ج۸ ص۱۳۵)

میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی دوسرے کو فرمانروائی کے لائق نہیں پایا۔

جس آدمی کے دو ننھے معصوم بھتیجے مارے جائیں اور جس کی بھابھی اس صدمہ میں دیوانی سی ہو جائے وہ اگر بر سر عام یہ کہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہم نے ہمیشہ خیر ہی پایا ہے، وہ ہماری ضرورتوں کو پورا کر دیا کرتے تھے، انہوں نے ہمارے ساتھ کبھی زیادتی نہیں کی اور ان کے جانے کے بعد دنیا ان جیسا اچھا آدمی پھر کبھی نہیں دیکھے گی، وہ بڑے اچھے فرمانروا تھے، بعض مسائل میں ان سے بڑا عالم اور کوئی نہ تھا... تو پھر ہم کس طرح یہ بات مان لیں کہ جو کچھ جلا کٹا رافضی ابو مخنف اور اس قبیل کے لوگ کہتے ہیں وہ درست ہے۔ پھر فیصلہ کر لیجئے کہ یا تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جھوٹ بولتے ہیں یا وہ لوگ جھوٹ سے کام لیتے ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کو اپنا مذہبی عقیدہ سمجھتے ہیں۔

سو جن علماء نے یہ واقعہ لکھا وہ مشہور ہونے کی بناء پر لکھا جسے یار لوگوں نے اور واقعات کی طرح مشہور کر کے صحابہ کرام بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار کو داغدار بنانے کی کوشش کی ہے۔

(۳) بسر بن ارطاۃؓ کا یہ واقعہ جناب مودودی نے بھی لکھا ہے اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مد ظلہم لکھتے ہیں کہ:

جہاں تک بچوں کے قتل کا تعلق ہے اگر یہ روایت درست ہے تو یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا نہیں بلکہ مشاجرات کے زمانے کا قصہ ہے جبکہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے لشکر باہم بر سر پیکار تھے اس دور کی جنگوں کے بیان میں اس قدر رنگ آمیزیاں کی گئی ہیں کہ حقیقت کا پتہ چلانا بہت دشوار ہے ٹھیک اسی روایت میں جس سے مولانا مودودی نے استدلال کیا ہے علامہ طبری نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ بسر بن ارطاۃ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے کے لئے حضرت علیؓ نے حضرت جاریہ بن قدامہؓ کو دو ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا

حضرت جابر نے نجران پہنچ کر پوری بستی کو آگ لگادی اور حضرت عثمانؓ کے ساتھیوں میں سے بہت سے افراد کو پکڑ کر قتل کر ڈالا پھر حضرت جاریہؓ مدینہ طیبہ پہنچے اس وقت حضرت ابوہریرہؓ نماز پڑھا رہے تھے وہ انہیں دیکھ کر بیچ ہی میں بھاگ کھڑے ہوئے جاریہ نے کہا خدا کی قسم اگر بلی والا (یعنی حضرت ابوہریرہ) مجھے ہاتھ آگیا تو میں اس کی گردن ماردوں گا۔(طبری ج۴ ص۱۰۷)

حضرت علیؓ نے انہیں بصرہ بھیجا انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر عبداللہ بن حضرمی رحمۃ اللہ علیہ کو گھر میں محصور کر کے زندہ جلادیا(الاستیعاب تحت الاصابہ ج۱ ص ۲۴۷)لیکن ہم ان زیادتیوں سے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو بری سمجھتے ہیں اور ان ناقابل اعتماد تاریخی روایات کی بناء پر ان حضرات میں سے کسی کو مورد الزام قرار دینا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ ان روایات کی صحت کا کچھ پتہ نہیں ہے۔(حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق ۴۹)

ہم پہلے جناب محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ کی تفصیل میں یہ دردناک واقعات بتا آئے ہیں اب اسے حافظ ابن کثیر اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سن لیجئے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فحرقهم بالنار (البدایہ ج۷ ص۳۱۶)

ان کو اور ان کے ساتھیوں کو ایک مکان میں محصور کر کے جلادیا۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت عبداللہ بن حضرمی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کے جلائے جانے کا ذکر اس طرح کیا ہے:

فأحرق عليه الدار فاحترق فيها خلق (تاریخ اسلام ج۲ ص۲۱۴)

حضرت عبداللہ کے ساتھ اور بھی لوگ تھے جنہیں ایک گھر میں بند کر کے جلادیا۔

جلانے کا یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ کا نہیں۔ امام ذہبی بتاتے ہیں کہ وہ اس عمل میں اتنا آگے نکل گئے کہ ان کا نام ہی محرق پڑ گیا تھا

فجعل لا يجد أحدا خلع عليا إلا قتله وحرقه بالنار حتى انتهى إلى اليمن فسمي محرقا (ایضا)

وہ جس شخص کو بھی حضرت علیؓ سے منحرف دیکھتے تہہ تیغ کر دیتے تھے اور آگ میں ڈال دیتے تھے اس بناء پر لوگ ان کو مُحرق (جلاڈالنے والا) کہنے لگے۔

(نوٹ) یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو الحضرمی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مکہ مکرمہ کے گورنر تھے۔

اگر واقعی یہ سب کچھ اسی طرح درست ہے جس طرح جناب سلمان ندوی بتاتے ہیں تو پھر یہ معاملہ یک طرفہ تو نہ ہوا۔ جنگ کے دنوں میں بعض اوقات شدید جذبات میں کچھ لوگ ایسے کاموں کا ارتکاب کر لیتے ہیں لیکن ان کے اس عمل کی ذمہ داری ان کے سربراہ کے سر تھوپنا کس طرح درست ہو سکتا ہے ہم جس طرح حضرت علی مرتضیٰؓ کے بعض عاملوں اور فوجیوں کے کسی غلط عمل کا ذمہ دار حضرت علی مرتضیٰؓ کو نہیں سمجھتے اور نہ سمجھنا چاہئے اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عاملوں یا فوجیوں کے کسی غلط عمل کی ذمہ داری بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر نہیں ڈالی جا سکتی۔

فتنہ خوارج دراصل ایک سبائی تحریک تھی جو پہلے حضرت عثمانؓ کے خلاف اٹھی تھی۔ اس وقت ان کا خروج حضرت عثمانؓ کے خلاف تھا۔ پھر یہ لوگ زبردستے حضرت علی کی فوجوں میں آگھسے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ امامت ایک آسمانی عہدہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علیؓ کو حاصل تھا۔ واقعی تحکیم کے بعد یہ حضرت علیؓ کے خلاف ہو گئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے صرف سیاسی اختلاف تھے، اعتقاد دونوں ایک تھے۔ صحابہ میں آپس میں کوئی اعتقادی فتنہ نہ پھوٹا تھا۔ تاریخ اسلام میں پہلا اعتقادی فتنہ تحریک خوارج رہی اور یہ اسی سبائیت کی ایک دوسری کڑی تھے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کا موجب ہوئی تھی، اور اس کی تیسری کڑی یہ اثنا عشری مذہب کی تشکیل و تدوین رہی۔ جس کا مدار بارہ اماموں کے آسمانی عہدہ امامت پر رہا۔ یہ لوگ بڑے فخر سے اپنے آپ کو امامی کہتے ہیں۔ اس عقیدے کو ساسانی ایران میں بادشاہوں کا ربانی حق کہا جاتا رہا ہے۔

{افادات: مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ}

☆...یہ کون لونڈے تھے جن سے حضور ﷺ پناہ مانگتے تھے؟...☆

جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

کیا حضور ﷺ نے نہیں فرمایا تھا کہ {هلاك أمتي على ايدي من غلمة قريش} اور حضرت ابوہریرہ {اعوذ بالله من امارة الصبيان} اور پھر {اعوذ بالله من إمارة الستين} کی روایتیں نہیں نقل کرتے تھے کیا یہ روایتیں مفتی صاحب نے بخاری میں نہیں پڑھیں؟ یہ کون لونڈے تھے جن سے حضور ﷺ پناہ مانگتے تھے کیا آپ بخاری کی ان حدیثوں کو مانتے ہیں یا بنی امیہ کی محبت ماننے سے مانع ہے۔ (ازالہ ص ۱۵)

جناب سلمان ندوی نے مذکورہ تین روایتوں سے جناب مولانا مفتی عتیق بستوی صاحب زید مجدہ ۲۲۲۲۲ پر اس لونڈے کو تلاش کرنے کی ذمہ داری ڈال دی جس سے حضور ﷺ پناہ مانگا کرتے تھے۔ حیرت کی بات ہے کہ جب جناب سلمان ندوی اس لونڈے کو جانتے ہیں اور ان کے نزدیک وہ لونڈا بنی امیہ سے ہے تو موصوف کو اس کا نام لینے سے کس نے منع کیا ہے؟

(۲) جناب سلمان ندوی نے اپنی مذکورہ تحریر میں تینوں روایتوں کو صحیح بخاری کی جانب منسوب کیا ہے۔ ان میں سے پہلی روایت صحیح بخاری میں دو جگہ مروی ہے لیکن بعد کی دونوں روایتیں ہمیں صحیح بخاری میں کہیں نہیں ملیں۔ صحیح بخاری کے نام پر ان دونوں روایتوں کا ذکر کرنا جو اس میں نہیں کہیں غلط انتساب نہیں ہے؟

(۳) بعض علماء نے آخر کی دونوں روایتوں کو حدیث نبوی کے بجائے حضرت ابوہریرہؓ کا قول بتایا ہے۔

(۴) پھر جس روایت میں سمعت رسول اللہ ﷺ یقول کے الفاظ ملتے ہیں اس میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرنے والے کا نام ابو کامل اور ان کے شیخ ابو صالح لکھا ہے علماء رجال نے ان دونوں بزرگوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اسے کتب رجال میں ملاحظہ کر لیجئے۔ علامہ البانی نے سعید بن سمعان کو ابو صالح کا متابع بتا کر ان کو ثقہ کہا تاہم ان سے مروی روایت میں بھی اسے

حضرت ابوہریرہؓ ہی کا قول بتایا گیا ہے حضور ﷺ کا نہیں۔ (دیکھئے الادب المفرد ص ۴۵ باب نمبر ۳۲ حدیث نمبر ۶۶)

تعوذوا باللہ من امارۃ الصبیان والی روایت عن یحی بن عبید اللہ عن ابیہ کے حوالہ سے بطور حدیث نبوی مروی ہے (السنن الواردۃ فی الفتن للدانی ج ۲ ص ۴۷۴ شرح بخاری لابن بطال ج ۱۰ ص ۱۰) اس پر علامہ محمد بن طاہر مقدسی قیسرانی رحمۃ اللہ علیہ (۵۰۷ھ) لکھتے ہیں:

فیہ یحی بن عبید للہ بن موھب ویحی ھذا تکلم فیہ یحی بن معین ویحی القطان وسفیان بن عیینہ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۲)

مشکوۃ المصابیح میں یہ روایت عن أبی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ سے ملتی ہے مگر اس میں إمارۃ السبعین کا لفظ ہے ستین کا نہیں۔

(۵) اس روایت کو سند اً صحیح مان لیا جائے تو بھی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ان دونوں روایتوں کے تتبع سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں ستین کا نہیں سبعین کا لفظ ہے۔ اور جس روایت میں ستین کا لفظ پایا جاتا ہے وہ ناقلین کا سہو ہے اس لئے کہ یہ ناقلین جن کتابوں سے نقل کا حوالہ دیتے ہیں ان میں سبعین کا لفظ ہے ستین کا نہیں۔ جیسا کہ علامہ سیوطی کی خائص کبری اور علامہ علی متقی ہندی کی کنز العمال میں لفظ ستین منقول ہے مگر جہاں سے وہ یہ قول نقل کرتے ہیں اس میں سبعین کا لفظ ہے ستین کا نہیں۔ مشکوۃ المصابیح میں بھی یہ روایت مرفوعا مروی ہے مگر اس میں بھی سبعین کا لفظ ہے (دیکھئے ص ۳۲۳) اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں بھی یہ روایت سبعین کے لفظ سے نقل کی ہے (دیکھئے ج ۸ ص ۶۲۹)

مسند احمد (ج 2 ص 326) اور مسند بزار میں بھی من راس السبعین کے الفاظ ہیں (اتحاف الجماعۃ ص ۲۸۸) حافظ ابن حجر عسقلانی (ھ) نے اتحاف المھرۃ بالفوائد المبتکرۃ من اطراف العشرۃ میں بھی راس السبعین نقل کیا ہے (دیکھئے ج 16 ص 232)

(۶)رہی بات صحیح بخاری کی روایت هلاك امتي علی یدی غلمة من قریش...تو اس میں قریش کے نوجوانوں کے ہاتھوں بربادی کی پیشگوئی کی گئی ہے حضرت ابوہریرہؓ نے اسے بنی فلاں وبنی فلاں کہہ کر فرمایا کہ میں ان کے نام بتاسکتاہوں مگر آپ نے نہیں بتائے (دیکھئے صحیح بخاری ج۱ص۵۰۹)۔ بعض محدثین نے اس سے یزید اور بنی الحکم کی اولاد کا دور مراد لیا ہے تاہم حضرت ابوہریرہؓ نے قریش کے دو خاندانوں کا ذکر کیا ہے یہ دوسرا خاندان کونسا ہے ؟اس کی تعیین باقی ہے۔

ہم نہ یزید کے وکیل ہیں نہ اس کے غلط کاموں کے حامی۔ وہ اپنے اچھے برے اعمال کے ساتھ اللہ کے حضور جاچکا ہے جہاں ہر ایک اپنے اچھے عمل کی جزااور برے کی سزا پائے گا لیکن یزید ہو یا بنی مروان یا ان کے بعد آنے والے حکمرانوں کے ظالمانہ اور برے کارناموں کے بہانے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیچڑ اچھالنا بھی تو کسی شریف آدمی کا کام نہیں ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنا کیا اس لئے درست ہو جاتا ہے کہ وہ یزید کے باپ تھے ؟یزید کے جو سیاہ کارنامے تاریخی روایات میں بتائے گئے ہیں کیا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہوئے تھے ؟ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنی جانشینی کے لئے یزید کا انتخاب کیا تو یہ آپ اکیلے کا فیصلہ تو نہ تھا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی تائید کی تھی اور بعد میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی بیعت بھی کی تھی۔ اس لئے یزید اور بنو امیہ کے دیگر افراد کے وہ سیاہ کارنامے جو تاریخی روایات میں بیان کئے گئے ہیں اس کے ذمہ دار وہ خود اور اس کے ساتھی ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں۔ اس لئے ان روایتوں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی اور ان پر لعن طعن کس طرح جائز ہو سکتا ہے ؟ مگر کیا کریں جناب سلمان ندوی کی اس کے بغیر دال نہیں گلتی اور دل کی بھڑاس پوری طرح نہیں نکلتی۔۔۔۔۔

☆...ملک عضوض سے مراد کونسی حکومت ہے؟

جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

ستكون الخلافة بعدى ثلاثين سنة ثم ملك عضوض ثم جبرية وعتو۔ کیا زبان نبوت نے جس حکومت کو ملک عضوض کہا آپ نبی ﷺ کی بات نہ مان کر اس کے حق میں تاویلیں کریں گے؟(ازالہ ص۱۵)

مولانا سلمان ندوی نے اس بات کی کوئی نشاندہی نہیں کی انہوں نے یہ روایت کہاں سے نقل کی ہے اور نہ ہی انہوں نے اس کی سند لکھی ہے امید ہے کہ موصوف اس حدیث کی پوری سند اور کتاب اور باب کی نشاندہی فرمائیں گے۔

حضور ﷺ کے مذکورہ ارشاد میں ملک عضوض سے مراد کس کی حکومت ہے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت؟ ان کے بیٹے کی حکومت؟ یا ان کے بعد کے امراء کی حکومت؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تیس سال بعد اقتدار سنبھالا اور یہ اقتدار انہیں حضرت حسنؓ نے سپرد کیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا واقعی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت ملک عضوض (یعنی کاٹنے والی بادشاہت) تھی؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو پھر بتانا پڑے گا کہ آپ کے دور میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے کبھی یہ آواز کیوں نہیں اٹھائی؟ کیا ملک عضوض سے تحفے تحائف لینا اور وظائف قبول کرنا درست تھا؟ کیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ جھوٹ بول رہے تھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف اور ایذا نہیں پہنچی انہوں نے ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا؟ آخر یہ کیسی ملک عضوض ہے جس سے حضرات حسنین کریمینؓ خوش اور راضی ہیں اور ان سے وظائف لینے میں کوئی عار نہیں سمجھتے۔ حضرت علیؓ کے بھائی حضرت عقیلؓ اور حضرت عبید اللہ بن عباسؓ بھی اسی ملک عضوض کے ساتھ کیوں چمٹے رہے؟ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد نے بھی اسی ملک عضوض کا کیوں ساتھ دیا اور اس کی

کیوں حمایت و نصرت کی؟

اب لگے ہاتھوں جناب سلمان ندوی کا ایک فتوی ملاحظہ کیجئے۔ یہ ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر موصوف کا تبرا نہیں بلکہ حضرات حسنین کریمینؓ اور دیگر اہل بیت کرامؓ بھی موصوف کے اس فتوے کی زد میں ہیں جنہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ملک عضوض نہیں سمجھا اور آپ کی جانب سے مملکت کے مختلف امور پر مامور رہے اور حضرات حسنین کریمینؓ تو اسی ملک عضوض سے خوش اور راضی رہے ہیں۔ ان سب کے بارے میں مسلمانوں کے مجمع عام میں دیا جانے والا موصوف کا فتوی دیکھئے:

جو شخص خلافت راشدہ کے بعد قائم ہونے والی حکومت کو ملک عضوض نہ کہے وہ منکر حدیث اور ملعون ہے

(ماخوذ از عظمت صحابہ ص۵ مفتی عتیق بستوی صاحب)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جناب سلمان ندوی کے نزدیک جن صحابہ اور اہل بیت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت و حکومت کو ملک عضوض نہیں کہا وہ سب کے سب منکر حدیث اور ملعون ٹھہرے۔ (معاذ اللہ) اس سے آپ موصوف کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ذہنی پراگندگی اور قلبی غلاظت کا کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت سے ملک شام کے امیر اور نگراں تھے حضرت عثمانؓ نے بھی ان کو اسی منصب پر باقی رکھا حضرت علی مرتضیٰؓ نے ان دونوں ادوار میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا طرز حکمرانی دیکھا تھا آپ اس سے واقف تھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کس خوبی سے ان علاقوں کے امور سرانجام دیتے رہے ہیں جس سے اسلام اور اہل اسلام کو بڑا نفع پہنچا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے برسر عام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

يا ايها الناس لاتكرهوا إمارة معاوية فانكم لو فقدتموه رايتم الرؤس تندر عن كواهلها كانها الحنظل (البدایہ ج۸ ص۱۳۱)

اے لوگو! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ناپسند مت کرو کیونکہ اگر تم نے انہیں کھو دیا تو پھر تم دیکھو گے کہ سر اپنے کندھوں سے اس طرح کٹ کٹ کر

گریں گے جیسے حنظل کا پھل اپنے درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ بیان اس وقت کا ہے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے بعد واپس ملک شام لوٹ گئے تھے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ خود بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ناپسند نہ سمجھتے تھے ہاں شیعہ علماء حضرت علیؓ کے اس بیان پر تقیہ کی سیاہ چادر ڈالتے ہیں کہ آپ یہ بات صرف اوپر اوپر سے کہہ رہے تھے اندر سے نہیں۔ مولا علی ہمیشہ دو پالیسیاں رکھا کرتے تھے ایک ظاہر کی اور ایک باطن کی۔ (معاذ اللہ)

(۲) جو لوگ ملک عضوض سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت مراد لیتے ہیں اور پھر اس دور کو ظلم وفساد کا دور کہتے ہیں اگر واقعی یہ بات درست ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد نے اس ملک عضوض کا ساتھ کیوں دیا تھا؟ ان محترم ہستیوں کو کیا مجبوری لاحق تھی کہ ان کی ایک بڑی تعداد نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے دی جانے والی خدمات کو قبول کیا؟ کیا انہیں پتہ نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس سال بعد والی حکومت کو ملک عضوض کہا ہے ؟ حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ (چلئے ان کو چھوڑیئے کہ کہیں ان کے نام سن کر جناب سلمان ندوی تڑپ اور پھڑک نہ جائیں) حضرت سمرہ بن جندب۔ حضرت عقبہ بن عامر حضرت مالک بن ہبیرہ حضرت نعمان بن بشیر حضرت مسلمہ بن مخلد حضرت عبد الرحمن بن سمرہ حضرت حبیب بن مسلمہ۔ حضرت جریر بن عبد اللہ حضرت فضالہ بن عبید حضرت عبادہ بن صامت۔ حضرت ابو الدرداء حضرت زید بن ثابت وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے اکابرین امت اس ملک عضوض کے لئے کیوں اپنی خدمات پیش کرتے رہے ہیں؟۔ شیعہ مؤرخ احمد بن یعقوب الکاتب (۲۵۸ھ) نے اپنی تاریخ (یعقوبی) میں پچیس سے زائد ان صحابہ کرام کے اسماء تحریر کئے ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بڑی اور اہم ذمہ داریوں پر فائز رہے ہیں جن میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عطاء بن یسارؒ حضرت عروہ بن زبیرؒ حضرت سائب بن یزیدؓ جیسی شخصیات بھی تھیں جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کی ولایت اور امارت ملک عضوض کا مصداق نہ تھی۔ اگر آپ کی خلافت ملک عضوض کا مصداق

ہوتی تو آپ ہی بتائیں کہ حضور ﷺ کے جلیل القدر صحابہ کی اتنی بڑی تعداد کیا آپ کی حکومت کا ساتھ دیتی اور آپ کے ساتھ مل کر کام کرتی؟ یا وہ تمام حضرات اسے ملک عضوض سمجھ کر گوشہ نشینی اختیار کر لیتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ملک عضوض کا مصداق بتانا درست نہیں ہے۔ یہ بعد کی حکومت ہے جو ملک عضوض کا مصداق ہوئی۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) نے آپ کی خلافت کو ملکا ورحمۃ لکھا اور آپ کے بعد والی حکمرانی کو ملک عضوض کہا ہے۔

فكانت النبوة نبوة ورحمة وكانت خلفاء الراشدين خلافة نبوة ورحمة وكانت إمارة معاوية ملكا ورحمة وبعده وقع ملك عضوض (جامع المسائل ج۵ ص۱۵۴ش)

آپ نے ایک اور مقام پر بھی یہی بات (ملکا ورحمۃ) لکھی ہے:

اتفق العلماء على ان معاوية افضل ملوك هذه الامة فان الاربعة قبله كانوا خلفاء نبوة وهو اول الملوك كان ملكه ملكا ورحمة كما جاء فى الحديث {يكون الملك نبوة ورحمة ثم تكون خلافة ورحمة ثم يكون ملك ورحمة ثم ملك وجبرية ثم ملك عضوض} وكان فى ملكه من الرحمة والحلم ونفع المسلمين ما يعلم انه كان خيرا من ملك غيره

(مجموع الفتاوی ج۴ ص۴۷۸)

یہ محض حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان نہیں کہ اسے جانبدار کہہ کر اس کی اہمیت گھٹادی جائے یہ بات تو حضور اکرم ﷺ نے بھی فرمائی ہے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا

أول دينكم نبوة ورحمة ثم ملك ورحمة ثم ملك أعفر ثم ملك وجبروت يستحل فيها الخمر والحرير (سنن دارمی ج۲ ص۱۳۳۴)

محقق اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ خلافت راشدہ کے مبارک دور کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت اسلام میں بڑا اہم دور ہے اس دور میں اسلام کو کامل فروغ حاصل ہوا دین شریعت کے تمام شعبوں میں ترقی ہوئی اور اس عہد کے باقی مخالف ادیان یہود و نصاری وغیرہ پر اسلام غالب آگیا اور اسلام کی مخالفت کمر بستہ عظیم سلطنتوں کا زور ٹوٹ گیا۔ (سیرت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۲۳۸)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے کیا کہنے کہ آپؓ کے عہد میں وہ تمام سلطنتیں جنہیں اپنے زور بازو پر بڑا ناز اور فخر تھا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں ایسا کاٹ کر رکھ دیا کہ پھر وہ کبھی سر اٹھانے کے قابل نہیں رہے تھے۔ فرضی اللہ تعالی عنہ وارضاہ۔ آمین۔

جناب سلمان ندوی نے پھر وہی راگ الاپ دیا

محترم جناب مولانا مفتی عتیق بستوی صاحب زید مجدہ نے اپنے رسالہ میں جمہور کے حوالہ سے صحابی کی تعریف اور ان کا مقام و مرتبہ بیان کیا تھا اور جناب سلمان ندوی سے درخواست کی کہ وہ خواہ مخواہ صحابی کی تعریف اور ان کے مقام کو متنازع بنا کر امت کو مزید انتشار میں نہ ڈالیں تو جناب سلمان ندوی نے پھر وہی راگ الاپنا شروع کر دیا جس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں۔

محدثین امام ابو حنیفہ کو مرجئی کہتے ہیں اور بخاری کی ایمان کی تشریح امام ابو حنیفہ کی تشریح کے خلاف ہے اور ابن تیمیہ ابن کثیر اور امام ذہبی آپ کے عقیدہ کو بھی قبول نہیں کرتے... (دیکھئے ازالہ ص ۱۵)

ہم یہ بات پہلے بھی واضح کر آئے ہیں کہ جمہور نے صحابہ کرام کے متعلق چھیڑ چھاڑ کرنے اور انہیں متنازع بنانے اور ان کے بارے میں نامناسب الفاظ بولنے لکھنے سے جو منع کیا ہے یہ بات صرف امام ابو حنیفہؒ یا امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے تو نہیں لکھی تھی کہ جناب سلمان ندوی امام ابو حنیفہؒ کے خلاف تلوار لے کر چڑھ دوڑے ہیں۔ بالفرض امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے فکر سے متفق نہیں تو

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام کے مقام و مرتبہ کو متنازع بنایا جاسکتا ہے۔ چونکہ یہ لوگ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے خلاف ہیں اس لئے حضرت مفتی عتیق صاحب کو جمہور کے خلاف آواز اٹھانی چاہئے تھی نہ کہ صحابہ کرام کی عزت و عظمت کے دفاع میں جمہور کو ساتھ لینا چاہئے تھا۔ عجیب منطق ہے۔ یہاں بات اس کی ہو رہی ہے کہ صحابہ کرام کے بارے میں جمہور امت کا کیا موقف ہے؟ اور جناب سلمان ندوی دفتر کھول کر بیٹھے ہیں کہ فلاں اور فلاں نے امام ابو حنیفہ کو مرجئ کہا اور ان کی تشریح کو قبول نہیں کیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی ذات اور آپ کے عقائد و فقہ پر جن لوگوں نے نیک نیتی یا بد نیتی سے اشکالات اور اعتراضات کئے خود امام ابو حنیفہؒ نے اپنی زندگی ہی میں ان کے جوابات بھی دے دئے تھے۔ جو نیک فطرت اور نیک نیت حضرات تھے انہوں نے جزاک اللہ کہہ کر آپ کے ہاتھ کو بوسہ بھی دیا اور اپنے اعتراضات بھی واپس لے لئے۔ البتہ بد نیت اور بد فطرت لوگوں نے اس دور میں بھی آپ کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالی اور اس قبیل کے لوگ اب تک انہی مذموم حرکتوں میں مشغول ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ پر کئے گئے اعتراضات ائمہ احناف ہی نہیں شوافع موالک اور حنابلہ کے محدثین اور فقہاء نے کیا نہیں دے دئے؟ اور ان سب کی بولتی بند نہیں کی جنہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے عقیدہ و فکر کو گمراہ کہا تھا۔ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ علامہ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ تو حنفی المذہب نہیں ہیں مگر انہوں نے جس جرات کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ کا مقام و مرتبہ بیان کیا اور آپ کے علم و فضل کا پرچم بلند کیا اور آپ پر کئے گئے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دئے کیا اس کے اب تک جواب الجواب کسی نے دئے ہیں؟۔ ان حضرات نے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حق میں جو آواز اٹھائی پھر مخالفوں نے جس طرح راہ فرار اختیار کی واقعی وہ منظر {فاین المفر کلا لا وزر} ہی کا تھا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ایمان کی تشریح میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف کیا ہے تو کیا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تشریحات سے دوسرے محدثین تو درکنار ان کے اپنے تلامذہ محدثین نے کبھی اختلاف نہیں کیا؟ کیا محدثین نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ہر بات آنکھ بند کر کے مان لی ہے؟ کیا ان پر کسی

محدث نے عالمانہ جرح و تنقید نہیں کی ؟ کیا علماء اور محدثین کتاب الجرح علی البخاری سے واقف نہیں؟ عجیب تماشا ہے کہ چونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ کی تشریح ایمان کے خلاف ہیں اس لئے اب کسی کو یہ حق نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جمہور کا موقف بتائے ؟ اور جمہور جمہور کا شور مچائے۔

رہی یہ بات کہ محدثین نے امام ابو حنیفہؒ کے مرجئ ہونے کا فتوی دیا ہے ؟ ہم پھر عرض کریں گے کہ کیا اس کا مطلب یہ ہے صحابہ کرام کے بارے میں زبان کھولنے سے جمہور نے روکا ہے تو اسے صرف اس لئے رد کر دیا جائے کہ محدثین نے امام ابو حنیفہؒ پر مرجئ ہونے کا فتوی لگایا ہے ؟

ہم اس وقت امام ابو حنیفہ اور عقیدہ ارجاء کی بحث میں نہیں جاتے ہم اس پر اپنی کتاب امام ابو حنیفہ کی دوسری جلد میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں البتہ ہم جناب سلمان ندوی صاحب سے یہ ضرور درخواست کریں گے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بد گمانی پیدا کرنے سے پہلے صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ان ناموں کی ایک فہرست ضرور اپنے پاس رکھ لیجئے جنہیں محدثین نے مرجئ کہا ہے۔ مؤرخ سیرت علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۲ھ) لکھتے ہیں:

> محدث ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور اور مستند کتاب المعارف میں مرجئہ کے عنوان سے بہت سے فقہاء اور محدثین کے نام گنوائے ہیں (ان میں سے چند نام لکھنے کے بعد فرماتے ہیں) حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں اور صحیح بخاری و مسلم میں ان لوگوں کی سینکڑوں روایتیں موجود ہیں ہمارے زمانہ کے بعض کوتاہ بین اس پر خوش ہیں کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجئہ کہا ہے وہ ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے تو شاید ان کو ندامت ہوتی محدث ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الاعتدال میں مسعر بن کدامؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ارجاء بہت سے علماء کبار کا مذہب ہے اور اس کے قائل پر مؤاخذہ نہیں کرنا چاہئے۔ (سیرۃ النعمان ص ۱۰۶)

☆☆☆☆

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ پر گھناؤنا الزام اور اس کا جواب

جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

> کیا معاویہ کو اپنے ہی بیٹے یزید کے حالات معلوم نہیں تھے ؟ کیا مغیرہ بن شعبہ کو جب کوفہ کی گورنر شپ سے ہٹایا تھا تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ اب میں ان سے یزید کی ولی عہدی کی بات کروں گا اور جب انہوں نے ان کو یہ مشورہ دیا تو انہیں کوفہ کی گورنر شپ پھر واپس مل گئی اور پھر مغیرہ نے کہا تھا کہ میں نے معاویہ کو ایسی دلدل میں پھنسایا ہے جس سے وہ کبھی نکل نہ سکیں گے۔ (ازالہ ص ۱۶)

جناب سلمان ندوی کی بیان کردہ یہ رام کہانی اس سے پہلے جناب مودودی بڑی تفصیل کے ساتھ خلافت وملوکیت میں سنا چکے ہیں۔ جناب سلمان لکھتے ہیں کہ جب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو ہٹایا تھا... جبکہ جناب مودودی لکھتے ہیں کہ انہیں معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے (خلافت وملوکیت ص ۱۴۸) ان دونوں کی بیان کردہ رام کہانی سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ انہیں گورنر شپ سے ہٹایا جارہا ہے تو وہ پہلے یزید سے ملے اور اسے حکمراں بنانے کی راہ ہموار کرنے کے سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے آس پاس کے علاقوں کو سنبھالنے کی ذمہ داری لینے کا وعدہ کیا پھر واپس جاکر یزید کی حمایت کے لئے لوگوں میں رقم بانٹی اور اس طرح انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کی جانشینی پر تیار کرلیا۔ جس پر انہیں کوفہ کی گورنر شپ واپس مل گئی۔ گویا یہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ کرام کی وہ تصویر جس پر خدا نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے اور آئندہ آنے والے لوگوں کو ان کی راہ اپنانے کی تاکید کی ہے اور ان کی راہ سے اعراض کرنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔

کیا آپ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تصور کرسکتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ افراد کا کریکٹر یہ ہوگا کہ وہ محض اپنی گورنر شپ بچانے کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سودے بازی

کریں اور یزید کے حق میں ووٹ دلوانے کے لئے لوگوں میں رقم تقسیم کریں گویا یہ لوگ لوگوں کو مال دے کر پہلے خریدتے اور جس طرح چاہتے ان کا ووٹ استعمال کرتے تھے اس رام کہانی کو سن کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج یہ ۲۰۱۸ء کے الیکشن کی کوئی کہانی ہے جہاں مختلف سیاسی جماعتیں لوگوں کو قیمہ والا نان یا بریانی کی ایک پلیٹ دے کر ان کا ووٹ خریدتے ہیں یا لوگوں کو ایک دن کا خرچ دے کر ووٹ کے لئے لاتے ہیں اور اپنے حق میں ان کا ووٹ استعمال کرتے ہیں۔ ایمانداری سے بتایئے کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی وہ تصویر ہے جس پر رب العزت نے انہیں راشدون اور فائزون کی خوشخبری سنائی ہے؟

ھندوستان کے معروف اہل علم حضرت مولانا محمد ابو بکر غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے جناب مودودی کے اس الزام کے جواب میں جو لکھا ہے اسے ملاحظہ کرتے چلیں:

> مولانا مودودی (اور جناب سلمان ندوی۔ ناقل) نے یزید کی ولی عہدی کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ کسی تبصرہ کا محتاج نہیں ہے آپ شروع سے لے کر آخر تک کے بیان پر ایک مرتبہ مزید نظر ڈال کر خود اپنے سے سوال کرلیں کہ کیا یہی تصویر خیر القرون کی اور صحابہ کرام کی زندگی کی ہو سکتی ہے؟ اگر یہی ہے تو پھر تسلیم کرلینا چاہئے کہ خیر القرون سے بدتر کوئی زمانہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدتر کوئی جماعت معاذ اللہ مسلمانوں کی تاریخ میں پیدا نہیں ہوئی اور کتاب وسنت کے سارے بیانات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اس زمانہ کے بارے میں محض افسانہ اور جھوٹ ہیں جہاں رشوتیں عام ہوں جہاں پیسوں (اور گورنر شپ۔ ناقل) کی خاطر دین فروشی ہو جہاں ذاتی مفادات کی خاطر قومی مفادات کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہو جہاں تلوار کے زور پر اپنی بات منوائی جاتی ہو جہاں مسجد میں بیٹھ کر سفید جھوٹ بلا تکلف بولا جاتا ہو جہاں کے لوگ اتنے بے غیرت اور بزدل ہوں کہ سب دیکھتے ہوئے بھی اپنی زبان سے کلمہ حق کے اظہار واعلان کی جرات نہ کر سکیں اس زمانہ کو خیر القرون کہنا اور ان لوگوں کو خیر امت اور وسط امت کہنا ان کی تاریخ اور ان کے عہد کو اسلامی تاریخ کا سب سے روشن عہد کہنا اور اس تاریخ پر فخر کرنا سب غلط باطل اور جھوٹ ہے اور مسلمانوں کے پاس

کوئی ایسا تاریخی و ملی سرمایہ نہیں ہے جس پر وہ فخر کر سکیں۔

خدارا...! آپ بتلایئے کہ اس سے بھی گندی شکل میں کوئی دشمن اسلام اسلام کی تاریخ اور صحابہ کرام کی زندگی کا نقشہ پیش کر سکتا ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر دین کی خدمت کے نام پر اور اسلامی نسل کی حفاظت کے نام پر کیا جارہا ہے۔ (مقام صحابہ ص ۱۳۷ سن طباعت ۱۴۰۱ھ)

ھندوستان کے ایک اور معروف عالم حضرت مولانا عتیق الرحمن سنبھلی صاحب مدظلہ اسی سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

شیعہ حضرات سوائے تین چار کے تمام اصحاب نبی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ مرتد ہو گئے تھے بلکہ سابقین اولین ابو بکر و عمر و عثمان وغیرہ تو شروع ہی سے معاذ اللہ منافق تھے ایسا گمان رکھنے والوں کے ٹھیک ہے کہ وہ ان حضرات کی شان میں جو بھی چاہیں سوء ادب کریں مگر جو شخص اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسے گمان کو اپنے لئے بد بختی کی بات سمجھتا ہو وہ کیسے مان سکتا ہے کہ یہ لوگ جنہوں نے اسلام کے لئے ایسی جانثاریاں اور فرمانبرداریاں کیں کہ خدائے پاک نے بھی سند قبولیت عطا فرمادی وہ اسلام کی جڑ کھودنے کا کام کریں گے اور فخر سے کہیں گے کہ میں نے اسلام اور امت اسلام کے لئے تباہی کی داغ بیل ڈال دی ہے یہی بد بختانہ بات ہے جو یزید کی ولی عہدی کی تجویز کے سلسلے میں حضرت مغیرہؓ جیسے صاحب فضائل صحابی رسول کی طرف تاریخی کتابوں میں منسوب کی گئی ہے۔ (واقعہ کربلا ص ۸۷ مطبوعہ ۲۰۰۰ء)

آپ مؤرخ ابن اثیر کی الکامل سے اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

کیا کوئی گنجائش اس بات کی ہے کہ ہم اصحاب بیعت رضوان کے لئے اور مجاہدین غزوہ تبوک کے لئے خدائے ذوالجلال کی وہ خوشنودی اور کرم فرمائی بھی مانیں جس کا نہایت بلند آہنگ اعلان قرآن پاک میں ہوا تھا اور اس کے ساتھ ان میں سے کسی کے بارے میں یہ ماننے کو بھی تیار ہو جائیں کہ اس نے دنیا کی ایک حقیر غرض کے لئے دیدہ و دانستہ نہ صرف اسلام دشمنی کا ایک کام کیا بلکہ

اس کا فخر سے اعلان بھی دوستوں میں کیا؟ خدا کی پناہ اور ہزار بار پناہ۔ ہم یہ لغویات (بلکہ کفریات) مان کر قرآن اور اس کے اعلان کو جھٹلانے کا کام کیسے کر سکتے ہیں؟ (ایضاص ۷۹)

پیش نظر رہے کہ یہ رام کہانی ساتویں صدی کے ابن اثیر (۶۳۰ھ) نے الکامل میں سنائی ہے اور اسی سے جناب مودودی نے بعض حصوں کو حذف کر کے اپنی کتاب میں نقل کر دی۔ مگر یہ بات نہ سلمان ندوی نے بتائی نہ جناب مودودی نے اور نہ علامہ ابن اثیر نے کہ انہیں یہ کہانی کس نے سنائی ہے؟ کیا بے سند روایات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت سے کھلواڑ کرنا کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے؟

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ لکھنؤ کے ایک استاد جناب سلمان ندوی کو سعودی عرب کی جانب سے سالہا سال سے ایک بڑی رقم ڈالر اور ریال کی صورت میں ملتی رہی کہ وہ سعودی عرب کی حمایت میں آواز اٹھاتے رہیں مگر جب وہاں سے رقم ملنی بند ہو گئی تو کسی نے ان کو کہا ایک اور صحابہ کا دشمن گروہ آپ کو وہ رقم اس شرط پر دینے کے لئے تیار ہے کہ آپ سعوی عرب کی مخالفت میں آواز اٹھائیں اور ائمہ حرمین کے خلاف کھل کر بولیں اور علماء شیعہ جن صحابہ پر لعن طعن کرتے ہیں آپ ان کے بارے میں تاریخی روایات کی روشکوک وشبہات پیدا کر دیں چنانچہ جناب سلمان ندوی اس پر تیار ہو گئے تو وہی صاحب جنہوں نے انہیں اس ملک کی حمایت پر تیار کیا تھا کہنے لگے کہ میں نے سلمان کو ایسی سیاسی اور مذہبی دلدل میں پھنسا دیا ہے کہ جہاں سے وہ کبھی نہیں نکل سکیں گے ان کی دنیا ہی نہیں عقبی بھی گئی۔ ان کی عزت ہی نہیں آخرت بھی تباہ ہوئی۔

تو کیا آپ اس بات کو قبول کر لیں گے؟ اور اگر آپ کسی سے اس بات کی سند مانگیں تو کیا وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ جب آپ ہر وہ بات بے سند قبول کر کے صحابہ کو جرح وتنقید کا نشانہ بناتے ہیں تو پھر اسے بھی بے سند ہی قبول کیجئے۔ لینے اور دینے کے پیمانے تو ایک رکھیں۔ آپ کے خلاف کوئی بات کی جائے تو آپ سند مانگیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کہیں سے کوئی بات گری پڑی اور بے سند مل جائے تو اسے قبول کر کے صحابہ پر چڑھ دوڑیں یہ کہاں کا انصاف ہے؟ صحابہ کے خلاف

کہیں سے کوئی بھی گری پڑی بات مل جائے تو موصوف سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کہتے نہیں تھکیں گے اور جب امت کا کوئی جلیل القدر عالم حضرت امیر معاویہ اور دیگر صحابہ کی عزت وعظمت کے جھنڈے بلند کرے تو موصوف استغفر اللہ کہتے حیاء نہیں کریں گے۔

جناب سلمان ندوی (اور جناب مودودی) اگر واقعی یہ سمجھتے ہیں کہ مؤرخ ابن اثیر نے چھ سو سال بعد جو کہانی بیان کی ہے تو بتلایئے کیا آپ اس پوری کہانی کے مندرجات سے متفق ہیں جو اس میں بیان کئے گئے ہیں یا صرف اس کے اسی حصہ کو ہی سچ سمجھتے ہیں جس کا تعلق حضرت معاویہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سے ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس پوری کہانی میں ان کے علاوہ دیگر حضرات کا تذکرہ بھی عجب پیرائے میں ملتا ہے۔ سو اگر اس بے سند روایت سے حضرت معاویہ اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ کا کردار مسخ کیا جاسکتا ہے تو پھر ان دیگر حضرات کی عزت کیسے بچ سکتی ہے جن کا ذکر اس روایت میں موجود ہے۔ جناب سلمان ندوی اگر پوری روایت بغور ملاحظہ فرمالیتے تو شاید انہیں حضرت معاویہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما پر آج کل کے سیاسی لوگوں کی طرح گھناؤنا الزام لگانے کی ضرورت نہ پڑتی۔

جناب سلمان ندوی نے دلدل میں پھنسانے کی بات بھی غضب کی ہے۔ اور جہاں سے انہوں نے یہ بات نقل کی ہے انہوں نے بھی اس کی کوئی سند نہیں لکھی۔ جناب سلمان ندوی کو دلدل میں پھنسانے کی بات تو یاد رہی مگر اسی کتاب میں ایک صفحہ بعد ان کو یہ دیکھنا کیوں گوارا نہ ہوا کہ صلح نامہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خود یہ بات نہیں لکھوائی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد وہ خلیفہ ہوں گے۔۔ تاریخ اسلام میں لکھی جانے والی ہر بات اگر سچ ہی ہو تو پھر اس تاریخ اسلام کا خدا ہی حافظ ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو بے چارے بہت نادان اور جہاندیدہ نہ تھے سیدھے سادے آدمی تھے پھنس گئے اور یزید کو نامزد کر دیا۔ مگر جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے یزید کی نامزدگی قبول کی اور اسے اپنا سربراہ تسلیم کر لیا کیا وہ بھی دلدل میں پھنس گئے تھے؟ کیا وہ تمام حضرات اتنے کم عقل نادان اور سادہ تھے کہ سب کے سب بیک وقت اس دلدل میں پھنستے چلے گئے اور پھر اس

میں نکل نہ پائے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن فہمی کی دعا اور اس کی سند لے چکے تھے معاذ اللہ اتنے بد فہم بن گئے تھے کہ مدینہ منورہ کے گورنر کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر لی تھی؟ (طبری ج۴ ص۲۵۴ البدایہ ج۸ ص۱۴۸)

جناب والا! یہ پھنسنے پھنسانے والے لوگ نہ تھے یہ اللہ کے وہ مقبول بندے تھے جن کی تعریف کسی انسان نے نہیں خالق انسان نے فرمائی ہے۔۔ اور ہم ان کی قلبی پاکیزگی اور نیک نیتی کے، بغیر کسی شک وشبہ کے قائل ہیں۔ جس کو ماننا ہے مانے جو اسے نہ مانے اسے رب جانے۔

ہم پھر ایک مرتبہ اس بات پر توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو تاریخ کی کتابوں سے بے سند واقعات اور ابو مخنف لوط بن یحی اور محمد بن ہشام اور اس قبیل کے لوگوں کی رام کہانیوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزتوں کو اچھالنے کا جو گھٹیا شوق چرایا ہے تو وہ بے شک اچھال لیں۔ مگر کب تک؟ وہ دن دور نہیں جہاں حضرات شیخین کریمین، حضرت عثمان، حضرت علی، سیدنا حضرت حسن وحضرت حسین، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت معاویہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پر الزام لگانے والے خود ان کے سامنے کھڑے ہوں گے اس وقت پتہ چلے گا کہ ان کی کردار کشی، ان پر ناروا اور جارحانہ حملے، اور ان پر سود ابازی اور ذاتی مفادات کی خاطر اسلامی احکام کی کھلے عام خلاف ورزی کا الزام لگانے والوں نے کتنا برا سودا کیا تھا۔۔۔وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون.

{رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ}

جن مہاجرین نے ہجرت میں سبقت اور اولیت کا شرف حاصل کیا اور جن انصار نے نصرت واعانت میں پہل کی۔ غرض جن لوگوں نے قبول حق اور خدمت اسلام میں جس قدر آگے بڑھ بڑھ کر حصے لئے۔ پھر جو لوگ نیکوکاری اور حسن نیت سے ان پیش روان اسلام کی پیروی کرتے رہے ان سب کو درجہ بدرجہ خدا کی خوشنودی اور حقیقی کامیابی حاصل ہو چکی۔ جیسے انہوں نے پوری خوشدلی اور انشراح قلب کے ساتھ حق تعالی کے احکام تشریعی اور قضاء تکوینی کے سامنے گردنیں جھکادیں، اسی طرح خدا نے ان کو اپنی رضاء اور خوشنودی کا پروانہ دے کر غیر محدود انعام واکرام سے سرفراز فرمادیا۔

{از: شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ}

☆... کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کے حالات کی خبر تھی؟

جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

کیا معاویہ کو اپنے ہی بیٹے یزید کے حالات نہیں معلوم تھے؟

جواباً گذارش ہے کہ پہلے اس سوال کا جواب دیجئے کہ اس وقت یزید کے حالات کیا تھے؟ پھر اس کے بعد یہ سوال کیجئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان حالات سے باخبر تھے یا نہیں؟

جناب سلمان ندوی کا یہ سوال اگر یزید کی نامزدگی کے وقت سے متعلق ہے تو سیدھی سی بات ہے کہ اگر اس کے قبائح اور معائب زبان زد عام یا خاص ہوتے تو کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس کو نامزد کرتے؟ اور جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس نامزدگی کی تائید یا توثیق یا اس پر سکوت اختیار کیا تھا کیا وہ اس نامزدگی پر راضی ہو سکتے تھے؟ یہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ نہیں پھر تو وہ تمام صحابہ بھی قصوروار قرار پائیں گے جنہوں نے اس نامزدگی کی تائید کی یا اس پر خاموش رہے۔ آپ ہی بتائیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ تصور ان کی عزت بڑھانا ہے یا ان کے کردار کو مشکوک بتانا ہے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یزید کو نامزد کیا اس وقت اس کے قبائح اور معائب پر کسی جانب سے آواز نہیں آئی تھی اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت یزید کے قبائح و معائب کہیں علانیہ طور پر موجود نہیں تھے۔ اگر اس وقت اس کے قبائح اور معائب معروف و مشہور ہوتے تو آپ ہی بتائیں کہ ۴۹ ہجری میں غزوہ قسطنطیہ کے لئے جو لشکر بھیجا گیا تھا اس لشکر کا سربراہ کبھی یزید ہوتا؟ اس غزوہ کے لئے جو لشکر گیا تھا اس میں حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابوایوب انصاری اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین جیسی جلیل القدر اور عظیم المرتبت شخصیات موجود تھیں اور یزید اس لشکر کا سربراہ تھا۔ یہی وہ غزوہ تھا جس میں حضرت ابوایوب انصاری رحمۃ اللہ علیہ شہید ہوئے تھے ان کی نماز جنازہ بھی بطور سربراہ

لشکر یزید نے پڑھائی تھی آپ کا مزار استنبول میں مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں یزید کے بارے میں کوئی ایسی بات مشہور نہ تھی جس سے اس کا کردار لائق نفرت ہو۔ کیا آپ سوچ بھی سکتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص جس کی بداخلاقی اور بدکرداری کا لوگوں میں چرچا ہو اور اسے ایک بڑے معرکہ کے لئے اسلامی فوج کا امیر بنا دیا جائے اور اس کی ماتحتی میں وہ شخصیات جائیں جن کے علم و فضل اور تقوی و خلوص پر آسمان کے فرشتے بھی رشک کرتے ہوں۔ کیا آپ نے ان بزرگوں کو اخلاق و کردار سے اتنا گرا ہوا سمجھ لیا ہے کہ یزید کے قبائح اور عیوب کو جاننے کے باوجود وہ سب کے سب اس کی سربراہی میں جہاد کریں اور وہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ جیسے جلیل القدر صحابی کی نماز جنازہ تک پڑھائے۔

جناب سلمان ندوی کا یہ سوال کہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کے حالات کا علم نہیں تھا؟

جواب یہ ہے کہ جی نہیں۔ اور نہ ہی ان حضرات کو جو یزید کی ماتحتی میں جہاد کے لئے قسطنطیہ تشریف لے گئے تھے اور نہ ہی ان لوگوں کو جنہوں نے یزید کی اقتداء میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی نماز جنازہ ادا کی تھی۔ بفرض محال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم تھا مگر کیا ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ علم و فضل اور تقوی و اخلاص کے پہاڑ جیسی شخصیات نے بھی یہ بات آسانی سے ہضم کر لی تھی؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ جن حضرات کی ساری زندگی اسلام کی سربلندی اور اتباع سنت میں گزری ہو اور جن کی زندگی کا خالص مقصد ہی رب العزت کی رضا ہو وہ ایک علانیہ فاسق کی ماتحتی میں جائیں اور جائیں بھی جہاد کے لئے کیا آپ اسے مان لیں گے؟ علامہ عبدالرحمن ابن خلدونؒ (۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:

> بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو ولی عہد مقرر کر جاتے اور اس کے فسق و فجور سے خبردار ہوتے۔ حاشا اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔ صحابی کے بارے میں اس قسم کی بدظنی سے اللہ کی پناہ۔ (مقدمہ ابن خلدون ج ۱ ص ۴۸۱ مترجم)

حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

فمعاویة معذور فی ما وقع منه لیزید لانه لم یثبت عنده نقص

فیه... ولو ثبت عنده أدنی ذرة مما یقتضی فسقة بل وإثمة لم یقع منه ما وقع (تطہیر الجنان واللسان ص۲۵۔۲۶)

یزید کو جانشین بنانے میں جو کچھ ہوا ان میں حضرت معاویہؓ کی جانب سے عذر موجود ہے اس لئے یزید میں کوئی برائی آپ کے نزدیک ثابت نہیں ہوئی... اگر آپ کے نزدیک یزید کی ذرہ برابر بھی فسق یا کوئی گناہ ثابت ہو جاتا تو آپ کبھی یزید کو جانشین نہ بناتے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۹۷ھ) بہت پہلے اس سوال کا جواب اس طرح دے چکے ہیں:

تاوقتیکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید را ولی عہد خود کردند فاسق معلن نبود اگر چیزے کردہ باشد در پردہ باشد کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را ازاں خبر نہ بود علاوہ بریں حسن تدبیر در جہاد آنچہ کہ ازو مشہود شد مشہور است۔

(تحقیق واثبات شہادت حسین ص۷۶ حجۃ الاسلام نمبر ص۷۸۳)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یزید کو اپنا ولی عہد بنایا اس وقت وہ علی الاعلان فاسق نہ تھا اگر اس میں کوئی خامی اور تقصیر تھی تو وہ در پردہ (چھپی ہوئی) تھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہ تھی علاوہ ازیں جہاد میں اس کی صلاحیت اور حسن تدبیر مشہور ہے۔

فقیہ النفس قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲۳ھ) لکھتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو نامزد کیا اس وقت اچھی صلاحیت میں تھا۔

(فتاوی رشیدیہ ص۲۴۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی نامزدگی کی تھی اس وقت اس کا فسق وفجور ظاہر نہ ہوا تھا۔ اگر کوئی ایسی بات تھی بھی تو وہ اندروں تھی جس سے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ وہ جلیل القدر صحابہ بھی بے خبر تھے جو اس کی ماتحتی میں غزوہ جیسے اہم سفر پر جارہے تھے اس وقت اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی یزید کے فسق وفجور کا علم

ہوتا یا کسی سے اس کی شہادت مل جاتی تو آپ ہی بتائیں کیا یہ جلیل القدر اصحاب کبھی اس کی ماتحتی میں جاتے ؟ ہاں بعد میں جب اس کے فسق وفجور کا چرچا ہوا تو اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن کرنا کہ انہوں نے ایک فاسق کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا تھا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا اور نہ آپ پر اس سے کوئی الزام آتا ہے۔

رہی یہ بات کہ کیا ان دنوں یزید در پردہ ایسے کسی کاموں میں مشغول تھا جسے شریعت کی نگاہ میں جرم سمجھا جاتا ہے اور اس عمل کی وجہ سے وہ فاسق قرار دیا جاتا ہے۔ تو اس کے لئے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کا درج ذیل بیان ملاحظہ کیجئے جو آپ نے ایک شخص کے پوچھنے پر فرمایا کہ:

ما رایت منه ما تذکرون وقد حضرته واقمت عنده فرأیته مواظبا علی الصلاة متحریا للخیر یسئل عن الفقه ملازما للسنة قالوا فان ذلك کان منه تصنعا لك (البدایہ ج۸ ص۲۳۳)

جو باتیں تم نے یزید کے بارے میں کہی ہیں وہ میں نے اس میں نہیں دیکھیں میں اس کے پاس رہا ہوں میں نے اسے نماز کا پابند بھلائی کے کاموں کا متلاشی دینی مسائل پوچھنے والا اور سنت کو لازم پکڑنے والا پایا (پوچھنے والے نے کہا) یہ چیزیں اس سے بناوٹ کے طور پر صادر ہوئی ہیں (یعنی وہ تقیہ کر رہا تھا) محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسے مجھ سے کس بات کا خوف تھا یا کس بات کا لالچ تھا کہ وہ اس طرح بناوٹ کرتا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس دور میں یزید کو کس طرح دیکھا تھا اسے آپ کے الفاظ میں دیکھئے۔ آپ تو اس کی مجالس اور اس کی اطاعت وبیعت کو لازم کہتے ہیں۔ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

وأن ابنه یزید لمن صالحی أهله فالزموا مجالسکم واعطوا اطاعتکم وبیعتکم

(انساب الاشراف ج۵ ص۲۹۰ ش للبلاذری ۲۷۹ھ طبع دار الفکر بیروت)

حضرت محمد بن حنفیہؒ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یزید کے متعلق جو کچھ دیکھا تھا وہ اس وقت تھا جب اس کے فسق وفجور کا ظہور نہ ہوا تھا۔ بعد میں جب اس کے بارے میں باتیں عام ہونے لگیں تو پھر لوگوں نے آپ سے پوچھا تھا۔ اگر یزید اپنی نامزدگی کے وقت غلط کاموں کا مرتکب ہوتا تو حضرت محمد بن حنفیہؒ کس طرح اس کی تعریف کرتے اور اس کو اچھا بتلاتے۔ ہاں بعد میں جو کچھ ہوا وہ سچ جھوٹ کے ساتھ تاریخی کتابوں میں موجود ہے اور اس پر علماء اسلام کے یزید کے بارے میں اقوال اور فتاوی بہت واضح ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جو لوگ بعض تاریخی اقوال کے حوالہ سے یہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کے برے کردار کا علم تھا اس کے باوجود آپ نے اسے اپنا جانشین بنایا وہ غلط کہتے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں کہ:

> مؤرخین کا یہ قول کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کے فسق وفجور کا علم تھا اور وہ معلن بالفسق تھا اور باوجود اس کے انہوں نے استخلاف کی کوششیں حضرت امام حسنؓ کی وفات سے ہی شروع کر دی تھیں یقیناً شان صحابیت ہی نہیں بلکہ شان عدالت کے بھی خلاف ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں قرآن کریم میں ہے۔

حضرت شیخ الاسلام قرآن کی چند آیات اور چند احادیث نقل کرنے کے بعد آگے لکھتے ہیں:

> ان روایات کے ہم معنی بہت احادیث صحیحہ ہیں جو کہ عامہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اعلی مناقب پر دلالت کرتی ہیں پھر اس کے ساتھ ساتھ اجماع امت کو لیجئے جو کہ بتلاتا ہے کہ جس شخص نے ایمان کے ساتھ ایک لحظہ کے لئے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرلی اور ایمان پر اس کی وفات ہوئی وہ بعد کے تمام اولیاء واتقیاء وائمہ وغیرہ سے افضل ہے ان امور مذکورہ بالا دیکھتے ہوئے اگر مؤرخین کی یہ بات کہ فاسق یزید اور معلن بالفسق کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نامزد بالخلافہ کیا مانی جائے تو ان تمام نصوص کی تذلیل

وتوہین ہی نہیں بلکہ انکار لازم آئے گا ایسی صورت میں تو معاذ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انتہائی فسق ومعصیت میں مبتلا ہوئے اور اسی بناء پر ان کی وفات ہوئی بلکہ درجہ کفر تک (والعیاذ باللہ) نوبت آتی ہے (کیونکہ استخلاف بالمعصیۃ صاف ٹپکتا ہے)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بعد ازاں چند احادیث نقل کیں اس کے بعد لکھتے ہیں:

یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سروپا ہوتی ہیں نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے نہ ان کی توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے نہ اتصال وانقطاع سے بحث ہوتی ہے اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں ہر غث وثمین سے اور ارسال اور انقطاع کے ساتھ لیا گیا ہے۔ (خواہ ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ۔ ابن ابی الحدید ہوں یا ابن سعد)

ان اخبار کو مستفاض ومتواتر کہنا بالکل غلط ہے اور بے موقع ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ ونقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو بھی مردود یا مسئول قرار دی جاتیں چہ جائے کہ روایات اصول۔ اب آپ اصول تنقید کو پیش نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کیجئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مؤرخین میں سے ان لوگوں کا قول کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ حیات میں یزید معلن بالفسق تھا اور ان کو اس کی خبر تھی اور پھر انہوں نے اس کو نامزد کیا بالکل غلط ہے ہاں ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت میں خفیہ طور پر فسق وفجور میں مبتلا ہو مگر ان کو اس کے فسق وفجور کی اطلاع نہ ہو ان کے وفات کے بعد جو کیا اور جو کچھ نہ ہونا چاہئے تھا کر بیٹھا۔

(مکتوبات شیخ الاسلام مکتوب نمبر ۸۹)

☆☆☆☆

☆... حضرات حسنین رضی اللہ عنہما بلاشبہ جوانان جنت کے سردار ہیں

جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

کیا حضرات حسنین کو سید اشباب اھل الجنۃ نہیں قرار دیا؟

کیا مفتی عتیق بستوی صاحب نے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے سیدا شباب اھل الجنۃ ہونے کا انکار کیا ہے ؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں پیارے نواسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جگر پارے اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شاہزادے بلاشبہ جنتی ہی نہیں جوانان جنت کے رئیس و سردار بھی ہیں اور اس پر لسان نبوت گواہ ہے۔ بدبخت ہے وہ شخص اور وہ جماعت جو حضرات حسنین کریمین کو دے گئے اس اعزاز کی عزت نہ کرے اور ان کے بارے میں لب کشائی کرنے کی جرات کرے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان شاہزادوں کے بارے میں کس قدر خوبصورت اور ایمان افروز بیان دیا ہے اسے دیکھئے:

وانہ لن یعذب لسان أو شفتان یمصهما رسول الله صلی الله علیه وسلم

(البدایہ ج۸ ص۳۶)

جن ہونٹوں اور زبان کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوما اور چوسا کرتے تھے اللہ رب العزت ان کو ہرگز عذاب نہیں دے گا۔

ایک مرتبہ کسی نے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی قوت گویائی پر کچھ نازیبا سا تبصرہ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب اس کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا کہ یہ بات غلط ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالا کرتے تھے اور جس کے منہ میں خاتم الانبیاء اپنا لعاب مبارک ڈالیں وہ کس طرح عاجز الکلام ہو سکتا ہے۔

فقال معاویة لا تقولوا ذلک فان رسول الله ﷺ قد تفل فی فیه ومن تفل فی فیه رسول الله ﷺ فلیس بعی

(مجمع الزوائد ج۹ ص۱۷۷ کنز العمال ج۷ ص۱۰۴)

ہاں وہ لوگ جو نہ صرف حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے بارے میں غلط سوچ رکھتے ہیں یا وہ لوگ جو

سیدنا حضرت حسنؓ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرنے اور خلافت ان کو سپرد کرنے کی بناء پر اپنے دلوں میں بوجھ رکھتے ہیں ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ وہ بڑے بدبخت لوگ ہیں۔ صاف دل ہیں وہ لوگ جو حضرات حسنین کریمینؓ کی دل سے تعظیم کرتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ نے ان کے اور ان کے والدین کے جتنے بھی فضائل بیان فرمائے ہیں ان کو حق سمجھتے ہیں۔ ہم ان دلوں کو کیسے پاک سمجھیں جو ان ہستیوں کو پاکیزہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔

جناب سلمان ندوی نے مذکورہ حدیث کا معنی کس بری طرح بگاڑا ہے اسے دیکھئے:

> علی کو تمام مسلمانوں کا ولی وذمہ دار حضرت فاطمہ کو تمام خواتین اسلام کی قیادت کا مرکز حسن حسین کو امت کے تمام نوجوانوں کا قائد وسربراہ متعین نہیں فرمارہے ہیں؟ (اللہ کے بے لاگ قوانین اور فیصلے ص ۸۳)

حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے سیدا شباب اھل الجنۃ ہونے کا یہ معنی کہ وہ اس دنیا میں بھی سیادت وخلافت اورامارت کے حقدار تھے اور حضور ﷺ کے اس حدیث کے ہوتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے اور ان کے والد سے خلافت وسیادت کا حق غصب کرلیا تھا یہ معنی اب تک کسی نے محدث اور مفسر نے بھی نہ سمجھا۔ ہاں ۳۵ سال سے علوم حدیث پڑھانے والے اور صحابہ کرام پر منہ بگاڑ کر اور چیخ چیخ کر بولنے والے شیخ فاضل کا دماغ اس عالی مقام تک پہنچ گیا ہو تو بے شک ان کے شباب ان پر واری ان پر صدقے ہوں اور اس نکتے پر وہ عش عش کریں یا غش کھا کر گر پڑیں۔ ہم اس پر کیا کہہ سکتے ہیں۔

پھر یہ سوال بھی اپنی جگہ قائم ہو گا کہ جب حضور ﷺ نے حضرت حسنؓ کو تمام نوجوانوں کا قائد وسربراہ متعین فرمادیا تھا تو پھر آپ اس پر آخر تک کیوں کھڑے نہ ہوئے؟ اور کس لئے آپ نے اپنی نبوی خلافت وقیادت حضرت امیر معاویہؓ کے حوالہ کردی تھی؟ موصوف کی اس بات سے تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت حسنؓ یہ جاننے کے باوجود کہ پیغمبر خاتم ﷺ نے مجھے قائد وسربراہ متعین کردیا تھا پھر بھی آپ حضرت معاویہؓ کو خلافت دے کر ان کو مسلمانوں کا قائد وسربراہ تسلیم کررہے ہیں کیا حضرت حسنؓ حضور ﷺ کی نافرمانی کے مرتکب ہوئے تھے؟ اہل بیت نبوت پر یہ جارحانہ حملہ اور اہل بیت نبوت کی عزت گھٹانا کیا یہ ناصبیت تو نہیں؟

☆... کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بعد صلح حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کی تھی؟

جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

> کیا حضرت علی کے بعد حضرت حسن خلیفہ راشد نہیں تھے؟ تو ان کے خلاف معاویہ کی بیس ہزار نفری فوج میدان میں کیوں اتری تھی اب کونسا اجتہاد کام کر رہا تھا۔ (ازالہ ص ۱۶)

حضرت علی مرتضیٰؓ کے بعد حضرت حسن بن علیؓ بلاشبہ خلیفہ راشد تھے۔ اہل سنت کے کسی عالم نے آپ کے اس اعزاز کا کبھی انکار نہیں کیا۔ ہاں اگر حضرت مولانا مفتی عتیق صاحب زید مجدہ حضرت حسن کے خلیفہ راشد ہونے کا منکر ہیں تو آپ اس کا ثبوت پیش کیجئے ہم خود بھی ان سے پوچھ لیں گے۔ جو چیزیں اختلافی نہیں آپ ان کو کیوں خواہ مخواہ اختلافی بنانے پر تلے ہوئے ہیں اور زبردستی ان پر وہ الزام کیوں لگاتے ہیں جن کا آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں، اور اگر کوئی ہے تو آپ اسے کیوں نہیں بتاتے؟

رہی یہ بات کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیس ہزار کی نفری لے کر حضرت حسنؓ کے خلاف آئے تھے آپ کم از کم اس کا کوئی ثبوت تو پیش کریں کہ یہ بات کس نے کہاں اور کس حوالے سے لکھی ہے؟ بیس ہزار فوج لے کر میدان میں اترنے کی بات اس کے متعلقات میں تلاش کے باوجود مجھے نہ طبری میں ملی نہ مروج الذھب میں نہ تاریخ ابن کثیر میں۔ نہ ابن خلدون نے کہیں اس کی نشاندہی کی ہے۔ البتہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کے الٹ بات لکھی ہے۔

جناب سلمان ندوی کی یہ بات اگر کسی درجے میں پایہ ثبوت کو پہنچی ہوتی تو علامہ طبری حافظ ابن کثیر اسے سند صحیح کے ساتھ ضرور نقل کرتے۔ حضرت حسنؓ کے خلافت پر آتے ہی اتنا بڑا واقعہ رونما ہوا اور اس کا کہیں تذکرہ موجود نہ ہو تو اس کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام لگاتے ہوئے کچھ تو سوچنا چاہئے۔ حافظ ابن کثیر کا بیان ملاحظہ کیجئے:

جب حضرت حسنؓ حضرت علیؓ کی تدفین سے فارغ ہوئے تو سب سے پہلے قیس بن سعدؓ بن عبادہ نے آگے بڑھ کر آپ سے کہا اپنا ہاتھ پھیلایئے میں کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت پر آپ کی بیعت کروں حضرت حسنؓ نے سکوت اختیار کیا تو اس نے آپ کی بیعت کر لی پھر اس کے بعد لوگوں نے آپ کی بیعت کی اور یہ واقعہ حضرت علیؓ کی وفات کے دن ہوا۔ اسی روز آپ نے خلافت سنبھال لی قیس بن سعد آذر بائیجان کے امیر تھے اور ان کے ہاتھ کے نیچے چالیس ہزار جانباز تھے جنہوں نے موت کی شرط پر حضرت علیؓ کی بیعت کی تھی اور جب حضرت علیؓ فوت ہوگئے تو قیس بن سعدؓ نے حضرت حسنؓ سے اہل شام کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے کوچ کرنے پر اصرار کیا اور آپ نے قیس کو آزر بائیجان کی امارت سے معزول کر دیا اور حضرت عبید اللہ بن عباسؓ کو وہاں کا امیر مقرر کیا اور حضرت حسنؓ کی نیت جنگ کی نہ تھی لیکن انہوں نے آپ کی رائے پر غلبہ پالیا اور ایک عظیم اجتماع کیا جس کی مثال نہیں سنی گئی حضرت حسنؓ نے قیس بن سعدؓ بن عبادہ کو بارہ ہزار کے ہراول پر امیر مقرر کیا اور خود آپ اس کے پیچھے پیچھے فوجوں کے ساتھ بلاد شام کی طرف روانہ ہوئے تاکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کے ساتھ جنگ کریں پس جب آپ مدائن سے گزرے تو آپ وہاں اتر پڑے اور ہراول کو اپنے آگے کیا اور ابھی مدائن کے باہر ہی پڑاؤ کئے ہوئے تھے کہ ایک آواز دینے والے نے آواز دی کہ قیس بن سعدؓ بن عبادہ قتل ہوگئے ہیں پس لوگوں نے حملہ کر دیا اور ایک دوسرے کا سامان لوٹ لیا حتیٰ کہ انہوں نے حضرت حسنؓ کا شامیانہ بھی لوٹ لیا اور آپ سے اس بستر کے بارے میں بھی جھگڑا کیا جس پر آپ بیٹھے ہوئے تھے اور جب آپ سوار ہوئے تو انہوں نے آپ کو نیزہ مار زخمی کر دیا پس حضرت حسنؓ نے انہیں شدید ناپسند کیا اور سوار ہو کر مدائن کے قصر ابیض میں داخل ہوگئے اور زخمی ہونے کی حالت میں وہاں اتر پڑے اور مدائن پر آپ کا گورنر سعد بن مسعود

ثقفی تھا جب فوج قصر ابیض میں ٹھہر گئی تو مختار بن ابی عبید نے خدا اس کا بھلا نہ کرے اپنے چچا سعد بن مسعود سے کہا کیا آپ کو شرف اور مال داری میں کچھ دلچسپی ہے؟ اس نے پوچھا وہ کیا ہے اس نے کہا حضرت حسن بن علیؓ کو پکڑ کر قید کر لو اور اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دو اس کے چچا نے کہا اللہ تمہارا بھلا نہ کرے اور جو تو بات لے کر آیا ہے اس کا بھی بھلا نہ کرے کیا میں دختر رسول کے فرزند سے خیانت کروں؟ اور جب حضرت حسن بن علیؓ نے دیکھا کہ ان کی فوج پراگندہ ہو گئی ہے اور وہ آپ پر ناراض ہے تو آپ نے اس موقع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کو خط لکھا۔ آپ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) اہل شام کے ساتھ سوار ہو کر مسکن مقام پر اترے ہوئے تھے اور آپ کو بہلا کر آپس میں صلح کرنے پر آمادہ کر رہے تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عامرؓ اور عبد الرحمن بن سمرہؓ کو آپ کے پاس بھیجا یہ دونوں حضرت حسنؓ کے پاس کوفہ آئے اور جس قدر آپ نے مال چاہا ان دونوں نے آپ کو دیا اور آپ نے شرط مقرر کی کہ آپ کوفہ کے بیت المال سے پانچ کروڑ درہم لیں گے... الخ ۔(البدایہ والنہایۃ اردو ترجمہ ج۸ ص ۷۴۰)

حافظ ابن کثیر ۴۱ھ کے آغاز میں ابن جریرؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

جب اہل عراق نے حضرت حسنؓ کی بیعت کی تو آپ نے ان پر شرط عائد کی کہ جس سے میں صلح کروں گا وہ اس کی سمع واطاعت کرنے والے اور اس سے صلح کرنے والے ہوں گے پس اہل عراق اس سے شک میں پڑ گئے اور کہنے لگے یہ تمہارا آقا نہیں ہے اور انہوں نے آپ کو نیزہ مار کر زخمی کر دیا آپ ان کے بغض میں بڑھ گئے اور ان سے آپ کے خوف میں بھی اضافہ ہو گیا اور آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صلح کا خط لکھا اور ان سے اپنی پسند کے مطابق صلح کرنے کے بارے میں مراسلت کی... الخ۔۔(ایضاص ۷۴۴)

حافظ ابن کثیر کی تحریر آپ کے سامنے ہے۔ اس سے کہیں پتہ نہیں چلتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

بیس ہزار کی نفری لے کر حضرت حسنؓ سے جنگ کرنے نکلے تھے۔ اور نہ کسی مؤرخ نے سند صحیح کے ساتھ یہ بات لکھی ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ صلح کے بعد جب حضرت معاویہ کا عہد خلافت شروع ہوا تو آپ نے تمام مفتوحہ علاقوں میں جہاں جہاں بغاوت اور سرکشی موجود تھی ان کی سرکوبی کے لئے اپنی فوج بھیجی اور ان کو شکست دی تھی۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۱۸۸)

کوفہ کے مضافات میں تخلیہ کے مقام پر خارجیوں کا ایک گروہ عبداللہ بن ابی الحوساء کی سربراہی میں مرکزی خلافت کے خلاف شورش برپا کئے ہوئے تھا آپ نے اس کی سرکوبی کے لئے خالد بن عرفطہ عذری کو بھیجا اور مقابلہ کے دوران خارجیوں کا سربراہ مارا گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد اسی نظریے کا ایک اور گروہ سامنے آیا اس کا سربراہ حوثرۃ بن ذراع تھا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی سرکوبی کے لئے عبداللہ بن عوف کو ایک ہزار کا لشکر دے کر بھیجا جس نے اس گروہ کے سردار کا قلع قمع کیا (ایضا) بصرہ کے گرد ونواح میں ایک خارجی گروہ نے صحابی رسول حضرت عبادہ بنؓ قرص کو گھیر کر شہید کر دیا تھا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے گورنر حضرت عبداللہ بن عامرؓ کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا مقابلہ میں خارجیوں کے بہت سے شریر لوگ مارے گئے اور اس طرح اس فتنہ کو بھی ختم کیا۔ (ایضا۔ ماخوذ از سیرت امیر معاویہ ص ۳۴۰)

اس قسم کے بہت سے واقعات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان تمام علاقوں اور مقامات پر بھرپور کاروائی کی جہاں خارجیوں اور شریروں نے مرکز کے خلاف فتنہ فساد اور انتشار اوفتراق پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔ اگر آپ نے حضرت حسنؓ کے خلاف بیس ہزار افراد کو لے کر جارحانہ کاروائی کی ہوتی تو لازماً تاریخ میں اس کی تفصیل موجود ہوتی۔

☆... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل

جناب سلمان ندوی لکھتے ہیں:

آپ نے معاویہ کے بارے میں جتنی حدیثیں نقل کی ہیں کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ سب ضعیف اور منکر حدیثیں ہیں تمام محقق محدثین کا فیصلہ ہے کہ معاویہ اور عمرو بن العاص کی فضیلت کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں بخاری اور مسلم اور صحاح میں تلاش کیجئے کوئی حدیث نہیں ملے گی سنن میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے وہ بھی ہدایت کی دعا کی ہے اور اس کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے امام ذہبی نے محدث ابن عساکر کی شکایت کی ہے کہ انہوں نے معاویہ کے ذکر میں منکر اور موضوعات کی بھرمار کر دی ہے۔(ازالہ ص۱۷)

جناب سلمان ندوی چند سطروں کے بعد پھر یہ بھی لکھتے ہیں:

اللہ اللہ فی أصحابی جس کو خطبہ جمعہ میں منبر کے خطیب پڑھتے ہیں ضعیف حدیث ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور یہ حدیث اصحابی کالنجوم محدثین کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہے۔(ازالہ ص۱۸)

جناب مولانا مفتی عتیق بستوی صاحب نے اپنے رسالہ (غلط فہمیوں کا ازالہ) میں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے مناقب بیان کئے تھے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے سیر اعلام النبلاء میں ان دعاؤں کا بھی ذکر کیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے مانگی ہیں۔ جناب سلمان ندوی ان تمام روایات کو جو ان بزرگوں کے مناقب اور ان کے حق میں دعائے نبوی پر مشتمل ہیں بیک قلم انہیں ضعیف اور منکر قرار دے کر مسترد کرتے ہیں۔ منکر اور موضوع روایتیں تو ظاہر ہے کہ مسترد ہی کرنی چاہئے لیکن ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کیا ضعیف روایات درباب فضائل بھی مسترد کر دی جاتی ہیں۔ کیا حدیث کی کتابوں میں اعمال اور اشخاص کے بارے میں ضعیف روایات موجود نہیں ہیں؟ محدثین کی نظر میں اگر فضائل اعمال یا فضائل صحابہ میں ضعیف روایات کا کوئی اعتبار نہ ہوتا تو کیا وہ اپنی حدیث کی کتابوں

میں ان ضعیف روایتوں کو درج کرتے ؟ کتنی ہی روایات ہیں جو مختلف صحابہ کے مناقب پر مشتمل ہیں کیا ان سب روایتوں کو محض اس لئے مسترد کر دیا جائے کہ وہ باعتبار سند ضعیف ہیں یا یہ فتوی صرف ان صحابہ کے بارے میں ہے جنہیں جناب سلمان ندوی نے اپنے نشانہ پر رکھا ہوا ہے؟

حضور اکرم ﷺ کی وہ دعائیں جو آپ نے خصوصی طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمائی ہیں جنہیں جناب سلمان ندوی ضعیف منکر اور موضوع کہہ کر مسترد کرتے ہیں۔ ان روایات کی حیثیت پر شیخ امیر احمد الخضری القروی نے اپنی کتاب {فضائل خال المؤمنين معاوية بن ابی سفيان رضی الله عنهما} میں بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے یہ کتاب مسجد نبوی کے شیخ اور مدرس دکتور علی بن محمد ناصر فقیہی کی تقدیم کے ساتھ دار منار التوحید المدینۃ المنورۃ نے شائع کی ہے۔ نیز پاکستان کے ممتاز عالم حضرت مولانا محمد ظفر اقبال صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی مایہ ناز تالیف {سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ} کے تقریباً ۲۴ صفحات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاندین کے اس الزام کا عالمانہ جائزہ لیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کر دیا جائے تفصیل کے لئے جناب موصوف کی کتاب کا مطالعہ نہایت مفید اور نافع ہو گا۔ مولانا موصوف حافظ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۳ھ) کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

قيل عبر البخاری بقوله باب ذكر معاوية ولم يقبل فضائله ولا مناقبه لأنه لم يصح فی فضائله شئ كما قاله ابن راهويه و ذلک أن تقول: أن كان المراد من هذه العبارة أنه لم يصح منها شئ على وفق شرط البخاری فأكثر الصحابة كذلك إذا لم يصح شئ عنها، وإن لم يعتبر ذلك القيد فلا يضره ذلک لما يأتی أن من فضائله ما حديثه حسن حتى عند الترمذی كما صرح به جامعه وستعلمه مما يأتی۔ والحديث الحسن لذاته كماهنا حجة إجماعا بل الضعيف فی المناقب حجة أيضا، و حينئذ فماج ذكره ابن راهويه بتقدير صحته لا يخدش فی فضائل معاوية ۔۔ (تطہیر الجنان واللسان ص۹)

"بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس باب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات بیان کیے ہیں اس باب کا عنوان "باب ذکرِ معاویہ رضی اللہ عنہ" رکھا ہے، "باب فضائلِ معاویہ رضی اللہ عنہ" نہیں رکھا، نہ یہ کہا کہ "باب مناقبِ معاویہ رضی اللہ عنہ" اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت معاویہ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد ہی نہیں ہوئی جیسا کہ ابنِ راھویہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ مراد ہے کہ بخاری کی شرط کے مطابق کوئی روایت صحیح نہیں تو اکثر صحابہ کی یہی حالت ہے اور اگر "شرطِ بخاری" کی قید نہ لگائی جائے تو یہ بات غلط ہوگی کیونکہ ان کے فضائل میں بعض حدیثیں حسن ہیں، جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع ترمذی میں بیان کیا اور عنقریب تم کو معلوم ہوگا کہ حدیث "حسن لذاتہ" بالاجماع حجت ہے، بلکہ مناقب میں تو ضعیف حدیث بھی حجت ہوتی ہے۔ المختصر ابنِ راھویہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ بیان کیا وہ فضائلِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں قادح نہیں ہو سکتا"۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتبِ نبوی ہونے کی فضیلت جو حضرتِ امامِ مسلم رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے علمائے کرام "اصح" چیز فرمارہے ہیں، معلوم ہوا کہ علماء کے نزدیک فضیلتِ کتابتِ نبوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں صحیح تر فضیلت ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ سو ان کی فضیلت کے عدمِ صحت کا قول درست نہیں اور جو روایات اس سے کم درجہ کی ہیں ان کے حق میں اکابر محدثین "حسن" ہونے کا حکم لگارہے ہیں جس سے شرعی مسائل اور فقہی احکام ثابت ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ (م ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں:

فان اريد بعدم الصحة عدم الثبوت فهو مردود، لما مر بين المحدّثين فلا ضير فان فسحتها ضيقة وعامة الاحكام و الفضائل انما تثبت بالاحاديث الحسان لعزة الصحاح ولا ينحط ما فى المسند والسنن عن درجة الحسن وقد تقرر فى فن الحديث جواز

العمل بالحدیث الضعیف فی الفضائل فضلا عن الحسن وقد رأیت فی بعض الکتب المعتبرة من کلام الامام مجد الدّین بن الاثیر صاحب میزان الجامع حدیث مسند احمد فی فضیلة معاویة صحیح الا انی لا استحضر الکتاب فی الوقت ولم ینصف الشیخ عبدالحق الدہلوی فی شرح سفر السعادة فانہ اقر کلام المصنف ولم یتعقبہ کتعقبہ علی سائر تعصباتہ(الناھیہ ص۳۹)

”سو اگر عدمِ صحت سے مراد یہ ہے کہ فضائلِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں کوئی حدیث ثابت ہی نہیں تو یہ قول مردود ہے اور اگر صحت سے صحت مصطلحہ عند المحدّثین مراد ہے تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس کا دائرہ تنگ ہے۔ احادیثِ صحیحہ کی قلت کے باعث بیشتر احکام و فضائل احادیثِ حسّان ہی سے ثابت ہوتے ہیں اور مسند احمد اور سنن کی حدیث درجۂ حسن سے کم تر نہیں، اور فنِ حدیث میں طے ہو چکا ہے کہ فضائل کے باب میں ضعیف حدیث پر بھی عمل جائز ہے، حسن کی تو کیا بات ہے اور میں نے کسی معتبر کتاب میں امام مجدّالدّین ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول دیکھا تھا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں مسندِ احمد کی حدیث صحیح ہے۔ مگر اس وقت وہ کتاب ذہن میں نہیں رہی اور شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شرح سفر السعادۃ“ میں انصاف نہیں کیا، کیونکہ انہوں نے مُصنّف کے اس فقرہ پر تعقّب نہیں کیا جیسا کہ اس کے دوسرے تعصبات پر تعقّب کیا ہے“۔

☆... سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں چند احادیث:

اب حضرتِ معاویہ کے فضائل میں چند احادیث ہم ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جن کو اکابر محدّثین رحمہم اللہ نے اپنی تصانیف میں درج فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

حضرتِ عبدالرحمن بن ابی عمیرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰھم علمہ الکتاب والحساب وقہ العذاب

(البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۲۱، تاریخ اسلام ذہبی ج۲ ص۳۰۹، سیر اعلام النبلاء ج۴ ص۲۸۸، الاصابہ ج۲ ص۱۶۴، مسند احمد ج۱ ص۴۶۶، مجمع الزوائد ج۹ ص۵۹۵، ۵۹۴)

(ترجمہ) اے اللہ! معاویہ کو کتاب وحساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب سے محفوظ فرما۔

امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ (م۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

هذا الحديث رواته ثقات لكن اختلفوا فى صحبة عبد الرحمن والأظهر أنه صحابى، روى نحوه من وجوه أخر

(تاریخ اسلام...ج۲، ص۳۰۹)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۴ھ) فرماتے ہیں:

در احادیث نبوی باسناد ثقات آمدہ (مکتوبات: دفتر اول، مکتوب ۲۵۱)

(اضافہ) عرب کے معروف عالم دکتور عبد اللہ بن صالح بن محمد العبید اس حدیث پر لکھتے ہیں

فيه مسائل ... الاولى: فضيلة أمير المؤمنين معاوية من وجوه (۱) دعاء النبى ﷺ له (۲) فيه علم من أعلام النبوة وهو أن الله تعالى هدى به أمما فدخلوا فى الاسلام (۳) انه ﷺ اختار له من الدعاء أحسنه وهو أن يكون مهديا فى نفسه هاديا للخق وهذا من أنفع الدعاء (۴) أنه ﷺ أكد الهداية به مرتين فى قوله (هاديا) و (اهدبه) فإن قيل فما سر تكراره ﷺ الدعاء بالهداية بمعاوية مرتين فى قوله (هاديا) و (اهد به ؟)

فالجواب ... والله أعلم أن ذلک لما سيحصل به من أمر الولاية ثم الخلافة فانه قد ولاّه عمر وعثمان رضى الله عنهما الشام وسادات الصحابة متوافرون ثم ولّى الخلافة بعد أن تنازل له الحسن ابن على رضى الله عنه وحصل فيها من الفتوحات ما هو مبسوط فى السير وكان الجهاد فى زمنه قائما وكلمة الله هى العليا

والغنائم ترد إليه من اطراف الدنيا

(کتاب الاربعین فی فضائل الصحابۃ ص۱۰۹)

(۲) حضرتِ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

اللّٰهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب

(مسند احمد ج۴ ص۱۵۷۔ صحیح ابنِ حبان ج۶ ص۱۷۳۔ تاریخ الاسلام للذہبی ج۲ ص۳۰۹۔ مجمع الزوائد ج۹ ص۵۹۴۔ الاستیعاب ج۳ ص۴۷۴۔ سیر اعلام النبلاء ج۴ ص۲۸۸۔ التاریخ الکبیر للامام بخاری ج۸ ص۲۰۴۔ البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۲۰۔ موارد الظمآن ص۵۶۶۔ کنز العمال ج۶ ص۱۰۹)

(ترجمہ) اے اللہ! معاویہ کو کتاب و حساب کا علم دے اور عذاب سے محفوظ رکھ۔

علامہ عبد العزیز فرہاروی رحمہ اللہ (م ۱۲۳۹ھ) نے امام مجد الدّین ابن الاثیر کے حوالہ سے اس حدیث کو "صحیح" قرار دیا ہے۔ (الناھیہ... ص۳۹)

(۳) حضرتِ عبد الرحمن بنِ ابی عمیرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ معاویہ کے حق میں یہ دعا فرمائی:

اللهم اجعله هاديا مهديا واهدبه. قال الترمذی حسن غريب

(جامع ترمذی ص۵۷۴۔ التاریخ الکبیر للامام بخاری ج۷ ص۲۰۴۔ تاریخ اسلام للذہبی ج۲ ص۳۱۰۔ مشکوٰۃ المصابیح ص۵۷۹۔ البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۲۱۔ سیر اعلام النبلاء ج۴ ص۲۸۸، موارد الظمآن ص۵۶۶، حلیۃ الاولیاء ج۸ ص۳۵۸۔ المعجم الاوسط ج۱ ص۳۸۰)

"اے اللہ! معاویہ کو (لوگوں کے لیے) ہادی بنا، ہدایت یافتہ فرما اور ان کے ذریعہ دوسروں کو ہدایت عطا فرما"۔

(۴) عمیر بنِ سعد کہتے ہیں کہ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر سوائے بھلائی کے مت کرو کیونکہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

اللّٰهم اهده "اے اللہ معاویہ کو ہدایت عطا فرما"۔

(التاریخ الکبیر للبخاری ج۴ص۲۹۰۔ترمذی شریف ص۵۴۷۔البدایہ والنہایہ ج۸ص۱۲۲)

ہماری ذکر کردہ چاروں احادیث حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م۷۷۴ھ) نے البدایہ والنہایہ میں نقل فرمائی ہیں (جن کا حوالہ بقیدِ جلد وصفحہ مذکورہ احادیث کے ذیل میں دیا جاچکا ہے) حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ ان روایات کے نقل کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

واکتفینا بما أوردناه من الأحادیث الصحاح والحسان و المستجادات عما سواها من الموضوعات والمنکرات

(البدایہ والنہایہ... ج۸ص۱۳۲)

(ترجمہ) ہم نے صحیح، حسن اور جیّد احادیث ہی کے ذکر پر اکتفا کیا ہے، اور موضوع ومنکر روایات سے احتراز کیا ہے"۔

☆...تائیدات:

منقولہ بالا احادیث کے ساتھ ساتھ ہم سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں چند احادیث اور پیش کررہے ہیں جو "صحیح" ہیں۔

(۱) صحیح بخاری "باب ما قیل فی قتال الروم" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

أول جیش من أمتی یغزون البحر قد أوجبوا

(بخاری ج۱ص۴۱۰ مسلم۔ج۲ص۱۴۱۔۱۴۲)

"میری اُمّت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا، انہوں نے (جنت کو اپنے لیے) واجب کرلیا ہے۔"

اس بات پر اُمّت کا اجماع ہے کہ اس "اوّل جیش" کے "امیرِ جیش" سیّدنا معاویہؓ تھے، کیا یہ حدیثِ صحیح ان کی فضیلت میں نہیں ہے؟ اور کیا ناقد کو اس طرح جنت کی سند حاصل ہے؟ حافظ ابنِ حجر عسقلانی شافعیؒ (م۸۵۲ھ) اور حافظ بدر الدّین عینی حنفیؒ (م۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

قال المهلب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه أول من غزا البحر (فتح الباری ج۶ص۱۰۲۔ عمدۃ القاری... ج۱۴ص۲۹۳)

"مہلب نے کہا ہے کہ اس حدیث میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت

ہے کیونکہ وہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے سب سے پہلے سمندر پار جہاد کیا۔"

لہٰذا یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بہت بڑی فضیلت ہے اور اس دنیا میں بشارتِ جنت نہایت سعادت مندی ہے فلہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں عدمِ فضیلت کا قول کسی طرح درست نہیں۔

(۲) حضرتِ عبد الملک بن عمیر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

یا معاویة: إن ملکت فأحسن (المصنف لابنِ ابی شیبہ ج۱۱ص۱۴۷، ۱۴۸۔ المطالب العالیہ ج۴ص۱۰۸)

"اے معاویہ! جب تمہیں اقتدار نصیب ہو تو لوگوں سے حسن سلوک کرنا"۔

مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں علامہ ابنِ حجر مکی رحمہ اللہ (م۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

والحدیث حسن کما علمت، فهو مما یحتج به علی فضل معاویة (الصواعق المحرقہ...ص۲۱۸)

"یہ حدیث درجۂ حسن میں ہے، جیسا کہ معلوم ہے اور یہ حضرتِ معاویہ کے فضائل میں قابلِ استدلال ہے"۔

☆...تائیدِ مزید:

پھر آپ کا کاتبِ وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ سے جاری شدہ خطوط و فرامین کا کاتب ہونا آپ کی بڑی عظیم فضیلت ہے۔ سیرت کی کتابوں میں جہاں کاتبانِ نبوی کا تذکرہ ہے وہاں آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی بھی ہے۔ (ملاحظہ ہو: الاستیعاب تحت الاصابہ (ج۳ص۳۷۵۔ مجمع الزوائد ج۹ص۳۵۷۔ البدایہ والنہایہ ج۸ص۲۱۔ جوامع السیرۃ ص۲۰)

(از محمد اقبال رنگونی)...اللہ تعالیٰ کی وحی کی کتابت کرنا اور اس مقدس کام پر پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مامور ہونا بتلایئے کیا یہ کم فضیلت ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

حضور ﷺ کے صرف خطوط لکھا کرتے تھے وحی کی کتابت نہیں۔ وہ غلط کہتے ہیں۔ آپ کو وحی کی کتابت کا شرف بھی حاصل رہا ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ:

یہ بات ثابت ہے کہ حضرت معاویہ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا کاتب بنایا تھا اور آپ کاتب اسی کو بناتے تھے جو عدل وامانت کی صفات سے متصف ہو۔ (المرتضی ص ۲۷۴)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس حال میں آئے کہ ان کے کان کے اوپر قلم رکھا ہوا تھا حضور ﷺ نے پوچھا، اے معاویہ! تیرے کان پر رکھا قلم کس مقصد کے لئے ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے یہ قلم رکھا ہوا ہے حضور ﷺ نے اس پر فرمایا:

جزاك الله عن نبيك خيرا والله ما استكتبتك الا بوحى من الله وما أفعل من صغيرة ولا كبيرة إلا بوحى من الله

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۰)

اللہ تجھے اپنے نبی کی طرف سے بہترین اجر عطا فرمائے بخدا میں نے خدا کے کہنے پر لکھنے کے لئے مامور کیا اور میں بڑا چھوٹا ہر کام اللہ کی وحی سے ہی کرتا ہوں۔

حضرت معافی بن عمران (۱۸۵ھ) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

معاوية صاحبه وصهره وكاتبه وأمينه على وحى الله عزوجل

(تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۰۹)

☆... چھٹی صدی کے علامہ ابوالحسین محمد بن محمد بن ابی یعلی حنبلی (۵۲۶ھ) مسلمانوں کو اس طرح نصیحت کرتے ہیں:

ثم الترحم على جميع اصحاب رسول الله ﷺ اولهم وآخرهم وذكر محاسنهم ومعاوية خال المؤمنين وكاتب وحى رب العالمين (الاعتقاد لابن ابی یعلی ص ۴۳)

تاریخ دمشق کے معروف مؤلف حافظ ابوالقاسم علی بن حسین المعروف بابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ (۵۷۱ھ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

معاوية بن أبي سفيان رضى الله عنهما خال المؤمنين وكاتب وحى رب العالمين (تاریخ دمشق ج:۵۹ ص۵۵)

☆...چھٹی صدی کے معروف محدث اور مؤرخ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد ابن قدامہ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ (۶۲۰ھ) سے بھی سنئے:

معاوية خال المؤمنين وكاتب وحى الله وأحد خلفاء المسلمين رضى الله تعالى عنه (لمعۃ الاعتقاد الی سبیل الرشاد ص۳۳)

ساتویں صدی کے معروف محدث حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) بھی آپ کو کاتب وحی لکھتے ہیں:

ان معاوية كان من جملة الكتاب بين يدى رسول الله ﷺ الذين يكتبون الوحى (البدایہ ج۸ ص۱۱۹) وكان يكتب الوحى (ایضا) وصحب معاوية رسول الله ﷺ وكتب الوحى بين يديه مع الكتاب (ایضاص۱۱۷) وكاتب وحى رسول رب العالمين (ایضا) وكتب الوحى بين يديه مع الكتاب (ایضاص۱۱۷)

☆...جناب ابوالحارث کہتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کی بابت پوچھا گیا جو یہ کہتا ہے کہ میں حضرت امیر معاویہؓ کو کاتب وحی اور خال المؤمنین نہیں مانتا حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے بھی یہ بات کہی اس نے بہت بری اور بے کار (ردی میں پھینکنے والی) بات کہی ہے حضرت معاویہ کے بارے میں اس قسم کی باتیں کرنے والوں سے دور رہا جائے اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ رکھے اور ان کے متعلق حکم لوگوں کو بتایا جائے گا (السنۃ)

قال الخلال اخبرنى محمد بن هارون ومحمد بن جعفر أن أبا الحارث حدثهم قال وجهنا رقعة إلى أبى عبدالله ما تقول رحمك الله فيمن قال لا أقول أن معاوية كاتب الوحى ولا أقول انه خال

المؤمنين قال أبو عبدالله هذا قول سوء ردىء يجانبون هؤلاء القوم ولا يجالسون ويبين أمرهم للناس (السنۃ ج۲ ص۴۳۴)

جناب مولانا محمد ظفر اقبال صاحب زید مجدہ آگے لکھتے ہیں:

☆... خدمتِ نبوی ﷺ کی سعادت کے آگے ساری دنیا کی دولت ہیچ ہے، حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بار بار یہ سعادت میسّر آئی، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

عن ابن عباس ص عن معاوية قال قصرت عن راس رسول الله بمشقص (صحیح البخاری ج۱ ص۲۳۳ صحیح مسلم ج۱ ص۴۰۸)

"ایک مرتبہ حضرت معاویہ ص نے آنحضرت ﷺ کے بال مشقّص (لوہے کا خاص قسم کا آلہ) کے ساتھ کاٹے"۔

(۳) آپ کے پاس آنحضرت ﷺ کے کچھ "بال مبارک" اور "ناخن مبارک" بھی بطورِ تبرّک موجود و محفوظ تھے جسے آپ نے اپنے کفن میں رکھنے کی وصیت کی تھی جو پوری ہوئی (تاریخ الخلفاء مترجم... ص۷۰)

(۴) پھر غزوات (مثلاً حنین، طائف، تبوک) میں آپ ص کی شرکت اور آنحضرت ﷺ سے آپ کے نسبی تعلقات... یہ وہ فضائل ہیں جنہیں "ناقدینِ معاویہ" اپنے باطن کی آلودگی سے کبھی گدلا نہیں کر سکتے۔ سیّدنا معاویہ حجۃ الوداع میں بھی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے، پیر سیّد محمد کرم شاہ ازہری صاحب رقم طراز ہیں:

"پھر ظہر سے پہلے سرکارِ دوعالم ﷺ مکّہ مکرمہ کی طرف اپنی ناقہ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ حضور ﷺ نے اپنے پیچھے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو بٹھایا ہوا تھا اور جا کر طوافِ افاضہ کیا، اسی کو طواف صدر اور طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں۔ (ضیاء النبی... ج۴ ص۷۶۸،)

ان سب کے علاوہ سیّدنا معاویہ کا نہ صرف صحابی بلکہ ایک فقیہ اور مجتہد صحابی رسول ہونا بذات خود ایک عظیم فضیلت ہے اور فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم میں قرآن کی جتنی آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی احادیث موجود ہیں وہ سب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک مستقل بابِ فضیلت

رکھتی ہیں، ان فضائل کے ہوتے ہوئے اگر دوسرے فضائل نہ بھی ہوں تو اس سے آپ کی شان میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی، حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ (م۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

ومراده ومراد من قال ذلك من أهل الحديث: أنه لم يصح حديث فی مناقبه بخصوصه وإلا فما صح عندهم فی مناقب الصحابة علی العموم، ومناقب قريش فمعاوية رضی الله عنه داخل فيه (المنار المنيف ص۱۰۹، فصل۳۰)

"یعنی ان لوگوں کی مراد یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خصوصی مناقب کے لیے عدمِ صحتِ حدیث کا قول ہے، ورنہ وہ تمام صحیح و مُسلّم مناقب جو صحابۂ کرام اور قریش کے لیے کتاب وسُنّت میں علی العموم موجود ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان میں داخل ہیں"۔

☆...حافظ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ (م۹۱۱ھ) کا حوالہ:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ جملے ملاحظہ کیجئے:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک عرصہ تک دربارِ رسالت میں کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیے اور بحیثیتِ کاتب ایک سو تریسٹھ (۱۶۳) احادیث کے راوی ہیں، آپ کے حوالہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے منجملہ ابنِ عباسؓ، ابنِ عمرؓ، ابنِ زبیرؓ، ابو درداءؓ، جریر بجلیؓ، نعمان بن بشیرؓ وغیرہ اور تابعین کے منجملہ ابنِ مسیب، حمید بن عبد الرحمن وغیرہ نے احادیث بیان کی ہیں، ہوشیاری وبُردباری میں مشہور تھے۔ آپ کی فضیلت میں اکثر احادیث وارد ہیں۔ ترمذی نے ابنِ ابی عمیر صحابی کی زبانی لکھا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ امیر معاویہ کے لیے یہ دعا کی:

اے اللہ! انہیں ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنادے۔

احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عرباض بن ساریہ کی زبانی لکھا ہے۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے:

"اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب سکھادے اور عذاب سے محفوظ رکھ"۔

ابنِ ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور طبرانی نے عبد الملک بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی لکھا ہے۔

حضرتِ امیر معاویہ نے کہا جب سے رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ:

اے معاویہ! جب تمہیں اقتدار نصیب ہو تو لوگوں سے حسنِ سلوک کرنا۔ اس وقت سے مجھے امید تھی کہ میں خلیفہ ضرور بنوں گا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۶۵)

حضرتِ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں:

باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان یکے از اصحاب آنحضرت بود ﷺ وصاحب فضیلت جلیلہ وزمرۂ صحابہ ث زنہار در حق اور سوئِ ظن نکنی و درورطۂ سب اونہ اوفتی تامر تکب حرام نشوی۔

(ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۵۷۱، فصل پنجم، بیان فتن)

"جاننا چاہیے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ایک شخص تھے، اصحابِ رسول اللہ ﷺ میں سے اور زمرۂ صحابہ ص میں بڑے صاحبِ فضیلت تھے، تم کبھی ان کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور ان کی بدگوئی میں مبتلا نہ ہونا ورنہ تم حرام کے مرتکب ہوگے"۔

(سیدنا امیر معاویہ ص ۱۰۱ تا ص ۱۱۰۔ تصنیف مولانا محمد ظفر اقبال صاحب)

رہی یہ بات کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدم فضیلت کے لئے لا یصح یا لم یثبت جیسے الفاظ کا سہارا لے کر جو ان کے وقار کو مجروح کیا جاتا ہے تو اس سلسلے میں ہندوستان کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۴ھ) کا یہ بیان ملاحظہ کیجئے پھر بھی اگر آپ کا غصہ حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما پر کم نہ ہو تو ہم آپ کے لئے دعا خیر کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں۔

كثيرا ما يقولون لا يصح ولا يثبت هذا الحديث ويظن منه من لا علم له انه موضوع أو ضعيف وهو مبنى على جهله بمصطلحاتهم وعدم وقوفه على مصرحاتهم

(الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل ص ۱۹۱۔ ایقاظ۔۹۔ فی ان نفی الصحۃ والثبوت۔ الخ)

اکثر لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں اور یہ حدیث ثابت نہیں بے علم لوگ ان جملوں سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع یا ضعیف

ہے حالانکہ یہ بات ان (بے علم) لوگوں کی مصطلحات حدیث سے جہالت اور اس کی تصریحات سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔

اب خدانخواستہ کوئی شخص پلٹ کر جناب سلمان ندوی کو انہی کے الفاظ میں یہ کہہ دے کہ:

جب حدیث آپ کا موضوع نہیں تو کیا شوق ہوا ازالہ کا ازالہ لکھنے کا، تو انہیں، اور نہ ان کے ان شبابوں کو ناراض ہونا چاہئے جو آستین چڑھا کر حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے بارے میں لب کشائی کرنے کیلئے میدان میں اترے ہوئے ہیں

تو کیا آپ ناراض تو نہیں ہوں گے اور اس کا غصہ کہیں حضرت امیر معاویہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت خالد بن ولید پر تو نہیں نکالیں گے؟

محقق العصر حضرت الاستاذ علامہ خالد محمود صاحب مد ظلہم لکھتے ہیں:

اگر کسی حدیث کے بارے میں لم یصح کے الفاظ وارد ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث ضعیف یا موضوع ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حسن ہو یا ضعیف ہو من گھڑت (موضوع) نہ ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

لا یلزم من کون الحدیث لم یصح ان یکون موضوعا

(القول المسدد فی الذب عن مسند احمد ص ۳۹)

کسی حدیث کے بارے میں لم یصح (یہ حدیث ثابت نہیں ہوئی) کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہو:

ان قول السخاوی لا یصح لا ینافی الضعف والحسن

(تذکرۃ الموضوعات ص ۸۲)

علامہ سخاوی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح نہیں یہ اس حدیث کے ضعیف یا حسن ہونے کے منافی نہیں ہے۔

ہاں ایسی کتاب جس میں موضوع روایات کا بیان ہو اس میں لم یصح کے الفاظ واقعی اس کے حسن اور ضعیف ہونے کی بھی نفی کر دیتے ہیں لم یصح کے بعد اگر اس کا کسی درجے میں اثبات نہ ہو تو اس کا مطلب واقعی یہ ہوتا ہے کہ وہ روایت موضوع ہو۔ (آثار الحدیث ج ۲ ص ۱۳۹)

(۲) ہم اس وقت اس بحث میں بھی نہیں جاتے کہ حدیث اللہ اللہ فی اصحابی اور حدیث اصحابی کالنجوم کی حیثیت کیا ہے اور شیعہ علماء نے اصحابی کالنجوم کو تسلیم کیا ہے یا نہیں؟ اور دوسری صحیح روایات میں یہ مضمون موجود ہے یا نہیں؟ جناب مولانا خالد سعید صاحب استاد جامعہ مظاہر علوم سہارنپور نے محدثین کے اقوال کی روشنی میں اس حدیث پر گفتگو کی ہے۔ (دیکھئے ماہنامہ مظاہر علوم فروری ۲۰۰۸ء)

ہم جناب سلمان ندوی کی یہ بات تھوڑی دیر کے لئے مان لیں کہ وہ تمام روایات جن میں حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کی فضیلت بیان ہوئی ہیں وہ ساری کی ساری ضعیف منکر اور موضوع ہیں ان میں سے ایک بھی اس لائق نہیں کہ اس سے ان کی یا کسی دوسرے صحابی (حتی کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہم) کی فضیلت ثابت کی جاسکے۔ پر سوال یہ ہے کہ آپ جن حضرات پر جرح وتنقید اور طعن وتشنیع کے تیر چلا رہے ہیں وہ حضور ﷺ کے صحابی بھی تھے یا نہیں؟ اگر آپ ان سب حضرات کو صحابی رسول ماننے کے لئے تیار نہیں تو پھر یہ بحث ہی فضول ہے کہ ان کے فضائل صحیح روایتوں سے ثابت ہیں یا ضعیف روایتوں سے؟۔ اور اگر آپ حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو صحابی رسول مانتے ہیں تو پھر اس گفتگو کی بھی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ ان کے فضائل ومناقب صحیح حدیث سے ثابت ہیں یا ضعیف سے؟ ان کے مناقب وفضائل پر مشتمل روایات کے ضعف کی کوئی شکایت کرتا ہے یا اس کی تائید میں دوسرے دلائل پیش کرتا ہے۔ اس لئے کہ راقم الحروف کے نزدیک بالفرض حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے حق میں بیشک ایک بھی فضیلت ثابت نہ ہو اور اسے رد کرنے والے خواہ امام اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ یا کوئی اور۔ لیکن ان کی فضیلت میں اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ انہیں خاتم النبیین رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہو گیا ہے:

فانه قد صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۳۱ عن ابن عباسؓ)

آپ بے شک حدیث اللہ اللہ فی اصحابی اور أصحابی کالنجوم کو پوری قوت کے ساتھ ضعیف، منکر، موضوع اور بے بنیاد جو چاہیں کہہ کر بنادیں مگر کیا قرآن کریم اوراحادیث میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس میں حضور ﷺ کے صحابی کی فضیلت اور ان کا مقام و مرتبہ بیان کیا گیا ہو۔ سو جو شرف و فضیلت باعتبار صحابی ہونے کے دیگر صحابہ کرام کو حاصل ہے حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو اس سے کس طرح محروم رکھا جاسکتا ہے۔ اور جو اس سے انہیں محروم کرنے کی جسارت کرتا ہے یقین مانئے کہ وہ خود ہی محروم القسمت ہے۔ حافظ ابن قیم حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

ما صح عندهم فی مناقب الصحابة علی العموم ومناقب قريش فمعاوية رضی الله عنه داخل فيه (المنار المنیف ص ۱۱۶)

اور یہ وہ شرف ہے جو صرف رب العزت کی عطا ہے۔ یہ خدا کا انتخاب تھا کہ اس نے اپنے آخری پیغمبر کے قدموں میں ان کو لا بٹھادیا اور ان سے اپنے دین کی خدمت لے لی۔

حسن زبصرہ بلال زحبش صہیب ز روم
زخاک مکہ بوجہل ایں چہ بوالعجبیست

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ان الله اختارنی واختار لی أصحابا وأصهارا وأنصارا... الحديث (جامع الاحادیث ج ۷ ص ۴۳۱۔ روضۃ الناظر ص ۳۰۱ لابن قدامہ حنبلی)

قال رسول الله ﷺ إن الله اختار أصحابی علی العالمين سوی النبيين والمرسلين (مسند بزار۔ الاصابہ ج ۲ ص ۱۲ عن جابر بن عبد اللہ)

قال رسول الله ﷺ إن الله عزوجل اختارنی واختار لی أصحابی فجعل لی منهم وزراء وأختانا وأصهارا۔ الحديث

(تفسیر قرطبی ج ۱۶ ص ۲۹۷۔ الکبائر ص ۲۳۸ للذہبی عن انس رضی اللہ عنہ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمدﷺ فوجد قلوب أصحابه خیر قلوب العباد فجعلهم وزراء نبیه ایقاتلون علی دینه

(مجمع الزوائد ج ا ص ۱۷۷۔ شرح العقیدۃ الواسطیہ ص ۷۔ لمحمد بن خلیل الہراس)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام کا طبقہ خدا کا محبوب اور چنا ہوا طبقہ ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی سربلندی اور اپنے آخری پیغمبر کی نصرت واعانت کے لئے ایسے لوگوں کو منتخب کرے جو دولت اور اقتدار کی خاطر نہ دین کا پاس رکھے اور نہ پیغمبر اسلام کی ہدایات کا لحاظ۔ اور بدنیتی کی انتہا یہ ہو کہ پیغمبر خاتم ﷺ کا انتقال ہوتے ہی جلدی جلدی ثقیفہ جا کر اقتدار پر بزور قبضہ جمالے۔ (استغفر اللہ العظیم)

☆... کیا حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد مبارک سے نکالا جاسکتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

لا تسبوا أحدا من اصحابی فان أحدکم لو انفق مثل أحد ذهبا ما أدرك مد أحدهم ولا نصفه (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۰)

تم میرے صحابہ میں سے کسی کو برا نہ کہو تم میں سے اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر اللہ کی راہ میں سونا خرچ کر دے تو وہ میرے صحابی کے ایک مد خرچ کرنے یا اس کا آدھا مد سونا خرچ کرنے کے برابر نہ اترے گا۔

☆... کیا حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک بھی موضوع طریقے سے وارد ہے کہ جس مسلمان نے مجھے دیکھا اس پر جہنم کی آگ حرام ہے:

لا یدخل النار مسلم رآنی أو رأی من رآنی (مجمع الزوائد ۲۶۹)

(نوٹ) شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار (ج ۲۲ ص ۳۰۵) میں اور شیخ صدوق شیعی نے امالی (ص ۲۴۱) میں بھی اسے نقل کیا ہے اور اس پر انہوں نے کوئی جرح نہیں کی ہے۔

☆... حضور ﷺ کے صحابہ پر کسی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی. اما بعد

حضور اکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں سینکڑوں لوگوں نے دیکھا مگر ان میں سے وہ لوگ جنہیں زیارت کے بعد ایمان کی دولت بھی نصیب ہوئی اور پھر وہ اس دنیا سے اس نعمت عظمی کو لے کر اپنے پروردگار سے جاملے ان کے بارے میں علمائے امت اس بات پر متفق ہیں کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام ہیں۔ اور یہ حضرات عزت وعظمت اور شرف ومنزلت کے اس مقام عالی پر پہنچ گئے جس پر ان کے بعد اب کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ اب کوئی ان سے یہ شرف چھین سکتا ہے۔ قیامت تک آنے والے لوگوں کے نیک اعمال بیشک ان کے اعمال سے بظاہر بڑھے ہوئے دکھائی دیں اس کے باوجود وہ ان کے قدموں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں۔ اور اس پر علماء امت ہی نہیں خود صحابہ بھی بیک زبان متفق ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لا تسبوا أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم فلمقام أحدهم ساعة خير من عمل أحدكم عمره (سنن ابن ماجہ ص۱۵)

اے لوگو! رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو برا نہ کہنا کیونکہ ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک گھڑی رہنا تمہاری زندگی کے تمام اعمال حسنہ سے بہتر ہے (ریاض النضرۃ ج۱ ص۸)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے بھی یہی بات کہی ہے۔ (دیکھئے شرح فقہ اکبر ص۸۱)

حضرت براء بن عازبؓ نے بھی صحابہ کی یہی شان بیان کی ہے۔ (ابوداؤد ج۲ ص۲۸۳)

امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی رحمۃ اللہ علیہ (۹۰۲ھ) صحابہ کا عقیدہ اس طرح بتاتے ہیں:

انهم كانوا يعتقدون شان الصحبة لا يعدله شيء كما ثبت في حديث أبي سعيد الماضي (فتح المغیث ص ج۳ ص۱۴۴ش)

ابراہیم بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو اسامہؒ (یعنی حضرت زید بن علی بن حسینؓ) سے پوچھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز میں کون افضل ہے آپ نے فرمایا:

لا نعدل باصحاب محمد ﷺ أحدا

(جامع بیان العلم وفضلہ صحح ۲ ص ۱۸۵)

ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے برابر کسی کو بھی نہیں سمجھتے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حدیث میں شاگرد رشید اور امام بخاری کے استاد حدیث عارف باللہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۱ھ) سے کسی نے پوچھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ میں کس کا مقام افضل ہے؟۔ آپ نے فرمایا:

فقال ما أقول فی رجل قال رسول اللہ ﷺ سمع اللہ لمن حمدہ فقال خلفہ ربنا ولك الحمد فقیل لہ ایھما افضل ھو أو عمر بن عبدالعزیز؟ فقال لتراب منخری معاویة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر وافضل من عمر بن عبدالعزیز

(البدایہ ج ۸ ص ۱۳۹)

واللہ ان الغبار الذی دخل فی انف فرس معاویة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أفضل من عمر بالف مرة صلی معاویة خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع اللہ لمن حمدہ فقال معاویة ربنا لك الحمد فما بعد ھذا الشرف الاعظم (تطہیر الجنان واللسان ص ۱۱۔ لابن حجر مکیؒ۔ مکتوبات مجدد الف ثانی دفتر دوم ص ۶۰۔ ۲۱۴۔ دفتر سوم ص ۱۳۸)

خدا کی قسم وہ گرد و غبار جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں گئی وہ بھی عمر بن عبد العزیزؒ سے ہزار مرتبہ افضل ہے۔ حضرت معاویہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے جب بھی سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو حضرت معاویہ نے پیچھے ربنا لك الحمد کہا ہے اس کے بعد ان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا شرف ہو سکتا ہے۔

حضرت معافی بن عمران رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۵ھ) سے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر کسی کو قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا۔

لا یقاس باصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احدا (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۰۹)

شیخ الصلحاء والعارفین محبوب سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (۵۶۱ھ) سے بھی سن لیجئے:

اگر در رہ گزر حضرت معاویہ نشینم و گرد سم اسپ جناب بر من افتد باعث نجات می شناسم (منقول از امداد الفتاوی ج ۴ ص ۱۳۳ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اگر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گزر گاہ میں بیٹھ جاؤں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی سم کا غبار مجھ پر پڑ جائے تو میں اسے اپنی نجات کا وسیلہ سمجھتا ہوں۔

اسی زمانہ کے عارف کامل شیخ سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ (۵۷۸ھ) ارشاد فرماتے ہیں:

صحابی کے درجہ پر کوئی نہیں پہنچ سکتا کیونکہ ان حضرات کو مبارک اور پاک نظر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر کو اٹھا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت تک پہنچا دیا ہے۔ انہوں نے آپ سے محبت کی، آپ نے ان سے محبت کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا، وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

(البرہان المؤید ص ۲۱۴)

اس کی شرح میں محدث جلیل حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولی چاہے کتنی ہی عبادت کرے اس کو یہ بات کہاں نصیب ہو سکتی ہے جو صحابہ کو حاصل ہوئی وہ اپنے واسطے نظر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں سے لے آئے گا۔ (بنیان المشید ص ۲۱۴)

گزشتہ پندرہ سو سالوں میں علمائے امت نے صحابہ کرام کو (ان کے آپس کے درمیان بڑے

اختلافات اور بعض بشری کمزوریوں کے باوجود) جن شاندار اور ایمان افروز لفظوں میں خراج محبت وعقیدت پیش کیا ہے اسے راقم الحروف نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور آج سے کئی سال قبل ماہنامہ حق چار یار لاہور کی کئی قسطوں میں وہ شائع بھی ہو چکا ہے۔ امت کے ان جلیل القدر علماء، محدثین، مفسرین، فقہاء اور صوفیاء اس بات پر متفق ہیں اور اس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے صحابی ہونے کا شرف وہ نعمت عظمی ہے جس کے آگے پوری امت کا علم وعمل جمع کر دیا جائے تو بھی شرف صحابیت کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا۔ یہ نعمت پر خلوص علم وعمل سے بھی نہیں مل سکتی، یہ محض اللہ کی وہ عطا ہے جو اس نے اپنے خاص بندوں کو عطا فرمادی تھی۔

یہ رتبہ بلند ملا جسے مل گیا عالم وعامل کی اس تک رسائی کہاں

آیئے ہم ان میں سے بعض حضرات کے روح پرور بیان دیکھیں۔

(۱) حافظ ابو محمد علی بن احمد بن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

ثم نقطع على ان كل من صحب رسول الله ﷺ بنية صادقة ولو ساعة فانه من اهل الجنة لا يدخل النار (الفصل ج۴ ص۱۱۶)

ہم قطعی طور پر یہ بات مانتے ہیں کہ جو بھی حضور اکرم ﷺ کی صحبت میں سچی نیت کے ساتھ پہنچا اگر وہ ایک ساعت کے لئے ہی ہو وہ اہل جنت میں سے ہے دوزخ میں نہیں جائے گا۔

آپ آگے چل کر لکھتے ہیں:

لا سبيل الى ان يلحق أقل درجة أحد من أهل الارض

(ایضاص۱۷۷)

اس بات کی کوئی سبیل نہیں کہ صحابہ کرام میں سے جو اقل درجہ والے ہیں ان کو کوئی شخص پا سکے

(۲) شارح صحیح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وفضيلة الصحبة ولو لحظة لا يوازيها عمل ولا ينال درجتها بشئ والفضائل لا تؤخذ بقياس ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء

(نووی شرح مسلم ج۲ ص۳۱۱)

صحابیت کا شرف اگرچہ ایک لمحہ کے لئے بھی حاصل ہوا ہو یہ ایک وہ شئے ہے جس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا عمل نہیں ہے اس منصب کو کسی عمل کی ذریعہ حاصل نہیں کیا جاسکتا اور فضائل کا تعلق قیاس سے نہیں یہ محض اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔

اسی دور کے مفسر شہیر امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

ان من صحب النبی ﷺ ورآہ مرۃ فی عمرہ افضل ممن یاتی بعدہ وان فضیلۃ الصحبۃ لا یعد لھا عمل (تفسیر قرطبی ج۱ ص۱۷۱)

جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور انہوں نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی آپ کو دیکھ لیا وہ بعد والوں سے افضل ہیں اور شرف صحابیت کے برابر کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔

صحیح بخاری کے معروف شارح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

والذی ذھب الیہ الجمھور أن فضیلۃ الصحبۃ لا یعدلھا عمل لمشاھدۃ رسول اللہ ﷺ واما من اتفق لہ الذب عنہ والسبق الیہ بالھجرۃ أو النصرۃ وضبط الشرع المتلقی عنہ وتبلیغہ لمن بعدہ فانہ لا یعدلہ احد ممن یاتی بعدہ . . . فاما ما فاز بہ من شاھد النبی ﷺ من زیادۃ فضیلۃ المشاھدۃ فلا یعدلہ فیھا احد

(فتح الباری بشرح البخاری ج۷ ص۷)

جمہور امت محمدیہ کا مسلک یہ ہے کہ فضیلت صحبت کو کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی نہیں پہنچ سکتا کیونکہ صحابہ کو رخ جمال محمدی کا مشاہدہ ہوا ہے اور جس کو آپ کی طرف سے دفاع آپ کی طرف ہجرت اور نصرت میں سبقت نصیب ہوئی نیز آپ سے منقول شریعت کا حفظ وضبط اور باقی امت تک اس کا پہنچانا نصیب ہوا تو بلاشبہ یہ قطعی بات ہے کہ بعد میں آنے والا بڑے سے بڑا شخص بھی اس کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔

اسی دور میں مصر کے شافعی المذہب محدث علامہ شمس الدین البرماوی ابو عبد اللہ محمد بن الدائم النعیمی العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۸۳۱ھ) کا یہ بیان بھی دیکھتے جایئے۔

ومدح الصحابة حيث كان جليسهم رسول الله ﷺ حتى قيل ليس للصحابة فضيلة افضل من فضيلة الصحبة ولهذا يقال الصحابة دون بقية اوصافهم الجميلة علماء وكرماء وشجعاء الى غير ذلك (اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح ج۱۴ ص۱۳۸)

یعنی صحابہ کی مدح و تعریف اس لئے تو ہے کہ وہ حضور اکرم کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے لوگ تھے یہاں تک کہ یہ بھی کہہ دیا گیا کہ حضور ﷺ کی صحبت سے بڑھ کر صحابہ کے لئے اور کوئی چیز افضل نہیں ہے اسی لئے تو ان کو ان کے تمام کمالات عالیہ اور اوصاف حمیدہ کے بجائے صرف صحابہ کہہ کر پکارا گیا ہے (کہ ان کی پہچان ان کے نیک اعمال نہیں صحبت رسول ہے اور اس سے بڑھ کر ان کے لئے اور کوئی لقب نہیں ہے)

شارح صحیح بخاری علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

والحق ما عليه الجمهور لان الصحبة لا يعدلها شيئ وحديث العامل منهم أجر خمسين منكم لا دلالة فيه على أفضيلة غير الصحابة على الصحابة لان مجرد زيادة الاجر لا يستلزم ثبوت الافضلية المطلقة (ارشاد الساری ج۶ ص۸۱)

حق بات وہی ہے جس پر جمہور ہیں وہ یہ کہ صحبت نبوی کے برابر کوئی چیز نہیں اور جس حدیث میں اجر کی زیادتی آئی ہے اس سے غیر صحابی کو صحابی پر فضیلت دینے کی کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ اجر کی زیادتی مطلق فضیلت کے ثبوت کو مستلزم نہیں ہے۔

ممتاز محدث حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

صحابہ کرام کا بعض باتوں میں مختص ہونا جیسا کہ آپ ﷺ کے چہرہ انور کی

زیارت یہ ایک ایسی بات ہے کہ خواہ کوئی کتنا ہی عظیم الشان کام کیوں نہ کرے از روئے عقل (و نقل) اس فضیلت کو حاصل کرنا تو درکنار اس کا مماثل بھی نہیں ہو سکتا۔ (صواعق محرقہ ص ۲۱۰)

ان اللہ تعالی امتن علیھم بمنۃ لم یشارکھم غیرھم فیھا وھی حلول نظرہ ﷺ وامدادہ لھم بما قطع غیرھم من اللحوق بھم فی باھر کمالھم وعیرم استعدادھم وسعۃ علومھم وحقیۃ وراثتھم (تطہیر الجنان ص ۴)

جس مسلمان کا دل اللہ اور رسول ﷺ کی محبت سے پر ہو اس پر واجب ہے کہ اپنے نبی محمد ﷺ کے تمام اصحاب سے محبت رکھے کیونکہ اللہ تعالی نے ان پر ایسی عنایتیں کی ہیں کہ کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں ہے سب سے بڑی نعمت تو ان کو یہ ملی کہ سرور دوعالم ﷺ کی نظر ان پر پڑی اور حضرت نے ان کی تربیت فرمائی کہ اب کوئی دوسرا ان کے کمال اور استعداد اور وسعت علوم اور مرتبہ وراثت نبی کو نہیں پہنچ سکتا ہے (تنویر الایمان ص ۱۲)

مشکوۃ شریف کے عظیم شارح حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

والحاصل انہ لا احد من علماء الامۃ ومشائخ ھذہ الملۃ یبلغ مرتبۃ الصحابۃ ومنقبۃ الخدمۃ فان رؤیتہ علیہ الصلاۃ والسلام کانت اکسیرا تؤثر تاثیرا کثیرا لمن راہ وآمن بہ صغیرا أوکبیرا (شرح الشفاء ج ۲ ص ۹۶)

اس امت کا کوئی عالم اور ملت کا کوئی شیخ صحابہ کرام کے مقام و مرتبہ کو نہیں پاسکتا اس لئے کہ ان حضرات نے حضور اکرم ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت کی ہے۔ (شرح الشفاء ج ۲ ص ۹۷)

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۴ھ) ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

ضابطہ کی جو بات ذہن میں ہونی چاہئے وہ یہ ہے کہ بعض صحابہ کا انکار کل کا انکار ہے کیونکہ خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی صحبت کی

فضیلت میں یہ سب حضرات مشترک ہیں اور صحبت کی فضیلت سب فضائل وکمالات سے فائق اور بلند ہے اسی بناء پر حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ جو خیر التابعین ہیں خیر البشر علیہ الصلوۃ والتسلیم کے صحابی کے ادنی مرتبے تک بھی نہیں پہنچ سکتے لہذا صحبت کی فضیلت کا کوئی شئے مقابلہ نہیں کر سکتی کیونکہ ان حضرات صحابہ کا ایمان صحبت نبوی اور نزول وحی کی برکت سے شہودی ہو چکا اور ایمان کا یہ رتبہ صحابہ کے بعد کسی کو بھی نصیب نہیں اور اعمال ایمان پر متفرع ہوتے ہیں اعمال کا کمال ایمان کے کمال کے مطابق ہے۔(مکتوبات امام ربانیؒ۔ مکتوب نمبر ۵۹ ص ۱۹۹)

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

ألا ترى ان اصحاب رسول اللهﷺ وبارك فضلوا بالصحبة على من عداهم سوى الانبياء عليهم السلام (مکتوب نمبر ۱۲۰ دفتر اول)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ صحبت نبوی ہی کی وجہ سے سوائے انبیاء کے سب پر فوقیت لے گئے ہیں۔ کیونکہ ان کا ایمان شرف صحبت اور دیدار حضرت رسالت مآب اور معائنہ وحی وملائک اور مشاہدہ معجزات وخوارق کی وجہ سے شہودی ہو گیا اور بعد والوں نے جس کو صرف سنا اس کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور بھلا دوسروں کو یہ چیزیں جو تمام فضائل وکمالات کی اصل اور بنیاد ہیں کہاں نصیب ہوئیں۔(تذکرہ ص ۲۰۶)

واصحاب کرام بدولت صحبت خیر البشر علیہ الصلوۃ والسلام از اولیاء امت افضل اند بہ ہیچ مرتبہ صحابی نہ رسد (مکتوبات)

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۵۲) لکھتے ہیں:

وخود کدام دلیل واضح تر ازیں باشد کہ بے واسط جمال مصطفی می را دیدہ باوے صحبت داشتہ دین وقرآن وسنت رااز زبان وے شنیدہ بلا واسطہ بامر ونہی الٰہی مخاطب گشتہ وجان ومال واولاد واحفاد را بے دریغ در راہ او بختہ

وبحقیقت آنچہ بیک نظر جمال وے دیدن ودمے در بزم او نشیند وحرف از زبان او گوش کردن حاصل شود مدت العمر دیگراں را بخلوت وار بعینات دست بم ندہد (تکمیل الایمان ص ۱۳۲)

صحابہ کرام کی فضیلت کی اس سے زیادہ خاص اور کھلی دلیل اور کیا ہو گی کہ انہوں نے بغیر کسی واسطہ کے حضور اکرم ﷺ کے جمال جہاں آرا کی زیارت کا شرف پایا اور صحابہ نے آپ کی صحبت اور مجلس پائی ہے اور قرآن اور آپ کی حدیث کو خود آپ کی زبان سے سنا ہے اور وہ بغیر کسی واسطہ کے اللہ کے حکم اور نہی سے مخاطب کئے گئے ہیں اور انہوں نے اپنی جان مال اولاد اور پوتوں کو ان کی راہ میں قربان کیا اور حقیقت یہ ہے کہ صرف ایک نگاہ سے حضور ﷺ کے جمال جہان آرا کو دیکھنے اور ایک ساعت آپ کی مجلس میں بیٹھنے اور آپ کی زبان اقدس سے آپ کے ارشادات کو سننے سے جو فائدہ اور مقام و مرتبہ نصیب ہوتا ہے وہ دوسروں کو پوری زندگی میں خلوتوں اور چلوں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

مفسر قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میدان فضیلت میں سب سے آگے بڑھ گئے کسی بڑے سے بڑے آدمی کو ان کی کسی مرتبہ تک رسائی حاصل نہ ہو سکی۔

(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۵۷۴)

مفکر اسلام محقق العصر حضرت الاستاد علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مد ظلہم العالی لکھتے ہیں:

اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ میں صحابیت خود ایک شرف ہے جو کسی علمی کمال یا عملی محنت پر مبنی نہیں امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا علم ہو یا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا عمل۔ علم و عمل کا کوئی کمال صحابیت کی برابری نہیں کر سکتا اس کے لئے ایمان اور صحبت رسول ﷺ شرط ہے جس نے ایمان کے ساتھ بحالت بیداری حضور اکرم ﷺ کو دیکھ لیا یہ وہ دولت پا گیا بشرطیکہ پھر اسلام پر ہی اس کی موت ہوئی ہو۔ (معیار صحابیت ص ۹۶)

صحابہ کرام کے مقام و مرتبہ کو سمجھنے کے لئے بس اتنی بات کافی ہے کہ یہ انسانوں کا وہ مقدس اور معزز طبقہ تھا جسے خود رب العزت نے چنا اور پھر انہیں ایک ایک کر کے خاتم النبیین سید الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں بٹھادیا اور ان کو اپنے دین اور اپنے آخری نبی کی مدد و نصرت کے لئے قبول کر لیا اور وہ اپنے رب سے بہت خوش ہیں اور ان کا رب ان سے راضی ہو گیا۔ فرضی اللہ تعالی عنہم وارضاہ۔

جناب سلمان ندوی اگر حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاص کو صحابی رسول مانتے ہیں تو پھر ان کی فضیلت کے لئے بس یہی کافی ہے۔ اور اگر جناب موصوف ان حضرات کی صحابیت کا ہی انکار کرتے ہیں تو کرتے رہیں اس باب میں جناب اکیلے تو نہیں سیاہ لباس میں ملبوس ہزاروں ہیں جو نہ صرف ان کی بلکہ تین چار کو چھوڑ کر تمام صحابہ کی صحابیت تو کیا ان کے اسلام کے ہی منکر ہیں۔ (معاذ اللہ)

ہمارے اختلافات کن سے اصولی درجے کے ہیں؟

اسلام میں جو باتیں ماننے کی ہیں ان میں راہ صرف ایک ہے اور وہی صراط مستقیم ہے اس کے دوسری راہوں سے اختلافات اصولی ہیں۔ اور جو باتیں کرنے کی ہیں ان میں مختلف طریقے ہوسکتے ہیں اور یہ اسلام کی وسعت عمل ہے۔ اور ان کے آپس میں اختلافات فروعی ہیں۔ مذاہب اربعہ کے آپس کے اختلافات فروعی ہیں۔ اور اہل سنت کے معتزلہ سے، روافض سے۔ خوارج سے، جہمیہ سے، کرامیہ سے، اور مرجئہ سے اور اثنا عشریوں اور اسماعیلیوں سے اختلافات اصولی ہیں۔ اصولی اختلافات کے فاصلے کبھی نہیں مٹتے اور اصولوں پر کبھی سودے بازی نہیں ہوتی۔ فروعی اختلافات کے فاصلے صرف صواب اور خطاء کے فاصلے ہوتے ہیں، حق و باطل کے فاصلے نہیں ہوتے اور ان میں ایک دوسرے کی رعایت بھی کی جاسکتی ہے۔ اثنا عشریوں سے ہمارے اختلافات زیادہ تر اصولی اور بنیادی ہیں صرف فروعی اور عملی نہیں۔

{افادات: مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ}

☆...اسلامی عقیدے میں انبیاء کے سوا کوئی معصوم نہیں؟
(صحابہ معصوم نہیں مغفور ہیں)

جناب سلمان ندوی جناب مولانا مفتی عتیق صاحب کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

آپ نے مان لیا کہ صحابہ مرتد ہوگئے اور یہ آخری درجہ کا جرم ہے تو اس سے ادنی درجہ کے جرائم پھر کیوں نہیں ہوسکتے فاسق کیوں نہیں ہوسکتے ظالم کیوں نہیں ہوسکتے ؟ جو آخری درجہ کا جرم کر سکتا ہے وہ اس سے کم درجہ کا جرم کیوں نہیں کر سکتا ؟ کیا عادل قاذف ہوسکتا ہے۔ کیا حضرت۔۔۔ حضرت۔۔۔۔ حضرت حسان کے جرم قذف میں کوڑے نہیں لگائے گئے کیا دیگر صحابہ سے کبائر نہیں ہوئے نہ قرآن انہیں معصوم کہتا ہے نہ نبی تو آپ کے جمہور ان کی فضیلت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور کیوں لگاتے ہیں۔ (ازالہ ص۱۸)

جناب من! اہل سنت کے عقیدے میں انبیاء کرام کے سوا کوئی معصوم نہیں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہوں یا اہل بیت کے ائمہ کرام رضی اللہ عنہم... ان سے خطاو غلطی کا صدور ممکن ہے اور ہوا بھی ہے۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ان کی پوزیشن عام معمولی انسانوں کی سی بھی نہیں ہے کہ ہم انہیں ایک عام آدمیوں کی طرح جانیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن نے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امت کے دیگر طبقات سے ممتاز کر دیا ہے۔ یہ امت محمدیہ کا وہ طبقہ ہے جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بتدریج تزکیہ وتصفیہ کی دولت حاصل کی اور پھر وہ اتنے اونچے مقام پر پہنچے کہ خود رب العزت نے ان کے تقوی وطہارت کی گواہی دی اور صرف ان پر ہی نہیں ان کے پیچھے پیچھے چلنے والوں پر بھی اپنی رضا اتاری اور ان سب صحابہ کے لئے جو فتح مکہ سے پہلے کے ہوں یا بعد کے، حسنی کا وعدہ فرمادیا اور یہ بشارت بذریعہ اپنے کلام رہتی دنیا تک دنیا والوں کو سنادی۔

{وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى} (ص۵،النساء۹۶)

ہاں وہ چند ایک بد قسمت لوگ جنہوں نے خود ہی اپنے آپ کو اس نعمت سے محروم کر دیا اور ایمان لانے کے بعد پھر اس سے کھلے عام نکل گئے انہیں نہ تو کوئی صحابی کہتا ہے اور نہ وہ اس بشارت کے مستحق بن سکتے ہیں۔

قرآن وحدیث کا مطالعہ کرنے والا اس بات سے بے خبر نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی حیات مبارک میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن سے ایسے اعمال کا ظہور وصدور ہوا تھا جن کی بناء پر ان پر شرعی سزاؤں کا نفاذ بھی ہوا اور ان واقعات کا کوئی منکر بھی نہیں ہے۔ ہاں جو لوگ ان واقعات کے ذریعہ صحابہ کرام کی عزت وناموس پر کیچڑ اچھالتے ہیں وہ یہ بات کیوں بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالی ان کی ان خطاؤں اور لغزشوں پر عفو ومغفرت کی چادر ڈال چکا ہے۔ کیا ان میں سے بہت سے اعلی ترین توبہ کے ذریعہ اپنے پرودگار کی رضا میں نہیں آگئے ؟اور بعض اپنی غلطیوں کی سزا پا کر پاک صاف نہیں ہوگئے ؟۔ پھر کیا حضور ﷺ کی حیات ہی میں اللہ تعالی نے ان سب کو معاف کرنے کی خبر نہیں دی تھی؟

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) اپنی کتاب عقیدۃ الواسطیہ میں لکھتے ہیں:

ویمسکون عما شجر بین الصحابة ویقولون ان هذه الآثار المروية فی مساوئهم منها ما هو كذب ومنها ما قد زيد فيه ونقص وغير عن وجهه والصحيح منه هم فيه معذورون إما مجتهدون مصيبون وإما مجتهدون مخطئون وهم مع ذلك لا يعتقدون أن كل واحد من الصحابة معصوم عن كبائر الاثم وصغائره بل تجوز عليهم الذنوب فی الجملة ولهم من السوابق والفضائل ما يوجب مغفرة ما يصدر منهم إن صدر حتى إنه يغفر لهم من السيئات ما لا يغفر لمن بعدهم لأن لهم من الحسنات التی تمحو السيئات ما ليس لمن بعدهم ثم إذا كان قد صدر من أحدهم ذنب فيكون قد تاب منه أو أتى بحسنات تمحوه أو غفر له بفضل سابقته أو

بشفاعة محمد ﷺ الذی هم احق الناس بشفاعته أو ابتلی ببلاء فی الدنیا کفر به عنه فإذا کان هذا فی الذنوب المحققة فکیف بالامور التی کانوا فیها مجتهدین؟ إن أصابوا فلهم أجران وإن أخطاؤا فلهم أجر واحد والخطأ مغفور ثم القدر الذی ینکر من فعل بعضهم قلیل نزر مغمور فی جنب فضائل القوم ومحاسنهم من الایمان بالله ورسوله والجهاد فی سبیله والهجرة والنصرة والعلم النافع والعمل الصالح ومن نظر فی سیرة القوم بعلم وبصیرة وما من الله علیهم به من الفضائل علم یقینا انهم خیر الخلق بعد الانبیاء لا کان ولا یکون مثلهم وانهم الصفوة من قرون هذه الامة التی هی خیر الامم وأکرمها علی الله تعالی

(ماخوذ از کتاب الاربعین فی فضائل الصحابۃ للدکتور عبد اللہ صالح بن محمد العبید ص ۱۴)

اہل سنت والجماعت صحابہ کے مابین ہونے والے اختلافات کے بارے میں توقف اختیار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ان کے بارے میں جو روایات مروی ہیں ان میں تو کچھ ایسی ہیں جو سراسر جھوٹ ہیں اور بعض میں کمی بیشی کر کے انہیں اصل حقیقت سے بدل دیا گیا ہے اور جو روایات صحیح ہیں ان کے تعلق سے صحابہ معذور ہیں وہ اس طرح کہ انہوں نے حق تک پہنچنے کے لئے اجتہاد کیا تو کسی کا اجتہاد درست نکلا اور کسی کا غلط اس کے باوجود اہل سنت کا یہ عقیدہ نہیں کہ ہر صحابی تمام چھوٹے بڑے گناہ سے معصوم ہیں بلکہ عمومی طور پر ان سے گناہ ہو سکتا ہے لیکن انہیں بعض وہ فضیلت وبرتری حاصل ہے کہ اگر ان سے کسی قسم کا کوئی گناہ سرزد ہو بھی جائے تو یہ فضیلت وبرتری باعث مغفرت ہو گی بلکہ ان کی وہ لغزشیں بھی بخش دی گئیں جو ان کے بعد کے لوگوں کے لئے قابل معافی نہیں کیونکہ ان کے پاس گناہوں کی مغفرت کے لئے وہ اعمال تھے جو بعد میں آنے والوں کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ پھر ان میں سے کسی سے کوئی گناہ سرزد

ہو گیا تو اس نے اس سے توبہ کر لی یا اس کے بعد اعمال صالحہ کئے جن سے وہ گناہ معاف ہو گئے یا سبقت اسلام کی فضیلت کی وجہ سے اسے معاف کر دیا گیا یا حضور اکرم ﷺ کی شفاعت سے اسے بخش دیا گیا جس کے سب سے زیادہ حقدار وہی ہیں یا اسے کسی دنیاوی آزمائش میں مبتلا کر دیا گیا تو یہ ساری چیزیں اس صحابی کے لئے گناہ کا کفارہ ہو جائیں گی اور جب گناہ کا یہ معاملہ ہے تو پھر ان امور کی بات ہی کیا ہے جن میں انہوں نے اجتہاد کیا اگر ان کا اجتہاد درست رہا تو ان کے لئے دوہرا اجر ہے اور خطا کر گیا تو ایک اجر ہے اور غلطی معاف ہے۔

ساتھ ہی یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ بعض صحابہ کی جو غلطیاں گنائی جاتی ہیں وہ ان کے فضائل و محاسن یعنی ان کے ایمان باللہ ایمان بالرسول راہ خدا میں ہجرت اور جہاد دین کی مدد علم نافع اور عمل صالح کے مقابلہ میں انتہائی تھوڑی اور معمولی ہیں اور اللہ کی طرف سے بخش دی گئی ہیں جو شخص صحابہ کرام کی سیرت نیز اللہ تعالی نے انہیں جو فضل و مرتبہ عطا فرمایا ہے اس میں علم و بصیرت کے ساتھ غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ افضل ترین مخلوق ہیں ان کا ثانی نہ کوئی ہوا ہے نہ ہو گا اور وہ اس امت کے سب سے برگزیدہ افراد ہیں جسے خیر الامم اور اشرف امت کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ (عقیدہ واسطیہ ص ۸۶ اردو ترجمہ)

مفسر قرآن مفتی بغداد علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

ليس مرادنا من كون الصحابة رضى الله عنهم جميعهم عدولا انهم لم يصدر عن احد منهم فسق أصلا ولا ارتكب ذنبا..... بل مرادنا انهم لم ينتقلوا من هذه العار الى دار القرار إلا وهم طاهرون مطهرون تائبون آيبون ببركة صحبتهم للنبى صلى الله عليه وسلم ونصرتهم إياه وبذل أنفسهم وأموالهم فى محبته وتعظيمهم له أشد التعظيم سرا وعلانية كما يدل على ذلك الكتاب وتشهد له الآثار

(الاجوبة العراقية على الاسئلة اللاهورية ص۲۲ فصل اول)

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عادل ہونے سے ہمارا یہ مقصد نہیں کہ ان میں سے کسی فسق یا گناہ کی کوئی بات سرزد نہیں ہوئی بلکہ ہماری مراد یہ ہے کہ وہ اس دنیا سے آخرت کی طرف پاک صاف حالت میں منتقل ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کرنے اپنے مال وجان کو آپ کی محبت میں لٹانے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور پس پشت حد درجہ تعظیم کرنے کی وجہ سے جیسا کہ اس پر قرآن کریم کی آیات اور متعدد احادیث گواہ ہیں (مجلہ صفدر نمبر ۹۶ ص۱۷)

آپ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

أجاب بعضهم عن جميع ذلك بأنا لم ندع العصمة فى الصحابة وإنما ادعينا العدالة فيهم ومجرد وقوع ما يخل بها فى وقت من أحدهم لا يستدعى سلبها عنه دائما (ایضاص۲۸)

ہم صحابہ کی عصمت کا دعوی نہیں کرتے بلکہ عدالت کا دعوی کرتے ہیں اور اگر کسی سے عدالت میں خلل ڈالنے والی کوئی بات کسی وقت سرزد ہو تو وہ ان کی عدالت ہمیشہ کے لئے ختم نہیں کرتی۔ (ایضاص۲۰)

اور یہ محض اتفاقی بات نہیں ہے کہ صحابہ کرام میں سے جن افراد سے ایسی کوئی صریح غلطی صادر ہوئی جس کو لوگ ہدف تنقید بنا سکتے ہوں تو وہاں اللہ تعالی کی طرف سے ان کو اس قدر صدق وندامت کے ساتھ توبہ کی توفیق نصیب ہوئی جس نے بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے انگلی رکھنے کی گنجائش نہ چھوڑی۔ چنانچہ حضرت ماعز اسلمیؓ اور حضرت غامدیہؓ کے رجم ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صدق توبہ کی خود خبر دی تھی۔ جنابہ غامدیہؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر ناجائز طور پر لوگوں سے ٹیکس لینے والا جیسا ظالم آدمی بھی ایسی توبہ کرے تو اس کے لئے کافی ہو جائے گا۔ بعض روایات کے مطابق یہ بات حضرت ماعز کے بارے میں فرمائی تھی حالانکہ ناجائز ٹیکس کی وجہ سے بندوں کے حق ذمہ پڑ جاتے ہیں جن کا معاملہ اللہ تعالی کے حقوق کی بہ نسبت

سنگین ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بالکل درست تحریر فرمایا کہ:

قد أخلصوا الاعمال من الرياء نفلا وفرضا واجتهدوا فى طاعة مولاهم ليرضى وغضوا أبصارهم عن الشهوات غضا فإذا أبصرتهم رأيت قلوبا صحيحة وأجسادا مرضى وعيونا قد ألفت السهر فما تكاد تطعم غمضا بادروا لعلمهم أنها ساعات تنقضى ... ومن ارتكب منهم من يخالف بعض هذه الاوصاف لم يمت إلا وهو أنقى من ليلة الصدر غير مدنس بوصمة ولا مصر على سيئة (الاجوبۃ العراقیۃ ص ٦٨)

صحابہ کرام نے اپنے فرضی اور نفلی اعمال کو ریا سے پاک کیا اور اپنے رب کی رضامندی کے لئے نیکیوں میں خوب کوشش کی گناہوں سے مکمل کنارہ کشی اختیار کی پس جب تم انہیں دیکھنا چاہو گے تو صحیح دل کمزور جسم اور ایسی آنکھوں والے دیکھو گے جنہیں شب بیداری کی عادت ہو وہ کبھی کبھا رکھاتے ہیں (زیادہ تر) عمل کی طرف لپکے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ (دنیاوی زندگی کے) یہ چند لمحات گزرنے والے ہیں اور بعض (وہ صحابہ) جن سے مذکورہ اوصاف کے خلاف کچھ سرزد ہو گیا (وہ بھی نیک اور عادل ہی شمار ہوں گے کیونکہ) وہ دنیا سے اس حالت میں گئے کہ ان کا دل ہر قسم کے گناہ کی آمیزش سے پاک تھا۔ (مجلہ صفدر ش نمبر ٩٦ ص ٢٠)

حضرت علامہ عبد العزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (١٢٣٩ھ) لکھتے ہیں:

اعلم انا لا ندعى العصمة فيه ولا فى غيره من الصحابة الكرام رضى الله عنهم بل هى من خواص الملائكة والانبياء كما حقق فى علم الكلام (الناهية عن طعن امير المؤمنين معاويه ص ٦٦)

ہم حضرت معاویہؓ اور دوسرے صحابہ کرام کی عصمت کے قائل نہیں ہیں

عصمت تو انبیاء کرام اور ملائکہ کا خاصہ ہے جیسا کہ علم الکلام کی کتابوں میں اس کی تحقیق بیان کی جاچکی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مد ظلہم لکھتے ہیں:

صحابہ کرام نہ تو معصوم تھے اور نہ فاسق یہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی سے بعض مرتبہ بتقاضائے بشریت دو ایک یا چند غلطیاں سرزد ہو گئی ہوں لیکن تنبیہ کے بعد انہوں نے توبہ کرلی اور اللہ نے انہیں معاف کر دیا اس لئے وہ اپنی غلطیوں کی بناء پر فاسق نہیں ہوئے چنانچہ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی صحابی نے گناہوں کو اپنی پالیسی بنالیا ہو جس کی وجہ سے اسے فاسق قرار دیا جاسکے۔ (حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق ص ۱۱۵)

ہمیں کسی ایک روایت سے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جن حضرات سے غلطی کا صدور ہوا تھا ان کی توبہ اور معافی یا سزا کے بعد قرآن اور صاحب قرآن یا علماء امت نے ان پر لعن طعن کرنے کی کھلی اجازت دی ہو اور نہ ہی آپ نے امت کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ ان کی ان سابقہ غلطیوں اور سابقہ کردار کو گلے پھاڑ پھاڑ کر داغدار بتائیں۔ کیا حضور ﷺ کو نہیں پتہ تھا کہ ان سے کیا غلطیاں ہوئیں تھیں؟ وہ کبائر تھیں یا صغائر؟ وہ ظلم تھا یا فسق؟ ان سب کے باوجود کیا حضور اکرم ﷺ نے مطلقاً ان سب کی تعظیم و تکریم کی ہدایت نہیں کی؟ ان کے بارے میں برائی سے لب کشائی کرنے سے نہیں روکا؟ حدیث میں ان سے ہو گئے بعض اعمال کی نشاندہی کا یہ مطلب کہاں سے ہو گیا کہ امت کو اب ان پر لب کشائی اور کیچڑ اچھالنے کی اجازت مل گئی ہے۔ قرآن میں یہ واقعات نزول قرآن کے وقت سے موجود ہیں اور امت اس کی تلاوت کرتی آئی ہے پچھلے چودہ سو سالوں سے محدثین ان واقعات کی روایت کرتے ہیں ان واقعات سے احکام و مسائل کا استنباط کرتے ہیں مگر ایمانداری سے بتایئے کہ کسی نے بھی اب تک (سوائے روافض و خوارج اور فرق باطلہ کے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ عظام کو جرح و تنقید کا نشانہ بنایا ہے؟ حضور ﷺ کی حیات میں اگر کسی سے کوئی زیادتی ہو گئی یا ان میں سے کسی نے بڑا جرم کر بھی لیا پھر انہوں نے اس زیادتی سے توبہ کرلی اور ان کی توبہ پر ان کو معافی بھی مل گئی تھی تو اب کیا عام امتی کو یہ حق مل

سکتا ہے کہ ان کو ظالم اور فاسق کہتا رہے؟ اور ان کے اس ظلم یا فسق کا پرچار کر کے ان کو سب وشتم کا نشانہ بنائے، محض اس بات پر کہ قرآن میں یہ بات درج ہے یا حدیث میں یہ واقعہ موجود ہے یا بقول جناب سلمان ندوی بخاری و مسلم کی کتاب الفتن والملاحم پڑھئے (ازالہ ص ۱۶) کہہ کر اگر لعن طعن، سب وشتم اور جرح و تنقید کا دروازہ کھولنا ہی ہے تو کیا مستشرقین یورپ اور دشمنان اسلام اسی قرآن سے اور اسی بخاری و مسلم سے انبیاء کرام کی ذوات مقدسہ پر حملہ نہیں کریں گے؟ قرآن کریم میں جہاں حضور ﷺ پر محبت آمیز عتاب ہے کیا اعدائے اسلام اسے پیغمبر اسلام پر غضب آمیز عتاب بتانے کا دعوی نہیں کریں گے۔ (معاذ اللہ)

جناب سلمان ندوی کہیں دکھا سکتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الفتن والملاحم میں ان روایات کو نقل کرنے کے بعد انبزرگوں کو کہیں جرح و تنقید اور سب وشتم کا نشانہ بنایا ہو اور ان کی عزت تار تار کرنے کے درپے ہوئے ہوں۔ محدثین ان واقعات کی روایت کے باوجود صحابہ کرام کی عظمت وعزت کی تاکید کرتے ہیں ان کے فضائل لکھتے ہیں ان کو امت کے دیگر تمام طبقات سے افضل قرار دیتے ہیں۔ اگر ان روایات سے صحابہ کا اسلام ہی مجروح تھا اور وہ بھی امت کے عام اور دیگر افراد کی طرح تھے تو محدثین ضرور ان روایات سے ان پر جرح کرتے تھے ان کو مجموعی طور افضل قرار دینے سے اجتناب کرتے۔ محدثین بھی جناب سلمان ندوی کی طرح چیخ چیخ کر کہہ سکتے تھے کہ:

> جب ارتداد آخری درجہ کا جرم ہے تو اس سے ادنی درجہ کے جرائم کیوں نہیں ہو سکتے فاسق کیوں نہیں ہو سکتے ظالم کیوں نہیں ہو سکتے؟

مگر محدثین اور امت کے جلیل القدر علماء یہ نہیں کہتے۔ صحابہ کے درمیان ہونے والے تنازعات اور مشاجرات کے باوجود اہل سنت کا موقف و مسلک کیا ہے اسے ایک نظر دیکھئے۔

حضرت امام ابو رجاء قتیبہ بن سعید (۲۴۰ھ) کہتے ہیں

والکف عن مساوی اصحاب محمد ﷺ ولا یذکر احد منهم ولا ینتقص احد منهم (شعار اصحاب الحدیث ص ۳۵ لابی احمد الحاکم)

حضور اکرم ﷺ کے صحابہ سے جو غلطیاں ہوئیں ان پر (اپنا قلم اور) اپنی زبان بند رکھی جائے اور ان میں سے کسی ایک کی بھی برائی اور تنقیص نہ کی جائے

امام ابو محمد حسن بن علی البربہاری (۳۲۷ھ) فرماتے ہیں کہ

والكف عن حرب علي ومعاوية وعائشة وطلحة والزبير رحمهم الله أجمعين ومن كَانَ معهم لا تخاصم فيهم وكل أمرهم إلى الله تعالى (طبقات الحنابلۃ ج ۲ ص ۳۷)

علامہ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں۔

يجب ان يكونوا على الاصل الذى قدمناه من حال العدالة والرضاء إذ لم يثبت مايزيل ذلك عنهم (الکفایہ ص ۴۸ ش)

یعنی اس جنگ و قتال کے بعد بھی صحابہ کا ثابت العدالت والرضاء ہونا جوں کا توں باقی رہا اس وجہ سے کہ ان کے بارے میں کوئی ایسی بات صادر نہیں ہوئی جو ان سے اس صفت کو ختم کر دے (مقام صحابہ ص ۱۰۰)

شارح صحیح مسلم حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

الصحابہ كلهم عدول من لابس الفتنة وغيرهم باجماع من يعتد به (التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر النذیر ص ۹۲)

صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل ہیں وہ فتنہ میں شریک رہے ہوں یا نہ رہے ہوں اس پر تمام قابل اعتماد علماء کا اجماع ہے (ایضا)

علامہ سید عبد الوہاب شعرانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۳ھ) نے یہ بات اس طرح بیان فرمائی ہے:

وجوب الكف عما شجر بين الصحابة ووجوب إعتقاد أنهم مأجورون وذلك لانهم كلهم عدول باتفاق أهل السنة سواء من لابس الفتن ومن لم يلابسها (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۷۷)

مشاجرات صحابہ میں اپنی زبان کو روکے رکھنا واجب ہے اور اس بات کا

عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ وہ سب مستحق اجر وثواب ہیں کیونکہ اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب عادل ہیں خواہ وہ فتن میں مبتلا ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔

افسوس کا مقام ہے کہ ان محدثین کو ان واقعات اور تنازعات کی روایت کے باوجود وہ بات کیوں نہ سوجھی جو جناب سلمان ندوی کو ۳۵ سال علوم حدیث پڑھانے کے بعد سوجھی ہے کہ جن صحابہ سے ظلم ہوا ہے ان کو برسر عام ظالم کہو، اور جنہوں نے جرائم کئے ہیں انہیں کھلے عام فاسق کہو۔ صحابہ کے جرائم، کبائر اور ان کے ظلم وستم کی نشریات عام کرنے میں جو آگے نکلے وہ کون کون ہیں اس سے اہل علم وخبر بے خبر نہیں ہیں۔ اور اب وہ چہرے روز بروز کھل کھل کر سامنے آرہے ہیں اس قسم کی کہانیاں شیعہ مجتہدوں اور ان کے ذاکروں کی زبانی عام سنی سنائی جاتی ہیں ایران کے شیعہ مجتہدین اور لکھنؤ کے شیعہ ملا کی خوشی قابل دید ہوگی جب انہیں پتہ چلا ہوگا کہ اس تاریک راہ میں اب ہم اکیلے نہیں رہے لکھنؤ کے ایک استاد بھی ہمارے ساتھ ساتھ ہیں بلکہ صحابہ کرام پر انگلی اٹھانے میں وہ کچھ زیادہ ہی تڑپ پھڑک رہے ہیں۔

پھر جناب سلمان ندوی کا یہ کہنا بھی عجیب ہے کہ:

نہ قرآن انہیں معصوم کہتا ہے نہ نبی۔ تو آپ کے جمہور ان کی فضیلت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور کیوں لگاتے ہیں؟

اس سے یہ بات اور کھل کر سامنے آگئی کہ قرآن وحدیث میں بعض صحابہ کی جن بشری کمزوریوں کا ذکر ہے یا بقول جناب سلمان ندوی ان کے جرائم پر مبنی روایات ہیں وہ جمہور علمائے امت کی نظر سے چھپی نہ تھیں ان کے سامنے موجود تھیں اور ہم عرض کرچکے ہیں کہ ان واقعات سے انہی علماء نے مسائل واحکام بھی مستنبط کئے ہیں جن سے یہ بات اور واضح ہوتی ہے کہ ان سب کے باوجود جمہور علماء امت اس پر متفق ہیں کہ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اور امام بخاری اور امام مسلم اور دیگر محدثین نے ان واقعات کو نقل کیا ہے تو ان کا مقصد ہرگز صحابہ کے جرائم کی فہرست بتانا نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو نہ حضور ﷺ اپنے صحابہ کی بالعموم عزت کا حکم فرماتے اور نہ ہی جمہور محدثین امت کے دیگر طبقات پر صحابہ کی فضیلت کے قائل ہوتے۔ اور نہ

پندرہ سو سال سے امت میں ان کے ادب واحترام کی یہ آواز پوری طاقت اور تواتر کے چلتی۔ صحابہ کرام کی فضیلت اور ان کے احترام واکرام پر اگر امت کے ائمہ اور علماء ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں تو اس سے رافضی علماء کا پھڑکنا اور بھڑکنا تو سمجھ میں آتا ہے یہ آپ کیوں پھڑک اور بھڑک رہے ہیں۔ کچھ تو فرمائیں کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ تمہیں بتاؤ کہ یہ انداز گفتگو کیوں ہے؟

یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ جناب سلمان ندوی لفظ "جمہور" سے اس قدر کیوں خائف ہیں اور جمہور کے نام سے انہیں کیوں اس قدر چڑ ہے کہ وہ صحابہ کے حق میں جمہور کی کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتے۔ تاریخ میں ان افراد کی بھی کمی نہیں جو اسلامی عقائد واحکام کے خلاف اپنے مذموم عزائم اور ناپاک کوششوں میں محض اس لئے ناکام ہوئے کہ جمہور ان کے رستے میں رکاوٹ بن کر کھڑے تھے۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ جمہور ان کے رستے سے ہٹیں تاکہ وہ اسلام کی صف اول کے لوگوں کو اپنا نشانہ بنا کر اپنے مذموم عزائم میں کامیابی حاصل کر سکیں اور تاریخ کی بے سروپا حکایات سے صحابہ کرام کے کردار کو مشکوک بتا کر عام مسلمانوں کے دلوں میں ان سے بدگمانی پیدا کر دیں اس لئے کہ جب ناقلین دین پر سے اعتماد ہی ختم ہو جائے گا تو پھر اس دین کا نقشہ بدلنا بڑا آسان ہو گا مگر وہ بھول گئے کہ کہ اس دین کا محافظ خود رب العزت ہے۔ اللہ تعالی نے دین کے ناقلین کو ایسی سند رضا عطا فرمادی ہے کہ دشمنان اسلام لاکھ چاہیں کہ ان پر اعتماد ختم کر دیں مگر وہ اس میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ ہاں یہ تو ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے روپ میں گھسے لوگوں کو اللہ ظاہر کر دے اور ان کی زبان اور ان کا قلم خود بول پڑے۔ واللہ مُخرج ماکنتم تکتُمون۔

صحابہ کرام کی ایک تصویر وہ ہے جو تاریخ کی کتابوں میں موجود بے سروپا کہانیوں اور متعصب اور کذاب رافضیوں کی روایتوں سے جناب سلمان ندوی نے اپنی تحریروں میں دکھانے کی کوشش کی ہے اور دوسری طرف صحابہ کرام کی ایک نہایت خوبصورت روح پرور اور ایمان افروز تصویر وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دکھائی ہے۔ ایک مسلمان کے لئے اس بات کا فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ کس کی دکھائی ہوئی تصویر سچ ہے اور

کون جھوٹ بول رہا ہے۔ جھوٹ پر کتنی ہی ملمع سازی کیوں نہ کرلی جائے سچ کا روشن چہرہ بالآخر ظاہر ہو کر رہتا ہے یہ ربانی فیصلہ ہے اور اس کا فیصلہ ہی حرف آخر رہتا ہے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (۸۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنی آنکھوں دیکھا حال سنا رہے ہیں اور جناب سلمان ندوی بے سند روایات اور قصے کہانیوں سے صحابہ کے منھ آرہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی چشم دید گواہی ملاحظہ کیجئے۔ آپ فرماتے ہیں:

من كان مستنا فليستن بمن قد مات فان الحى لا تؤمن عليه الفتنة اولئك اصحاب محمد ﷺ كانوا أفضل هذه الامة أبرها قلوبا وأعمقها علما وأقلها تكلفا اختارهم الله لصحبة نبيه ولإقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم على أثرهم وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرتهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم. رواه رزين (مشکوۃ ص ۳۲۔ جمع الفوائد ج ا ص ۳۰)

جو شخص سنت کی اتباع کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ فوت شدہ اچھے لوگوں کی اقتداء کرے اس لئے کہ زندہ لوگ فتنہ سے مامون نہیں۔ وہ فوت شدہ حضرات حضور اکرم ﷺ کے صحابہ ہیں جو اس امت کا سب سے افضل طبقہ ہے یہ حضرات نہایت ہی نیک اور پاکیزہ دل والے پختہ اور گہرے علم اور سب سے کم تکلف کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی سربلندی کے لئے چن لیا (اے لوگو) ان بزرگوں کی فضیلت کو پہچانو ان کے آثار کی پیروی کرو اور ان کے اخلاق اور ان کی سیرتوں کو جتنا ہو سکے اپنانے کی کوشش کرو اس لئے کہ وہ سب کے سب سیدھے رستے پر چلنے والے لوگ تھے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) آپ کے اس ارشاد کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ ایک جامع کلام ہے جس میں صحابہ کرام کے حسن قصد ونیت اور دلوں کی نیکی کا بیان ہے نیز یہ بھی کہ صحابہ کمال معرفت ودقت اور گہرے علم کی معرفت سے سرفراز تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد اس جاہل کے ان دعاوی کے خلاف ہے کہ حضرات صحابہ طالب دنیا جاہل اور حق کی تلاش سے قاصر تھے اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کامل العلم اور نیک دل لوگ تھے اور ان کا زمانہ سب زمانوں سے بہتر زمانہ تھا۔

(منہاج السنۃ ج ص ۱۶۵)

جناب سلمان ندوی صحابہ کرام کی فضیلت وعظمت، ان کی عزت وعظمت، مقام ومرتبہ اور ادب واحترام پر بیشک جمہور کی بات نہ مانیں، ڈر ہے کہ کہیں مذکورہ روایت بھی منکر اور موضوع کہہ کر مسترد نہ کر دیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ کا اپنا ایک بیان نقل کر دیں امید ہے کہ موصوف کم از کم اس کا تو احترام کریں گے اسے تقیہ اور جمہور کا شور نہیں کہیں گے۔ یہ بیان تو صاحب عترت کرم اللہ وجہہ الکریم کا ہے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کے چچازاد بھائی صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے صحابہ کو کس نظر سے دیکھا ہے اسے بھی ایک نظر دیکھتے چلیں آپ نے فرمایا:

ان الله جل ثناؤه وتقدست أسماؤه خص نبيه محمداﷺ بصحابة آثروه على الانفس والاموال وبذلوا النفس دونه فى كل حال ووصفهم الله فى كتابه فقال محمد رسول الله ... الاية ... قاموا بمعالم الدين وناصحوا الاجتهاد للمسلمين حتى تهذبت طرقه وقويت اسبابه وظهرت آلاء الله واستقر دينه ووضحت اعلامه وأذل بهم الشرك وأزال رؤوسه ومحا دعائمه وصارت كلمة الله العليا وكلمة الذين كفروا السفلى فصلوات الله ورحمته وبركاته على تلك النفوس الزكية والارواح الطاهرة العالية فقد كانوا فى الحياة لله أولياء وكانوا

بعد الموت احياء (بذكرهم) وكانوا لعباد الله نصحاء رحلوا إلى الآخرة قبل أن يصلوا إليها وخرجوا من الدنيا وهم بعد فيها (مروج الذهب ومعادن الجوہر ج۳ص۷۵ للمسعودی الشیعی)

اللہ تعالی کی ثناء بڑی ہے اور اس کے نام پاک ہیں اس نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے صحابہ سے مخصوص فرمایا ہے جنہوں نے اسے اپنے جان ومال پر ترجیہ دی اور ہر حالت میں اس کے لئے اپنی جانوں کو قربان کیا اللہ تعالی نے قرآن کریم کی (سورۃ الفتح پ ۲۶ آخری آیت میں) ان کی تعریف فرمائی ہے وہ دین کے نشانات کے ذمہ دار بنے اور انہوں نے مسلمانوں کے لئے خالص اجتہاد کیا یہاں تک کہ اس کی راہیں ٹھیک ہو گئیں اور اس کے وسائل قوی ہو گئے اور اللہ کی نعمتیں نمایاں ہو گئیں اور اس کا دین مضبوط ہو گیا اور اسکے نشانات واضح ہو گئے اور اللہ تعالی نے ان کے ذریعے شرک کو ذلیل کیا اور سرداران شرک کو ختم کیا اور ان کے ستونوں کو مٹادیا اور خدا کا بول بالا ہو گیا اور کفار ذلیل ہو گئے پس ان پاکیزہ نفوس پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں وہ زندگی میں اللہ کے ولی تھے اور بعد الموت بھی زندہ ہیں (ان کا تذکرہ کبھی ختم نہ ہو گا) اور وہ بندگان خدا کے خیر خواہ تھے اور آخرت میں پہنچنے سے پہلے ہی آخرت کی طرف سفر کر گئے تھے اور وہ دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ابھی تک اس میں موجود ہیں۔ (مروج الذھب ج۳ص۸۰ اردو)

صحابہ کرام کی مجموعی حالت کا جو خاکہ اور نقشہ سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بیان کر دیا ہے اس کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ صحابہ کو ظالم اور فاسق رحمۃ اللہ علیہ طاغی رحمۃ اللہ علیہ عاصی اور باغی کہا جائے تو اس میں کونسی بری بات ہے؟ حضرت علی مرتضیٰؓ بچپن سے لے کر پچپن تک صحابہ کرام کو دیکھتے رہے ان کے اعمال صالحہ اور ان میں سے بعض کی بشری کمزوریاں بھی ان سے مخفی نہ تھیں۔ وہ واقعات ان کی آنکھوں نے دیکھے ہیں اس کے باوجود آپ نے صحابہ

کرام کو امت کے دیگر افراد پر ترجیح دی ہے۔ آپ نے یہ خطبہ اپنے دور خلافت میں دیا تھا اور آپ جب صحابہ کو یاد کرتے تو رو پڑتے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کا ان صحابہ کے بارے میں (جن سے کچھ غلطیاں ہوئیں تھیں) زبان کھولنا تو درکنار آپ نے تو ان کو بھی کبھی کسی لعن طعن کا مستحق نہیں سمجھا جو براہ راست جنگ جمل و صفین میں آپ کے مقابل آئے تھے۔ اور وہ کون تھے ؟ حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب کچھ لوگوں کو ان کے بارے میں نازیبا بول بولتے سنا تو آپ نے ان سے فرمایا:

لاتقولوا الا خیرا (منہاج السنۃ ج۵ ص۲۴۴)

تم لوگ ان کے بارے میں سوائے خیر کے اور کوئی بات نہ کہو۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کے اس ارشاد کے راوی کون ہیں ؟ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے والد مکرم حضرت امام محمد باقر (رضی اللہ عنہما)...{عن جعفر بن محمد عن أبیہ}

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان کی شیعی فاضل ابن مطہر حلی اور دیگر علمائے شیعہ نے بھی کوئی تردید نہیں کی ہے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ سب کچھ جاننے اور سننے کے باوجود اپنے ہم سبق صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں سوائے خیر کے کوئی اور بات کہنے کی اجازت نہیں دیتے، اور ایک جناب سلمان ندوی ہیں جو امام بخاری اور امام مسلم کی کتاب الفتن والملاحم کی روایات اس لئے پڑھنے کی ضرورت بتاتے ہیں تاکہ پتہ چلے کہ صحابہ میں کون ظالم تھا، کون فاسق تھا، اور کون کبائر کا مرتکب تھا، کون جرائم کا مرتکب تھا اور ان کو پھر کس کھاتے میں رکھا جائے ؟۔ اور اگر کوئی شخص ان روایات کو جناب سلمان ندوی کی آنکھ اور ان کی عینک سے نہیں دیکھتا اور ان کی طرح ان روایات کو نہیں پڑھتا تو موصوف کہتے ہیں کہ:

آپ کتاب الفتن والملاحم کو احادیث کے ذخیرہ سے نکال کر دریا برد کر دیجئے تاکہ آپ کی ناصبیت محفوظ رہے۔ (ازالہ ص۱۶)

اور جواب میں اگر کوئی یہ کہہ دے کہ:

آپ احادیث کے ذخیرہ اور تاریخ کے سفینہ میں موجود واقعات سے صحابہ کو ظالم اور طاغی، عاصی اور فاسق بتا کر اپنی چھپی رافضیت کو اور سیاہ کیجئے۔

تو انہیں بھی نہ پھڑکنا تڑپنا چاہئے اور نہ کسی پر غصہ نکالنا چاہئے کہ وہ کیوں صحابہ کی حرمت کا سبق پڑھاتے ہیں اور کیوں حرمت صحابہ کے مسلک کا پرچار کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

ہم صحابہ کے معصوم ہونے کا دعوی نہیں کرتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ لوگ اولیاء اللہ اور متقین تھے ان کا شمار نجات پانے والی اللہ تعالی کی جماعت میں ہوتا ہے یہ اللہ کے نیک بندے تھے اور جنت کے سرداروں میں سے تھے اور ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ گناہ کا صدور ہونا ان لوگوں کے لئے بھی جائز ہے جو صدیقین سے افضل ہوں اور صدیقین سے بڑے ہوں مگر ان گناہوں کی سزا توبہ استغفار گناہ کو مٹانے والی نیکیوں مصائب وآلام اور دوسرے امور کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے پس ان صحابہ کرام کے لئے توبہ واستغفار ثابت ہے اور ان کی اتنی نیکیاں ہیں جو ان کے بعد آنے والے کسی کے حصہ میں نہیں آئیں اور انہیں ایسی آزمائشوں اور مصیبتوں سے پالا پڑا ہے (جس نے ان کے گناہ دھو کر ختم کر دئے ہیں) یہ مصیبتیں کسی دوسرے پر نہیں آئیں ان کی اتنی قابل شکر کوششیں اور نیک اعمال ہیں جو ان کے بعد آنے والوں کے حصہ میں نہیں آئے یہ جماعت گناہوں کی بخشش کے بعد میں آنے والے لوگوں کی نسبت زیادہ حق دار ہیں۔

فلهم من السعي المشكور والعمل المبرور ما ليس لمن بعدهم وهم بمغفرة الذنوب أحق من غيرهم ممن بعدهم

(منہاج السنۃ ج۴ ص۳۳۶)

مجدد اول حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۱ھ) نے جس طرح صحابہ کرام کا نقشہ کھینچا ہے اسے بھی دیکھتے جایئے۔

ایک شخص نے آپ سے تقدیر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اسے تقوی اور اتباع سنت کی تلقین کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کی عظمت بیان کرنے کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے چلنے کی

وصیت فرمائی۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

فارض لنفسك مارضی به القوم لانفسهم فانهم علی علم وقفوا وببصر نافذ کفوا ولهم علی کشف الامور کانوا اقوی وبفضل ما کانوا فیه أولی فان کان الهدی ما انتم علیه لقد سبقتموهم الیه ولئن قلتم إنما حدث بعدهم ما أحدثه إلا من اتبع غیر سبیلهم ورغب بنفسه عنهم فانهم هم السابقون فقد تکلموا فیه بما یکفی ووصفوا منه ما یشفی فما دونهم من مقصر وما فوقهم من محسر وقد قصر قوم دونهم فجفوا وطمح عنهم اقوام فغلوا وإنهم بین ذلك لعلی هدی مستقیم

(سنن ابوداؤد ج۲ ص۲۸۵)

پس تم اپنے لئے اسی چیز کو پسند کر لو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (اور اسلاف) نے اپنے لئے پسند کیا تھا کیونکہ وہ علم دین سے پوری طرح واقف تھے اور بہت باریک بینی اور غور و فکر سے کام لے کر ممنوعات سے رک گئے تھے اور وہ دین کے احکام کا مطلب سمجھنے میں ہم سے زیادہ اقوی اور قادر تھے اور ان کے اندر جو فضائل تھے ان کی بناء پر وہ اور زیادہ بہتر تھے اور تم جس طریقہ پر ہو اگر اس میں ہدایت ہوتی تو پھر تم ان پر سبقت کر گئے اور اگر تم یہ کہو کہ جس نے ان کے بعد نئی باتیں وضع کیں تو وہ ان کے طریقہ پر نہیں چلے اور ان سے بیزاری اختیار کی تو بے شک ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ صحابہ ہی سبقت لے جانے والے لوگ ہیں پس انہوں نے جتنا کافی ہے اتنا بیان کر دیا اور اس باب میں جتنا شافی ہے وہ بتا دیا پس ان کے پیچھے بھی کوئی کمی نہیں اور ان کے اوپر بھی کوئی زیادتی نہیں اور بیشک ایک گروہ نے کوتاہی کی ان کے نیچے (یعنی افراط سے کام لیا) تو انہوں نے جفا کی اور بعض لوگ ان سے اونچے ہو گئے (یعنی تفریط کی) تو انہوں نے غلو سے کام لیا

اور بے شک یہ حضرات ان دونوں کے درمیان صراط مستقیم پر تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ العالی (مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور) لکھتے ہیں:

> اس لئے کہ سلف صالحین علوم سے واقف تھے کیونکہ انہوں نے مشکوۃ نبوت سے علم حاصل کیا تھا اور ان حضرات نے اپنی بصیرت کاملہ سے اس چیز سے روکا ہے ... یہ حضرات امور دین کی تحقیق اور تشریح میں بڑے مضبوط تھے اور یہ حضرات جن علوم و بصیرت کو اپنے اندر رکھتے تھے اس کی وجہ سے واقعی اس کشف اور تحقیق کے زیادہ اہل تھے۔ اگر تو ہدایت کی بات وہ ہے جس پر تم ہو (یعنی بجائے اثبات تقدیر کے انکار تقدیر) تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس بارے میں تم سلف صالحین پر سبقت لے گئے اور گویا وہ حضرات تم سے پیچھے رہ گئے۔ حاشا وکلا پچھلے لوگ اگلوں پر کیسے سبقت لے جاسکتے ہیں۔۔ خیر کی جانب سبقت لے جانے والے تو وہی حضرات ہیں۔ سو ظاہر ہے کہ ان ہی کی لائن درست ہو گی بعد والوں کی لائن کیسے درست ہو سکتی ہے۔۔۔ اور بلا ریب وشک یہ حضرات سلف صالحین اس افراط و تفریط کے درمیان اور صراط مستقیم پر تھے۔
>
> (الدر المنضود علی سنن ابی داؤد ج۶ ص۴۳۸)

مشہور حنبلی عالم حافظ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ (۷۵۲ھ) سے بھی سنئے آپ لکھتے ہیں:

ثم قام بالفتوى بعده برك الاسلام وعصابة الايمان وعسكر القرآن وجند الرحمن أولئك أصحابه ﷺ ألين الأمة قلوبا وأعمقها علما وأقلها تكلفا وأحسنها بيانا وأصدقها إيمانا وأعمها نصيحة وأقربها إلى الله تعالى وسيلة (اعلام الموقعین ج۱ ص۱۲)

یعنی جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد فتوے دینے کے شریف منصب پر اسلام کے ستون ایمان کے ارکان اللہ کے کلام کے لشکری خدائی فوج کے نوجوان

حضور ﷺ کے صحابہ قائم ہوئے جو سب سے زیادہ پاک دل اور سب سے زیادہ وسیع علم والے اور سب سے کم تکلف والے اور سب سے اچھے بیان والے اور سب سے سچے ایمان والے اور سب سے بڑھ کر خیر خواہ اور سب سے زیادہ خدا ترس اور خدا رس تھے۔

مفکر ملت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۲۰ھ) لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیار کئے ہوئے افراد میں سے ہر ایک نبوت کا شاہکار اور نوع انسانی کے لئے باعث شرف وافتخار ہے انسانیت کے مرقع میں بلکہ اس پوری کائنات میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین وجمیل اس سے زیادہ دلکش ودل آویز تصویر نہیں ملتی جو ان کی زندگی میں نظر آتی ہے ان کا پختہ یقین ان کا گہرا علم ان کا سچا دل ان کی بے تکلف زندگی ان کی بے نفسی ان کی خدا ترسی ان کی پاکبازی ان کی سخاوت ان کی شفقت ورافت اور ان کی شجاعت وجلالت ان کا ذوق عبادت ان کا شوق شہادت ان کی شہ سواری ان کی شب زندہ داری ان کی سیم وزر سے بے پروائی ان کی دنیا سے بے رغبتی ان کا عدل اور ان کا حسن انتظام دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا نبوت کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے جو انسانی افراد تیار کئے ان میں ایک ایک فرد ایسا تھا جو اگر تاریخ کی متواتر شہادتیں نہ ہوتیں تو ایک شاعرانہ تخیل اور ایک فرضی افسانہ ہوتا لیکن اب وہ ایک تاریخی حقیقت اور ایک مسلم الثبوت واقعہ ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔۔

جناب سلمان ندوی نے صحابہ کرام کی بعض بشری کمزوریوں سے جس طرح ان پر جرح کی ہے اس کا جواب بہت پہلے مسند الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۳۹ھ) دے چکے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ جو لوگ اس طرح کے مغالطات سے عام مسلمانوں کے دلوں میں صحابہ کے خلاف نفرت کا زہر بھرتے ہیں وہ کسی صورت امت کے خیر خواہ نہیں ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

علم عقائد کے متون میں جو مذکور ہے کہ صحابی کی شان میں طعن نہ کرنا چاہئے تو متون میں جو لکھا ہے وہ صحیح ہے لیکن کسی حدیث کی روایت جو متضمن ہو کسی وجہ کو وجوہ طعن سے خواہ بعض صحابہ کے بارے میں ہو تو اس روایت سے عقائد کے اس مسئلے میں کچھ حرج لازم نہیں آتا اور اصحاب متون کی یہ مراد نہیں کہ تمام صحابہ معصوم ہیں اور کوئی وجہ وجوہ طعن میں سے کسی صحابی میں نہیں اس واسطے کہ کسی صحابی کے بارے میں شرب خمر ثابت ہوا ہے اور حضور ﷺ نے ان پر حدود قائم کیا ہے اور حسان بن ثابتؓ اور مسطحؓ سے قذف کا صادر ہونا ثابت ہوا ان پر حد جاری ہوئی اور ماعز اسلمیؓ سے زنا صادر ہوا اور وہ رجم کئے گئے البتہ حضرات صحابہ بحیثیت صحابہ ہونے کے واجب الاحترام ہیں اہل اسلام کو چاہئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں طعن کی زبان دراز نہ کریں تاوقتیکہ ان میں سے کسی سے نفاق وارتداد قطعی طور پر معلوم نہ ہو۔

مثلاً ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حق میں صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے:

انك امرء فيك جاهلية (صحیح بخاری ج۱ ص۹)

تو ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں جاہلیت ہے۔

تو اس سے لوگوں کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ حضرت ابوذر مرد جاہل تھے۔ اور ایسا ہی ابو جہم رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو بہترین صحابہ میں سے ہے ان کے بارے میں وارد ہے۔

لا يضع عصاه عن عاتقه (تاریخ دمشق ج۸ ص۵۶ ش)

(ترجمہ)...وہ اپنے کندھے سے اپنی لٹھ نہیں اتارتا۔

یہ کنایہ ہے اس سے کہ آپ بہت زدوکوب اور سیاست اپنی عورتوں اور خادموں کی کرتے تھے۔ اس سے لوگوں کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ ابو جہمؓ مرد ظالم تھے بلکہ اگر ان سے اوپر نظر کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی شان میں اللہ تعالی کی جانب سے لفظ عتاب آمیز وارد ہوا تو امت کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان الفاظ کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام

کی شان میں کچھ کلام کرے۔ مثلا آدم علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے {وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی} اور آدم نے سرکشی کی اور نافرمان ہو گیا۔

حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام کو عاصی وغاوی کہنا کفر ہے اور مثلا کلام پاک میں ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

نہیں ہے معبود دیگر سوا ترے۔ پاک ہے تو۔ اور میں ظالموں میں سے ہوں۔

اور یہ بھی کلام پاک میں ہے:

اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ(۱۴۰) فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ(۱۴۱) فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ(۱۴۲) (پارہ ۲۳، سورہ صافات)

یہ آیتیں شان میں حضرت یونس علیہ السلام کے ہیں حالانکہ حضرت یونس علیہ الصلوۃ والسلام کی شان میں بھگوڑا اور ظالم اور ملیم کہنا کسی کے لئے جائز نہیں۔ متون کی عبارت بھی صحیح ہے کہ بلحاظ رعایت ادب کے امت کے افراد کو چاہئے کہ کسی صحابی کی شان میں طعن نہ کریں اور حدیث مذکور بھی صحیح ہے وہ باعتبار واقع کے ہے۔ اور یہی صحیح عقیدہ اہل سنت کا ہے۔ شکر اللہ سعیھم.

اور کتب اصول میں جو مرقوم ہے کہ الصحابة كلهم عدول یعنی سب صحابہ عادل ہیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ سب صحابہ آنحضرت ﷺ سے حدیث روایت کرنے کے بارے میں معتبر ہیں ہر گز صحابہ سے کذب روایات حدیث میں ثابت نہ ہوا۔ چنانچہ تجربہ و تحقیق سے ثابت نہ ہوا کہ کسی بارے میں صحابی نے کچھ دروغ کہا ہے نہ یہ کہ ان میں سے کسی سے کچھ گناہ کبھی نہ ہوا ہو۔ چنانچہ عنقریب بیان ہوا ہے کہ ان لوگوں میں سے بعض حضور میں آنحضرت ﷺ کے بسبب ارتکاب بعض کبائر کے محدود ہوئے البتہ صحابہ کبارؓ سے عمدا گناہ صادر نہ ہوئے وہ اس سے محفوظ رہے (فتاوی عزیزی ص ۲۱۶ اردو ترجمہ)

کون نہیں جانتا کہ صحابہ کرام کی فضیلت اور ان کی عزت و عظمت کی گواہی نہ صرف حضرت علی مرتضیٰؓ نے دی بلکہ تمام ائمہ اہل بیت بھی ہمیشہ صحابہ کے مدح خواں رہے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ

قرآنی ہدایت اور حضور ﷺ کی تاکید و تعلیم کی روشنی میں تھا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کی اس تصریح کے باوجود اگر کسی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا حضرت معاویہؓ کو ظالم اور فاسق کہے بغیر چین نہیں آتا تو انہیں اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ سیدنا حضرت حسنؓ کا کسی فاسق کو خلافت (بلکہ شیعہ عقیدہ کے مطابق امامت) تفویض کرنا اور اس سے بھرپور مالی مفادات حاصل کرنا کیا درست اقدام تھا ؟ کیا اس سے سیدنا حضرت حسن مجتبیٰؓ کی عزت و حرمت محفوظ رہے گی ؟ راقم الحروف تو شروع سے ہی یہ کہتا چلا آیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزتوں سے کھیلنے والے اور انہیں طنز و طعن کا نشانہ بنا کر ان پر تبرا پڑھنے والے اگر کبھی غور سے اپنے طرز عمل کا جائزہ لیں تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ ان کی زبان سے صحابہ کرام ہی نہیں اہل بیت نبوت کی عزت و حرمت بھی محفوظ نہیں ہے۔ فافهم وتدبر

اہل سنت کے ہاں خلافت اصول میں سے نہیں فروع میں سے ہے۔ یہ ایک عملی انتظام کی چیز ہے۔ عقد حکومت ایک انتظامی معاملہ ہے۔ مگر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلاف کو ماننا انتظام مملکت کی جہت سے نہیں، ان کی شخصیات مسلمہ کی جہت سے مسلمانوں پر فرض ہے۔ ان کی صحابیت، ان کا ایمان و اسلام اور ان کا تقوی و تزکیہ حضور اکرم ﷺ سے تواتر سے ثابت ہے اور پھر ان خلافتوں پر پوری امت کا اجماع ہے۔ اسلام میں اس اجماع کو قطعیت حاصل ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ سو انکار خلافت بجہت خلافت نہیں بجہت شخصیت شیخین کفر ہے۔ ملا علی قاری نے اس جہت سے انکار خلافت شیخین کو کفر قرار دیا ہے

لو أنكر خلافة الشيخين يكفر أقول وجهه أنها ثبتت بالاجماع من غير نزاع

(شرح فقہ اکبر 198)

{افادات: مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ}

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کا جواب

جناب سلمان ندوی نے حضرت۔۔۔ حضرت۔۔۔ حضرت حسان... لکھ کر ان پر حد قذف میں لگنے والی سزا کا ذکر کیا مگر انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ یہ کس دور کا واقعہ ہے؟۔ ان میں سے تینوں کو سزا ملی یا ایک کو؟ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے یا نہیں؟ اگر یہ واقعات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے ہیں اور آپ کے سامنے ہوئے ہیں تو کیا پھر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو برا سمجھا اور کہا؟ کیا آپ نے اپنے دیگر صحابہ کے سامنے بار بار اس کا ذکر کیا؟ کیا آپ انہیں ہر مجلس میں اس پر شرمسار کرتے رہے؟ کیا آپ نے کبھی ان کے بارے میں بدگمانی کی فضاء بنائی؟

جناب سلمان ندوی نے چونکہ حضرت حسانؓ بن ثابت کا نام لے کر ان کا ذکر چھیڑ ہی دیا ہے تو لیجئے یہ بھی دیکھ لیجئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کس نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ بن ثابت کو کفار کے مقابلہ پر اپنا نمائندہ نہیں بنایا؟ اور ان کے حق میں اس طرح دعا نہیں کی تھی؟

أجب عن رسول اللہ ﷺ أللهم ايده بروح القدس

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۵)

اے حسان میری طرف سے کفار کو جواب دے۔ اے اللہ روح القدس سے اس کی مدد کر۔

حضرت براء بن عاذب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان سے فرمایا

اهجهم أو هاجهم وجبرئيل معك (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۰۹)

اے حسان تو مشرکین کی ہجو کر اللہ کا فرشتہ جبرئیل تیرے ساتھ ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ کون مسلمانوں کی عزت کی حفاظت کرے گا؟ تو حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ نے کہا میں۔ حضرت کعب بن مالکؓ نے کہا میں

بھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کون اچھا شعر کہتا ہے؟ حضرت حسانؓ نے فرمایا میں۔ رسول اللہ نے فرمایا ان مشرکوں کی (بذریعہ اشعار) ہجو کر۔ روح القدس تیرے مدد کرے گا (تفسیر در منثور ج ۶ ص ۳۵۳)

حضرت عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ حضرت حسانؓ حضور ﷺ کی جانب سے مدافعت فرماتے تھے اس پر حضور ﷺ فرماتے ہیں:

ان الله يؤيد حسان بروح القدس ما يفاخر او ما ينافخ عن رسول الله ﷺ (سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۰۷)

بیشک اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعہ حضرت حسان کی مدد فرماتا ہے جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے مدافعت کرتے رہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ جو اس واقعہ سے براہ راست متاثر تھیں کیا انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں نے حضرت حسانؓ سے زیادہ عمدہ اور اچھے اشعار کہنے والا نہیں دیکھا سنا، اور مجھے ان کے جنتی ہونے کی پوری امید ہے۔

عن **عائشة** قالت ماسمعت بشئ أحسن من شعر حسان وما تمثلت به الا رجوت له الجنة (تفسیر ثعلبی ج ۹ ص ۲۹۲)

حضرت عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اس بات کو پسند نہیں کرتی تھیں کہ حضرت حسان کو برا کہا جائے

وكانت عائشة تكره ان تسب عندها وتقول انه الذى قال

فان أبي ووالدتي وعرضي لعرض محمد منكم وقاء

(تفسیر بغوی ج ۳ ص ۳۸۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سورہ شعراء کی آخری آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں:

{الا الذين آمنوا} بمحمد ﷺ والقرآن حسان بن ثابت وأصحابه {وعملوا الصالحات} الطاعات فيما بينهم وبين ربهم {وذكروا الله

كثيرا} فى الشعر {وانتصروا} بمحمد ﷺ واصحابه بالرد على الكفار {من بعد ماظلموا} هجو هجاهم الكفار {وسيعلم الذين ظلموا} هجوا النبى ﷺ واصحابه {اى منقلب ينقلبون} اى مرجع يرجعون فى الآخرة وهى النار يعنى ان لم يؤمنوا بطس والقرآن الحكيم (تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس ص۲۲۷)

مگر وہ لوگ (خدا کی گرفت سے بچیں گے) جو محمد ﷺ پر اور قرآن پر ایمان لائے جیسے حسان بن ثابت وغیرہ اور انہوں نے اچھے اچھے کام کئے اور انہوں نے اپنے اشعار میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی اپنے اشعار میں کفار کی تردید کرکے مدد کی بعد اس کے کہ کفار نے ان کی ہجو کی تھی اور عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی شان میں گستاخی کی ہے معلوم ہو جائے گا کہ آخرت میں کیسی مصیبت کی جگہ ان کو جانا ہے یعنی اگر وہ حضور ﷺ اور قرآن پر ایمان نہ لائے تو جہنم میں جائیں گے۔

سو جب حضور ﷺ نے حضرت حسانؓ پر کوئی جرح نہیں فرمائی اور نہ کسی مجمع میں ان کو برا بتایا اور خود ام المؤمنین حضرت عائشہؓ ان کے جنتی ہونے کی خبر دیتی ہیں تو اب کیا کسی کو حق پہنچتا ہے کہ عام مسلمانوں کو ان سے بدگمان کیا جائے اور شاعر رسول صحابی ہونے کی بناء پر ان کی جو عزت مسلمانوں کے دلوں میں ہے اس کو کھرچ کھرچ کر نکالا جائے؟

جن روایات میں یہ واقعات درج ہیں ان روایات کے ناقل محدثین نے کیا ان پر کبھی جرح کی ہے؟ اور ان کو مسلمانوں کی نظر اور ان کے دل سے گرانے کی کبھی کوئی کوشش کی ہے؟

جناب سلمان ندوی کے اس انداز بیان سے پتہ چلتا ہے کہ جن صحابہ سے کبھی کوئی لغزش یا کبیرہ گناہ ہوا بے شک اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہو، اور پیغمبر آخر الزمان ﷺ نے باوجود اس کے ان سب کا ادب واحترام کرنے کا حکم دیا ہو مگر سلمان ندوی انہیں معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں ،وہ ان سب کو پہلے خود ساختہ لفظ صحابی کی تعریف پر پرکھیں گے اگر وہ اس سے بچ گئے تو وہ صحابی...

نہ بچے تو پھر چونکہ یہ واقعات تاریخی کتابوں میں ہیں اس لئے وہ نادان مسلمانوں کو بتائیں گے کہ وہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب تھے، انہوں نے جرائم کا ارتکاب کیا تھا، پھر وہ چیخ چیخ کر اس بات کا بھی شور مچائیں گے کہ ان میں ظالم، قاتل، طاغی، باغی، عاصی اور فاسق بھی تھے اس لئے اب یہ فیصلہ جناب سلمان ندوی کریں گے کہ انہیں صحابی سمجھا جائے یا نہیں؟ اور ان کے کہنے کو ہی خدا رسول کی بات سمجھی جائے۔ ہے کوئی تک ان باتوں کا۔

حد قذف کی بات واقعہ افک کے وقت کی ہے اور یہ واقعہ ۵ ہجری میں پیش آیا تھا۔ کیا پھر اللہ تعالی نے ان سب کو معاف نہیں کر دیا اور حضرت ابو بکرؓ کو ان کی امداد جاری رکھنے کی ہدایت نہیں کی؟ کیا حضور ﷺ نے اس کے بعد حضرت حسان بن ثابتؓ سے بات چیت نہیں کی تھی؟ کیا ان کو دوسرے گروہ کا سمجھ کر آپ نے انہیں اپنے سے دور کر دیا تھا؟ کیا حضور ﷺ نے ان کے اشعار پر یہ نہیں کہا کہ اے اللہ اس کی روح القدس سے مدد فرما۔ جب اللہ تعالی نے (جو ان کے دلوں اور نیتوں سے واقف ہے) ان کو معاف کر دیا اور حضور اکرم ﷺ نے پھر ان کو کبھی برا بھلا نہیں کہا تو جناب سلمان ندوی اس پر بیشک تڑپتے پھڑکتے بھڑکتے رہیں مگر وہ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ وہ حضرت حسانؓ اور حضرت۔۔۔ حضرت۔۔۔ کو صحابی رسول مانتے ہیں یا نہیں؟ جھگڑا اس میں نہیں کہ انہیں حد قذف کی سزا ملی یا نہیں؟ بحث اس میں ہے کہ وہ اس سزا کے بعد صحابی رسول رہے یا نہیں؟ آپ انہیں صحابی مانتے ہیں تو پھر ان کی عزت لازم ہے ان کی کردار کشی جائز نہیں؟ اور اگر آپ انہیں صحابیت سے خارج سمجھتے ہیں تو کھل کر کیوں نہیں بتاتے؟

جب اللہ تعالی نے قرآن کریم میں حضور ﷺ کے صحابہ کی مدح فرمائی اور ان کے لئے حسنی کا وعدہ کیا اور ان سب کے سروں پر اپنی رضا کا تاج سجا دیا تو کیا اللہ تعالی کو ان کے مستقبل کا علم نہیں تھا۔ کیا اللہ پاک کو علم نہ تھا کہ میں جن صحابہ کو اپنی رضا کا پروانہ دے رہا ہوں اور ان سب کی مغفرت کر کے ان کے ساتھ جنت کا وعدہ کر رہا ہوں وہ اچھے کردار کے حامل نہیں رہیں گے۔ وہ حد قذف میں کوڑے کھانے والے ہوں گے، وہ باغیوں کے سردار ہوں گے، ان میں بقول جناب سلمان ندوی صحابہ کے قاتل بھی ہوں گے۔ ان میں ظالم بھی ہوں گے اور فاسق بھی۔ ان میں

سے حضور ﷺ کی قطعی ہدایت پر عمل نہ کرنے والے۔ اور آپ کے آخری وقت میں رکاوٹ ڈالنے والے بھی۔ میرے نبی کی تاکید کے باوجود جیش اسامہ میں نہ جانے والے بھی۔ میرے نبی کی نیابت وخلافت کے معاملہ پر حضرت علیؓ کو ساتھ نہ لے جانے والے بھی۔ حضور ﷺ کے قریبی عزیز اور آپ کے داماد پر تبرا بازی کرنے والے بھی ہوں گے۔ ان سب کے باوجود اللہ تعالی نے ان سب کو اپنی رضا کا پروانہ دے دیا تو کیا ہمیں کوئی بھی حق پہنچتا ہے کہ ہم ان کے بارے میں لب کشائی کریں، ان پر تبرا پڑھیں؟ اور مسلمانوں کو ان سے بدگمان کریں؟

شیعہ علماء سے جب قرآن کی ان آیات کا جن میں صحابہ کی تعریف ان کی مغفرت اور ان پر رب العزت کی رضا کی گواہی موجود ہے کا کوئی جواب نہیں بن پڑا تو انہوں نے اپنے عقیدے میں دو باتوں کا اضافہ کر دیا۔

(۱) عقیدہ بداء... خدا کے بارے میں بداء کا عقیدہ گھڑ لیا اور اسے ائمہ اہل بیت کی جانب منسوب کر دیا کہ اللہ تعالی کو مستقبل کے حالات کا علم اس وقت ہوتا ہے جب وہ واقعہ رونما ہوتا ہے۔ بیشک قرآن میں صحابہ کی مدح ہے اور ان کے لئے مغفرت اور جنت کی خوشخبری دی گئی ہے لیکن خدا کی یہ بات ان کے حال پر تھی مستقبل پر نہیں۔ اگر خدا کو مستقبل میں رونما ہونے والا واقعات کا پہلے سے علم ہوتا تو ان کے بارے میں مدحیہ آیات نازل نہ ہوتیں اور خدا ان سے کبھی جنت کا وعدہ نہ کرتا۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> بدء وعدے میں نہیں ہو سکتا کہ تخلف وعدہ اور کذب حق تعالی ثابت ہوتا ہے اور حق تعالی فرماتا ہے ان اللہ لا یخلف المیعاد۔ سو عذر بدتر اور گناہ ہوا مگر حیف ہے کہ شیعہ کو اپنی بات کی پچ میں کچھ پرواہ نہیں ہے۔
>
> (ہدایۃ الشیعہ ص ۱۳)

(۲) عقیدہ تحریف قرآن... شیعہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے قرآن میں صحابہ کی مدح نہیں فرمائی تھی یہ مدحیہ آیات خود صحابہ نے قرآن میں داخل کیں ہیں تاکہ ان کے جرائم کا کہیں ذکر نہ آئے۔ اصلی قرآن میں کہیں مدح صحابہ موجود نہیں ہے اور یہ قرآن امام مہدی کے پاس غار سر من رای

میں ہے جسے وہ قرب قیامت باہر لائیں گے جب تک وہ اصلی قرآن نہیں آتا اسی نقلی قرآن کو پڑھتے رہو اور صحابہ کی مدح میں تقیہ سے کام لیتے رہو۔ (معاذ اللہ)

قطب الارشاد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس پر لکھتے ہیں:

> شیعہ کا یہ کہنا کہ یہ آیت الحاقی ہے جامع قرآن نے بڑھادی سو اس شبہ واہی کا بھی حق تعالیٰ نے خود جواب فرمادیا ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون سو جس کی حفاظت کا حق تعالیٰ ذمہ دار ہو اس میں کوئی الحاق و تحریف و نقصان کس طرح کر سکتا ہے۔ اگر عقل ہو تو یہ بات بہت ظاہر ہے۔ (ہدایۃ الشیعہ ص ۱۲)

غور کیجئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں بدگمانی اور بدزبانی کا انجام کتنا خطرناک اور عبرتناک ہے۔ صحابہ کے بارے میں تاریخ کی بے ہودہ روایات سے ان کے جرائم کی فہرست بناتے اور بتاتے اسے یہ خیال نہیں آتا کہ وہ خود کتنا بڑا مجرم بن چکا ہے۔ اسی مجرمانہ ذہنیت سے بچانے کے لئے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی عزت و حرمت کی بار بار تاکید فرمائی اور ان کے بارے میں لب کشائی سے منع کر دیا کہ یہ تاریخ کا نہیں، ایمان و عقیدے کا مسئلہ ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

مسلمانوں کے موجودہ انحطاط کا باعث تحقیقات کی کمی نہیں محض تعلیمات کی کمی ہے ورنہ تحقیقات کا کون سا ایسا باب ہے جس میں ہمارے اسلاف و اکابر ہر پیاسے کو سیر اب نہ کر گئے ہوں۔ اور پھر عقائد جیسے نازک معاملات میں نئے نئے اجتہادات کی اختراعیں، یہ وہ راہیں ہیں جن سے اسلامی فکر و عمل کی شاہراہیں ہمیشہ گدلی ہوتی رہی ہیں

{افادات: مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ}

☆... حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام میں کوئی منافق نہیں تھا

جناب سلمان ندوی حضرت مولانا مفتی عتیق بستوی صاحب کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

آپ کا کہنا ہے کہ جو منافق تھے وہ صحابہ نہ تھے آپ منافقوں کی کوئی لسٹ بناسکتے ہیں۔ احد کے موقعہ پر تین سو بھگوڑے کون تھے؟ آپ کے پاس کوئی فہرست ہے؟ وہ مسلمان تھے مسلمان مرے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہوئے تو صحابہ کی تعریف ان پر منطبق ہورہی ہے کیا آپ کے پاس ان کے بارے میں علم غیب ہے...الخ۔ (ازالہ ص۱۹)

جواباً گذارش ہے کہ جو منافق تھے وہ صحابہ میں نہ تھے یہ بات صرف حضرت مفتی عتیق صاحب تو نہیں کہہ رہے ہیں یہ بات تو چودہ سو سال سے بیان ہوتی چلی آرہی ہے کہ منافق منافق تھے صحابہ صحابہ تھے۔ اب تک کسی نے (سوائے روافض کے) صحابہ کو منافق نہیں کہا اور نہ کسی منافق کو صحابہ کا لقب ملا؟ اور سوائے روافض کے کسی نے بھی صحابہ کرام کو اصلی اور جعلی میں تقسیم نہیں کیا۔ کیا جناب سلمان ندوی کے پاس کوئی ایسی فہرست ہے کہ مسلمان جن لوگوں کو ان کے نام کے ساتھ صحابہ لکھتے اور کہتے آئے ہیں وہ منافق تھے۔ اور امت نے ان کو منافقوں کی صف میں شمار کیا ہے؟ جیسے حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت معاویہ حضرت عبداللہ بن عباس حضرت ابوہریرہ حضرت عقیل حضرت عمرو بن العاص حضرت خالد بن ولید حضرت عقبہ بن ولید حضرت حسان بن ثابت حضرت حمنہ حضرت مسطح حضرت ابوہریرہ وغیرہم (رضی اللہ عنہم)۔

کیا آپ ان ناموں کی فہرست بناسکتے ہیں کہ علماء امت نے جن حضرات کو صحابی لکھا، کہا اور سمجھا ہے وہ حقیقت میں صحابی نہ تھے منافق تھے اور چودہ سو سال سے علماء امت جنہیں کھل کر صحابی لکھتے رہے اور ان کی عزت کرتے رہے ہیں وہ غلط کہتے تھے جبکہ حقیقت میں وہ منافق تھے مسلمان ہی نہ تھے؟ محدثین اور علماء نے صحابہ کرامؓ کے حالات اور ان کی سیرتوں پر کتابیں مرتب کی ہیں

کیا آپ ان میں سے وہ فہرست دکھا سکتے ہیں؟ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے صحابہ کو منافق بتانا اور منافقوں پر صحابہ کا لفظ چسپاں کرنا یہ شروع سے روافض کا انتہائی گھٹیا طریقہ تو رہا ہے اہل سنت کا کبھی نہیں رہا۔ جن لوگوں کے نفاق سے اللہ اور اس کے رسول نے پردہ کھول دیا ان کو کسی نے بھی صحابی نہیں کہا، خود حضور ﷺ نے بھی بعض اوقات ان کی تعداد بھی بتادی تھی اور یہ بھی بتادیا تھا کہ وہ قیامت تک منافق ہی رہیں گے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ سفر سے آرہے تھے کہ رستے میں ایک زور کی ہوا چلی آپ نے اس پر فرمایا کہ یہ ہوا ایک بڑے منافق کی موت سے چلی ہے۔

«بُعِثَتْ هَذِهِ الرِّيحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ» فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ، فَإِذَا مُنَافِقٌ عَظِيمٌ مِنَ الْمُنَافِقِينَ قَدْ مَاتَ (صحیح مسلم ج۴ص۲۱۴۵ش)

اور جن لوگوں کو حضور ﷺ نے اپنا صحابی کہا اور علماء امت نے پوری تحقیق کے بعد انہیں صحابی رسول بتایا انہیں (سوائے روافض کے) کسی نے منافق کہنے کی جرات نہیں کی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول گو مسلمانوں میں ملا جلا رہا مگر یہ بات سب پر کھلی تھی کہ وہ منافق ہے حتی کہ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ تک کو معلوم تھا کہ اس کا باپ منافق ہے اس نے بر سر عام اپنے باپ سے کہا کہ جب تک تم اس بات کا اقرار نہ کرلو کہ تم ذلت والے ہو اور رسول اللہ ﷺ عزت والے ہیں تب تک میں نہیں چھوڑوں گا۔ جب وہ مر گیا اور اس کی نماز جنازہ کی بات آئی تو حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کا جنازہ نہ پڑھانے کی درخواست کی حضور ﷺ نے اس کا جنازہ یہ کہہ کر پڑھادیا کہ مجھے اس بارے میں ابھی کوئی حکم خداوندی نہیں پہنچا۔ بعد ازاں حضور ﷺ پر وحی اتری اور آپ کو روک دیا گیا۔ (علماء نے اسکی اور بھی توجیہات بیان کی ہیں) اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ میں یہ بات غیر معروف نہ تھی کہ صحابی صحابی ہے منافق منافق ہے اور یہ بات خود صحابہ کی زبانی حدیث میں موجود ہے۔ ہاں اس میں بھی بعض لوگوں کا نفاق اس قدر باریک اور خفیہ تھا کہ اس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہ تھا۔ لا تعلمهم نحن نعلمهم ... الایۃ... پھر اللہ تعالی نے ان کے چہرے بھی کھول دئے اور حضور ﷺ نے اپنے رازدار

صحابی حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو اس کی خبر دے دی۔ اور آخر کار یہ بات واضح ہو کر رہی کہ صحابی کون ہے اور منافق کہاں کھڑا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ جناب سلمان ندوی کی یہ بات شیعہ علماء کی طرح ایک مغالطہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور صحابہ کرام کی جماعت میں خوامخواہ منافقوں کو گھسیڑنے پر کوئی شرم نہیں آرہی ہے۔

قرآن کریم میں منافقوں کی پہچان کے کچھ نشانات بتائے گئے ہیں جن سے ان کو پہچاننے میں زیادہ دقت نہیں اٹھانی پڑتی۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان منافق تھے (معاذ اللہ) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نفاق کا زہریلا پودا مدینہ میں اگا تھا مکہ میں نہیں، تو ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔ شیعہ جن صحابہ پر نفاق کی تہمت لگاتے ہیں ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا انہوں نے کبھی اپنا مال اور اپنی جان خدا کے لئے پیش نہیں کی؟ کیا انہوں نے اپنے بچوں کو دین پر قربان نہیں کیا؟ کوئی ایک منافق بتایئے جس نے خدا اور اس کے رسول کے لئے اپنا مال اپنی اولاد اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا ہو۔ اللہ نے ان کی ایک پہچان یہ بتادی کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر ایک روپیہ خرچ نہیں کرتے اگر حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان معاذ اللہ منافق ہوتے تو کیا وہ اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں لگاتے؟ کیا اسلام پیغمبر اسلام اور مسلمانوں نے ان کے مالوں سے نفع نہیں اٹھایا؟

حضرت الاستاذ حجۃ الاسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۴۱ھ) نے کس خوبصورت اور عالمانہ انداز میں صحابہ کرام اور منافقین کو الگ کر دکھایا ہے۔ اسے ملاحظہ فرمایئے۔ آپ لکھتے ہیں:

> قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ منافقین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے جاتے تو تھے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایمان لانے والوں سے وہ کچھ عملی اور سماجی فاصلے میں ہی رہتے تھے۔ اور ان کے طرز عمل پر چلنے سے انکار کر دیتے تھے۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس سماج میں مخلوط نہ ہوئے ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانی اقرار رسالت کے باوجود ان میں اور صحابہ کرام میں کچھ

سماجی فاصلے قائم رہتے ہوں، ورنہ ان نووارد دین کو ان پہلے مؤمنین کے طور پر ایمان لانے کی دعوت دینا، اور ان کا اس سے انکار کرنا اور انہیں ناپسند کرنا کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ کسی مخلوط سوسائٹی کے افراد کبھی آپس میں اس طرح دو حلقے نہیں بنتے، اور نہ وہ اس طرح ایک دوسرے سے نفرت رکھتے ہیں (معیار صحابیت ص۲۹)

حضرت الاستاذ آگے چل کر لکھتے ہیں

منافقین کو اللہ تعالی، اس کے رسول برحق ﷺ اور صحابہ کرام نے کبھی صحابہ میں سے نہیں سمجھا۔ انہیں بار بار وماھم بمؤمنین۔ کہا گیا ان کے دلوں میں ایمان نہ تھا، لیکن جن کے ایمان کی حضور ﷺ نے انہیں جنتی کہہ کر خبر دی ان کے ایمان میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالی نے مؤمنین سے خلافت کا وعدہ کیا تھا دنیا نے دیکھا کہ خلافت کن کن کو ملی۔ جن کو ملی وہ یقینا مؤمنین میں سے تھے، کیونکہ وعدہ ان پر پورا ہوا۔ خلفائے راشدین کے ایمان میں اب کیسے کسی کو کوئی شک ہو سکتا ہے۔ (معیار صحابیت ص۶۳)

حضرت الاستاذ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس صحابہ بھی رہتے اور منافق بھی کبھی آجاتے اور اپنے ایمان کا اظہار کرتے۔ اللہ تعالی نے صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ وہ مؤمن نہیں ہیں

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِين (البقرۃ۸)

اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے مگر وہ حقیقت میں مؤمن نہیں ہیں

ان منافقوں کا حضور اکرم ﷺ کے پاس آنا جانا اور اٹھنا بیٹھنا صحابہ کرام کے آپ کی معیت میں ہونے سے بالکل مختلف تھا۔ یہ آپس میں کبھی شیر و شکر نہ

ہوتے تھے۔ اسی لئے تو اللہ تعالی نے ان منافقون کے سامنے انہیں معیار ایمان ٹھہرایا۔ اگر حضور ﷺ کی سوسائٹی میں صحابہ اور منافق جداجدا نہ تھے تو پھر صحابہ کو ان کے سامنے بطور معیار پیش کرنا کیسا؟

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ (البقرة ۱۳)

(ترجمہ) اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ایسے ایمان لاؤ جیسے یہ لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ان بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ منافق ان دنوں بھی صحابہ کرام کو برا کہتے تھے (معیار صحابیت ص ۱۲۲)

اس کے باوجود بھی اگر سلمان ندوی پر یہی خبط سوار ہو کہ صحابہ میں منافق تھے اور وہ برے تھے تو کہتے رہیں۔ قرآن بتلاتا ہے کہ منافق ہمیشہ صحابہ کرام کو برا کہتے رہے ہیں۔

جناب سلمان ندوی کا یہ سوال بھی عجیب ہے کہ احد کے موقع پر تین سو بھگوڑے کون تھے؟ یہ تین سو بھگوڑے منافق تھے۔ ان میں صحابی کوئی بھی نہ تھا۔ اگر ان میں ایک بھی صحابی ہوتا تو مفسرین کبھی یہ نہ لکھتے کہ وہ تین سو منافق تھے جنہیں عبداللہ بن ابی سلول (اپنے اغراض فاسدہ کی وجہ سے) لے کر آیا اور پھر وہ خود ہی یہ کہہ کر واپس ان کو لے گیا کہ حضور ﷺ نے اس کی رائے کیوں نہیں مانی تھی۔ یہ تین سو لوگ ظاہرا مسلمانوں میں ملے جلے نظر آتے مگر حقیقت میں وہ منافقوں کے سردار ابن ابی بن سلول کے ساتھی تھے۔ حضور اکرم ﷺ اپنے سات سو صحابہ کے ساتھ احد میں موجود تھے ان میں ایک بھی منافق نہ تھا اور جو تین سو منافق تھے وہ جا چکے تھے اور ان میں ایک بھی صحابی نہ تھا۔ اللہ نے ان سب کا پردہ مسلمانوں پر فاش کر دیا تھا اور سب کو پتہ چل گیا کہ یہ جانے والے منافق تھے ان میں صحابی کوئی بھی نہیں ہے۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک شیعہ عالم کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور بعض منافق بھی صحابہ میں ملے رلے تھے ہر چند کہ ان کے نفاق کی خبر صحابہ کو تھی مگر حکم ظاہر پر تھا اور انجام کار سب متمیز ہو گئے تھے کس کا

حال مخفی نہ رہا تھا اور جو لوگ تبوک کے غزوہ میں بے ادبی کی قصد سے آئے تھے وہ بھی بعض صحابہ کو معلوم تھے اور جو پتہ ان کی موت کا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ویسا ہی سب نے دیکھا اور تصدیق ان کی ہو گئی اب تفسیر کشاف جار اللہ معتزلی کی ہم کو دیکھنی یا استیعاب کا دیکھنا کچھ ضروری نہیں اور نہ اس واسطے حاجت بخاری کی ہے سب اہل سنت جانتے ہیں مگر استیعاب و بخاری سے تم نے یہ نہ لکھا کہ کس مقام پر ان کتابوں میں ان منافقوں کے نام درج کئے ہیں ؟ تا کہ آپ کا مافی الضمیر معلوم ہوتا ۔ایسے مہمل اشارات سے تو کچھ کام نہیں چلتا چند آدمی اہل نفاق جن کا نام ان کتابوں میں ہے عبد اللہ بن ابی اور ذو الخویصرہ اور جد بن قیس ہیں یہ تو سب کے نزدیک منافق ہیں پھر کتاب کا دیکھنا کیا ضرور؟

مگر تم نے اگر اپنے عقیدہ فاسدہ کے معین کوئی بات اس میں گھڑی ہے تو اس کا اظہار ضروری تھا تا کہ تم کو اس کا جواب وافی ملتا مگر بخاری سے کچھ کام نہ چلتا لہذا آئیں غائیں دے گئے اپنے نزدیک آپ نے ان پڑھ کو دھوکہ دیا ہے۔(ہدایۃ الشیعہ ص۳۹۔ فتاوی رشیدیہ ص۵۷۱)

حضرت قطب الارشاد اس سے پہلے یہ بھی لکھ آئے ہیں:

قرآن شریف اور احادیث عترت سے ثابت ہوا کہ سب صحابہ عدول مقبول تھے، نہ کوئی منافق تھا نہ مرتد اہوا، مگر وہی چند رجال جنہیں صحابہ بھی منافق پہچانتے تھے۔(ایضاص۵۵۰)

اس طرح کے دیگر حالات اور واقعات سے ناموں کی تصریح کے بغیر یہ پراپیگنڈہ کرنا کہ صحابہ میں منافق تھے ایک مغالطہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔اس سے جاہل اور ان پڑھ مسلمان تو کسی مغالطے میں آسکتے ہیں مگر جن لوگوں کو پتہ ہے کہ شیعہ علماء جن صحابہ کا نام لے کر انہیں منافق کہتے ہیں اور گلے پھاڑ پھاڑ کر ان کی صحابیت پر حملہ کرتے ہیں وہ ہر گز ہر گز منافق نہ تھے وہ حضور ﷺ کے اس درجے کے ساتھی صحابی تھے جن کی نظیر ان سے قبل نہ آسمان نے دیکھی اور نہ کبھی آسمان ان کے بعد دیکھے گا۔

قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ جن لوگوں نے صحابہ کرام پر جس قسم کے بول بولے اللہ رب العزت نے ان کو اسی لفظ سے جواب دیا ہے۔ صحابہ کو سفہاء کہنے والوں کو سفہاء کا جواب آسمان سے ملا ہے۔ اس سے ہمیں پختہ یقین ہے کہ جن لوگوں نے حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام پر نفاق کی تہمت لگائی اور ان کے کردار کو داغدار کہا ان کے اسلام کو مشکوک قرار دیا۔ رب العزت کی طرف سے وہ اسی الفاظ کے مستحق بنیں گے۔

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

حضرت الاستاذ علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی ایک شیعہ مجتہد کے جواب میں لکھتے ہیں:

> منافقین کبھی بھی نہ حضور ﷺ کی زندگی میں اور نہ آپ کے بعد کبھی امور مسلمین پر قابض اور ان کے متولی اور متصرف رہے۔ ہمارا شیعوں سے اختلاف منافقوں کے وجود پر نہیں۔ اس پر ہے کہ اسلام کی پوری تاریخ میں مسلمانوں کی باگ دوڑ کبھی منافقوں کے قبضے میں نہیں رہی اور قرآن کریم نے جو خبر دی تھی منافقین اب تیرے شہر میں بھی تیرے ساتھ نہ رہ سکیں گے حرف بحرف پوری ہوئی۔ رہے کمزور درجے کے منافقین یا بعض علامات نفاق کے حاملین تو وہ بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت میں اپنے عبرتناک انجام کو پہنچے اور نظام حکومت اپنی پوری شان سے منہاج نبوت پر جلوہ پیرا ہوا اور دنیا نے جاء الحق وزھق الباطل کا پھیریرا پوری قوت سے اڑتا دیکھا۔ (تجلیات آفتاب ج ا ص ۶۱)

جناب سلمان ندوی نے صحابہ اور منافقین کو آپس میں خلط ملط کر کے ان پڑھ مسلمانوں اور کچے ذہن کے طالبعلموں کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ صحابہ کرام کے خلاف نفرت پیدا کرنے اور مسلمانوں کے دلوں سے ان کی عزت ختم کرنے کے لئے شیعہ علماء ہمیشہ سے یہ جال پھینکتے رہے ہیں مگر وہ اب تک یہ بات ثابت نہیں کر پائے کہ علماء اہل سنت جن حضرات کے صحابی رسول ہونے کے مدعی ہیں وہ معاذ اللہ منافق اور دائرہ اسلام سے باہر تھے۔

جناب سلمان ندوی اس باب میں علماء اہل سنت کے ساتھ کھڑے ہیں یا اثنا عشری مجتہدین کے

ساتھ ؟ وہ خود بتا سکتے ہیں، محض یہ کہہ دینا کہ صحابہ میں منافق تھے ان پڑھ لوگوں کو تو مغالطہ دیا جاسکتا ہے حقائق کی دنیا میں اس کا کوئی وزن نہیں ہے۔

۱۳ اگست ۱۹۹۱ء کو کراچی (پاکستان) کے شیعہ ذاکر اور خطیب محمد محسن اجتہادی نے شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ تعالی کی خدمت میں ایک طویل خط لکھا جس میں دیگر موضوعات کے ساتھ ایک موضوع صحابہ اور منافقین تھا، شیعہ عالم اجتہادی صاحب کا کہنا تھا کہ صحابہ میں منافقین بھی تھے اور وہ حضور ﷺ کے پاس آتے جاتے تھے پھر موصوف نے چند واقعات اور جنگ جمل و صفین سے استدلال کر کے صحابہ کو اپنے طعن کا نشانہ بنایا تھا

حضرت شہید اسلام رحمہ اللہ تعالی نے شیعہ عالم جناب اجتہادی صاحب کے اس خط کے جواب میں جو خط تحریر فرمایا وہ ساڑھے چھ سو صفحات پر مشتمل ہے جو بعد ازاں بولتے حقائق کے نام سے کتابی صورت میں مکتبہ لدھیانوی کراچی نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں حضرت مولانا موصوف کی وہ مدلل اور لاجواب تحریر جو صحابہ کرام اور منافقین کے عنوان سے آپ نے تحریر فرمائی ہیں (وہ ۶۳ صفحات پر مشتمل ہیں) مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوا کہ اس کا کچھ حصہ پیش نظر کتاب کی زینت بنالیا جائے تا کہ وہ لوگ جو جناب سلمان ندوی اور ان جیسے دیگر بزعم خود دانشور کے صحابہ کرام کے بارے میں پیدا کئے گئے مغالطے کا شکار ہو جاتے ہیں انہیں پتہ لگ جائے کہ علماء امت نے جن حضرات کو صحابی رسول ﷺ کے معزز لقب سے یاد کیا ہے اور صحابی رسول کے نام سے جو حضرات معروف ہوئے ان میں کوئی بھی منافق نہیں تھا اور جو منافق تھے ان کو کسی نے صحابی رسول کہا، نہ لکھا، نہ سمجھا اس لئے یہ کہنا کہ صحابہ میں منافق تھے در حقیقت تمام صحابہ کرام پر بد اعتمادی اور بد گمانی کی راہ ہموار کرنا ہے۔ جو بالآخر ایک مسلمان کو بد زبانی، بد عقیدگی اور بے ایمانی پر لاتی ہے جس کا انجام سوائے آخرت کی بربادی کے اور کچھ نہیں ہے۔ استغفر اللہ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیعہ عالم کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

آپ نے پہلے نکتے میں منافقین کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ صحابہ کرام کے تذکرے میں منافقین کا قصہ لے بیٹھنا نہایت دلآزار مغالطہ اور ابلہ فریبی ہے کیونکہ اس کا حاصل یہ ہوا کہ چونکہ حضور

اکرم ﷺ کے زمانے میں منافق بھی تھے اور چونکہ وہ اپنے نفاق میں ایسے پکے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو بھی ان کے نفاق کا علم نہیں ہوسکا اور چونکہ بعض منافق ایسے تھے کہ بعض مصالح کی بناء پر ان کے نفاق کا علم ہو جانے کے باوجود ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جاتا تھا لہٰذا ہر صحابی کے بارے میں یہی رائے رکھی جائے کہ وہ نعوذ باللہ منافق تھا اور آنحضرت ﷺ یا تو اس کے نفاق کو جانتے نہیں تھے یا اس کے ذی اثر ہونے کی وجہ سے مصلحت کی بناء پر تقیہ فرماتے تھے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ فرماتے تھے۔ یہ ہے وہ ناحق وسوسہ جس کی بنیاد عبداللہ بن سبا نے رکھی اور جو روافض کے سلب ایمان کا موجب ہوا اسی وسوسے کی بناء پر انہوں نے حضرات خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم تک کو منافقین کی فہرست میں شامل کرلیا اور آنجناب (یعنی شیعہ عالم) نے بھی بظاہر بڑے معصومانہ انداز میں اسی پر فریب سبائی وسوسے کی ترجمانی فرمائی ہے لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دین و دیانت اور عقل و فہم کا کوئی شمہ نصیب فرمایا ہو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منافقین کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی کبھی جرات نہیں کرے گا کیونکہ

(۱) اولا... قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بے شمار فضائل و مناقب اور ان کے ظاہری و باطنی کمالات بیان فرمائے گئے ہیں اجمالا بھی اور تفصیلا بھی تلویحا بھی اور تصریحا بھی کسی کے نام کی تعیین کے بغیر بھی اور ایک ایک کے نام کی تعیین کے ساتھ بھی۔ جبکہ دوسری طرف قرآن کریم میں بھی اور احادیث شریفہ میں بھی منافقوں کی شدید ترین مذمت کی گئی ہے ان کے اقوال و افعال پر نفرین کی گئی ہے ان کی دنیوی و اخروی سزاؤں کو ذکر کیا گیا ہے اور انہیں الدرك الاسفل من النار یعنی دوزخ کے سب سے نچلے طبقے کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

ان دونوں قسم کی آیات اور احادیث کو سامنے رکھئے۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے جیسا کہ آپ نے سبائی وسوسے کے ذریعے یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو کچھ علم نہیں تھا کہ کون آپ کے مخلص صحابی ہیں اور کون منافق ہیں؟ تو گویا کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ قرآن و حدیث میں کن حضرات کی مدح و ستائش فرمائی جارہی ہے؟ اور کن لوگوں کی مذمت و نکوہش

بیان ہو رہی ہے؟ فرمایئے کیا آپ اس اندھیر نگری کو اللہ تعالی اور اس کے مقدس رسول اللہ ﷺ کے حق میں جائز رکھتے ہیں؟

ثانیا... میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی بدبخت ملعون خارجی نعوذ باللہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ اور ان کے تین رفقاء کے بارے میں جن کو شیعہ مخلص صحابی مانتے ہیں یہی یاوہ گوئی کرے اور ان آیات کو جو منافقین کے حق میں وارد ہیں ان اکابر پر چسپاں کرنے لگے اور آنحضرت او کے جو ارشادات ان اکابر کی فضیلت ومنقبت میں وارد ہیں ان کے بارے میں یہ کہے کہ یہ محض لوگوں کے خود ساختہ اور من گھڑت ہیں یا ان کو تقیہ پر محمول کرے تو فرمایئے کہ اس ملعون خارجی کا کیا علاج کیا جائے گا؟ اور اس کا یہ طرز عمل گستاخی میں شمار ہو گا یا نہیں؟ اگر حضرت امیرؓ اور ان کے دو چار رفقاء کے بارے میں یہ دعوی اور یہ طرز عمل نہایت دلآزار اور کفر آمیز گستاخی ہے تو روافض آل سبا کا ان آیات مقدسہ کو حضرات ثلاثہ اور جلیل القدر مہاجرین وانصار اور پوری جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم پر چسپاں کرنا کیا اس سے بدتر گستاخی نہیں؟

الغرض آنحضرت اکے زمانے میں بلاشبہ معدودے چند منافقین بھی تھے مگر منافقوں کو صحابی کون احمق کہتا ہے اور منافقوں کے حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کیچڑ اچھالنے کے آخر کیا معنی ہیں؟ آنجناب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرے میں منافقوں کا حوالہ دینے کی ضرورت آخر کیسے لاحق ہوئی؟

ثالثا... یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ اگر آنحضرت ا ان منافقین کو نہیں جانتے تھے تو سوال یہ ہے کہ روافض آل سبا کو کہاں سے وحی ہو گئی کہ حضرات خلفائے ثلاثہ عشرہ مبشرہ اور اکابرین مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم۔ نعوذ باللہ۔ منافق تھے؟

پہلی شہادت ... آنجناب نے منافقوں کے بارے میں قرآن مجید کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے اگر آنجناب فہم وانصاف سے اس پر غور فرمائیں گے تو معلوم ہو گا کہ خود یہی آیت شریفہ شہادت دے رہی ہے کہ حضرات مہاجرین وانصارؓ میں کوئی منافق نہیں تھا جیسا کہ میں اوپر (عنوان۔ صحابہ کرام واجب الاتباع ہیں) کے زیر عنوان تیسری آیت (سورہ توبہ

۱۰۰۔۱۰۱) کے ذیل میں اس طرف اشارہ کر آیا ہوں۔

شرح اس کی یہ ہے کہ سورہ التوبہ کی آیت ۱۰۰ میں حضرات سابقین اولین مہاجرین وانصارؓ کی اور ان کے متبعین بالاحسان کی مدح فرمائی اور ان کے بارے میں چار وعدے فرمائے (۱) اللہ تعالی ان سے راضی ہوا (۲) وہ اللہ تعالی سے راضی ہوئے (۳) اللہ تعالی نے ان کیلئے جنتیں تیار کر رکھی ہیں ۴۰) وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے... اور پھر فرمایا کہ ان درجات عالیہ کا حصول وہ عظیم الشان کامیابی ہے جس سے بڑھ کر کسی کامیابی کا تصور نا ممکن ہے۔

اس کے بعد آیت ۱۰۱ میں انہی مہاجرین وانصار کو مخاطب کر کے فرمایا جارہا ہے کہ تمہارے گرد وپیش کے دیہاتیوں میں کچھ منافقین ہیں اور اہل مدینہ میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو نفاق میں پختہ ہیں اے نبی آپ ان کو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں۔ ہم ان کو بہت جلد دہرا عذاب دیں گے پھر ان کو بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔

یہ آیت شریفہ تین وجہ سے اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ مہاجرین وانصار میں کوئی منافق نہیں تھا۔

(۱) پہلی وجہ... یہ کہ اس آیت میں خود مہاجرین وانصار کو مخاطب کر کے فرمایا جارہا ہے کہ تمہارے گرد وپیش کے دیہاتیوں میں کچھ منافق ہیں اور کچھ اہل مدینہ میں ایسے لوگ ہیں جو نفاق میں پختہ ہیں۔ اہل عقل جانتے ہیں کہ مہاجرینؓ وانصارؓ کو مخاطب کر کے کسی تیسرے فریق کی اطلاع دی جارہی ہے لہذا ان کو منافقین کی اطلاع دینا اس امر کی دلیل ہے کہ سابقین اولین مہاجرین وانصار میں کوئی منافق نہیں تھا بلکہ منافقوں کا ٹولہ ان دونوں فریقوں کے علاوہ تھا جس کی ان حضرات کو اطلاع دی جارہی ہے۔

(۲) دوسری وجہ... یہ کہ منافقوں کی دو قسمیں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک گرد وپیش کے دیہاتی اور دوسرے مدینہ کے قدیم باشندے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بالخصوص مہاجرین اولین میں کوئی منافق نہیں تھا کیونکہ ان کا شمار نہ تو گرد وپیش کے دیہاتیوں میں ہوتا ہے نہ مدینے کے قدیم باشندوں میں۔ لہذا ثابت ہوا کہ مہاجرین میں ایک شخص بھی منافق نہیں تھا۔

(۳) تیسری وجہ... یہ کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو دو مرتبہ عذاب دینے کی دھمکی دی (ایک مرتبہ دنیا میں اور دوسری مرتبہ قبر میں) اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرات مہاجرین وانصارؓ کو دنیا میں کوئی عذاب نہیں ہوا بلکہ وہ اپنے آخری لمحات تک اعلائے کلمۃ اللہ اور خدمت دین میں مشغول ومظفر ومنصور رہے اس سے ثابت ہوا کہ ان حضرات میں کوئی منافق نہیں تھا ورنہ وعدہ الٰہی کے مطابق یہ حضرات۔ نعوذ باللہ۔ ضرور معذب ومخزول ہوتے۔

دوسری شہادت... انہی مہاجرین وانصار کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ نے اسی سورہ توبہ میں دوسری جگہ فرمایا:

> (ترجمہ) اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے پھر مہربان ہوا ان پر بیشک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا (التوبہ ۱۱۷)

اس آیت شریفہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خاص عنایت خداوندی جو آنحضرت ﷺ کے شامل حال تھی اس سے وہ حضرات مہاجرین اور انصار بھی بہرہ یاب تھے جو غزوہ تبوک میں آنحضرت ﷺ کے رفیق تھے ظاہر ہے کہ کوئی منافق اس عنایت خاصہ سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

حضرت مولانا موصوف سورہ انفال کی آیت نمبر ۷۴ اور اس کا ترجمہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں:

تیسری شہادت... قرآن کریم کی اس قطعی شہادت کے بعد ان حضرات کے حق میں یہ یاوہ گوئی کرنا کہ وہ منافق تھے اور جو آیات منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ان کو ان حضرات پر چسپاں کرنا خود سوچئے کہ یہ قرآن کریم کی تکذیب ہے یا نہیں؟

حضرت مولانا موصوف سورہ حشر کی آیت نمبر ۸ یا ۱۰ اور اس کا ترجمہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں:

چوتھی شہادت... اہل ایمان کے تین طبقات کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے گیارھویں آیت سے منافقین کا ذکر شروع فرمایا ہے اس تفصیل سے چند امور کھلے طور پر ثابت ہوئے

اول... یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان آیات شریف میں حضرات مہاجرین وانصار کے ایمان واخلاص کی قطعی شہادت دی ہے اہل ایمان کو تو شہادت خداوندی کے بعد کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی

نہیں رہ جاتی لیکن شیعہ حضرات اس ربانی شہادت کے بعد بھی ان پر نفاق وارتداد کی تہمت دھرتے ہیں۔ انصاف کیا جائے کہ اللہ تعالی کی گواہی کو قبول کرنے والوں کا اسلام میں کتنا حصہ ہے؟

دوم... اللہ تعالی اولئک هم الراشدون فرما کر ان حضرات کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے جو بالاتفاق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رسول اللہ کہتے تھے اگر یہ حضرات اپنے قول میں سچے تھے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کا خلیفہ برحق ہونا ثابت ہوا اور اگر یہ حضرات اس قول میں جھوٹے تھے تو گویا۔ نعوذ باللہ۔ قرآن نے جھوٹوں کو سچا کہا۔

سوم... اللہ تعالی نے ان آیات شریفہ میں قیامت تک کی امت کے تین طبقے ذکر فرمائے ہیں (۱) مہاجرین (۲) انصار (۳) اور بعد کے لوگ جو ان مہاجرین وانصار کے لئے دعائیں کرتے ہیں اور ان سے کینہ نہیں رکھتے۔ اس تقسیم سے معلوم ہوا کہ جو شخص ان تینوں میں داخل نہ ہو وہ امت مسلمہ سے خارج ہے۔

حضرت رحمہ اللہ آگے ملا فتح اللہ کاشانی شیعی کی منہج الصادقین اور حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کا اس آیت پر بیان نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قرآن کریم کی ان شہادتوں سے بخوابی واضح ہے کہ حضرات مہاجرین وانصارؓ مین سے کوئی منافق نہیں تھا اس لئے آل سبا کا یہ کہنا کہ یہ حضرات منافق تھے۔ نعوذ باللہ۔ قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے حضرات خلفائے راشدین حضرات مہاجرین وانصار کی رئیس وامام تھے اب اگر مہاجرین وانصار اہل ایمان تھے (اور بلاشبہ اہل ایمان تھے) تو خلفائے ثلاثہ رئیس المہاجرین اور امام المسلمین تھے بے شمار نصوص سے ان کا مؤمن عند اللہ ہونا ثابت ہے۔ (بولتے حقائق ص ۴۳۰)

حضرت مولانا اس مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں:

> آنحضرت ﷺ کے مقدس صحابہ سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں اول تو وہ معدوم کے حکم میں ہیں پھر ان سے توبہ وانابت ثابت ہے جس سے گناہ مٹ جاتا ہے اور اس کی جگہ نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ آپ حضرات کے لئے یاران نبی کے عیوب مزے لے لے کر بیان کرنا ایک لذیذ مشغلہ ہے لیکن

اس ناکارہ کے لئے ان الفاظ کا سننا بھی شدید مجاہدہ ہے آپ کی نظر صفائی انسپکٹر کی طرح ہمیشہ گندی جگہوں پر ہی جاتی ہے اور اس ناکارہ کو حسن محبوب ﷺ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اب میں اپنی نظر کو کیا کروں اور آپ کو اپنی نظر کہاں سے خرید کر لادوں؟(ایضاص۴۹۳)

امید ہے کہ وہ لوگ جو بار بار صحابہ میں منافق تھے کہہ کر صحابہ کرام کی پوری جماعت کو نشانہ طعن بناتے ہیں حضرت مولانا موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان پر غور کریں گے اور صحابہ کرام کی کردار کشی اور ان کی ذوات عادلہ پر تہمتیں لگا کر اپنی آخرت برباد کرنے سے بچیں گے۔

☆...اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

جناب سلمان ندوی نے حضرت مولانا مفتی عتیق بستوی صاحب سے اپنے ازالہ کا جلد جواب مانگتے ہوئے یہ کہہ کر دھمکی بھی دی ہے

براہ کرم ان کے جوابات جلد دے دیں تاکہ پھر میں دوسری قسط جاری کروں اور دوسرا سوالنامہ ارسال کروں۔(ازالہ ص۱۸)

موصوف کی اس دھمکی سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے رسالہ ازالہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ کسی غلط فہمی کی بناء پر نہیں لکھا اور نہ ہی ان کا مقصد ان روایات اور واقعات کی حقیقت معلوم کرنا ہے اگر ایسا ہوتا تو وہ کم از کم حضرت مفتی عتیق صاحب یا کسی اور کے جوابات کا انتظار کرتے، اگر غلط فہمی تھی تو دور کرتے، یا اس کی مزید وضاحت مانگ لیتے مگر تو یہاں معاملہ اس کے الٹ ہے ،اب ظاہر ہے حضرت مولانا مفتی عتیق احمد بستوی صاحب دامت برکاتھم ان کے اعتراضات کا جواب دیں نہ دیں، موصوف کے جھوٹ اور غلط بیانیوں کی حقیقت کھولیں یا نہیں، اس سے موصوف کو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ موصوف تو صحابہ کرام پر طنز وطعن اور ان کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے کے لئے دوسری قسط بھی تیار کئے بیٹھے ہیں اور ہمیں صرف خدشہ نہیں یقین بھی ہے کہ اب ان کے طنز وطعن اور سب وشتم کا نشانہ جلیل القدر صحابہ ہوں گے۔ اور ان کی کوشش ہوگی کہ جس طرح شیعہ علماء اور ان کے ذاکرین اکابر صحابہ کا نام لے کر ان کی ذات پر حملہ کرتے

ہیں یہ بھی اشاروں کنایوں کے بجائے اب کھل کر ان کا نام لیں گے، انہیں اپنے طعن کا نشانہ بنائیں گے، اور ان کے خلاف زہریلا پراپیگنڈہ کرنے کے لئے پھر ایک مرتبہ غلط بیانی سے کام لیں گے، اور بعض واقعات کی حقیقت مسخ کر کے مسلم نوجوانوں کے دلوں میں صحابہ کرام کی وقعت ختم یا کم کرنے کا انہیں جو ٹاسک ملا ہے اسے پورا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑیں گے۔ اور ہمیں اس بات کا بھی شدید اندیشہ ہے کہ جناب سلمان ندوی موصوف روافض کی طرح کہیں آئندہ قرآن کریم کو بھی اختلاف کی نذر نہ کر دیں (معاذ اللہ)

حضور اکرم ﷺ کے جلیل القدر صحابہ کرام پر طعن اور ان کے پاکیزہ کردار پر جارحانہ حملے کوئی نئے نہیں ہیں۔ ملا کلینی ملا مجلسی ملا خمینی اور پاک وہند کے متعصب شیعی علماء کی کتابیں اس پر بھری پڑی ہیں اور ان میں جو کچھ موجود ہے اس سے صرف جلیل القدر صحابہ ہی نہیں بلکہ خدا رسول قرآن اور پورا دین ہی نشانہ طعن بن جاتا ہے۔ اس لئے کہ صحابہ دین کے ناقل ہیں اور جب یہ بات کہی جائے کہ صحابہ کریکٹر کے اچھے نہ تھے، ان میں ظالم، جائر، قاتل، منافق اور دین فروش تھے انہوں نے اہل بیت کے حقوق غصب کئے، ان پر ظلم ڈھایا، انہوں نے قرآن کو اپنی مرضی کے مطابق بدل دیا، تو ایمانداری سے بتلایئے کہ کیا صحابہ باقی امت کے لئے معیار حق مانے جاسکتے ہیں؟ اور کیا اس سے پورے دین کا ڈھانچہ نہیں ہل جائے گا؟ دین پر بداعتمادی پیدا کرنا کیا کسی مسلمان کا کام ہو سکتا ہے؟

آخر کوئی تو وجہ ہے کہ قرآن کریم اور نبی آخر الزمان ﷺ نے صحابہ کا مقام متعین کر دیا ہے، ان کو امت کا بہترین طبقہ کہا ہے، ان کے اوصاف ان کی خصوصیات اور باقی امت کے لئے ان کو نمونہ بنا کر ان کے پیچھے پیچھے چلنے کا حکم دیا اور ان سے الگ ہو کر چلنے والوں کو جہنم کی طرف چلنا قرار دیا، ان پر انگلی اٹھانے سے منع کیا ہے، ان کی محبت کو اپنے ساتھ محبت، اور ان سے بغض وعداوت کو پیغمبر کے ساتھ بغض وعداوت بتلایا، ان پر طعن کرنے والوں پر لعنت کرنے کا حکم دیا، صحابہ کے خلاف جو زبان برائی سے کھلے اس کو اسی زبان میں جواب دینا سکھایا، اور ببانگ دہل بتلا دیا کہ اللہ نے تمام صحابہ کے ساتھ جنت کا وعدہ فرمایا ہے، اور اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اور علمائے امت

بیک زبان کہہ گئے کہ صحابہ کا ذکر خیر سے کیا جائے، ان کی عزت کی جائے، ان کے احسانات یاد رکھے جائیں، ان کو اپنی دعاؤں میں یاد کیا جائے، ان کا اتباع کیا جائے، ان سے بد گمانی اور ان پر بد اعتمادی نہ کی جائے، ان کے آپس کے تنازعات کو ان کے اجتہاد کا نتیجہ سمجھا جائے۔ اور اسے ان کی بد نیتی اور نفسانی خواہشات نہ کہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے حفظ حقوق کی وصیت فرمائی ہے۔ یہ بات حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس طرح بتائی ہے

قال علی رضی اللہ عنہ اللہ اللہ فی اصحاب نبیکم ﷺ فانہ اوصی بھم (الصواعق المحرقۃ ص۵)

اے لوگو حضور ﷺ کے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو کیونکہ آپ ﷺ نے ان کے حقوق کی حفاظت کی وصیت فرمائی ہے۔

(نوٹ) سیدنا حضرت علی مرتضی نے صحابہ کی عزت کے بارے میں الفاظ کہاں سے لئے ؟ حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد مبارک سے جس کو خطیب جمعہ کے خطبہ میں پڑھتے ہیں «اللَّهَ اللَّهَ فِي أَصْحَابِي»۔ افسوس کہ جناب سلمان ندوی صحابہ بیزاری میں اس دور تک چلے گئے کہ اسے ضعیف اور بے ثبوت کہہ دیا (ازالہ ص۱۸) یہ بات تو ۳۵ سال سے علوم حدیث کا شغل رکھنے والا ہی بتا سکتا ہے کہ ضعیف اور بے ثبوت کیا ایک ہی چیز کا نام ہے یا ان دونوں میں فرق ہے ؟

حضور اکرم ﷺ کی عزت کا تقاضا ہے کہ صحابہ کی عزت کی جائے، نہ یہ کہ چیخ چیخ کر صحابہ کے ایمان اور ان کے کردار پر حملہ کیا جائے، مالکی عالم قاضی عیاض بن موسی الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:

ومن توقیرہ ﷺ توقیرأصحابہ وبرھم ومعرفۃ حقھم والاقتداء بھم وحسن الثناء علیھم والاستغفار لھم والامساك عما شجر بینھم ومعاداۃ من عاداھم والاضراب من اخبار المؤرخین وجھلۃ الرواۃ

وضلال الشيعة والمبتدعين القادحة فى احد منهم وأن يكتمس لهم فيما نقل عنهم من مثل ذلك فيما كان بينهم من الفتن أحسن التاويلات ويخرج لهم أصوب المخارج إذ هم أهل ذلك ولا يذكر أحد منهم بسوء ولايغمص عليه أمر بل تذكر حسناتهم وفضائلهم وحميد سيرهم ويسكت عما وراء ذلك۔ كما قال ﷺ وإذا ذكر أصحابى فأمسكوا

(رواہ الطبرانی عن ابن مسعودؓ)(الشفاء ج۲ ص۱۱۶)

حضور اکرم ﷺ کی عزت میں سے یہ ہے کہ آپ کے صحابہ کی عزت کی جائے ان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے ان کے حق کو جانا جائے ان کی اقتداء کی جائے ان کی تعریف کی جائے ان کے لئے استغفار کرے اور ان کے درمیان جو اختلاف ہوا اس کے ذکر سے اپنے آپ کو روکے ان کے دشمنوں سے دشمنی ہو اور مؤرخین کی خبروں اور جاہل راویوں سے صرف نظر کی جائے۔ اور گمراہ شیعوں اور بدعتیوں کی ان باتوں کی طرف توجہ نہ دی جائے جس سے وہ صحابہ کرام کو نشانہ اعتراض بناتے ہیں اور اسے نقل کرتے پھرتے ہیں اور جو صحابہ کے آپس میں تنازعات ہوئے ان کی اچھی تاویل کی جائے اور اس بارے میں درست راہ تلاش کی جائے کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں ان میں سے کسی کو برائی سے یاد نہ کیا جائے نہ کسی پر عیب لگایا جائے بلکہ ان کی نیکیوں اور ان کی اچھی عادات تذکرہ کیا جائے اور دوسری باتوں سے سکوت اختیار کیا جائے حضور اکرم ﷺ نے یہی فرمایا ہے کہ جب میرے اصحاب کا ذکر کیا جائے تو اپنی زبان کو برائی سے روک لو۔(الشفاء ج۲ ص۷۲)

اللہ کا قرآن اور حضور ﷺ کے فرمان عالیشان اور ہر دور کے مقتدر محدثین علماء اور فقہاء نے صحابہ کرام کا ذکر خیر کرنے کی ہدایت اور ان کے برا سمجھنے اور کہنے کی جو ممانعت کی ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین محمدی کے امین اور اس کے ناقل ہیں ان پر طعن اور جرح در حقیقت دین پر طعن اور جرح ہے امام شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ(۷۴۸ھ) یہ بات اس طرح

سمجھاتے ہیں:

لانهم ارضى الوسائل من الماثور والوسائط من المنقول والطعن فى الوسائط طعن فى الاصل والازدراء بالناقل ازدراء بالمنقول

(کتاب الکبائر ص ۲۳۸)

حضور اکرم ﷺ کے صحابہ ماثور و منقول (یعنی قرآن و سنت) کے باب میں سب سے (اہم اور) پسندیدہ واسطہ ہیں اور واسطہ میں طعن کرنے کا مطلب خود اصل میں طعن کرنا ہوتا ہے اور ناقل کی اہمیت و حیثیت کو کم کرنا درحقیقت منقول کی حیثیت کم کرنا ہے۔

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:

فاصحاب رسول الله ﷺ فى الدين فى مواضع الامانة

(ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۶۴ فصل ۲)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ دین کے امین ہیں۔

سو ہم جب تک صحابہ کو دین کا امین سمجھیں گے دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اپنے دین سے منحرف نہیں کر سکتی اور جس دن ہم نے صحابہ کے بارے میں یہ تصور دے دیا کہ وہ ظالم تھے، خائن تھے، قاتل تھے، منافق تھے، دین فروش اور خواہشات نفسانی کے پجاری، اور اقتدار کے حریص تھے تو سمجھ لیجئے کہ پھر اس کا نشانہ صرف صحابہ نہیں رہیں گے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نشانہ پر آجائیں گے اور ہمیں یہ سمجھانا مشکل ہو جائے کہ ہم جس دین کے داعی اور اس پر عامل ہیں کیا یہی وہ دین ہے جس پر آخرت کی نجات منحصر ہے؟ اور کیا یہی وہ قرآن ہے جو ہمیں صحابہ کے واسطہ سے ملا ہے؟ شیعہ علماء تو اس محنت پر عرصہ سے لگے ہوئے ہیں کہ اہل سنت جس دین کے داعی ہیں یہ وہ دین ہی نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے، یہ وہ قرآن ہی نہیں جو اللہ نے اپنے نبی کو دیا تھا، یہ وہ دین ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ حضرت ابو بکرؓ سے لے کر حضرت معاویہؓ تک اور حضرت عائشہؓ سے لے کر حضرت حفصہؓ تک سب کے سب ظالم غاصب تھے۔ (استغفر اللہ)

اصل دین وہی ہے جو حضرت علیؓ سے ہوتا ہوا بارھویں امام مہدی کے پاس پہنچا اور وہ اسے لے کر عراق کے ایک غار میں جا بیٹھے ہیں جہاں سے وہ اپنے نائبین کے ذریعہ دین سناتے اور بتاتے ہیں اور اس دین کی جھلکیاں ملا کلینی کی اصول و فروع اور ملا باقر مجلسی کی کتابوں حیات القلوب، حق الیقین وغیرہم میں موجود ہیں تو آپ ہی بتایئے کہ غیر مسلم تو کیا خود مسلمانوں کا اپنے دین پر اعتماد واعتبار قائم رہے گا؟

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سوال ملاحظہ کیجئے امید ہے کہ ان کے اپنے سلمان ندوی اس کا جواب دے کر ہندوستان کے مسلمانوں کو بتائیں گے کہ انہوں نے صحابہ کرام کی جو تصویر اپنے رسالہ ازالہ میں کھینچی ہے وہ اسلام کی تصویر ہے، یا اثنا عشری مذہب کی؟ حضرت مفکر اسلام لکھتے ہیں:

> فرقہ امامیہ کے عقائد اور بیانات کی روشنی میں اولین مسلمانوں کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے اس کے پیش نظر ایک شخص یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ جب اسلامی دعوت کے اپنے سب سے بڑے داعی کے ہاتھوں اپنے دور عروج میں کوئی دیرپا اور گہرا نقش مرتب نہ کر سکی اور جب اس دعوت پر ایمان والے اپنے نبی کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام کے وفادار اور امین نہ رہ سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس صراط مستقیم پر اپنے متبعین کو چھوڑا تھا اس میں سے گنتی کے چار آدمی اس پر قائم رہے تو ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ اس دین و دعوت کے اندر نفوس انسانی کے تزکیہ اور تہذیب اخلاق کی صلاحیت ہے وہ انسانیت کو حیوانیت کی پستی سے نکال کر انسانیت کی بلند چوٹی تک پہنچا سکتی ہے۔ فرض کیجئے اسلام کا ایک نمائندہ مغربی ممالک کے کسی مرکزی مقام پر یا کسی غیر مسلم ملک میں اسلام کی صداقت پر سحر انگیز تقریر کر رہا ہے ایک شخص نے جس نے اثنا عشری مذہب کی کتابیں پڑھی ہیں اس کو برملا ٹوک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ پہلے اپنے گھر کو دیکھئے اور اپنی خبر لیجئے آپ کے نبی کی ۲۳ سالہ محنت شاقہ کا نتیجہ صرف چار پانچ آدمی ہیں جو آپ کی وفات کی بعد آپ کے رستہ پر گامزن رہے آپ کس منہ سے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور ان کے ثبات واستقامت کی کیا ضمانت ہے کیا اس کا جواب ممکن ہے؟ (مقدمہ ایرانی انقلاب ص ۱۱)

جناب سلمان ندوی کے نزدیک اگر اثنا عشری مذہب ہی سفینہ نجات ہے اور کلینی و مجلسی کی ان تمام روایات پر (جن میں صحابہ کرام کی نہ صرف یہ کہ بے حرمتی اور کردار کشی کی گئی ہے بلکہ انہیں منافق کافر مرتد اور دوزخی تک بتایا گیا ہے) نجات منحصر ہے تو پھر ہندوستان کے مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سب کچھ کسی غلط فہمی کی بناء پر نہیں، بلکہ اس کا اصل نشانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس، اور اللہ کا صاف ستھرا اور بے داغ آخری دین ہے جس کو بے سروپا تاریخی بیانات اور بے بنیاد واقعات کے سہارے داغدار بتانے کے لئے موصوف یہ سمجھ کر میدان میں اترے ہیں کہ وہ خدا کے پھیلائے نور کی روشنی بجھادیں گے اور مسلمانوں کو قرآن اور صحابہ کے بارے میں بدگمان کرکے اس دین حنیف میں شکوک کے زہریلے کانٹے بکھیر دیں گے۔ مگر یاد رکھیں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا اللہ کی روشنی پھیل کر رہے گی اور صحابہ کی عزت وعظمت اور فضیلت ووقعت کے جھنڈے بڑی بلندی پر قیامت تک لہراتے رہیں گے جس کی آنکھیں ہو وہ دیکھ لے جس کے کان ہو وہ سن لے اور جو قلب سلیم رکھتا ہو وہ اس کو تسلیم کرلے۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨﴾

نور خدا ہے شر کی حرکت پر خندہ زن
ازالہ سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٨﴾ــــ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٢٧﴾

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى وَسَلَّمَ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَحَبِيْبِنَا وَشَفِيْعِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ عَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ

ماہنامہ الہلال مانچسٹر کے مختلف شماروں میں شائع ہونے والے مضامین اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں (ادارہ)

لکھنؤ کے جناب سلمان ندوی کا ایک اور نیا شگوفہ

میں مہدی والا کام کر رہا ہوں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ... اما بعد

۱۸ اگست ۲۰۲۰ء کو ایک دوست نے ہندوستان کے جناب سلمان ندوی کا ایک ویڈیو کلپ بھیجا اور افسوس کے ساتھ فرمایا کہ دیکھئے اب بات کہاں پہنچ گئی ہے، راقم نے عرض کیا کہ بات کہاں تک پہنچے گی آپ بس دیکھتے جایئے. موصوف جس تیزی کے ساتھ اس کانٹے دار رستے پر چل پڑے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے اب بھی توبہ نہ کی تو وہ بری طرح سر کے بل گریں گے، اور اپنے ایمان واخلاق کو جگہ جگہ مزید سے مزید تر زخمی کر کے رہیں گے۔ قبل اس کے کہ ہم موصوف کے تازہ بیان پر کچھ گذارش پیش کریں۔ پہلے موصوف کا دعوی ملاحظہ فرمائیں

> میرا یہ کہنا ہے کہ حقائق بہت واضح ہیں اور جو کام آکر مہدی کریں گے اللہ کا فضل ہے اس کا کرم ہے کوئی برا نہ مانے اس کو فخر نہ سمجھیں میں وہی کام کر رہا ہوں اور اللہ نے مجھے اہل بیت میں قبول فرمایا تو میں مہدی کا راستہ ہموار کر رہا ہوں

جی جناب ... یہ وہی جناب سلمان ندوی ہیں جو پچھلے دو ڈھائی سال سے سارے کام کاج چھوڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی محنت سے تیار کردہ جماعت یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر (بالخصوص وہ اجلہ صحابہ جن پر روافض دن رات تبرا پڑھتے ہیں) کھلے بندوں سب وشتم میں مصروف ہیں اور اپنی اس سعی مذموم کے لئے قرآن وحدیث کے من مانی مطالب بیان کر کے نہ صرف یہ کہ مسلم نوجوانوں کے دل ودماغ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف نفرت کے زہریلے کانٹے بکھیر رہے ہیں بلکہ ان کے عقیدہ وایمان کے پیچھے بھی ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ جس طرح صحابہ کرام کو کھلی گالیاں دے کر اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے ہیں اب عام مسلمان بھی ان کی سی زبان بولیں اور ان کی ہاں میں ہاں ملا کر

اپنی عاقبت برباد کر دیں۔ گویا موصوف کے نزدیک اس وقت دین کا سب سے بڑا اور اونچا کام سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ ساری امت تاریخی کتابوں سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بے بنیاد واقعات تلاش کرے اور پھر جو منہ میں آئے بکتا رہے کیونکہ امام مہدی نے بس اسی کام کے لئے ہی آنا ہے، اور دنیا والوں کو بتلانا ہے کہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کی محنت کا حاصل صرف گھر کے تین چار افراد اور باہر کے دو تین لوگ تھے باقی سب کے سب تو ویسے ہی تھے جن کے بارے میں شیعہ علماء کی کتابیں بتلاتی ہیں۔ جناب سلمان ندوی صاحب ان دنوں جو زبان بول رہے ہیں اور جس طرح چیخ چیخ کر اصحاب رسول کے خلاف اپنی زبان بے لگام کر رہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کسی متعصب رافضی کی روح داخل ہو گئی ہے جو انہیں صحابہ کرام پر لعن طعن اور سب وشتم کئے بغیر چین سے بیٹھنے نہیں دیتی۔

حضرت علامہ صدر الدین علی بن محمد ابن ابی العز الدمشقی (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں کہ اس سے زیادہ بدبخت اور گمراہ کون ہو گا جو بہترین مؤمنوں اور اولیاء اللہ کے سرداروں یعنی صحابہ کرام سے کینہ اور بغض رکھے بلکہ وہ تو ایک طرح سے یہود و نصاری سے بھی بدتر لوگ ہیں۔

یہود سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ ان کا جواب تھا حضرت موسی علیہ السلام کے اصحاب سب سے بہتر ہیں۔ جب یہی بات نصاری سے پوچھی گئی تو ان کا جواب تھا حضرت عیسی علیہ السلام کے اصحاب سب سے بہتر ہیں۔ اور جب شیعہ سے پوچھا گیا کہ اس ملت میں سب سے بدترین لوگ کون ہیں؟ سوائے چند ایک کے باقی تمام اصحاب رسول بدترین لوگ ہیں۔

> قِيلَ لِلْيَهُودِ: مَنْ خَيْرُ أَهْلِ مِلَّتِكُمْ؟ قَالُوا: أَصْحَابُ مُوسَى، وَقِيلَ لِلنَّصَارَى: مَنْ خَيْرُ أَهْلِ مِلَّتِكُمْ؟ قَالُوا: أَصْحَابُ عِيسَى، وَقِيلَ لِلرَّافِضَةِ: مَنْ شَرُّ أَهْلِ مِلَّتِكُمْ؟ قَالُوا: أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ!! لَمْ يَسْتَثْنُوا مِنْهُمْ إِلَّا الْقَلِيلَ، (شرح عقیدہ طحاویہ ج ا ص ۴۷۹)

علمائے یہود اور علمائے نصاری اور اس ملت کے لوگ اپنے پیغمبر کے صحابہ کو سب سے بہترین لوگ سمجھیں اور ایک یہ بدنصیب شخص جو لوگوں کو مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعہ بھڑک اور

پھڑک پھڑک کر بتارہا ہے کہ اصحاب رسول تو معاذ اللہ ایسے اور ویسے تھے۔ تف ہے ایسے علم پر، تف ہے ایسی زبان اور سوچ پر۔

جناب سلمان ندوی نے دینی علوم وامور سے بہت کم واقف مسلمانوں بالخصوص نوجوانوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدگمان کرنے کے لئے چند ایک رسائل اور پمفلٹ بھی مارکیٹ میں جو پھیلائے ہیں اس میں بھی وہی گھسے پٹے اعتراضات ہیں جو پچھلی کئی صدیوں سے شیعہ اثنا عشری مذہب کے مجتہد اور ذاکر کرتے چلے آئے تھے چنانچہ ان کے ان رسائل پر خود ان کے اپنے تلامذہ نے عالمانہ گرفت کی اور ان کا علمی تعاقب کیا اور بتلایا کہ موصوف نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں کہاں کہاں جھوٹ بولے ہیں اور دجل وفریب کے کرتب دکھانے کی کوشش کی ہے، اور اجلہ صحابہ کی ذات اور ان کے ایمان واخلاق پر وہ کس بری طرح حملہ آور ہوئے ہیں بجائے اس کے کہ جناب موصوف ان حقائق کا جواب دیتے اور اپنی غلطیاں تسلیم کرکے صحابہ کرام کی بدگوئی اور بدزبانی سے باز آجاتے الٹا اور زیادہ وہ سب وشتم پر اتر آئے ہیں اور اب انہوں نے اپنے دن رات کا مشغلہ صحابہ کرام پر الزام تراشی اور کھلے عام بدگوئی بنالیا ہے ان کی صبح صحابہ کرام پر الزامات اور بہتانات سے شروع ہوتی ہے تو ان کی رات سب وشتم پر ختم ہوتی ہے۔ وہ روزانہ صبح اس تلاش میں کتابوں کو کھنگالنا شروع کرتے ہیں کہ آج کس صحابی کی عزت داغدار دکھانی ہے، اور اس ذہن کے ساتھ سونے جاتے ہیں کہ صبح پھر کس صحابی کے ایمان واخلاق پر حیاء سوحملے کرنے ہیں۔ کسی بات اور موضوع کا تعلق دور دور تک صحابہ کرام کی ذوات عادلہ سے نہ ہو مگر افسوس کہ سلمان ندوی کی تان اگر ٹوٹتی ہے تو وہ صحابہ کرام کی عزت وناموس پر حملہ کرکے ہوتی ہے۔ نوبت بایں جارسید کہ اب انہیں اپنے اس مبغوض ومردود مشغلہ کو امام مہدی کا کام بتلاتے ہوئے بھی کوئی حیاء نہیں آئی، گویا مہدی کا کام کرنے اور ان کا رستہ ہموار کرنے کے لئے موصوف کے نزدیک سب سے اہم اور بنیادی بات صحابہ کرام کو دن رات گالیاں دینا اور جھوٹ بول بول کر عام نادان مسلمانوں کو ان سے بدگمان کرنا ہے... اناللہ وانا الیہ راجعون

اب یہ انکشاف تو سلمان ندوی ہی کرسکتے ہیں کہ انہیں کس نے یہ بتلایا ہے کہ امام مہدی کا کام صحابہ کرام کو دن رات سبّ وشتم کرنا اور مسلمانوں کو اسلام کی صف اول کے بزرگوں سے

بد گمان کرنا اور بد زبان بنانا ہو گا؟ یوں تو خیر سے یہی کام شیعہ علماء کئی صدیوں سے کرتے چلے آرہے ہیں اور عراق ہی نہیں دنیا بھر کے شیعی علماء اور ان کے ذاکرین چیخ چیخ کر اجلہ صحابہ پر تبرا پڑھنے کو عبادت بتلاتے ہیں، تو بتلایئے آپ نے کونسا نیا کارنامہ کر دکھایا ہے؟ جس پر جناب کو بڑا ناز ہے؟ اور یہ کونسا نیا کام ہے جس پر جناب نہایت بے حیائی سے اڑے ہوئے ہیں اور اپنے اکابر اساتذہ کو دعوت مباہلہ تک دینے سے انہیں حیاء نہیں آرہی ہے۔

جناب سلمان ندوی نے اپنے اس نئے بیان میں یہ دعوی کیا ہے کہ وہ مہدی کا کام کر رہے ہیں اور اس کا رستہ ہموار کر رہے ہیں، تو پھر ایک عام مسلمان کو ان سے یہ سوال کرنے کا حق بھی ہے کہ وہ کس مہدی کا کام کر رہے ہیں؟ اور وہ کون سے مہدی ہیں جن کے لئے موصوف راستہ صاف کر رہے ہیں؟ اس لئے کہ اہل سنت مسلمانوں کے ہاں جس مہدی کے قرب قیامت ظہور کی خبر دی گئی ہے کیا موصوف اسی مہدی کا کام کر کے ان کا رستہ ہموار کر رہے ہیں یا شیعی اعتقاد کے مطابق اس مہدی کا جو ۲۶۰ ہجری میں عراق کے غار سر من رای میں ایک طویل مدت سے پوری دنیا کی نگاہوں سے چھپ کر وقت گذاری کر رہے ہیں، اور اس انتظار میں ہیں کہ جب کائنات کی اس دھرتی پر ۳۱۳ پکے شیعہ ہو جائیں گے اور سلمان ندوی جیسے لوگ ان کا کام شروع کر کے ان کے لئے رستہ ہموار کر لیں گے تو وہ غیبت کی زندگی ترک کر دیں گے، اور اپنے ہاتھوں میں اصلی اور صحیح قرآن لے کر ظاہر ہو جائیں گے؟ جس میں حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر حضرت عثمان ام المؤمنین حضرت عائشہ اور ام المؤمنین حضرت حفصہ اور دیگر اجلہ صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کا حقیقی چہرہ بیان کیا گیا ہے اور ان کے متعلق شیعہ کے متقدمین اور متاخرین علماء اب تک جو کہتے چلے آرہے ہیں اس کے شواہد اس میں موجود ہیں۔

اس سوال کا جواب اس لئے بھی بہت اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے جناب سلمان ندوی کے خد وخال پوری طرح واضح ہو سکتے ہیں اور ان کے کام کے بارے میں بھی مسلمانوں کو پتہ چل سکتا ہے۔ اب وہ چونکہ خم ٹھونک کر میدان میں اترے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ میں مہدی والا کام کر رہا ہوں تو محض یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے۔ یہ بتلانا بھی ضروری ہے کہ وہ کس مہدی کا کام کر رہے ہیں؟ اس لئے کہ احادیث میں جس مہدی علیہ الرضوان کے بارے جو بھی تفصیل

ملتی ہے اس میں کہیں بھی یہ نہیں ملتا کہ ان کے ظاہر ہونے کی غرض اور غایت اجلہ صحابہ کرام کو سب وشتم کرنا اور کلمہ گو لوگوں کو صحابہ سے بدگمان بنانا اور پھر حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو ان کی قبور مبارکہ سے باہر نکال کر سزا دینا ہوگا (العیاذ باللہ تعالی)

جناب سلمان ندوی لکھنؤ کے رہنے والے ہیں اور یہ شہر شروع سے اہل سنت اور شیعہ کے درمیان علمی معرکوں مناظروں اور مباحثوں کا مرکز بھی رہا ہے اس لئے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ انہیں یہ پتہ ہی نہ ہو کہ شیعہ اعتقاد میں مہدی کا تصور کیا ہے؟ جو شخص شیعی کتابوں سے صحابہ کے مثالب تلاش کر کے اپنے دل ودماغ کو زہر آلود بنا سکتا ہے کیا اس نے کبھی ان کتابوں میں مہدی کا کردار اور ان کا کام کاج نہیں پڑھا ہوگا؟ سوال یہ ہے کہ جب وہ مہدی والا کام کر رہے ہیں تو وہ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ وہ کونسا کام ہے جو مہدی نے کرنا ہے، اور جس کے لئے موصوف راستہ ہموار کرنے میں دن رات مصروف ہیں؟ لیجئے ہم بتائے دیتے ہیں

شیعہ اثنا عشری عقیدہ کے مطابق جس مہدی نے غار یا عراق کے کسی خفیہ مقام سے ظہور کرنا ہے تو ان کی سب سے پہلی بیعت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے پھر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی باری آئے گی اس کے بعد باری باری سب ائمہ ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے یہ عقیدہ مشہور اثنا عشری شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی (۱۱۱۱ھ) نے اپنی بدنام زمانہ کتاب حق الیقین میں پوری جسارت سے نقل کیا ہے اور اسے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے منسوب کرنے میں اسے بھی کوئی حیاء نہیں آئی ہے

> از حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کہ چوں قائم ما آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ بیرون آید خدا او را یاری کند بملائکہ اول کسے کہ با و بیعت کند محمد (ص) باشد وبعد ازاں علی (ع)... (حق الیقین ص ۲۱۹)

ملا باقر مجلسی نے یہاں اس بات کی کوئی تفصیل نہیں کی کہ جس مہدی کی وہ بات کر رہے ہیں ان کی یہ بیعت جسمانی ہوگی یا روحانی؟ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضی اور دیگر ائمہ اہل بیت دوبارہ اس دنیا میں زندہ کئے جائیں گے، اور پھر وہ سب ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، یا یہ بیعت صرف روحانی ہوگی؟ تاہم شیعہ روایات وبیانات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب حضرات دوبارہ اس دنیا میں لائے جائیں گے، اور ساتھ ہی ان کے مخالفین

بھی زندہ کئے جائیں گے تا کہ مہدی سب کے سامنے ان کے مخالفین سے انتقام لیں، اور بقول ان کے ان تمام مظالم کا بدلہ لیں جو حضرات شیخین کریمین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان پر کئے تھے (معاذ اللہ)

شیعہ اعتقاد کے مطابق جن لوگوں سے سب سے بڑا انتقام لیا جائے گا وہ حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اور ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہوں گے ۔ ہم نے ماہنامہ الہلال کے ایک شمارہ میں ایک شیعہ عالم کی تقریر نقل کی ہے جس میں وہ یہی بات کھلے عام کر رہا تھا تو ایک شخص نے ہم سے کہا کہ یہ ایک فرد کا بیان ہے شیعی عقیدہ نہیں۔ ہم نے ان سے عرض کیا کہ اگر یہ بات صرف ایک فرد کی ہوتی تو ہم اسے کبھی نقل نہ کرتے اور نہ اسے کبھی اتنی اہمیت دیتے، مگر کیا کریں جب ملا باقر مجلسی جیسے ان کے معتمد و مستند عالم (جن کے علامہ خمینی بڑے مداح بھی تھے) بھی تو یہی کہہ رہے ہوں اور ان کا کوئی دوسرا مجتہد اس کی مخالفت میں نہ بولتا ہو تو یہ معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں رہتا کہ یہ محض کسی ایک دیوانے کی بڑ نہیں اس پورے گروہ کا یہی عقیدہ ہے اور اس حمام میں سب ننگے ہیں۔ یقین نہ ہو تو ملا مجلسی کا یہ بیان پیش نظر رکھیں۔ موصوف ائمہ کی رجعت (یعنی ائمہ کے دوبارہ اس دنیا میں آنے) کے اثبات کی بحث میں لکھتے ہیں

> پس بعد از سہ روز امر فرماید کہ دیوار رابشکافند وہر دو از قبر بیرون آورند پس ہر دورا بابدن تازہ بدر آورد بہماں صورت کہ داشتہ اند پس بفرماید کہ کفن ہارا از ایشاں بدر آورند و بگشیند وایشاں را بحلق کشند بر دو درخت خشکے پس برائے امتحان خلق در حال آندرخت سبز شود وبرگ آورد وشاخہ ہایش بلند شود پس جمعے کہ ولایت ایشاں داشتہ اند گویند کہ ایں ست اللہ شرف وبزرگی وما رستگار شدیم بمحبت ایشاں... الخ (حق الیقین ۳۴۱)

ملا باقر مجلسی کے اس انتہائی گستاخانہ تحریر کا اردو ترجمہ ملاحظہ کیجئے یہ ترجمہ ان کے سید بشارت حسین شیعی نے کیا ہے اور اسے مجلس علمی پاکستان نے طبع کیا ہے۔ شیعہ کے مہدی مدینہ منورہ آنے کے بعد پہلا کام کیا کریں گے ؟۔ اسے ملا باقر مجلسی سے سنئے

حضرت (یعنی مہدی مدینہ میں تین روز رہنے کے بعد) حکم دیں گے کہ (روضہ مبارکہ کی) دیوار توڑ دو اور دونوں (یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر) کو قبر سے باہر نکالو، غرض دونوں کو تازہ بدن کے ساتھ اسی شکل وصورت سے جو رکھتے ہوں گے باہر نکالیں گے، پھر حضرت مہدی فرمائیں گے کہ ان کے کفن علیحدہ کر دئے جائیں (یعنی انہیں برہنہ کر دیا جائے معاذ اللہ) تو ان کے کفن کھینچ لئے جائیں گے، پھر ان کو ایک خشک درخت پر لٹکا دیں گے، اس وقت امتحان خلق کے لئے وہ درخت سبز ہو جائے گا اس میں شاخیں بلند ہوں گی، پتیاں نکل آئیں گی، اس وقت وہ گروہ جو ان سے محبت رکھتا تھا کہے گا کہ یہ ہے خدا کی قسم، شرف اور بزرگی، اور ہم ان کی محبت میں کامیاب ہوئے، جب یہ خبر منتشر ہو گی تو جس کے دل میں رائی کے برابر ان کی محبت ہو گی وہ وہاں حاضر ہو گا اس وقت حضرت قائم (یعنی مہدی) کی جانب سے منادی ندا دے گا کہ جو شخص رسول خدا کے ان دونوں مصاحبوں کو دوست رکھتا ہو لوگوں کے درمیان سے علیحدہ ہو کر ایک طرف کھڑے ہو جائیں... پھر حضرت مہدی ایک سیاہ ہوا کو حکم دیں گے کہ ان پر چلے اور ان کو ہلاک کرے پھر حکم دیں گے کہ ان دونوں (یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر) کو دار سے نیچے لائیں پھر ان کو بقدر ت خدا اندھا کریں گے، اور خلائق کو حکم دیں گے کہ جمع ہوں پھر ہر ظلم وجور جو ابتدائے عالم سے آخر تک ہوا ان سب کا گناہ ان کی گردن پر لازم قرار دیں گے ..... پھر حکم دیں گے کہ ہر ظلم کے عوض جو شخص موجود ہو ان دونوں سے قصاص لے ، پھر ان کے لئے فرمائیں گے کہ ان کو درخت سے لٹکا دیں، اور ایک آگ کو حکم دیں گے کہ زمین سے بر آمد ہو اور ان کو درخت کے ساتھ جلائے، اور ایک ہوا کو حکم دیں گے کہ ان کی راکھ کو دریاؤں میں پھینک دے (ترجمہ اردو حق الیقین ج ۲ ص ۳۵)

ہم اس وقت ملا مجلسی کی انتہائی دلآزار اور توہین آمیز عبارتوں پر گفتگو نہیں کر رہے ہیں بتلانا صرف یہ ہے کہ شیعہ اعتقاد کے مطابق مہدی تو جسمانی طور پر (Physically) یہ سارا کارنامہ سر انجام دیں گے اب یہ بات جناب سلمان ندوی ہی بتا سکتے ہیں کہ وہ کس مہدی کا رستہ ہموار کرنے کے لئے پچھلے دو ڈھائی سال سے اس گندے نالے میں اترے ہوئے ہیں ؟

تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ موصوف اپنی تقریروں اور تحریروں سے حضرات شیخین کریمین کی آبروریزی کرنے میں بے بنیاد حکایتوں اور شیعی روایتوں سے ہمہ وقت لیس رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ کام مہدی کریں گے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

جناب سلمان ندوی جس تیزی سے بداخلاقی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتے چلے جارہے ہیں وہ ان تمام لوگوں کے لئے عبرت کا مقام ہے جو چھوٹتے ہی آنحضرت ﷺ کے تمام صحابہ بالخصوص اجلہ صحابہ پر بدگمانی اور بدزبانی کے دروازے کھولتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ یہ راہ بڑی خطرناک ہے، اور اس کا ٹھکانہ بھی بہت برا اور خوفناک ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے گھر والے ہوں یا گھر والیاں، یا آپ کے صحابہ کرام ہوں جس نے بھی ان کی عزت پر وار کیا اور ان پر جملے کسے ہیں وہ اس دنیا میں ذلیل وخوار ہی ہوئے ہیں اور اللہ کی طرف سے ایسے لوگوں کو اسی الفاظ میں جواب دیا گیا ہے جو وہ صحابہ پر بولے ہیں۔ اور حضور ﷺ نے بھی ایسے لوگوں کو اسی زبان میں جواب دینے کی ہدایت دی ہے (إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسُبُّونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا: لَعْنَةُ اللهِ عَلَى شَرِّكُمْ ".(جامع ترمذی ج۶ ص۱۸۰)۔ صحابہ کرام کی عزتوں پر حملہ کرنے والوں کو قرآن کریم نے منافقین کہہ کر ان کے چہروں سے سیاہ نقاب الٹ دی ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی ایسے لوگوں کے لئے سخت وعیدیں بیان فرمائی ہیں، اوران پر خدا اور اس کے فرشتوں کی لعنت اترنے کی خبر دی ہے، اور ائمہ اہل بیت نے تو ہمیشہ ہی ایسے بدبختوں کو اپنے آپ سے الگ اور دور دور کر دیا ہے۔ کیا حضرت علی مرتضی کے بیٹے حضرت محمد بن الحنفیہ اور آپ کے پوتے حسن بن محمد، امام زین العابدین، امام محمد باقر، اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم اور دیگر اکابر اہل بیت نے صاف طور پر نہیں کہہ دیا تھا کہ جو حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے بیزار ہے ہم خود ایسے لوگوں سے بیزار ہیں، جو ان کے دوست ہیں ہم ان کے دوست ہیں، جو ان کے دشمن ہیں ہم ان کے دشمن ہیں، ہمارا ان سے کیا واسطہ اور کیا رشتہ ؟ کاش کہ شیعہ عوام حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا وہ پیغام پڑھ لیتے جو آپ نے اہل کوفہ کے نام بھیجا تھا

«أَبْلِغْ أَهْلَ الْكُوفَةِ أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّنْ تَبَرَّأَ مِنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَأَرْضَاهُمَا»(حلیۃ الاولیاء ج۳ ص۱۸۵)

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کا فیصلہ دیکھئے

عن ابن أبي حفصة قال: سألت محمد بن علي وجعفر بن محمد عن أبي بكر وعمر فقال: إماما عدل تولهما وتبرأ من عدوهما, ثم التفت إلى جعفر بن محمد فقال: يا سالم ألست الرجل جده أبو بكر الصديق لا نالتني شفاعة جدي محمد إن لم أكن أتولاهما وأتبرأ من عدوهما. (ریاض النضرۃ ج ۱ ص ۶۷) **يا سالم تولهما وابرأ من عدوهما فإنهما كانا أمامي هدى وعنه قال ما أدركت أحدا من أهل بيتي إلا وهو يتولاهما** (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵۱)

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھنے پر کہ کیا اہل بیت میں سے کوئی ایسے بھی ہیں جنہوں نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو کبھی لعن طعن کیا ہو؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ ہر گز نہیں، ہم تو ان دونوں کو محبوب رکھتے ہیں، ان سے دوستی رکھتے ہیں، اور ان کو ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں

فَأَحَبَّهُمَا وَتَوَالاهُمَا وَاسْتَغْفَرَ لَهُمَا (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۴۶)

سو جو لوگ حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی عزت وناموس سے کھیلتے ہیں اور ان پر طرح طرح کے الزامات لگا کر انہیں بدنام کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ ہم اہل بیت کے محب ہیں اور اہل بیت میں سے ہم قبول کر لئے گئے ہیں تو وہ پرلے درجے کے جھوٹے ہیں۔ صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کرنے والا آل سبا کا پیروکار تو ہو سکتا ہے اہل بیت کی محبت و مودت اس کے دل میں نہیں سما سکتی۔ چہ نسبت ناپاک را بعالم پاک... یہ رستہ اہل بیت کا نہیں ان کے دشمنوں کا ہے، اور بدنصیب اور بدبخت ہے وہ شخص جو اس رستہ پر چل پڑے۔۔۔

ایں رہ کہ تو می روی رافضیستان است

(از۔ ماہنامہ الہلال مانچسٹر ج ۱۹ شمارہ نمبر ۲)

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبد البر (اردو) کے مقدمہ پر جناب سلمان ندوی سے چند سوالات

الحمد للہ وسلام علي عبادہ الذین اصطفي ... اما بعد

مالکی مذہب کے ممتاز عالم اور محدث حافظ ابن عبد البر مالکی (۴۶۳ھ) کی کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب سے اہل علم واقف ہیں۔ اس کتاب میں آنحضرت ﷺ کے صحابہ کے حالات درج ہیں لکھنؤ کے جناب سلمان ندوی نے اس کتاب کی تلخیص کرکے اس کا ترجمہ کیا اور اس پر ایک مقدمہ لکھا جس میں پھر ایک مرتبہ صحابی کی تعریف کو اختلافی بنانے کے ساتھ ساتھ بعض صحابہ کے صحابی رسول ہونے کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور ان پر اشارے اشارے میں نہایت سنگین الزام عائد کئے ہیں۔ موصوف اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں

> یہ حضرات (یعنی مؤرخین و محدثین) جنگ صفین میں پوری صراحت کے ساتھ ایک حلقہ کے حق کے خلاف باغی ہونے اور سیاسی چالیں چلنے اور سیاسی انتقام لینے کے لئے صحابہ کی جانیں لینے اور ان کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کا تذکرہ کرتے ہیں اور پوری محدثانہ شان کے ساتھ انہیں مجروح کرنے والی روایات بھی پیش کرتے ہیں اور پھر یہ بات کتنی تعجب انگیز ہوتی ہے کہ وہ ان لوگوں کی مجمل فضیلت بھی نقل کردیتے ہیں جن کی قرآن پاک میں اور احادیث میں بصراحت مذمت مذکور ہے (دیکھئے ص ۶)

اب یہ بات تو سلمان ندوی سے پوچھی جانی چاہئیے کہ وہ کون کون سے محدث ہیں جنہوں نے پوری صراحت کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ جنگ صفین میں ایک حلقہ نے سیاسی انتقام کے لئے دوسرے حلقہ کے لوگوں کی جانیں لیں تھیں، اور انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا تھا؟ اور اگر ان میں سے کسی نے لکھا بھی ہے تو کیا واقعی حقیقت میں ایسا ہی ہوا تھا؟ جناب ندوی نے جس حلقہ کی بات کی ہے وہ حلقہ سیدنا حضرت علی مرتضی کا حلقہ ہے اور آپ کا جو مخالف حلقہ تھا وہ حضرت امیر معاویہ کا تھا؟ کیا کسی بھی سند صحیح کے ساتھ یہ بات ثابت کی

جاسکتی ہے کہ حضرت علی مرتضی کا صفین میں امیر معاویہ کے مقابل پر آنا سیاسی انتقام لینے کے لئے تھا؟ یا حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ ہوئی جنگ سیاسی انتقام کے لئے تھی؟ اور کیا حضرت علی مرتضی یا کسی دوسرے صحابی نے یا دوسرے حلقہ کے حضرت امیر معاویہ یا اس حلقہ کے کسی دوسرے صحابی نے ایک دوسرے کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا تھا؟ تاریخی کتابوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے کیا اسے آنکھیں بند کر کے قبول کر لینا چاہئیے، اور اس کو قرآن کی طرح قطعی الثبوت مان کر صحابہ کرام کی کردار کشی شروع کر دینی چاہئیے؟ سلمان ندوی اور اس قبیل کے نام نہاد سنی ہونے کے دعویدار جنگ صفین کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ کو تو پورے نشانے پر رکھتے ہیں اور ان کی کردار کشی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے مگر کیا ان میں جرات ہے کہ جنگ جمل کی بناء پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ پر بھی چڑھائی کریں اور آپ کے کردار پر بھی انگلی اٹھائیں؟ آخر ان کی بھی تو حضرت علی مرتضی کے ساتھ جنگ ہوئی ہے اور اس میں بھی صحابہ اور دیگر مسلمان جان سے گئے ہیں؟ کیا حضرت عائشہ صدیقہ کے بارے میں محدثین نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ بھی سیاسی انتقام لینے کے لئے صحابہ کی جانیں لینے گئیں تھیں، اور انہوں نے لوگوں کو ورغلایا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکایا تھا؟ محدثین پر اتنا بڑا الزام تو نہ لگائیے؟ آخر وہ کون لوگ تھے جو حضرت علی مرتضی کی فوج میں گھسے ہوئے تھے اور ان کا اس طرح گھیراؤ کیا تھا کہ خود حضرت علی مرتضی کو کہنا پڑا کہ انہوں نے مجھے قابو کیا ہوا ہے۔ کیا انہی لوگوں کے بارے میں محدثین نے پوری صراحت کے ساتھ نہیں لکھا کہ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی اور صحابہ کی جانیں لیں تھیں، اور کیا یہی وہ لوگ نہ تھے جن کی سازشوں سے صلح کو جنگ میں بدل دیا گیا؟ خدا جانے سلمان ندوی کو کونسے ایسے زہریلے کیڑے نے کاٹ رکھا ہے کہ ان کی زبان صحابہ پر آگ کے شعلے بھڑکاتے نہیں رکتی، اور مسلمانوں کو صحابہ کے خلاف ورغلاتے ان کا قلم نہیں تھمتا؟

جناب سلمان ندوی کا یہ لکھنا بھی تعجب انگیز نہیں تو اور کیا ہے کہ جن صحابہ کی قرآن وحدیث میں بصراحت مذمت مذکور ہے محدثین ان کی مجمل فضیلت بھی نقل کر دیتے ہیں؟ پہلے تو یہ بتلائیے کہ قرآن کریم کی وہ کون کون سی آیات ہیں جن میں صحابہ کرام کی مذمت مذکور ہے اور ان آیات مذمت کو پڑھ کر قرآن کی تلاوت کرنے والے پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ان کی

مذمت کریں ؟(معاذ اللہ)کیا قرآن میں حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت خالد بن ولید حضرت عمرو بن العاص حضرت ابوہریرہ حضرت معاویہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہم) کی مذمت بصراحت کسی جگہ مذکور ہے ؟ہم نے یہ نام اس لئے لکھے کہ سلمان ندوی کے نزدیک یہی صحابہ ہیں جنہوں نے سیاسی انتقام کی خاطر صحابہ کی جانیں لیں تھیں،اور حضرت علی کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا تھا ؟ اورایک خاص منصوبہ کے ساتھ حضرت علی کا حق خلافت وولایت غصب کرلیا تھا؟کیا قرآن اور احادیث میں بصراحت ان پر اسی طرح لعن طعن موجود ہے جس طرح آپ اپنی تقریروں، تحریروں،اور مجلسوں اور محفلوں میں اپنی زبان کو ان پر بے قابو کرتے کوئی حیاء تک نہیں کرتے ؟

جناب سلمان ندوی سے چار سوالات

ہندوستان کے ایک علم دوست بزرگ نے مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ کی خدمت میں جناب سلمان ندوی کے الاستیعاب کے مقدمہ پر لکھے چند اوراق ارسال فرمائے اور درخواست کی کہ ان پر کچھ تبصرہ فرمادیں حضرت علامہ صاحب ان دنوں علیل ہونے کی بناء پر ہسپتال میں تھے جب طبیعت میں تھوڑا سا افاقہ ہوا تو رفیق محترم مولانا محمد ثقلین حیدری صاحب نے حضرت کو اس مقدمہ کی بعض عبارتیں پڑھ کر سنائیں جس سے آپ کو دکھ پہنچا اور آپ نے فرمایا بعد میں دیکھ لیں گے اور اس کا جواب ارسال کردیں گے ۔ پھر مولانا حیدری صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اس وقت اس مقدمے پر چند سوالات قائم ہوتے ہیں سر دست اسے لکھ رکھو۔چنانچہ حضرت کے املاء کرائے ہوئے یہ سوالات قارئین الہلال کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں جس سے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ جناب سلمان ندوی کا بار بار صحابہ کرام کی تعریف کو اختلافی بنانے اور ان کی کردار کشی کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے اور یہ روافض کے وہی اگلے ہوئے بدبودار لقمے ہیں جسے سلمان ندوی بڑے لذیذ سمجھ کر بار بار چاٹ رہے ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ مہدی نے آکر بھی یہی کرنا ہے...اناللہ وانا الیہ راجعون

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ...آمین

(محمد اقبال رنگونی عفا اللہ عنہ 20جون2020ء)...سوالات یہ ہیں

(۱) آپ نے علامہ ابن عبد البر کی کتاب الاستیعاب کے مقدمہ اور تلخیص میں یہ لکھا ہے کہ

یہ حضرات مصنفین تعریف صحابی میں یہ قول لے لیتے ہیں کہ جس نے بحالت اسلام حضور ﷺ کو دیکھا اور اسلام پر ہی اس کی موت ہوئی وہ صحابی ہے

اس میں آپ نے ان مصنفین کی یہ غلطی پکڑی ہے کہ

اس تعریف میں وہ بھی داخل ہو جاتے ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کو صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے بھی تھے، اور وہ مسلمان شمار ہوتے تھے ،اور بحالت اسلام ظاہری ان کی موت ہوئی لیکن وہ منافق تھے یا کچے مسلمان تھے ان کی مذمتوں سے آیات قرآنیہ بھری پڑی ہیں (ص ۵)

سو پورے قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ملتی کہ آپ کے ہم نشین مسلمانوں میں سے کوئی ایک بھی اندر سے منافق تھا اور آپ ﷺ کو اس کا علم نہ تھا۔ یہ کہنا کہ ان سے آیات قرآنیہ بھری پڑی ہیں ایک غلط بات ہے ایک آیت بھی ایسی نہیں ملتی

(۲)...ان کے مسلمان نہ ہونے پر کونسی آیات قرآنیہ ہیں جن سے قرآن بھرپڑا ہے؟

(۳)...کچے پکے مسلمان کون ہوسکتے ہیں؟ جو دل سے حضور ﷺ کو پیغمبر مانتے تھے، لیکن ابھی پکے نہ ہوئے تھے، پکے ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے، اس حالت میں اگر کوئی فوت ہو گیا تو کیا اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی؟ اور اس کے املاک وارثوں میں تقسیم نہ ہوں گے؟

حضرت علی مرتضی نے چھوٹی عمر میں اسلام قبول کیا تو وہ اس وقت کچے مسلمان تھے یا پکے؟

حضرت حسینؓ کا چھوٹا بیٹا علی اصغر جو کربلا میں شہید ہوا تھا وہ کچا مسلمان تھا یا پکا؟

(٤) پہلے دور میں جو لوگ مسلمان ہوئے کیا ان سب کی صحابیت کے لئے صحیح روایات حدیث (جنہیں محدثین صحیح مانتے ہوں) میں موجود ہیں یا نہیں؟

ان چار امور کی وضاحت کے بعد یہ فیصلہ ہو سکتا ہے کہ صحابی کی یہ تعریف جو آپ خود کر رہے ہیں کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے؟

پھر آپ نے ولید بن عقبہ کے ذکر میں سورہ حجرات کے حوالہ سے اسے فاسق بتایا ہے اس سے اس کے مسلمان ہونے کی تو نفی نہیں ہوتی، اگر وہ مسلمان نہیں تو وضاحت کریں کہ دوسرے مسلمان محض اس کی روایت سے اس امر کے مکلف کیوں کئے گئے کہ اس پر مزید تحقیق کریں اور اس کے لئے **فتبینوا** کا حکم آیا؟

اس طرح آپ نے یہ جو لکھا ہے کہ حضرت عمار کا قاتل بنص حدیث جہنمی ہے اس میں جہنمی سے آپ کی مراد کیا ہے ؟ اس کے بارے میں فئة باغية کی روایت تو مشہور ہے اس کے جہنمی ہونے کا ثبوت کس نص حدیث میں ہے ؟ یہ خبر واحد ہے یا کوئی نص متواتر ؟ اس کا جواب آپ کے ذہن میں آئے تو اس کے لئے کسی نص کا حوالہ دیں ؟

امام ابو حنیفہ ، امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، اور امام مالکؒ سے صحابی کی تعریف کیا ملتی ہے ؟ جب ان کے ہاں کہیں صحابی کا لفظ بولا جاتا ہے تو وہ اس سے کیا مراد لیتے تھے ؟ اس کے ہوتے ہوئے آج اس کی نئی تعریف وضع کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے ؟ آپ نے خود اگر اس کی کوئی تعریف وضع کی ہے تو وہ کیا ہے ؟ اس کا دوسطری جواب دے کر اپنے صحیح عقیدے کا یقین دلائیں۔ (ماہنامہ الہلال ج ۱۹ شمارہ ۲)

صحابہ کرام کو تاریخ سے نہیں نصوص قرآن وحدیث سے پہچانئے

حضور اکرم ﷺ کے ساتھی صحابہ کرام عام دنیا کے افراد ورجال کی طرح نہیں کہ ان کے مقام کا فیصلہ نری تاریخ اور اس کے بیان کردہ حالات کے تابع کیا جائے بلکہ صحابہ کرام ایک ایسے مقدس گروہ کا نام ہے جو رسول اللہ ﷺ اور عام امت کے درمیان اللہ تعالی کا عطا کیا ہوا ایک واسطہ ہے اس واسطے کے بغیر نہ امت کو قرآن ہاتھ آسکتا ہے نہ قرآن کے وہ مضامین جن کو قرآن نے رسول اللہ ﷺ کے بیان پر چھوڑا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ لوگ عام دنیا کی طرح صرف کتب تاریخ سے نہیں پہچانے جاتے بلکہ نصوص قرآن وحدیث اور سیرت رسول ﷺ سے جانے پہچانے جاتے ہیں ان کا اسلام اور شریعت میں ایک خاص مقام ہے۔۔

(از: مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

جناب سلمان ندوی کی قرآن کریم پر نئی مشقیں

قرآن کریم کی موجودہ ترتیب نبوی ترتیب ہے۔ اسے اختلافی بنانا کسی مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی . . . اما بعد

چند ہفتوں پہلے کی بات ہے ایک محترم کی معرفت لکھنؤ کے جناب سلمان ندوی کی کتاب (قرآن کی ترتیب نزولی) دیکھنے کا اتفاق ہوا جس میں موصوف نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کی وہ صورت اور ترتیب جو آنحضرت ﷺ کے دور اقدس سے لے کر اب تک چلی آرہی ہے اس کو کسی نہ کسی طرح اختلافی اور متنازع بنادیا جائے، اور وہ بدبختی جو اب تک پچھلے بارہ تیرہ سو سالوں میں کسی شیعہ عالم اور مجتہد کے حصے میں نہ آسکی تھی وہ موصوف کے حصے میں آجائے۔ اور خود موصوف نے اس کتاب کے اشتہار میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ

صدیوں سے جو کام نہیں ہوا تھا وہ کام بخیر وخوبی انجام پایا ہے

گویا موصوف پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن کریم کو ترتیب نزولی کی صورت میں شائع کیا ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ابتدائی دور میں کسی ایک یا دو بزرگ نے اس طرح جمع کیا تھا تو یہ ان کی اپنی ایک یادداشت کے لئے تھا جو صرف ان کی اپنی ذات تک محدود رہا اور پھر اسے بھی محو کر دیا گیا تھا نہ کہ اس کی کاپیاں بنوا کر مسلمانوں میں عام تقسیم اور فروخت کیا گیا تھا۔

جناب سلمان ندوی نے اپنی اس کتاب میں یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کے نزول کی حقیقی صورت یہ ہے جسے وہ پیش کر رہے ہیں۔ تاہم موصوف نے یہ بتلانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ انہیں یہ بات کس حدیث سے معلوم ہوئی ہے یا کس صحابی نے ان پر یہ راز افشاء کیا ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں کے نزول کی ہو بہو یہی ترتیب تھی جسے موصوف ایک کتابی صورت میں پیش کر رہے ہیں جبکہ موصوف اپنی اسی کتاب میں یہ اعتراف کر چکے ہیں کہ

جن کے پاس بھی حسب نزول یا حسب تعلیم نبوی نسخے ابتدائی موجود تھے وہ عثمانی نسخوں کے محفوظ ہوتے ہوئے ان کے نسخے دنیا سے ناپید ہو گئے تھے

اس لئے ہم امید کرتے ہیں کہ جناب سلمان ندوی آئندہ کسی مجلس میں ان احادیث اور صحابہ کے بیانات سے اپنے اس دعوی کو ثابت کر دکھائیں گے کہ فلاں آیت اور سورت کی یہ ترتیب فلاں حدیث اور فلاں صحابی کے قول سے منقول وماثور ہے اور موصوف کی یہ کتاب اسی بنیاد پر تیار کی گئی ہے۔

اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ شیعہ عقیدے کے مطابق موجودہ قرآن محرف ہے اور وہ قرآن جو نزولی ترتیب کے مطابق جمع کیا گیا تھا وہ حضرت علی مرتضی کے پاس تھا اور ان سے آگے ہوتا ہوا بقول ان کے امام غائب مہدی کے پاس پہنچ گیا اور وہ اسے لے کر عراق کے ایک غار میں جا چھپے۔ وہ جب بھی ظاہر ہوں گے اپنے ساتھ وہی حقیقی قرآن لے کر آئیں گے جو حضرت علی نے ترتیب نزولی کے مطابق جمع کیا تھا اس سے پہلے کوئی شخص حقیقی اور اصلی قرآن کی زیارت نہیں کر سکتا۔

ملا باقر مجلسی کے ہم عصر متعصب شیعہ مجتہد ملا نعمت اللہ جزائری (۱۱۱۲ھ) لکھتا ہے کہ جب حضرت علی نے نزولی ترتیب کے مطابق جمع شدہ قرآن لوگوں کو دکھایا اور کہا کہ یہ ہے وہ اللہ کی کتاب جو میں نے چھ ماہ میں بڑی محنت سے تیار کی ہے تو لوگوں نے کہا کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارے پاس قرآن کریم موجود ہے تو حضرت علی نے کہا کہ آج کے بعد تم اصل قرآن کی اس وقت تک زیارت نہ کر سکو گے جب تک کہ مہدی نہ آجائیں۔

فقال لهم علیّ لن تروه بعد هذا الیوم ولا یره حد حتی یظهر ولدی المهدی وفی ذلک القرآن زیادات کثیر (الانوار النعمانیہ ج ۲ ص ۲۴۷ بیروت)

شیعہ کے مشہور ادیب سید ظفر حسن قبلہ شیعہ عقائد کے ذیل میں لکھتے ہیں

ہمارا عقیدہ ہے کہ جو قرآن موافق تنزیل حضرت علی علیہ السلام نے جمع کیا تھا وہ نسلا بعد نسل ہمارے ائمہ کے پاس محفوظ رہا اور اب وہ ہمارے بارہویں امام علیہ السلام کے پاس ہے (عقائد الشیعہ ص ۲۲ طبع کراچی)

یاد رہے کہ مذکورہ کتاب شیعہ مدارس میں داخل نصاب بھی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیعہ عقیدے کے مطابق حضرت علی مرتضی نے موافق تنزیل قرآن جمع ضرور کیا تھا مگر کسی

کو دکھایا نہ تھا بلکہ آپ نے اپنے بعد اپنی اولاد کو بطور امانت حوالہ کر دیا اور پھر ان سے آگے ان کی اولاد میں منتقل ہوتا ہوا بارہویں امام غائب مہدی کے پاس پہنچ گیا جسے وہ لے کر ایک غار میں روپوش ہو گئے اور دنیا بھر کے مسلمان ان کے ظہور سے قبل موافق تنزیل قرآن کی زیارت سے محروم ہی رہیں گے۔ باعتقاد شیعہ یہ اصلی قرآن دنیا کے خاتمہ سے پہلے چند سالوں کے لئے ہی ظہور میں آئے گا اور ان چند سالوں کے خوش قسمت مؤمنین ہی اس کی زیارت کر پائیں گے۔ بس اس کے بعد پھر دنیا ختم قصہ ختم۔ (استغفر اللہ)

شیعہ علماء کے اس دعوی کی بنیاد کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے موافق تنزیل قرآن جمع کیا تھا اور انہوں نے اسے صحابہ کو پیش بھی کیا تھا جسے انہوں نے قبول نہیں کیا تھا اس پر ان کی مرکزی حدیث کی کتاب اصول کافی میں بہت سی روایتیں ہیں۔ پھر مشہور شیعہ عالم ملا حسین نوری طبرسی نے تحریف قرآن پر لکھی گئی فصل الخطاب نامی کتاب میں اس پر اس طرح کھلا بیان دیا گیا ہے

> کان لامیر المؤمنین علیہ السّلام قرآنا مخصوصا جمعہ بنفسہ بعد وفاۃ النّبیؐ وعرضہ علی القوم فعرضوا عنہ فحجبہ عن عینھم وکان عند ولدہ علیہ السلام یتوارثہ امام عن امام کسائر خصائص الامۃ وخزائن النّبوۃ وھو عند الحجّۃ عجّل اللّہ فرجہ یظھرہ للنّاس بعد ظھورہ ویامرھم بقرائتہ وھو مخالف لھذا القرآن الموجود من حیث التالیف وترتیب السّور والایات بل الکلمات ایضا ومن جھۃ الزّیادۃ والنّقیصۃ (فصل الخطاب فصل رابع ص ۲۱ ایران)
>
> امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کا ایک قرآن مخصوص تھا جسے انہوں نے حضور ﷺ کے بعد خود جمع کیا تھا اور اسے صحابہ کے سامنے لا کر پیش کیا مگر انہوں نے اسے قبول نہیں کیا تو پھر انہوں نے اس کو لوگوں سے چھپا دیا اور وہ قرآن ان کی اولاد کے پاس رہا ایک امام سے دوسرے امام کو میراث میں ملتا رہا جس طرح امامت کے خصائص اور نبوت کے خزائن ایک

دوسرے کو منتقل ہوتے رہے اور اب وہ قرآن مہدی کے پاس ہے وہ اس قرآن کو ظاہر ہونے کے بعد باہر لائیں گے اور لوگوں کو اس کی تلاوت کا حکم دیں گے ان کے پاس جو قرآن ہے وہ اس موجودہ قرآن سے بالکل جدا ہے سورتوں آیتوں بلکہ کلمات کی ترتیب میں بھی اور باعتبار کمی بیشی کے بھی۔ (موجودہ قرآن سے مختلف ہے)

شیعہ علماء کا یہ دعوی ایک بے بنیاد دعوی ہے اگر اس دعوی میں ذرا بھی صداقت ہوتی تو اس قرآن کی ایک کاپی تو کسی نہ کسی ایک (یعنی حضرت ابوذر حضرت سلمان حضرت مقداد) کے پاس ضرور موجود ہوتی اور کم از کم یہ لوگ تو اس قرآن کریم کی زیارت اور تلاوت کا شرف ضرور حاصل کرتے، اس موافق تنزیل قرآن کا دنیا کے کسی حصے میں موجود نہ ہونا بتلاتا ہے کہ یہ شیعی دعوی اپنے اندر کوئی حیثیت اور وزن نہیں رکھتا۔ حضرت الا ستاذ مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۴۱ھ) لکھتے ہیں

قرآن کریم کی حقیقی ترتیب یہی ہے جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے بعض ملحدین نے حضرت علی مرتضی کی طرف یہ بات منسوب کرر کھی ہے کہ آپ نے قرآن پاک کو رسولی ترتیب کے بجائے نزولی ترتیب پر جمع کیا تھا ایسی روایات صحیح نہیں ہیں۔ حضرت علی مرتضی کی جلالت قدر اور عظمت شان کے پیش نظر ہم یہ باور نہیں کرسکتے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اختیار کردہ ترتیب کو چھوڑ کر اپنے لئے کوئی اور راستہ نکالا ہو۔ محققین کے نزدیک ایسی روایات اسناداً ضعیف اور اصولاً قابل اعتماد نہیں ہیں، نہ وہ تلقی بالقبول کی راہ سے ہی کسی درجہ اعتبار میں آتی ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق نے جس ترتیب سے قرآن پاک کو ایک شیرازے میں جمع کیا ظاہر ہے کہ وہ خود اسی ترتیب سے قرآن پاک کی تلاوت اور قرات کرتے ہوں گے جب حضرت علی مرتضی حضرت صدیق اکبرؓ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے اور ان کی سب نمازیں باجماعت ہوتی تھیں تو ترتیب قرآن میں ان دونوں بزرگوں میں کیسے کوئی اختلاف رہ سکتا ہے، ان میں اگر

کچھ بھی اختلاف ہوتا تو وہ یقینی طور پر حضرت امیر المؤمنین کی امامت اور حضرت علی مرتضی کی اقتداء پر اثر انداز ہوتا ایسے واقعات اس یقین تک پہنچنے کے لئے کافی ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی طرف ترتیب نزولی کی نسبت درست نہیں ہے

مشہد (ایران) کے کتب خانہ رضوی میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن پاک سورہ ھود سے لے کر آخر سورہ کہف تک اب بھی صحیح سالم موجود ہے یہ چمڑے پر خط کوفی میں لکھا ہے اور موجودہ ترتیب کے بالکل مطابق ہے اور آخری صفحے کی پشت پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں

(کتبہ علی بن ابی طالب)

ایک اور کامل نسخہ حضرت امام حسن بن علی کے دست مبارک سے لکھا ہوا بھی موجود ہے۔ یہ بھی ہو بہو موجودہ ترتیب سے ہی چمڑے پر لکھا ہے اور خط اس کا بھی کوفی ہے اس کے آخر میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اسے حسن بن علی بن ابی طالب نے ۴۱ھ میں لکھا ہے

کتبہ حسن بن علی بن ابی طالب فی سنۃ احدی واربعین

پروفیسر ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اپنے سفر ایران میں ان دونوں قرآنی نسخوں کو دیکھا ہے ان کے کوائف وہی ہیں جو ہم نے اوپر ذکر کئے ہیں (دیکھئے اورینٹل کالج میگزین ۱۹۳۵ء ص ۱۰۲)

قرآن مجید اپنی موجودہ ترتیب میں عہد رسالت سے ہی متواتر چلا آرہا ہے عہد صدیقی میں اس نے اسی ترتیب سے ایک شیرازے کی شکل پائی تھی جو عہد رسالت سے تلاوت و قرات میں متواتر چلی آرہی تھی۔ اسی کی نشر واشاعت عہد عثمانی میں ہوئی تھی۔ پس اس تواتر طبقہ کے خلاف ان اخبار احاد کا کوئی اعتبار نہیں جن میں کسی بزرگ سے اس کی کوئی اور ترتیب منقول ہو۔ تحقیق کی جائے تو وہ روایت غلط ہوگی، ظنیات کی پیروی میں قطعیات کو چھوڑ دینا بڑی نادانی (اور زیادتی) ہے۔ وہ لوگ جن کے نزدیک اہل تواتر کا

امر خلاف واقع پر اجماع کر لینا محال نہ ہو، اور وہ امت کے اجماع کو حجت نہ سمجھتے ہوں، وہ اگر تواتر طبقاتی کا احترام نہ کریں تو تعجب کی بات نہیں، لیکن ہمارے نزدیک تواتر طبقہ بلکہ تواتر تعامل بھی یقین کی ایک قابل اعتماد بنیاد ہے

فقہاء کرام نے نماز میں سورتوں کی ترتیب موجودہ ترتیب کے ساتھ ضروری بتلائی ہے۔ یہ جائز نہیں کہ پہلی رکعت میں کوئی اگلی سورت پڑھ لے اور دوسری رکعت میں کوئی اس سے پہلی کی کوئی سورت کو پڑھ لے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان بزرگوں نے سورتوں کی باہمی ترتیب کو محض ایک تالیفی درجہ نہیں دیا بلکہ اسے شرعی درجے میں ایک امر توقیفی سمجھا ہے

محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں

وَإِنْ قَرَأَ فِي رَكْعَةٍ سُورَةً وَفِي الثَّانِيَةِ مَا فَوْقَهَا أَوْ فَعَلَ ذَلِكَ فِي رَكْعَةٍ فَهُوَ مَكْرُوهٌ (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴۳)

اور اگر کوئی ایک رکعت میں سورت پڑھے اور دوسری رکعت میں اس سے پہلے کی کوئی سورت پڑھے یا ایک ہی رکعت میں سورتوں کی اس ترتیب سے پڑھ لیا تو یہ مکروہ ہے۔

محقق ابن ہمام علماء اصول میں سے ہیں اور بقول ابن عابدین الشامی آپ مجتہد درجے کو پہنچے ہوئے تھے آپ کا قرآن کریم کی موجودہ ترتیب کو اس طرح پیرایہ شریعت میں لانا بتلاتا ہے کہ موجودہ ترتیب قرآن محض کوئی اتفاقی بات نہیں ہے اس کی ایک شرعی حیثیت ہے اور اس کی اپنی ایک تاریخ ہے اور اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری امت متفق ہے (آثار التنزیل ج ۱ ص ۲۶۲ تا ۲۶۴)

جو لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ موجودہ قرآن کریم کی ترتیب صحابہ کرام کی وضع کردہ ہے جو پیغمبر کی منشاء کے مطابق نہیں ہے وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ موجودہ قرآن کی ترتیب ہرگز صحابہ کی وضع کردہ نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی دی ہوئی ترتیب ہے۔ اور یہی وہ ترتیب ہے جو

لوح محفوظ میں ہے۔ آنحضرت ﷺ پر قرآن کریم گو کہ مختلف حالات اور واقعات کے مطابق نازل ہوتا رہا مگر آپ اسے جس ترتیب میں لکھواتے تھے وہ اس نزول سے الگ تھا آپ ﷺ نماز میں قرآن کریم اسی ترتیب کے ساتھ پڑھتے تھے جو آپ نے بحکم الٰہی ترتیب دیا تھا اور آپ نے آخری رمضان میں دو مرتبہ دور اسی قرآن کے مطابق فرمایا تھا۔

حضرت الاستاذ مفکر اسلام علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۴۱ھ) لکھتے ہیں

حق یہی ہے کہ سورتوں کی موجودہ ترتیب بھی آنحضرت ﷺ کی ہی طرف سے ہے جسے آپ نے باعلام الٰہی اختیار فرمایا تھا۔ صحیح بخاری کے شارح شمس الدین علامہ محمد بن یوسف الکرمانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۸۶ھ) فرماتے ہیں

وَقَالَ الْكِرْمَانِيُّ فِي الْبُرْهَانِ: تَرْتِيبُ السُّوَرِ هَكَذَا هُوَ عِنْدَ اللَّهِ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ عَلَى هَذَا التَّرْتِيبِ (الاتقان ج۱ ص۲۱۷)

سورتوں کی یہ ترتیب وہی ہے جو لوح محفوظ میں خدا کے ہاں ہے

حضرت امام ابو بکر محمد بن القاسم الانباری رحمۃ اللہ علیہ (۳۲۸ھ) فرماتے ہیں

وَيُوقِفُ جِبْرِيلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَوْضِعِ الْآيَةِ وَالسُّورَةِ فَاتِّسَاقُ السُّوَرِ كَاتِّسَاقِ الْآيَاتِ وَالْحُرُوفِ كله عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ قَدَّمَ سُورَةً أَوْ أَخَّرَهَا فَقَدْ أَفْسَدَ نَظْمَ الْقُرْآنِ. (الاتقان ج۱ ص۲۱۷)

حضرت جبرئیل امین آنحضرت ﷺ کو آیتوں اور سورتوں کے مواقع بتادیتے تھے سورتوں کی باہمی ترتیب ایسی ہی ہے جیسے آیات اور حروف کی باہمی ترتیب یہ سب ترتیبات حضور ﷺ کی طرف سے ہیں جو کوئی ان میں تقدیم و تاخیر پیدا کرے وہ نظم قرآنی میں فساد کرنے کا موجب ہے

(م۔۱) امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۱ھ) اسے اس طرح لکھتے ہیں

وَيُوقِفُ جِبْرِيلُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى موضع السُّورَةِ وَالْآيَةِ، فَاتِّسَاقُ السُّوَرِ كَاتِّسَاقِ الْآيَاتِ وَالْحُرُوفِ، فَكُلُّهُ عَنْ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ، فَمَنْ أَخَّرَ سُورَةً مُقَدَّمَةً أَوْ قَدَّمَ أُخْرَى مُؤَخَّرَةً فَهُوَ كَمَنْ أَفْسَدَ نَظْمَ الْآيَاتِ، وَغَيَّرَ الْحُرُوفَ

وَالْكَلِمَاتِ، وَلَا حُجَّةَ عَلَى أَهْلِ الْحَقِّ فِي تَقْدِيمِ الْبَقَرَةِ عَلَى الْأَنْعَامِ، وَالْأَنْعَامُ نَزَلَتْ قَبْلَ الْبَقَرَةِ لِأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُخِذَ عَنْهُ هَذَا التَّرْتِيبُ، وَهُوَ كَانَ يَقُولُ: " ضَعُوا هَذِهِ السُّورَةَ مَوْضِعَ كَذَا وَكَذَا مِنَ الْقُرْآنِ". وَكَانَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقِفُ عَلَى مَكَانِ الْآيَاتِ (تفسیر قرطبی ج ا ص ٦٠)

حضرت جبرئیل امین رسول اللہ ﷺ کو سورت اور آیت کی جگہ پر آگاہ کرتے پس سورتوں کی باہمی ترتیب بھی آیات و حروف کی باہمی ترتیب کی طرح ہے یہ سب خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی ﷺ سے مروی ہے اور آپ نے رب العالمین سے اس کو روایت کیا ہے سو جس نے مقدم سورت کو مؤخر کیا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے آیات کے نظم کو خراب کیا حروف اور کلمات کو بدلا اور اہل حق پر سورہ بقرہ کے سورہ انعام پر مقدم ہونے پر کوئی حجت نہیں ہے سورہ انعام سورہ بقرہ سے پہلے اتری تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسی ترتیب سے لی تھی آپ خود فرماتے تھے اس سورت کو فلاں جگہ پر رکھو حضرت جبرئیل آیات کی جگہ پر آگاہ کرتے تھے (تفسیر قرطبی ج ا ص ۸۳)

علامہ علاء الدین علی بن محمد المعروف بالخازن رحمۃ اللہ علیہ (۷۴۱ھ) لکھتے ہیں

وكان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يلقن أصحابه ويعلمهم ما ينزل عليه من القرآن على الترتيب الذي هو الآن في مصاحفنا بتوقيف جبريل عليه السلام إياه على ذلك، (تفسیر خازن ج ا ص ۲۱۵)

حضور ﷺ اپنے صحابہ کو قرآن پاک اسی ترتیب کے ساتھ تلقین اور تعلیم فرماتے تھے جس ترتیب کے ساتھ اب یہ ہمارے پاس موجود ہے اور یہ سب ترتیب حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بتانے سے ہی عمل میں آئی ہے

آنحضرت ﷺ پر جتنا قرآن نازل ہو چکا ہوتا حضرت جبرئیل امین ہر رمضان میں اس کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ دور کرتے، آپ ﷺ نے آخری رمضان میں یہی دور دو دفعہ کیا تھا، ظاہر ہے کہ اس دور قرآنی میں سورتوں کی بھی کوئی ترتیب ضرور ہو گی، اور حضور اکرم ﷺ ختم قرآن کے لئے اس کی سورتوں کو کسی نہ کسی ترتیب سے ہی پڑھتے ہوں گے، یہ

ترتیب نزولی تو ہو نہیں سکتی کیونکہ آپ ﷺ نزول وحی کے بعد مختلف آیات علیحدہ علیحدہ مقامات پر لکھاتے تھے۔ پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ پورے قرآن کی تلاوت کے وقت حضور ﷺ کے سامنے سورتوں کی کوئی اور ترتیب تھی جو ترتیب نزول سے مختلف تھی۔ یہی وہ ترتیب ہے جس کے مطابق صحابہ کرام نے قرآن کریم کو ایک شیرازہ میں جمع کیا اور اسی ترتیب کو امت ترتیب رسولی سے یاد کرتی ہے (آثار التنزیل ج ا ص ۲۵۱)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن کریم کی حقیقی ترتیب یہی ہے جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے اور اسی ترتیب کے مطابق مسلمان اپنی نمازوں میں تلاوت کرتا ہے تو پھر جناب سلمان ندوی کا اس کے مقابل ایک نئی ترتیب کے ساتھ قرآن کریم تیار کرکے طبع کرانا مسلمانوں میں قرآن کریم کو اختلافی اور متنازع بنانے کی کوشش نہیں تو اور کیا ہے؟ اور کیا قرآن کو اختلافی بنانا کسی مسلمان کا کام ہو سکتا ہے؟ اگر نزولی ترتیب کے نام سے قرآن کا کوئی دوسرا نسخہ شائع کرنا اسلام میں ضروری ہوتا تو صحابہ کرام یہ کام بہت پہلے کر چکے ہوتے مگر حق یہ ہے کہ انہوں نے نسخہ عثمانی کے بعد اس کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ ممتاز عالم دین حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم لکھتے ہیں

> جب قرآن مکمل ہو گیا تو (بعد میں) لوگوں کو یہ یاد بھی نہیں رہا کہ کونسی آیت کس ترتیب سے نازل ہوئی تھی لہذا اب جزوی طور پر بعض سورتوں اور آیتوں کے بارے میں تو یہ علم ہو جاتا ہے کہ ان کی ترتیب کیا تھی لیکن پورے قرآن کی ترتیبِ نزول یقین کے ساتھ نہیں بیان کی جاسکتی۔ علامہ سیوطی نے الاتقان میں بعض روایات کی مدد سے سورتوں کی ترتیبِ نزول بیان کرنے کی کوشش کی ہے لیکن درحقیقت ان روایتوں سے یقینی طور پر صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کونسی سورت مکی اور کونسی مدنی ہے؟ ترتیبِ نزول کی تفصیلات ان سے معلوم نہیں ہوتیں ماضی قریب میں بعض مستشرقین نے بھی ترتیبِ نزول معین کرنے کی کوشش کی ہے سب سے پہلے جرمن مستشرق نولڈیکے نے اس کا آغاز کیا (دیکھئے Geschichte des Qorans,Gottingen1860) اور اس کے بعد یہ بہت سے دوسرے مغربی مصنفین کی دلچسپی کا موضوع بنا رہا۔ ولیم مور نے بھی اس سلسلے میں ایک جداگانہ کوشش کی ہے (دیکھئے The Life of Mohammed) بلکہ جے ایم راڈویل نے قرآن کریم کا جو انگریزی ترجمہ شائع کیا اس میں سورتوں کو معروف ترتیب سے ذکر کرنے کے

بجائے نولڈیکے کی مزعومہ ترتیب سے ذکر کیا (دیکھئے The Koran Translated, London 1953) بیسویں صدی کے آغاز میں ہارٹ وگ ہرشفیلڈ نے نہ صرف سورتوں بلکہ آیتوں تک کی تاریخی ترتیب معین کرنے کی کوشش کی (دیکھئے New Researches into the composition and exegesis of the Qoran 1902) اس کے علاوہ ریجس بلاشیر نے اپنے فرانسیسی ترجمہ میں اس کا بیڑہ اٹھایا (دیکھئے Coran traduction selon unegai.de reclassement des souratrs, Paris.1947.51)۔ رچرڈ بیل نے بھی اس سلسلے میں مغربی دنیا میں کافی نام پیدا کیا (دیکھئے Translation of The Quran 1937.39) مستشرقین کی یہ کوششیں اب بھی جاری ہیں اور شاید انہی سے متاثر ہو کر بعض مسلمانوں نے بھی ترتیب نزول کی تحقیق کرنی شروع کی ہے (یعقوب حسن ۔ کشاف الھدی ص ۷۵ تا ۱۸۳ دفتر اشاعت مدراس ۱۳۴۳ھ)

لیکن ہماری نظر میں یہ ساری کوششیں ایک ایسے کام میں اپنا وقت صرف کرنے کے مرادف ہیں جس میں کبھی یقینی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی مذکورہ بالا مستشرقین نے جو کوششیں کی ہیں وہ زیادہ تر متن کے بارے میں ان کے ذاتی قیاسات پر مبنی ہیں اور چونکہ ہر شخص کے قیاسات دوسرے سے مختلف ہوسکتے ہیں اس لئے ان کی بیان کردہ ترتیبوں میں بھی فرق ہے لہذا ہزار کوشش کے باوجود ان قیاسات سے کوئی خاص عملی فائدہ حاصل کرنا مشکل ہے

دراصل مستشرقین کی ان کوششوں کے پیچھے ایک مخصوص ذہنیت کارفرما ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم ابھی تک غیر مرتب ہے اس کی اصل ترتیب وہ ہے جس پر وہ نازل ہوا تھا لیکن چونکہ نازل ہونے کے ساتھ اسے کتابی شکل میں لکھنے کے بجائے متفرق چیزوں پر لکھا گیا اس لئے وہ ترتیب محفوظ نہ رہ سکی راڈویل نے اپنے ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ موجودہ ترتیب کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے جب متفرق تحریریں جمع کیں تو وہ انہیں جس ترتیب کے ساتھ ملتی گئیں اسی ترتیب سے وہ لکھتے چلے گئے لہذا اس میں کسی تاریخی یا معنوی ترتیب کا لحاظ نہیں رہ سکا۔ اب قرآن کریم کی موجودہ ترتیب ان کے خیال میں (معاذ اللہ) ایک نقص ہے جسے وہ بزعم خود اپنی تحقیق سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ (علوم القرآن ص ۷۱)

اب جب کہ یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جناب سلمان ندوی نے جس قرآن کو موافق تنزیل قرآن بنا کر پیش کرنے کی جسارت کی ہے اس کا کوئی ثبوت حدیث میں موجود نہیں، اور نہ کسی صحابی کی جانب سے اس ترتیب کی کوئی شہادت موجود ہے البتہ یہ شیعہ علماء کا عقیدہ ہے کہ موافق تنزیل قرآن حضرت علی مرتضیٰؓ نے جمع کیا تھا جو آپ کی نسل در نسل ہوتے ہوتے امام غائب کے پاس پہنچا، اب یہ قرآن دنیا میں کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب سلمان ندوی نے قرآن کریم کی یہ ترتیب کہاں سے لی؟ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی سورتیں اور آیات اسی ترتیب کے ساتھ نازل ہوئیں تھیں جس ترتیب سے وہ اسے پیش کر رہے ہیں؟ اس کے لئے انہوں نے جن علماء کے اقوال کا سہارا لیا ہے اسے نہ حدیث نبوی کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان صحابہ میں سے کسی ایک کا قول ملتا ہے جنہوں نے قرآن جمع کرنے کی خدمت سرانجام دیں تھیں۔ پھر امام بیہقی نے باوجودیکہ اس پر ایک نامکمل بیان نقل کیا ہے مگر انہوں نے بھی اس بات کی جرات نہیں کی کہ قرآن کا ایک نیا نسخہ ترتیب نزولی کے نام سے امت کے ہاتھوں میں پہنچائیں۔ ہاں مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے بقول مستشرقین نے اس پر ضرور کام کیا، اور اس سے بھی ان کا مقصد موجودہ قرآن کی ترتیب کے بارے میں کوئی علمی تحقیق نہیں بلکہ نقص دکھا کر قرآن کے بارے میں شکوک پیدا کرنا ہے (معاذ اللہ)۔

پھر جناب سلمان ندوی نے اپنے اس نسخے میں دلائل النبوۃ والی ترتیب بھی بدل دی دلائل النبوۃ میں سورۃ المدثر کے بعد سورۃ اللھب ہے سلمان ندوی نے اسے الفاتحہ سے بدل دیا... سورۃ الناس کے بعد الاخلاص لکھا ہے موصوف نے اسے النجم سے بدل دیا... سورہ ص کے بعد الجن ہے موصوف نے اس کی جگہ سورۃ الاعراف نقل کر دی۔ الملائکۃ (سورہ فاطر) کے بعد طہ لکھا ہے موصوف نے اس کی جگہ سورہ مریم نقل کی۔ اس لئے اب یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ موصوف نے امام بیہقی کی نقل کردہ ترتیب کی بھی رعایت رکھی تھی۔ پھر دلائل النبوۃ میں بھی قرآن کریم کی تمام سورتوں اور آیتوں کا بھی ترتیب وار ذکر نہیں ہے مگر موصوف ہیں کہ ترتیب نزولی کے نام سے قرآن کا (مع ترجمہ) ایک نیا نسخہ مسلمانوں میں پھیلانے میں مصروف ہیں اور اس پر فخریہ اشتہار شائع کر رہے۔ پھر جناب سلمان ندوی کا یہ لکھنا عجیب ہے کہ ترتیب نزولی کے اعتبار سے خال خال تفسیریں بھی لکھیں ہیں (ص ۵) یہ خال خال تفسیریں کہاں ہیں اور کن کن مفسرین نے لکھیں ہیں؟ اس خال خال کا انہوں نے کوئی اتہ پتہ نہیں بتلایا

اور یہ بھی نہیں بتایا کہ اب یہ خال خال تفسیریں کہاں مل سکتیں ہیں؟ اور آنحضرت ﷺ کی امت کے کن کن جلیل القدر علماء نے ان خال خال تفسیروں سے استفادہ کیا تھا اور اسے اسلامی خدمت کا ایک بڑا کارنامہ سمجھا تھا؟ اور نہ کبھی جناب سلمان ندوی کی طرح یہ کہا کہ

یہ ایک تاریخی و تاریخ ساز کارنامہ ہے دعوتی واصلاحی کام کرنے والوں کے لئے ایک عظیم تحفہ ہے اور قرآن کے طالب علموں کے لئے بڑا کارآمد ہے

☆...اب چونکہ جناب سلمان ندوی نے قرآن کی نئی نزولی ترتیب اس دعوی کے ساتھ پیش کی ہے کہ یہ موافق تنزیل ہے اور ساتھ ہی موصوف کا یہ دعوی بھی موجود ہے کہ وہ مہدی والا کام کر رہے ہیں تو ممکن ہے کہ انہوں نے خود یا امام غائب کے کسی سفارت کار کی وساطت سے موافق تنزیل قرآن کی کوئی کاپی حاصل کی ہو تاکہ امام غائب کے ظاہر ہونے سے پہلے پہلے وہ ان کے کام کی نوعیت سے دنیا کو آگاہ کر سکیں، البتہ یہ معلوم کرنا باقی ہے کہ انہوں نے یہ کاپی خود عراق جاکر حاصل کی تھی یا کسی اور ذریعے سے انہیں اس کی کاپی ملی تھی جس کو سامنے رکھ کر انہوں نے قرآن کریم کا یہ مختلف نسخہ تیار کرنے کو پندرھویں صدی کی سب سے بڑی اور اہم ضرورت جانا ہے اور اسے اپنا سب سے بڑا کارنامہ کہا ہے۔

☆...جناب سلمان ندوی نے جو موافق تنزیل قرآن شائع کیا ہے مسلمان تو اس نئے نسخہ قرآن کو اس لئے نہیں لے سکتے کہ ان کے عقیدے میں موجودہ قرآن وہی ہے جو اللہ تعالی نے حضرت جبرئیل امین کی معرفت حضور اکرم ﷺ پر نازل فرمایا تھا، اور آپ نے ہی اس قرآن کی سورتوں اور آیتوں کو ترتیب دیا ہے، اور ہم بتا آئے ہیں کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل کے ساتھ جس قرآن کا دو مرتبہ دور فرمایا تھا، وہ یہی قرآن تھا، آپ کی نمازوں میں قرآن اسی ترتیب کے ساتھ پڑھا گیا تھا، اور صحابہ نے بھی اسی ترتیب کے ساتھ قرآن کی تلاوت فرمائی تھی، اور پندرہ سو سالوں سے دنیا بھر کے مسلمان اسی ترتیب سے قرآن کی تلاوت کرتے چلے آرہے ہیں، اس لئے انہیں تو جناب سلمان ندوی کے تیار کردہ نئے نسخہ قرآن اور اس کی ترتیب کی ضرورت ہے نہ ان کا اس سے کوئی رشتہ اور واسطہ ہے، اور نہ ہی وہ اسے ترتیب نزولی تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں کہ موصوف نے ان سورتوں اور آیات پر کوئی ثبوت پیش نہیں کیا اور ہمیں یقین ہے کہ خود موصوف کے گھر والوں نے بھی اس ترتیب سے قرآن پڑھنے کی کبھی زحمت نہیں کی ہوگی، اور نہ وہ اپنی نمازوں اور تلاوتوں میں اس ترتیب کے مطابق قرآن پڑھتے ہوں گے۔

رہی بات ان لوگوں کی جن کو خوش کرنے کے لئے موصوف نے قرآن کریم پر یہ مشق کی ہے وہ بھی باوجود اس نئی ترتیب کے اسے قبول نہیں کرسکتے کیونکہ ان کے عقیدے میں جو قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا وہ اس قرآن سے مختلف تھا جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہے۔ ان کے اعتقاد کے مطابق اس میں وہ آیات اور سورتیں بھی موجود تھیں جن میں حضرت علی مرتضیٰؓ اور دیگر ائمہ کے اسمائے گرامی موجود تھے جو نہ ہمارے موجودہ قرآن میں ہیں اور نہ قرآن کی اس نئی ترتیب میں جو جناب سلمان ندوی نے پیش کیا ہے۔ شیعہ کے مرکزی محدث ملا محمد بن یعقوب کلینی (۳۲۸ھ) نے اصول کافی کے کتاب الامامۃ میں باقاعدہ اس پر ایک باب اس طرح باندھا ہے

باب انه لم يجمع القرآن كله الا الائمة عليهم السلام وانهم يعلمون علمه كله (اصول کافی ج ا ص ۲۲۸)

اس باب کے تحت جمع کی جانی والی روایتوں سے ثابت کیا گیا کہ سوائے ائمہ اہل بیت کے کسی نے بھی پورا قرآن جمع نہیں کیا تھا ملا باقر مجلسی کے ہم عصر شیخ نعمت اللہ جزائری (۱۱۱۲ھ) امام محمد باقرؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ امام غائب وہ قرآن لے کر نکلیں گے جس کو حضرت علی نے جمع کیا تھا اس کے بعد موجودہ قرآن پر عمل روک دیا جائے گا اور اس نئے لائے ہوئے قرآن (القرآن الجدید) کے مطابق عمل کیا جائے گا

ويخرج القرآن الذى الفه امير المؤمنين ولم يعمل به الاشقياء ويرتفع هذا القرآن الى السماء ويعمل بذلك القرآن وقال امير المؤمنين عليه السلام كانى نظر الى الشيعة قد بنوا الخيام بمسجد الكوفة وجلسوا يعلمون القرآن الجديد للناس ...(الانوار النعمانیہ ج ۲ ص ۶۵۔ ص ۶۶ بیروت)

اب یہ بات تو ظاہر ہے کہ اس وقت جو قرآن ہمارے پاس موجود ہے وہ ائمہ کا جمع کردہ نہیں ہے گویا جو قرآن جناب سلمان ندوی نے تیار کیا ہے وہ ان کے عقیدے میں بھی ناقص ہی ہے اور ایک سلمان ندوی ہیں کہ جو ان کے عقائد مسلمانوں میں پھیلانے میں دن رات مصروف ہیں۔ شیعہ کے مشہور مجتہد ملا نوری طبرسی نے تو تحریف قرآن پر ایک مستقل کتاب فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب کے نام سے لکھی ہے گیارھویں صدی کے شیعہ محقق ملا محسن کاشانی (۱۰۹۰ھ) نے ائمہ کے نام سے یہ بیان دیا ہے

لو قرء القرآن کما أنزل لالفینا فیه مسمین (تفسیر صافی ج ا ص ۱۱)

اگر قرآن اسی طرح پڑھا جاتا جیسا کہ اترا تھا تو ہم اس میں اپنے آپ کو نام سے مذکور پاتے۔

سو ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں قرآن کریم کو اختلافی بنانے میں تو وہ آپ کا کچھ ساتھ دے دیں لیکن آپ کے ترتیب دئے موافق تنزیل قرآن کو وہ بھی قبول نہیں کر سکتے کہ ان کا عقیدہ موجودہ قرآن کریم کے متعلق مسلمانوں سے بہت مختلف ہے۔

جب جناب سلمان ندوی کے نادان معتقدین اس جدید قرآن کو لے کر مسلمانوں کے پاس کبھی جائیں تو وہ اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں اور وہ شیعہ کے پاس جائیں تو وہ اسے اصل موافق تنزیل قرآن تسلیم نہ کریں تو سوچیں کہ وہ اس وقت کس صورت حال سے دوچار ہوتے ہوں گے ؟ کیا وہ اس وقت جناب سلمان ندوی اور اپنے آپ کو اس کا مصداق نہیں سمجھ رہے ہوں گے اور دل ہی دل میں یہ نہیں کہہ رہے ہوں گے کہ

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

☆... یہ صحیح ہے کہ شیعہ علماء اور ان کے مفسرین نے اپنے اعتقاد کے مطابق قرآن کریم کے ترجمہ، تفسیر، اور حاشیہ قرآن میں تحریف قرآن کا دعوی کیا ہے اور جگہ جگہ ان آیات کو بھی نقل کیا ہے جو بقول ان کے انہیں امام محمد باقر اور امام جعفر صادق وغیر ہم نے بتلائی ہیں لیکن ان تیرہ صدیوں میں انہیں بھی اب تک جرات نہ ہو سکی کہ وہ قرآن کریم کی موجودہ نبوی ترتیب کو اختلافی بنا کر قرآن کریم کی ایک نئی ترتیب اس صورت میں سامنے لائیں۔ افسوس کہ یہ بد بختی جناب سلمان ندوی کے حصے میں آئی جس نے نہایت بے حیائی کے ساتھ بغیر کسی ثبوت کے یہ دعوی کیا کہ قرآن کریم کی ترتیب نزولی یہی ہے جسے وہ شائع کر رہے ہیں۔

جناب سلمان ندوی اگر واقعی یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جو موافق تنزیل قرآن شائع کیا ہے وہ بالکل درست اور منشاء الٰہی کے مطابق ہے اور اس نسخہ قرآن کو بھی مسلمانوں میں رائج ہونا چاہئیے تو پھر ہم ان سے درخواست کریں گے کہ وہ اس بارے میں پہل کریں اور ہمت کریں کہ

قرآن کی ترتیب نزولی کے نام سے جو قرآن موصوف نے شائع کیا ہے اس میں سے اردو ترجمہ اور دیگر مضامین نکال کر صرف قرآن کریم کو اسی ترتیب کے ساتھ علیحدہ شائع کریں۔ اور پھر اپنے پوتوں نواسوں اور اپنے مکتب و مدرسہ کے کسی طالب علم کو اس بات پر تیار کریں کہ

(۱) وہ آپ کے اس نئے نسخہ قرآن کو اسی ترتیب کے ساتھ حفظ کرے۔ آپ کسی کو اس قرآن کا حافظ بنائیں۔

(۲) جس نے یہ نیا قرآن حفظ کیا ہو اسے مسلمانوں کی کسی مسجد کا امام بنانے کی جرات کریں۔

(۳) اس نئے قرآن کی ترتیب کے مطابق آپ کے اپنے گھر والے نمازوں میں تلاوت کر کے دکھائیں۔

(٤) اس نئے قرآن کی ترتیب کے مطابق مسلمانوں کی کسی مسجد میں رمضان المبارک میں تراویح پڑھا کر دکھائیں۔

ہمت کریں، میدان میں آئیں اور قرآن کریم کی نئی ترتیب کے مطابق خود اس پر عمل کر دکھائیں

☆...ہم یہاں یہ بات بھی بتاتے چلیں کہ جو لوگ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالفت میں اٹھے ہیں ان کی سب سے پہلی کوشش یہی رہی کہ قرآن عظیم اور اصحاب النبی الکریم کو اختلافی بنا دیا جائے کیونکہ جب تک قرآن کی صداقت و حقانیت پر ایمان رہے گا، صحابہ کرام کی عظمت اور ان کی محبت دل میں پختہ رہے گی اور صحابہ کی قلبی محبت اور ان کی عظمت کی پختگی کا تقاضا ہے کہ قرآن کی صداقت اور حقانیت کو کسی طور مجروح نہ سمجھا جائے۔ جب تک یہ دونوں ستون مضبوط رہیں گے شیطان اپنی چال چلنے میں کامیاب نہ ہو گا اور جس لمحے یہ دونوں ستونوں کمزور کر دئے جائیں گے اسلام اور پیغمبر اسلام پر وار کرنا پھر مشکل نہ رہے گا (معاذ اللہ)

یاد رکھئے صحابہ کرام، قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کے لئے ایک مضبوط فصیل ہیں اور یہی وہ فصیل ہے جس کو توڑنے یا کمزور کرنے کے لئے اعدائے اسلام ہر دور میں نیا انداز اختیار کرتے رہے ہیں اور اپنے گماشتے میدان میں اتارتے رہے ہیں

☆...جناب سلمان ندوی جن دنوں آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام کے خلاف چیخ چیخ کر بول رہے تھے اور بے سروپا تاریخی واقعات سے ان کو نشانہ طنز و طعن بنا کر انہیں دائرہ اسلام سے ہی باہر کرنے میں دن رات لگے رہے تھے، ہم نے اس وقت بھی یہ کہا تھا کہ اب ان کا

اگلا نشانہ قرآن کریم ہوگا، ان کی ظالمانہ اور فاسقانہ مشقوں سے قرآن کریم بھی نہیں بچے گا، ہماری یہ بات درست ثابت ہوئی اور دنیا نے دیکھا کہ صحابہ کرام پر سب وشتم کرتے کرتے وہ قرآن کریم کو بھی اپنی جارحانہ مشقوں میں لے آئے جس کی اسلامی تاریخ میں اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ملتی تاہم انہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیے کہ اللہ تعالی اس دین کا محافظ ہے اور انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جس نے بھی اللہ تعالی کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی اسے ذلت ورسوائی اور تباہی وبربادی کے سوا کچھ بھی نہ ملا، وہ دنیا میں بھی عبرت کا نشان بنے، اور آخرت میں اس کی جو درگت بنے گی اس کا یہاں کوئی تصور ہی نہیں کر سکتا۔ (اعاذنا اللہ منہ)

☆... جناب سلمان ندوی نے قرآن کریم اور صحابہ کرام کی مخالفت میں جو راستہ اختیار کیا ہے اور جن بے بنیاد باتوں کے ذریعہ مسلمانوں کو فتنہ میں لانے اور گمراہ کرنے میں مصروف ہیں اور پھر اس پر جس تیزی کے ساتھ وہ نیچے کی جانب گرتے جارہے ہیں ان کو چاہئیے کہ وہ اللہ سے ڈریں کہ کہیں انہیں بھی سابقہ مجرموں کی طرح عبرت کا نشان نہ بنادیا جائے۔ اب بھی ان کے پاس وقت ہے، قرآن کریم اور صحابہ کرام کے بارے میں وہ اپنی بدعقیدگی سے توبہ کریں اور قبل اس کے کہ زبان بند ہو، سانس اکھڑنے لگے، واپس لوٹ آئیں اور حضور اکرم ﷺ کے صحابہ پر انگلی اٹھانے سے باز آئیں تاکہ آخرت کی شرمندگی اور عاقبت کی تباہی سے حفاظت ہو جائے

☆... لکھنؤ کے محترم جناب مولانا عرفان نصر فاروقی ندوی صاحب کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے جناب سلمان ندوی کی کتابوں اور ان کی تقریروں سے ان کے عقائد ونظریات لکھ کر ازہر ایشیاء دار العلوم دیوبند کے اکابر علماء اور مفتیان کرام سے استفتاء کیا۔ دار لعلوم دیوبند کے مفتی حضرت مولانا مفتی زین الاسلام قاسمی صاحب نے ان صفحات کو دیکھنے کے بعد ۱۲ صفر ۱۴۴۲ھ (مطابق ۳۰ ستمبر ۲۰۲۰ء) کو اس کا مدلل تفصیلی جواب تحریر فرمایا جس پر دار العلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی مد ظلہم سمیت آٹھ علماء کے دستخط موجود ہیں۔ جس کی کاپی اس وقت راقم الحروف کے سامنے ہے حضرت مفتی صاحب نے جناب سلمان ندوی کے ان عقائد اور خیالات ونظریات کے پیش نظر ان کے متعلق جو فتوی دیا ہے مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسے قارئین الہلال کے لئے یہاں درج کردیں تاکہ وہ دوست جو اپنی کم علمی نادانی یا موصوف کی چرب زبانی کے باعث ان کے گمراہانہ نظریات سے متاثر ہوئے ہیں یا وہ حضرات جو ابھی تک ان کے اور ان کے عقائد

و نظریات کے بارے میں نرم گوشہ نہ صرف یہ کہ اختیار کر رہے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی نرم گوشہ رکھنے کی تلقین فرما رہے ہیں وہ ہوش کے ناخن لیں اور اپنی اور اپنے متعلقین و متوسلین و معتقدین کی عاقبت خراب کرنے بچائیں۔ مفتی زین الاسلام قاسمی صاحب لکھتے ہیں

سوالنامے کے ساتھ تحریر و تقریر کے جو اقتباسات منسلک کئے گئے ہیں انکو پڑھنے سے واضح ہے کہ مذکورہ شخص کے عقائد و نظریات جمہور اہل السنت والجماعت کے قطعا خلاف ہیں اور موجب فسق ہیں اور منسلکہ صفحات میں جن نصوص سے استدلال کیا گیا ہے وہ قطعا درست نہیں ہے۔ یہ محض کم علمی اور کج فہمی سے عبارت ہے۔ برملا صحابہ کی شان میں باغی، طاغی، مجرم، حکومت کا حریص، اور ظالم جیسے الفاظ استعمال کرنا اور ان کی تنقیص و تفسیق براہ راست ایمان کے لئے نہایت خطرناک ہے۔ ایسے نظریات کا حامل کوئی بھی ہو بلاشبہ خود بھی گمراہ ہے۔ اور دوسروں کی بھی ضلالت کا سبب ہے۔ نفوس سلیمہ ایسی باتوں کو کبھی قبول نہیں کرسکتے اگر کسی کو ایسی باتیں بھلی معلوم ہوتی ہیں تو خود اس کے اندر زیغ ہے۔

(ب) ایسے شخص کے انتظام وانصرام میں چلنے والے مدرسہ میں بچوں اور بچیوں کو دینی تعلیم کے لئے بھیجنا فساد عقیدہ کے اندیشہ کی وجہ سے قطعا جائز نہیں ہے۔

(ج) مسلمانوں کے لئے ایسے شخص کو مقتداء بنانا، اس کی تقریر سننا، تحریر پڑھنا اور دروس میں شریک ہونا نہ صرف یہ کہ ناجائز ہے بلکہ ایمان کے لئے سخت خطرہ اور نقصان دہ ہے۔

(د) ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ فقط (دار العلوم دیوبند)

ہندوستان کے دیگر بڑے مدارس کے اکابر سے بھی ہماری درخواست ہے کہ وہ بھی اس بارے میں کھل کر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں کہ یہ معاملہ قرآن اور حاملین قرآن کے متعلق ہے اور یہ فتنہ صرف لکھنؤ شہر یا اس کے کسی ایک محلے کا نہیں ہے۔ موصوف کے کارندے چونکہ ان عقائد و نظریات کو بذریعہ سوشل میڈیا پھیلا رہے ہیں، اور پھر شیعہ عقائد و نظریات کے چینل جس تیزی کے ساتھ اسے اپ لوڈ کر رہے ہیں، اہل سنت والجماعت کے اہل علم اور صاحب قلم حضرات پر بھی لازم ہے کہ وہ بھی قرآن عظیم اور اصحاب النبی الکریم کے دفاع میں آگے بڑھیں، اور ہر قسم کی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان بزرگوں کی کی محبت وعظمت کے جھنڈے بلند کرنے میں پوری طرح اپنا کردار ادا کریں کہ میدان محشر میں

آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور آپ کے سایہ رحمت میں جگہ نصیب ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

«مَنْ حَفِظَنِي فِي أَصْحَابِي كُنْتُ لَهُ حَافِظًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.» (الشفاء ج ۲ ص ۱۲۴)

جس نے میرے صحابہ کی عزت و عظمت کی محافظت کی میں قیامت کے دن اس کا محافظ ہوں گا

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ سے محبت رکھنا اور ان کی عزت و عظمت کی حفاظت کرنا اس کا دھیان رکھنا میدان محشر میں حضور ﷺ کی محافظت کا سبب ہو گا اور جس نے ایسا نہیں کیا بلکہ الٹا ان کی توہین و تنقیص اور طعن و تشنیع میں لگا رہا ظاہر ہے کہ حضور ﷺ ایسے بد بختوں کو کس طرح اپنی حفاظت میں لائیں گے کہ ان کی تنقیص سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے اور آپ کو تکلیف دینے والا کبھی سایہ رحمت نہیں پا سکتا۔ ہے کوئی جو اس سے عبرت حاصل کرلے۔

(ماہنامہ الہلال مانچسٹر ج ۱۹ شمارہ نمبر ۴)

سابق شیعہ عالم نواب محسن الملک سید محمد مہدی علی لکھتے ہیں

ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار میں اور قاضی نور اللہ سوشتری نے امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے کہ

غیبت بہت بڑا گناہ ہے اور بہتان اور افتراء اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

جب عام آدمیوں کے بارے میں غیبت اور بہتان گناہ کبیرہ ہے تو اصحاب رسول کے حق میں کس قدر بڑا گناہ ہو گا پس ان کے حق میں نیک اعتقاد ضروریات دین میں سے ہے۔ ان کے فضائل بیان کرنے میں رطب اللسان رہنا چاہئے اور ان کے دشمنوں سے نفرت ہو۔ (آیات بینات ج 1 ص 103)

جناب سلمان ندوی پر جرح ان کے نظریات کی بناء پر ہے کسی حسد جلس اور تعصب کی بناء پر نہیں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد

پچھلے کچھ عرصہ سے ہندوستان کے جناب سلمان ندوی کی ذات اور ان کے خیالات و نظریات بحث کا موضوع بنے ہوئے ہیں، اور مختلف علماء کی جانب سے ان کے ان نظریات کا رد جاری ہے جو انہوں نے پچھلے کچھ عرصہ سے نہ صرف یہ خود اپنا رکھا ہے بلکہ اسے نہایت شد و مد کے ساتھ عالمی سطح پر اچھال بھی رہے ہیں۔ موصوف کے ان نظریات کی تردید میں ہندوستان کے جن بزرگوں اور علماء نے قلم اٹھایا ہے اور موصوف کی ان جلی غلطیوں کی جب نشاندہی کی تو ان کے بعض معتقدین اور دوست احباب نہ صرف یہ کہ ان نظریات کی حمایت کرتے نظر آئے بلکہ وہ مخالفین کے خلاف بھی میدان عمل میں اتر آئے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ موصوف کو ان عقائد و نظریات کی تشہیر سے روکیں الٹا وہ جواب دینے کے بجائے صحابہ کرام بالخصوص حضرت معاویہؓ کے جرائم بتانے لگ پڑے ہیں (معاذ اللہ)

موصوف کے عقائد و نظریات کے بارے میں جب اہل سنت کے مستند اور معتمد ادارہ دارالعلوم دیوبند کے مفتیان کرام سے پوچھا گیا تو انہوں نے اس کا مفصل جواب دے کر واضح کر دیا کہ اہل سنت والجماعت کے ہاں اس قسم کے نظریات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ عقائد و نظریات شیعہ کے ہیں جو وہ خلفائے راشدین ازواج مطہرات اور دیگر صحابہ کرام کے بارے میں رکھتے ہیں اور انہیں اپنے ان عقائد کے اظہار میں کوئی ہچکچاہٹ بھی نہیں ہے۔

جناب سلمان ندوی دعوی تو اس بات کا کریں کہ میرا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے اور پھر وہ ان شیعی عقائد و نظریات کی کھلے عام بھی تشہیر کریں (اور وہ بھی بعض غلط حوالوں سے) تو ایسے شخص کو کس طرح اہل سنت والجماعت میں سمجھا جاسکتا ہے۔ چاہئیے تو یہ تھا کہ جناب سلمان ندوی اور ان کے دوست احباب پہلے تو موصوف کے ان عقائد و نظریات جو سوالات میں تفصیلی بیان کئے گئے ہیں اسے دیکھتے، پھر دار العلوم دیوبند کے تفصیلی جواب پر غور کرتے

مگر دیکھا گیا کہ موصوف اور ان کے دوست احباب نہ صرف یہ کہ بار بار کے توجہ دلانے کے باوجود اپنے غلط موقف پر نظر ثانی کے لئے تیار نہیں ہوئے بلکہ اپنے ان عقائد و نظریات کی تشہیر میں مزید شدت اختیار کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

کیا آپ نے پچھلے دنوں یہ منظر نہیں دیکھا کہ موصوف سلمان ندوی صاحب نے اجمیر جا کر اس بدبخت کے ہاتھ سے اپنے سر پر پگڑی بندھوائی جس کی زبان صحابہ کرام بالخصوص سیدنا حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں بڑی بے لگام رہتی ہے اور وہ کھلے عام حضرت امیر معاویہؓ کی توہین و گستاخی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ آخر جناب سلمان ندوی کو ایسی کیا اور کیوں ضرورت پیش آرہی ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے خلافت کی پگڑی پہنیں جنہیں صحابہ کے بارے میں گستاخی کرتے کوئی حیاء نہیں آتی اور وہ ہیں کہ ان کی عقیدت میں بچھے بچھے جاتے ہیں۔ افسوس صد افسوس

دارالعلوم دیوبند کے فتوے کے جواب میں جناب سلمان ندوی کے ایک شاگرد عبدالکبیر ندوی نامی شخص کو بڑا جوش آیا اور دیوبند کے فتوی کی خامیاں کے نام سے ایک مضمون لکھا ۔ہمارا خیال تھا کہ موصوف دار العلوم دیوبند کے اس فتوی کی خامیاں بتلائیں گے اور کہیں گے جناب سلمان ندوی نے یہ بات نہیں کہی اور لکھی یا اس کا مطلب یوں اور یوں تھا۔ مگر یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ عبدالکبیر ندوی دیوبند کی خامیاں نکالتے نکالتے حضرت امیر معاویہؓ کی خامیاں نکالنے اور دکھانے میں مصروف ہو گیا۔ افسوس کہ موصوف نے دیوبند کے فتوی پر تو چار صفحات پر تبصرہ کیا اور حضرت معاویہ کے جرائم بتلانے کے لئے گیارہ صفحات سیاہ کئے ہیں۔ اس لحاظ تو مضمون کا نام حضرت معاویہؓ کے جرائم ہونا چاہئیے تھا نہ کہ دیوبند کے فتوی کی خامیاں۔ جرائم کا لفظ (معاذ اللہ) ہمارا نہیں اسی عبدالکبیر ندوی کا ہے۔ موصوف حضرت معاویہؓ کے جرائم کی اربعین کے بعد لکھتے ہیں

حضرت معاویہ کے جرائم کی ایک مختصر فہرست صحاح کتب احادیث سے واضح ہوتی ہے (ص ١٤)

پیش نظر رہے کہ یہ وہی عبدالکبیر ندوی ہیں جو ندوہ میں دوران تعلیم ہی صحابہ کرام کے بارے میں بدزبانی کا اظہار کر چکے تھے اور انہیں جب ندوہ سے اخراج کئے جانے کی بات چلی تو اس پر وہ نہایت منت سماجت سے معافی تلافی پر اتر آئے تھے اور س نے آئندہ اس قسم کی باتوں

سے اجتناب کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر افسوس کہ ان کے اندر کے جراثیم اب بھی اسی طرح باقی ہیں۔

☆...عبدالکبیر ندوی کتنے معصومانہ انداز میں لکھتے ہیں کہ

صاحب معاملہ (یعنی جناب سلمان ندوی) جب خود یہ کہہ رہا تھا کہ دیوبند یا ندوہ کا کوئی محدث طے کیا جائے جو مجھ سے بات کرے میں طالب علمانہ سوال کروں گا وہ ان کا صحیح جواب مجھے دے دیں اور میرے دلائل مجھے سمجھا دیں تو میں توبہ کرلوں گا لہذا اس تعلق سے آپ نے کیا کیا؟ (ص ۳)

عرض یہ ہے صاحب معاملہ کیوں اس بات پر ہی بضد ہے کہ دیوبند یا ندوہ کا ہی کوئی محدث بات کرے۔ اگر موصوف کو اپنے عقائد و نظریات کے سو فیصد درست ہونے کا ہی یقین ہے تو وہ کیوں کسی بھی عالم کے ساتھ بات کرنے کے لئے تیار نہیں۔ انہیں آخر کس بات کا خوف ہے؟ آپ کے صاحب معاملہ کو کیا ہو گیا کہ وہ اب بریلی کے مولانا احمد رضا خان صاحب کے طریقے پر چل پڑے کہ وہ بھی اسی طرح کی حرکتیں کیا کرتے تھے اور وہ اپنے معتقدین کو مطمئن کرنے کے لئے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کو مناظرے کا چیلنج دیتے اور وہ یہ جانتے تھے کہ حکیم الامت حضرت تھانوی اس مزاج کے آدمی نہیں ہیں۔ مولانا احمد رضا خان صاحب کا یہ مطالبہ محض اپنے لوگوں پر اپنی دھاک بٹھانے کے لئے ہوتا تھا مگر جب آپ ہی کے ایک خلیفہ حضرت مولانا سید مرتضی حسن صاحب چاند پوری نے مولانا احمد رضا خان کے چیلنج قبول کرنے کا اعلان کیا اور بریلی پہنچ گئے تو مولانا احمد رضا خان پر اس کا ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ باہر ہی نہ نکل سکے۔ گھر میں دم دبا کر ہی بیٹھ گئے تھے۔ اس کی تفصیل حضرت چاند پوری کے مختلف رسائل میں موجود ہے تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے قارئین کے لئے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ایک بیان سے یہ دلچسپ بات نقل کر دیں۔ آپ لکھتے ہیں

اگر میں ان مواقع کی تفصیل لکھوں کہ جہاں پر آپ (یعنی مولانا احمد رضا خان) مناظرہ کے واسطے بلائے گئے اور آپ ٹال مٹول کر کے بھاگ گئے تو شاید ایک دفتر طویل ہو جاوے۔ جس قدر رجسٹریاں آپ نے ہضم کیں، ان کے واسطے پورا رجسٹر چاہئیے۔ بھلا کس روز آپ میدان مناظرہ میں حریف کے سامنے نکلے ہیں،

لوگوں نے تو گھر تک پیچھا کیا اور ان کی خاص مسجد تک بھی گئے مگر خود ان کو اور ان کے پشت پناہوں تک کو سوائے گھر کا کونہ دبا لینے کے اور کوئی صورت نہ بن پڑی، گھر بیٹھ کر گالیاں دینے کو تو وہ جناب موجود ہوتے ہیں۔ اب یہی دیکھئے سید مرتضی حسن صاحب نے کتنی مدتوں سے آپ کو مناظرہ کے واسطے طلب کر رکھا ہے کیوں نہیں نکلتے؟ کتنی رجسٹریاں ان کی ہضم کر کے بیٹھے ہیں ذرا میدان میں نکلئے شیروں کے سامنے تو آیئے انشاء اللہ اس محمدی کچھار کے شیروں میں ایک دو نہیں ہزاروں آپ سے مناظرہ کرنے کو تیار ہیں۔ چھوٹے سے طالب علم سے بھی آپ بغلیں نہ جھانکیں تو ذمہ سہی۔ سوّد اللہ وجھک فی الدارین (الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب ص ۲۶۵)

سو ضروری تو نہیں کہ ندوہ یا دیوبند کا کوئی محدث ہی جناب سلمان ندوی سے مناظرہ کرے اگر آپ نے حق کی صدا ہی بلند کرنی ہے تو پھر کوئی بھی عالم آپ سے گفتگو کرنا چاہے تو آپ آخر راہ فرار کیوں اختیار کر رہے ہیں؟ کیا فاضل نوجوان جناب مولانا ابو حنظلہ عبد الاحد قاسمی مد ظلہم نے کل ہند مجلس تحفظ سنت کی جانب سے آپ کے چیلنج کو کھلے عام قبول نہیں کیا؟ اور کیا انہوں نے ۱۹ اکتوبر ۲۰۱۹ء کو تحریری طور آپ کا چیلنج قبول کرنے کی خبر نہیں دی؟ اور کیا انہوں نے ببانگ دہل یہ ویڈیو پیغام نہیں دیا کہ جناب سلمان ندوی اب اپنے دعوے پر قائم رہتے ہوئے مناظرے اور مباحثے سے پیچھے نہیں ہٹیں گے اور بغیر کسی پس وپیش کے تاریخ وقت اور جگہ طے کریں گے، وہ اس کے لئے حاضر ہیں۔ اگر موصوف اپنے ساتھیوں سمیت ان کے پاس آنا چاہیں تو نہ صرف یہ کہ وہ ان کے استقبال کے لئے تیار ہیں بلکہ آنے جانے کے جملہ ضروری اخراجات بھی وہ ادا کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں اور گر وہ انہیں اپنے پاس لکھنؤ بلانا چاہیں تو وہ (یعنی مولانا قاسمی) ان کے پاس جا کر مناظرہ کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے اور بے شک یہ مناظرہ آپ کے مدرسہ کے صحن میں ہی ہو جائے کہ وہاں جملہ اساتذہ اور طلباء بھی اس مناظرہ کے شاہد رہیں۔ آپ اس کا جواب دیجئے تا کہ یہ بحث کسی نتیجہ تک پہنچے۔ مگر افسوس کہ آپ کے جناب سلمان پر اس کا ایسا رعب پڑا ہے کہ وہ اب تک اس کا جواب نہیں دے پا رہے ہیں۔ پھر مولانا قاسمی نے ۲۶ اکتوبر ۲۰۱۹ء کو بھی مناظرے کی یاد دہانی کرائی تھی مگر جناب سلمان ندوی پھر بھی اس پر تیار نہ ہوئے۔ آخر آپ کے صاحب معاملہ کیوں جواب نہیں دے رہے ہیں؟

سوال یہ ہے کہ جناب سلمان ندوی اپنے ہی دئے گئے چیلنج کے قبول کئے جانے سے اب کیوں راہ فرار اختیار کر رہے ہیں؟ اور کیوں خود ساتھیوں سمیت وہاں جا کر یا انہیں اپنے پاس بلا کر گفتگو کرنے سے خائف ہیں؟ آخر اب صاحب معاملہ کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اجمیر کے ایک گدی نشین کے پاس تو پگڑی پہننے چلے گئے اور صحابی کے بارے میں علانیہ بدزبانی کرنے والے سے اپنے سر پر سرخ پگڑی تو بندھوالی، کاش کہ وہ کچھ وقت نکال کر اسی علاقے کے مولانا قاسمی کے پاس بھی کتابوں سمیت پہنچ جاتے تو دنیا دیکھ لیتی کہ وہ کتنے پانی میں ہیں؟

جناب سلمان ندوی اور ان کے احباب بڑے بلند و بانگ کے ساتھ مناظرے اور مباحثے کا چیلنج تو دیتے ہیں مگر جب بھی کوئی ان سے بات کرنے کے لئے آگے آتا ہے تو انہیں سانپ سونگھ جاتا ہے۔ اگر واقعی ان کا یہ گمان ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ قرآن و حدیث کی تعلیمات اور ہدایات ہیں اور وہ مذہب اہل سنت والجماعت کے خلاف نہیں تو ساری لن ترانیاں چھوڑیئے مولانا عبدالاحد قاسمی کو خود فون کر کے تاریخ اور وقت طے کیجئے، خود جایئے، یا ان کو بلایئے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے اور جو لوگ موصوف کو وقت کا ابن تیمیہ سید قطب اور جناب مودودی بتاتے نہیں تھکتے انشاء اللہ ان پر بھی موصوف کی حقیقت آشکار ہو جائے گی۔

☆...جناب سلمان ندوی کے عقائد و نظریات کے ترجمان عبدالبکیر ندوی نے جن بزرگوں کے حوالے سے حضرت امیر معاویہ اور اہل شام کے بارے میں جو بیانات نقل کئے ہیں ان کے جوابات علماء اسلام کی جانب سے دئے گئے ہیں اور لفظ باغی، طاغی، وغیرہم الفاظ کی تشریح و توضیح بھی کی گئی ہے مگر یہ تو بتایئے کہ کیا ان بزرگوں میں سے کسی ایک نے بھی جناب سلمان ندوی کی طرح حضرت امیر معاویہ اور ان کی جماعت کو جہنمی کہا ہے؟ کیا جناب سلمان ندوی نے اس ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر تقریر نہیں کی جس پر ایک پوسٹر میں حضرت امیر معاویہ کو کھلے عام جہنمی لکھا گیا تھا؟ جبکہ حدیث میں کہیں بھی حضرت معاویہ کا نام موجود ہی نہیں ہے اب آپ ہی بتلادیں کہ ان بزرگوں کے بیانات اور آپ کے سلمان ندوی کے عقائد و نظریات میں کہاں یکسانیت پائی جاتی ہے؟

☆...عبدلکبیر ندوی کی یہ بات بھی جھوٹ ہے کہ گستاخ صحابہ کی بات ہوتی ہے تو لوگوں کا ذہن حضرت معاویہ کی جانب چلا جاتا ہے۔ جی نہیں۔ جب بھی گستاخ صحابہ کی بات ہوتی ہے تو لوگوں کا ذہن ہمیشہ روافض خوارج اور ان کے کارندوں کی جانب ہی جاتا ہے اور یہی حقیقت

واقعہ ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی مرتضی اور حضرات حسنین کریمین ام المؤمنین حضرت عائشہ ام المؤمنین حضرت حفصہ حضرت ابو ہریرہ حضرت خالد بن ولید حضرت عمرو بن العاص وغیرہم (رضی اللہ عنہم) کی گستاخی اور توہین کا ارتکاب کرتے ہی رہتے ہیں اور وہ اسے اپنے عقیدے کا لازمی حصہ سمجھتے ہیں۔ سو عبد الکبیر ندوی کا یہ لکھنا قطعا درست نہیں کہ لوگوں نے گستاخ صحابہ کا مصداق حضرت معاویہ کو سمجھا ہے۔ موصوف نے جن بزرگوں کے حوالے نقل کئے ہیں کیا ان میں سے کسی ایک نے بھی حضرت معاویہ کو گستاخ صحابہ لکھا ہے؟ موصوف حضرت معاویہ کو گستاخ صحابہ کہنے کا سبب یہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہ سے جنگ کی تھی اس لئے اللہ نے ان کی ذات کو قیامت تک کے لئے متنازع بنا دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا حضرت علی مرتضیٰ کی جنگ صرف حضرت معاویہ کے ساتھ ہی ہوئی تھی؟ کیا تاریخ میں جنگ جمل نام کی کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی جس میں کئی نیک نام حضرات جان سے گئے تھے؟ حضرت علی مرتضی کی یہ جنگ کس کے ساتھ ہوئی تھی؟ اگر حضرت معاویہ اس لئے مجرم اور لائق سب وشتم ہیں کہ انہوں نے حضرت علی سے جنگ کی تو اس دلیل سے کیا آپ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ حضرت زبیر بن عوام اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو بھی سب وشتم کا مستحق قرار دیں گے؟ اور ان کے بارے میں بھی امت کو بتائیں گے کہ یہ ذوات مقدسہ بھی حضرت معاویہ کی طرح قیامت تک امت میں متنازع رہیں گی کیونکہ یہ بھی حضرت علی سے لڑے تھے؟ جناب سلمان ندوی تو حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت معاویہ حضرت خالد حضرت عمرو بن العاص پر تو چڑھ دوڑے ہی تھے اب ان کے ترجمان نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کو بھی نہ چھوڑا اور ان کی ذات مقدسہ کو بھی امت میں متنازع دکھانے میں لگ گیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ یہ وہ کڑوے پھل ہیں جو جناب سلمان ندوی کی زمین پر لگائے درختوں پر اگنے لگے ہیں۔

☆... جناب سلمان ندوی کے عقائد و نظریات کے دفاع میں لندن کے مولانا عیسی منصوری صاحب بھی تشریف لے آئے ہیں انہوں نے ۲۴ اکتوبر کو ساڑھے تین صفحات پر مشتمل ایک مضمون لکھ کر جناب سلمان ندوی کے اسلامی کارنامے بیان کرنے کے بعد یہ چیلنج بھی کر دیا کہ آج سلمان الحسینی جیسا کوئی فرد بنا کر دکھائیں۔

ہم مولانا موصوف کا یہ چیلنج قبول نہیں کر سکتے کیونکہ ہم سلمان الحسینی نہ بننا چاہتے ہیں اور نہ ہی بن سکتے ہیں اور نہ خدا ہمیں ان جیسا بنائے۔ انہوں نے اپنی عمر کے اس حصے میں بقول

مولانا عیسی صاحب اپنی بے پناہ صلاحیتوں کو صحابہ کرام پر کیچڑ اچھال اچھال کر جس طرح ضائع کیا ہے علماء نے تو اس کے ضائع ہونے سے بچانے کی تو بہت کوشش بھی کی تھی مگر جب وہ خود ہی اپنی ان بے پناہ صلاحتیوں کو ضائع کرنے کا شوق رکھتے ہیں تو آخر حضرت مولانا محمد رابع صاحب مد ظلہم بھی کیا کریں اور کس طرح ان کی بے پناہ صلاحتیوں کو ضائع ہونے سے بچائیں ہاں اگر آپ واقعی ان کی بے پناہ صلاحتیوں کو بچانا چاہتے ہیں تو آپ آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑیں شاید وہ آپ کی بات مان لیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کی نصیحت پر اس کی پگڑی اسے واپس کر دیں جو حضرت معاویہ کو دن دھاڑے برا کہتے حیاء نہیں کرتا ہے۔

☆...مولانا عیسی منصوری فرماتے ہیں کہ

کچھ عرصہ سے بھارت کے مولویوں میں مولانا کی ذات موضوع بحث بنی ہوئی ہے گویا آج کل بھارت کا سب سے بڑا موضوع مولانا سلمان کا دائرہ اسلام میں رہنا یا خارج ہو جانا ہے باقی یہ مسائل یہ مولوی حل کر چکے ہیں۔

اب اگر جواب میں کوئی مولانا منصوری صاحب سے ہی یہ پوچھ لے کہ کیا آج کل امت کا سب سے بڑا مسئلہ صحابہ کرام کی عزت سے کھلواڑ کرنا، ان کے مشاجرات پر جاہل عوام میں بحث چھیڑنا، اور مشاجرات کا نام لے کر صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد کے بارے میں عام مسلمانوں کو بدگمان اور پھر بدزبان کرنا، اور قرآن کریم کے بارے میں عام مسلمانوں میں تشویش پیدا کرنا ہی سب سے بڑا مسئلہ رہ گیا ہے جو اس وقت آپ کے سلمان الحسینی جگہ جگہ برپا کر رہے ہیں۔ باقی ہندوستان کے دینی سیاسی معاشرتی اور اخلاقی مسائل تو آپ کے جناب سلمان ندوی حل کر چکے ہوں گے ؟ آپ کے یہ سلمان الحسینی جس لب ولہجے میں عرب حکمرانوں اور ائمہ حرمین شریفین پر گرجتے ہیں کیا انہوں نے کبھی ہندوستان کے مسلمانوں کی حمایت میں بھی آواز بلند کی ہے ؟ کیا ان کی زبان سے کشمیری مسلمانوں پر سال بھر سے ہونے والے مظالم کے خلاف کوئی احتجاج، کوئی قرارداد، اور کوئی لمبا چوڑا پوسٹر بھی دیکھا ہے ؟ شاید ان کے نزدیک یہ سب مسائل تو نریندر مودیا اور یوگی جوگی حل کر چکے ہیں اب کیا ضرورت ہے کہ خوامخواہ مودی گورنمنٹ کو ناراض کیا جائے۔ ہاں ایک مسئلہ رہ گیا ہے اور وہ صحابہ کی ذوات عادلہ ہیں ۔ جنہیں کبھی حضرت علی کے مقابل دکھا کر، کبھی میدان جنگ میں لا کر، کبھی خلافت کے عنوان پر امت میں متنازع بنا دیا جائے اور یہ تاثر دیا جائے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات اور

آپ کی وصال پر ملال کا سانحہ ہوتے ہی انہوں نے حضرت علی مرتضی کے ساتھ ظلم وستم شروع کر دیا تھا، اور ان کی امامت وخلافت پر بزور وبازو قبضہ کر لیا تھا۔

موصوف پچھلے چند سالوں سے جس شدومد کے ساتھ اس پر لکھے اور بولے جارہے ہیں کاش کہ مولانا عیسی منصوری خود بھی کبھی اسے پڑھیں اور سنیں تا کہ ان پر بھی یہ راز کھل جائے کہ باقی مسائل تو آپ کے یہ صاحب حل کر چکے ہیں اب صفحہ عالم پر صرف یہی ایک مسئلہ رہ گیا تھا جو پندرہ سو سالوں سے تشنہ تھا جس کو آپ کے سلمان الحسینی حل فرمارہے ہیں۔

☆... محترم مولانا منصوری صاحب ایک طرف تو یہ لکھ رہے ہیں کہ ان کے جناب سلمان الحسینی کی ان باتوں کو اسی طرح تفرد کے کھاتے میں ڈال دیا جائے جس طرح ڈاکٹر حمید اللہ اور امام بخاری وغیرہم کے تفردات تھے اور تفرد کو تفرد کے درجے میں رکھا جائے جبکہ دوسری طرف وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ان کی خدمات کے اقرار کے ساتھ ان کی غلطی اور تفرد کو واضح ضرور کیا جائے۔

جناب محترم۔ جناب سلمان ندوی کی دینی خدمات کا انکار کس نے کیا ہے ہمارے پاس اس کی کوئی فہرست نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مولانا عیسی منصوری صاحب کے پاس یہ پوری فہرست موجود ہو اور ہم بھی اس فہرست کو دیکھنا چاہیں گے۔ لیکن جب علماء ان کے ان تفردات، بنیادی غلطیوں اور غلط باتوں کو واضح کرتے ہیں تو پھر جناب کو غصہ کس بات پر آرہا ہے؟ اور کیوں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ علماء جو ان کی غلط باتوں اور تفردات کو واضح کرتے ہیں وہ شور وغوغا کرتے ہیں؟ کیا تمام علماء بقول آپ کے موصوف کے ان تفردات پر خاموش ہو کر بیٹھ جائیں ، اور عام مسلمانوں کو صحابہ کرام اور قرآن کریم کے بارے میں بدگمان ہونے دیں؟ علماء نے کیا ان بزرگوں کے تفردات پر جرح نہیں کی، اور امت پر یہ بات نہیں کھولی کہ یہ ان کے تفردات ہیں، شذوذ ہیں، شطحیات ہیں جو غلط ہیں۔ اب اگر آپ کے سلمان الحسینی کے یہ نظریات بقول آپ کے یہ تفردات ہیں اور ان پر علماء جرح کر رہے ہیں اور ان کی جلی اغلاط کی نشاندہی کر رہے ہیں تو جناب کا اسے شور وغوغا، اور جلن وحسد کے مارے بتلانا کیا زیادتی نہیں ہے؟

☆... مولانا عیسی منصوری صاحب فرماتے ہیں کہ سچے تعلق کا تقاضا ہے کہ ان کے قریب ہو کر انہیں سمجھانا چاہئیے اور باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہئیے اور پوری قوت سے مزاحمت کرنی

چاہئیے بندہ یہی کر رہا ہے اور یہی کرتا رہے گا؟ پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ براہ راست رابطہ کر کے مولانا کو غلطیوں سے باز رکھنا ہے، یہی آج کے دور میں صحیح لائحہ عمل ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عیسی منصوری صاحب کو یا تو ان حالات وواقعات کا علم ہی نہیں ہے جو پچھلے کچھ سالوں سے اس موضوع پر برپا ہیں یا پھر موصوف تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ جناب والا۔ آپ کے سلمان الحسینی کو خود ندوہ کے علماء نے محبت سے سمجھایا ہے، ان کو ان حرکات سے باز رکھنے کی کوشش کی ہے، علمی طور پر ان کے دلائل کا جواب دیا ہے، ان کی غلطیوں اور جھوٹ کو ان کے سامنے رکھا ہے، مگر آپ کے سلمان الحسینی ہیں کہ وہ کسی ایک کی سننے کے لئے تیار نہیں حتی کہ وہ تو اپنے ہی استاذ اور بزرگ حضرت مولانا محمد رابع صاحب دامت برکاتھم کو اپنے عقائد و نظریات پر مباہلہ تک کی دعوت دے چکے ہیں۔ آپ تو ان کے دوست ہیں، آپ فرمائیے کیا انہوں نے اب تک آپ کی بات مانی ہے؟ اور اپنے ان غلط نظریات سے وہ پیچھے ہٹے ہیں اور اس کی تشہیر واشاعت سے وہ رک گئے؟ آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا کی بعض تعبیرات یقیناً نامناسب (صرف نامناسب؟؟؟) ہیں توجہ دلانے پر کئی چیزوں سے رجوع کیا ہے، آگے بھی یہی کریں گے۔۔ مگر بتلائیے انہوں نے کون کون سی تعبیرات سے اب تک رجوع کر لیا ہے، یہ رجوع بذریعہ فون آپ سے کیا ہے؟ یا تشہیر عام کے ذریعہ اپنی ان نامناسب تعبیرات سے توبہ کی ہے؟ کیا آپ ان رجوع کردہ تعبیرات سے ہندوستان کے علماء کو آگاہ فرمادیں گے تاکہ وہ آئندہ اس کو پھر موضوع بحث نہ بنائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ موصوف اب بھی اسی کام میں مصروف ہیں اور پہلے سے بڑھ چڑھ کر اجلہ صحابہ پر حملہ کر رہے ہیں، اگر آپ انہیں ان باتوں سے باز رکھ سکتے ہیں تو اپنی کوشش جاری رکھئے، اور پوری قوت سے مزاحمت کیجئے، لیکن کم از کم یہ تو نہ کہئے کہ جو علماء دلائل کے ساتھ ان کے غلط نظریات کی تردید کرتے ہیں وہ حسد، جلس، اور تعصبات کا شکار ہیں اور وہ چند ریالوں اور عمرہ کے ٹکٹ پر بکنے والے لوگ ہیں۔ اور اگر وہ بقول آپ کے حسد کے بھی مارے ہوئے ہوں اور ریالوں پر بک بھی رہے ہوں تو بھی کم از کم یہ تو دیکھئے کہ وہ جو کہہ رہے ہیں وہ صحیح ہے یا غلط؟ وہ حقائق ہیں یا محض حسد، جلن اس کا سبب ہے؟ وہ اپنی ذات کے بارے میں کہہ رہے ہیں یا صحابہ کرام کے دفاع میں گفتگو کر رہے ہیں؟ ان بزرگوں کے ان حاسدانہ رویوں اور ملنے والے ریالوں کے نام پر یہ تاثر دینا کہ جناب سلمان ندوی کا دامن ان تمام باتوں سے پاک صاف ہے بڑی خطرناک روش ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ خود آپ کے سلمان الحسینی کے حق

میں بھی اچھا نہیں ہے۔ اس لئے از راہ کرم حقائق کو غلط رنگ نہ دیجئے۔ آپ کی ان کے ساتھ دوستی کا تقاضا بھی ہے کہ انہیں سمجھاتے رہیں، صحابہ کے بارے میں بدگمانی پھیلانے سے روکتے رہیں انہوں نے حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ کی بات تو نہیں مانی الٹا انہیں میدان میں بلالیا شاید اب وہ آپ کی بات مان جائیں اور اب کی بار سچی توبہ اور رجوع کریں تو پھر اس پر استقامت کا بھی مظاہرہ کریں۔

(ماہنامہ الہلال مانچسٹر ج ۱۹ شمارہ نمبر ۵ جمادی الاول ۱۴۴۲ھ)

مولانا سلمان ندوی کے نظریات اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں
دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا سعید الرحمن اعظمی صاحب حفظہ اللہ کا دوٹوک بیان

جناب سلمان ندوی کے معافی نامہ کی حقیقت

ماہنامہ الہلال آن لائن اشاعت کے لئے بھیجا جارہا تھا کہ کسی دوست نے جناب سلمان ندوی کا ایک کلپ بھیج دیا جس میں موصوف حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء کے ہاتھ چوم رہے ہیں اور ساتھ ہی ان کی دوسطری تحریر ہے کہ (آج بتاریخ ۱۶ ستمبر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتھم کی خدمت میں میری حاضری اور دل ومعاملات کی صفائی۔ محبین سے دعاؤں کی درخواست ہے)۔

یاد رہے کہ یہ وہی حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہ ہیں جنہیں موصوف نے چند دنوں قبل مباہلہ کے لئے میدان میں بلایا تھا، اور مباہلہ کے نتیجہ میں آسمان سے آگ کے آنے کی خبر دی تھی۔ اور یہ بھی کسی ذاتی مسئلے پر نہ تھا، صحابہ کرام بالخصوص حضرت معاویہؓ کے ایمان اور کردار پر تھا۔ موصوف کے حضرت مولانا مدظلہ کی خدمت میں حاضری اور دل کی صفائی کا تعلق ان کی ذات سے ہے۔ ہمارے ایک ساتھی نے اس پر بڑا عمدہ تبصرہ کیا اور کہا کہ مباہلہ کا نتیجہ تو کھل کر سامنے آگیا ہے اور دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ موصوف جن بزرگوں کو بیانگ دہل مباہلہ کا چیلنج کرتے پھرتے تھے آج انہی کے قدموں پر آگرے ہیں۔ حضرت مولانا موصوف اسے معاف کرتے ہیں یا نہیں؟ یہ ان کا معاملہ ہے لیکن یہ سوال اب بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ کیا جناب سلمان ندوی صحابہ کرام بالخصوص شیخین کریمین حضرت معاویہ حضرت ابوہریرہ اور دیگر اجلہ صحابہؓ کے بارے میں اب تک جو کہتے چلے آرہے ہیں کیا انہوں نے اس سے بھی توبہ اور برات کا اعلان کردیا ہے؟ اور کیا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب تک میں جو کچھ صحابہ کے خلاف کہتا رہا اور لکھتا رہا بصدق دل اس سے رجوع کرتا ہوں اور ان تمام آڈیوز اور ویڈیو کلپس کو تلف کرتا ہوں، اور آج کے بعد جو لوگ میری ان باتوں اور تحریروں کو شائع کریں گے میں ان کے خلاف ممکنہ کاروائی کروں گا، اور دنیا بھر کے ان تمام مسلمانوں سے معافی کا خواستگار ہوں جن کے دلوں کو میری تقریروں اور تحریروں سے تکلیف پہنچی ہے۔ یہ سب کچھ میری غلط فہمی یا کسی..... کے بناء پر ہورہا تھا۔ اللہ مجھے معاف کرے۔

جناب سلمان ندوی نے دل اور معاملات کی صفائی کی جو بات کی ہے وہ جانے حضرت مولانا محمد رابع صاحب جانے۔ لیکن وہ ابھی بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ انہوں نے کم پڑھے لکھے مسلمانوں کو اجلہ صحابہ سے بدگمان کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ موصوف نے آج سے ایک سال قبل ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۹ء کو بھی ایک تحریر یہ کہہ کر لکھی تھی مولانا رابع صاحب قیامت کے دن یہ کہیں گے کہ میں نے سلمان ندوی کو اپنے نظریات ترک کرنے پر مجبور کیا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ موصوف اس تحریر میں بھی اپنے نظریات سے توبہ اور رجوع نہیں کر رہے تھے اور پھر اس کے بعد اب تک موصوف جس تیزی اور تشدد سے صحابہ کرام کے منھ لگتے چلے آرہے ہیں وہ سب کے سامنے ہے۔ جناب سلمان ندوی اپنے غلط اور بے بنیاد گمراہانہ نظریات ترک کریں یا نہ کریں، یہ ان کی مرضی، لیکن کم از کم اتنی ہمت تو دکھائیں کہ جن علماء نے موصوف کے نظریات پر علمی گرفت کی ہے اور ان کی تقریروں اور تحریروں میں جو جھوٹ اور فریب پکڑے ہیں اسکے جوابات تو دیں اور اپنی غلط باتوں کا دفاع کرکے تو دکھائیں۔ نہیں تو کم از کم یہ ڈرامہ بازی بند کردیں۔۔

جن حضرات نے صحابہ کی تاریخ پر کتابیں لکھیں ہیں انہوں نے ان کی بہت زیادہ صحیح تعریف لکھ کر ایک آدھ بات ایسی بھی نقل کردی جس سے کوئی نقص کا پہلو نکلتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ان حضرات نے یہ بھی بتاسدیا کہ تاریخی روایات معتبر نہیں یعنی جو چیز جرح وتعدیل کے بغیر لکھی گئی ہو وہ لائق اعتبار نہیں۔ پھر ان حضرات نے یہ کتابیں عربی زبان مئں لکھی تھےں۔ (افسوس کی بات ہے کہ) دور حاضر کے (نام نہاد) محقق تو حضور اکرم کے صحابہ کی لغزشیں ہی تلاش کرتے ہیں اور انہیں کو چشانٹ کر ایک جگھ جمع کرتے ہیں اور لکھنے کے بعد یہ نہیں بتلاتے کہ یہ چیزیں بے سند ہیں یا غیر معتبر راویوں سے مروی ہیں بلکہ (حد تو یہ ہے کہ) ان کو باطر کرانے کے لئے پورا زور قلم خرچ کرتے ہیں جس سے امت میں صحابہ کرام سے بے اعتقادی بلکہ بداعتقادی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ (العیاذ باللہ تعالی)

(از: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مھاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ)

جمعیت علماء ٹانل ناڈو کے رہنما جناب خطیب سعید باقوی صاحب کے ایک خط کا مطالعہ اور اس کا جواب

۱۴۔اپریل ۲۰۱۹ء

محترم جناب خطیب احمد سعید باقوی صاحب... خادم جمعیت علماء تامل ناڈو... انڈیا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی بخیر...

ایک دوست کی وساطت سے آنجناب کا ایک خط نظر نواز ہوا جو آنجناب نے ضلع سلیم کے اراکین جمعیت علماء کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا ہے جس کا موضوع لکھنؤ کے جناب سلمان ندوی کا جناب مولانا فضل کریم صاحب کی دعوت پر شہر دھرم پور آنے سے ہے۔ ضلع سلیم کے اراکین نے بذریعہ خط مولانا موصوف کو اس پر توجہ دلائی تھی کہ جناب سلمان ندوی موصوف نے دینی اور سیاسی طور پر (بالخصوص قرآن کریم صحابہ کرام اور پھر مادر علمی دار العلوم دیوبند اور اس کے موجودہ اکابر کے بارے میں) جو زبان اختیار کر رکھی ہے اور جس کا وہ بر سر عام اظہار بھی کرتے ہیں اور اس پر انہیں کسی قسم کی کوئی ندامت بھی نہیں ہے ایسے شخص کو جمعیت علماء تامل ناڈو کے نائب صدر کا دعوت دینا حیران کن ہی نہیں افسوسناک بھی ہے اس کا تو معنی یہ ہے کہ مولانا فضل کریم صاحب کو صحابہ کرام کی بر سر عام توہین پر کوئی تشویش اور دکھ نہیں ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والا اب بھی اس لائق ہے کہ اس کی عزت کی جائے اور اس کو مسلمانوں کی نگاہ میں قابل احترام دکھایا جائے اور عام مسلمانوں اور دینی طالب علموں میں یہ تاثر دیا جائے کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم کے بارے میں خوامخواہ انتشار پیدا کرے اور مسلمانوں کے دلوں میں صحابہ کرام کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کر کے ان کو بے وقعت بتانے کی کوشش کرے تو یہ کوئی بڑا جرم نہیں ہے۔ کیا مولانا فضل کریم صاحب اور آنجناب (محترم خطیب صاحب) اپنے ماں باپ اور گھر والوں کے بارے میں اس قسم کا رویہ اختیار کرنے والوں کے ساتھ بھی یہی رویہ اپنائیں گے؟

خادم جمعیت جناب خطیب سعید باقوی صاحب محترم کا یہ جملہ بھی لائق افسوس ہے کہ ضلع سلیم تامل ناڈو کے اراکین جمعیت کا

یہ عریضہ دو دن سے سوشل میڈیا پر وائرل ہو کر تشویش کا باعث بنا ہوا ہے

گذارش یہ ہے کہ ضلع سلیم کے محترم اراکین جمعیت کا وہ خط جو غیرت ایمانی اور صحابہ کرام کی محبت کا عکاس تھا (اور وہ شاید بقول ان کے مولانا فضل کریم صاحب کی گستاخی کا بھی) وہ تو محترم خطیب صاحب کے نزدیک تشویش کا باعث بن گیا مگر کیا موصوف یہ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ جناب سلمان ندوی نے قرآن کریم صحابہ کرام اور دار العلوم دیوبند کے بارے میں جن نظریات اور خیالات کا کھلے عام اظہار کیا ہے وہ اب تک آپ کے ہاں کیوں تشویش کا باعث نہیں بن رہا ہے ؟ مولانا فضل کریم صاحب کی عزت و وقعت کیا صحابہ کرام کی عزت سے بھی زیادہ ہے کہ ان کو ایک بڑی غلطی پر متوجہ کیا جائے وہ تو باعث تشویش بن جائے اور اسے مولانا فضل صاحب کی توہین سمجھی جائے مگر صحابہ کرام پر تبرا پڑھنا آنجناب کے نزدیک کسی تشویش کا باعث نہ ہو۔ فیاللعجب۔

مولانا فضل کریم صاحب اور آنجناب (خطیب صاحب) بتاسکتے ہیں کہ جناب سلمان ندوی نے صحابہ کرام کے خلاف جو زبان اختیار کی ہے کیا وہ کسی تشویش کا باعث نہیں ؟ اور کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ موصوف نے صحابہ کرام پر تبرا پڑھ کر کوئی غلط کام نہیں کیا ہے ؟ اگر آپ جناب ندوی صاحب کے اس موقف و نظریات سے متفق ہیں جو انہوں نے اپنے رسالوں میں بیان کر دئے ہیں تو ہمیں آپ سے پھر کوئی شکایت نہیں۔ لیکن اگر آپ کے نزدیک بھی ان کے نظریات قرآن

کریم اور حضور اکرم ﷺ کی ہدایات اور اہل سنت کے عقائد کے خلاف ہیں تو پھر ان کے خلاف خط لکھنے پر آنجناب کو تشویش کیوں ؟ ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جائے یا حوصلہ شکنی ؟ ایسے لوگوں سے محبت و عقیدت کا تعلق رہے یا ان کے غلط نظریات سے عوام الناس اور کچے ذہن کے دینی طلباء کو بچایا جائے ؟ جناب مودودی صاحب کی جب صحابہ کرام کے بارے میں گمراہ کن تحریرات سامنے آئیں تو اس وقت دار العلوم دیوبند کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سیدی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالی نے ایک سوال کے جواب میں جو کچھ لکھا تھا اسے پڑھئے اس سے اندازہ ہو گا کہ اس وقت ہمارے اکابر کس تشویش میں تھے اور ان کا اس باب میں مزاج کیا تھا۔ حضرت لکھتے ہیں

مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ لوگ جماعت اسلامی سے اجتناب اور دوری اختیار کریں اس میں شرکت زہر قاتل ہے اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ لوگوں کو اس جماعت میں شرکت سے روکیں تاکہ گمراہ نہ ہوں اس کا ضرر اس کے نفع سے کہیں زیادہ ہے پس تسامح اور سستی اور غفلت جائز نہیں... الخ

سید مہدی حسن... رئیس دار الافتاء دیوبند... ۲۳ جمادی الاخری ۱۳۷۰ھ

پھر آپ (جناب خطیب سعید باقوی صاحب) کا یہ لکھنا بھی عجیب ہے کہ

جمعیت علماء کا مزاج یہ ہے کہ وہ اصولی باتوں پر اختلاف کرتی ہے آداب اختلاف کے دائرے میں رہ کر نہ کہ اس کی خلاف ورزی کر کے۔

سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں عقیدہ کا تعلق اصولی ہے یا فروعی ؟ پھر آداب اختلاف کا مفہوم کون متعین کرے گا ؟ ضلع سلیم کے اراکین جمعیت نے مولانا فضل کریم صاحب کے نام جو خط لکھا ہے اس میں آداب اختلاف کی کونسی ایسی شق ہے جس کی انہوں نے سنگین خلاف ورزی کی ہے ؟ ان اراکین نے اگر مولانا موصوف کو اس پر متوجہ کیا کہ فلاں شخص صحابہ کرام وغیرہم کے بارے میں تمام آداب اختلاف کو بھول کر بے ادبی کی انتہا کو چھو چکا ہے اور اس کے خیالات و نظریات اس لائق نہیں کہ اب اس کو اہل سنت کے کسی مجمع اور مجلس میں پذیرائی دی جائے اور اس پر ندوۃ العلماء کے مہتمم حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ کی قوی شہادت بھی موجود ہے اس لئے اسے نہ بلایا جائے تو انہوں نے کس آداب اختلاف کی حدود سے تجاوز کیا ہے جس پر آپ انہیں تنبیہ کرنے لگے ہیں۔

اراکین جمعیت نے اپنے خط میں جو لکھا ہے اسے آپ ایک بار پھر پڑھئے انہوں نے جناب سلمان ندوی کے جن عقائد و نظریات کا خلاصہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے

(۱) قرآن کریم کی موجودہ ترتیب کے مقابلے میں ایک نئی ترتیب کا مدعی۔

(۲) صحابہ کرام کی شان میں توہین و گستاخی کا مرتکب اور ان کے متعلق اثنا عشری ذہنیت رکھنے والا

(۳) دار العلوم دیوبند اور اس کے اکابر کی عزت پر حملہ کرنے والا

(۴) دار العلوم دیوبند کو اصلی اور نقلی میں اسی طرح تقسیم کرنے والا جس طرح اس نے صحابہ کے بارے میں اصلی اور نقلی کی تقسیم کی

(۵) بابری مسجد۔ دیگر مساجد اور اس کی اراضی کے بارے میں نہایت غیر ذمہ دارانہ باتیں کرنے والا۔ وغیرہ

جناب والا ... اگر مذکورہ باتیں غلط ہیں تو آپ ان کی نشاندہی کیجئے اور اراکین جمعیت کو بتایئے کہ موصوف ان عقائد و نظریات سے بری ہیں اور اگر مذکورہ باتیں پورے شواہد کے ساتھ موجود ہیں اور ان سے ابھی تک توبہ اور کھلے عام برات نہیں کی جارہی ہے تو اب آپ ہی بتلایئے کہ علماء اور دیندار طبقہ اس پر گرفت نہ کرے تو کیا کرے اور مسلمانوں کے عقائد در بارہ صحابہ کی حفاظت نہ کرے تو پھر اس کی روک تھام کیسے کی جائے۔ جس طرح آپ نے اراکین جمعیت کو خط لکھا کیا آپ نے کبھی جناب سلمان ندوی کو بھی اس کی طرف متوجہ کیا اور انہیں بھی اختلاف کے کچھ ادب وآداب اور اس کی حدود بتلائیں ہیں؟

بقول آپ کے اگر اراکین جمعیت نے اس باب میں اختلاف کی حدود سے تجاوز کیا ہے تو آپ ہی بتائیں کہ آپ نے اب تک اختلاف کی حدود میں رہتے ہوئے جناب سلمان ندوی کے بارے میں اپنے موقف کا اظہار کیا ہے۔ پچھلے کئی مہینوں سے علماء امت میں ان کی تحریرات پر بحث ہورہی ہے اس پر اگر آپ کی کوئی ایسی تحریر موجود ہو جو اختلاف کے حدود میں رہ کر کی گئی ہو تو اسے بھی منظر عام پر آنا چاہئیے تاکم از کم یہ تو معلوم ہو کہ آپ نے ان سے کن آداب اور حدود میں رہ کر اختلاف کرنے کی جسارت فرمائی ہے۔

آپ کے علم میں ہو گا کہ جب جناب سلمان ندوی نے صحابہ کرام کے بارے میں انتہائی گھٹیا زبان استعمال کی تو اس پر دار العلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ دار العلوم میں اس کے ایڈیٹر مولانا سلمان بجنوری صاحب نے ادارتی صفحات میں مختصر مگر عالمانہ تبصرہ فرمایا اور صحابہ کرام کی ذوات مقدسہ سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے اجتناب کرنے کی تلقین کی اور اپنی ایک تقریر میں بھی ان پر تبصرہ فرمایا ۔چاہئیے تھا کہ جناب ندوی اس کا جواب دیتے مگر کیا وہ ذاتیات پر نہیں اتر آئے؟ اور انہوں نے بار بار قاسمی خاندان اور مدنی خاندان کے درمیان اختلاف پیدا کرنے اوران دونوں خاندانوں اور ان کے متعلقین کو آپس میں لڑانے کی کوشش نہیں کی؟ کیا آپ نے کبھی ان سے بھی کہا کہ اختلاف کے کچھ ادب وآداب کا خیال رکھیں یا یہ قیمتی نصیحت اور مزاج علماء پر عمل کا مطالبہ صرف ان حضرات

سے ہی ہے جو صحابہ کرام کے خلاف ہونے والی دھینگا مستی کے مخالف ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ فتنہ ہمارے مدارس اور عام مسلمانوں سے جتنا دور رہے اتنا ہی بہتر ہے

پھر آنجناب کا یہ لکھنا بھی قابل غور ہے کہ

اختلافات کا معاملہ کتنا بھی سنگین کیوں نہ ہو ایک اجتماعی متحدہ پلیٹ فارم سے اس طرح کا اقدام غیر مناسب ہے اور اس کو خاص طور سے شدت کے ساتھ مخالفت کا رنگ دینا ہمارے اکابر علماء کا مزاج نہیں رہا

اگر اراکین جمعیت کا یہ اقدام غیر مناسب ہے تو آپ کوئی مناسب طریقہ بتادیجئے کہ جناب سلمان ندوی نے اپنی تقاریر اور تحریرات میں قرآن کریم اور صحابہ کرام اور دار العلوم دیوبند اور اس کے اکابر کے خلاف جن مکروہ خیالات کا اظہار فرمایا ہے اس سے عام مسلمانوں کے عقیدے کو کس طرح محفوظ رکھا جائے ؟ ان کو اپنی مجلسوں اور محفولوں میں بلا کر... یا ان سے اپنے آپ کو اور دوسرے مسلمانوں کو فاصلہ پر رکھ کر ؟

جن دنوں جماعت اسلامی کے بانی جناب مودودی صاحب نے صحابہ کرام کو اپنا ہدف تنقید بنایا تھا اور وہ کھل کر صحابہ کرام پر تبرا کر رہے تھے علماء کرام میدان عمل میں اترے اور موصوف کی تحریرات کو بلا خوف وخطر اہل سنت والجماعت کے عقائد کے خلاف قرار دیا اور مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچانے کے لئے بھرپور کردار ادا کیا (ہم اوپر اس کی ایک جھلک دکھا آئے ہیں) اس وقت بھی بعض لوگوں نے ان کے اس اقدام کو غیر مناسب قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ طریقہ علماء کے مزاج کے خلاف ہے اس وقت جمعیت علماء ہند کے مقتدر رہنما شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین صاحب مدنی قدس اللہ سرہ نے جو کچھ تحریر فرمایا تھا اس کا ایک حصہ ملاحظہ کیجئے آپ نے ضلع سلیم کے اراکین جمعیت سے جس بات کی وضاحت طلب کی ہے امید ہے کہ حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ کے اس بیان کے بعد اب کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ حضرت لکھتے ہیں

> ان کے رسالوں اور کتابوں میں دینی پیرائے میں وہ بد دینی اور الحاد کی باتیں مندرج ہیں جن کو ظاہر بین اور ناوقف انسان سمجھ نہیں سکتے اور بالآخر اس اسلام سے جس کو رسول اللہ لائے تھے اور امت محمدیہ جس پر ساڑھے تیرہ سو برس سے عمل پیرا رہی ہے بالکل علیحدہ اور بیزار ہو جاتا ہے

آپ حضرات سے امیدار ہوں کہ اس فتنے سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے سکوت اور غفلت اور چشم پوشی کو روانہ رکھیں بلکہ حسب ارشاد

درختے کہ اکنوں گرفت است پائے بہ نیروے شخصے بر آید زجائے

پوری جد وجہد کام میں لائیں گے.....

حسین احمد غفرلہ ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۷۰ دار العلوم دیوبند

دور حاضر میں جس شدت کے ساتھ دین اور ناقلان دین کے خلاف غلیظ پراپیگنڈہ کیا جارہا ہے اور مسلمانوں کو اپنے اسلاف سے بدگمان کرنے کی جو سازشیں تیزی سے ہورہی ہیں ضرورت ہے کہ اس فتنے کا اسی شدت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے اگر خدانخواستہ ہم اپنی اپنی مصلحتوں (بلکہ مفادات) کے پیش نظر اس پر خاموش رہے اور آواز اٹھانے والوں کا ساتھ دینے کے بجائے ان کے اقدام کو غیر مناسب کہنا شروع کر دیں تو پھر اس کا جو نتیجہ ہو گا وہ کسی صاحب علم وخبر سے مخفی نہیں ہے۔ اللہ رب العزت ہمارے دلوں کو صحابہ کرام کی محبت وعقیدت میں اور پختگی عطا فرمائے۔ آمین...

(والسلام... محمد اقبال رنگونی عفا اللہ عنہ 14 اپریل 2019ء)

شیخ محمد بن علی کہتے ہیں کہ ہم ایک روز مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کو دیکھا جس کا آدھا چہرہ سفید اور آدھا سیاہ تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اے لوگو: مجھ سے عبرت پکڑو، میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو برا کہا کرتا تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے آکر میرے منہ پر زور سے طمانچہ مارا اور مجھ سے کہا۔ اے بے دین: کیا تو شیخین کو گالیاں دینے والا نہیں؟۔ جب میں بیدار ہوا تو میرا آدھا منہ سیاہ تھا جو اب تک سیاہ ہے۔

(کتاب الروح لابن القیم)

شیخ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے ایک میت کو غسل دینے کے لئے بلایا گیا، جب میں نے اس کے منہ سے چادر ہٹائی تو میں نے اس کی گردن پر ایک موٹا سانپ لپٹا ہوا دیکھا، میں غسل دئے بغیر چلا گیا۔ لوگ اس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ یہ شخص صحابہ کرام کو بہت گالیاں دیا کرتا تھا

(ایضاص 133)

--

مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غیر مطبوعہ تحریر

پیش لفظ

ہندوستان کے مولانا سلمان ندوی صاحب کے صحابہ کرام کے بارے میں بے بنیاد شبہات اور اعتراضات کے جواب میں جب ہمارے محترم مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب کی کتاب سلامتی کا راستہ 2019ء میں ہندوستان میں شائع ہوئی تو ہندوستان کے اکابر علماء نے اسے وقت کی ضرورت قرار دیتے ہوئے صاحب کتاب کو خراج تحسین پیش کیا۔ جب یہ کتاب برطانیہ پہنچی تو حافظ صاحب محترم یہ کتاب لے کر حضرت الاستاذ مفکر اسلام علامہ خالد محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کے پاس آئے۔ آپ یہ کتاب دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور پوچھا کہ آپ نے یہ کتاب مولانا مفتی عتیق بستوی صاحب کو بھیج دی ہے ؟۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ ہاں۔ اور ہندوستان کے دیگر علماء کو بھی کتاب بھیجی جاچکی ہے۔ جس پر آپ خوش ہوئے

حضرت مفکر اسلام اس کتاب کو ناشتہ کہتے تھے کہ جس طرح صبح کے وقت اچھا ناشتہ کرلیا جائے تو پھر دن بھر کھانے کی زیادہ حاجت نہیں ہوتی ،اسی طرح اس کتاب کے مضامین اگر ذہن میں محفوظ ہو جائیں تو پھر شیعہ علماء اور اہل سنت کے لبادے میں اس قسم کے بہروپیوں کے اعتراضات کے جوابات دینا مشکل نہیں رہتا۔

حضرت مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ پاکستان میں اس کی اشاعت کا کیا بنا؟ حافظ صاحب نے عرض کیا کہ وہاں بھی اس کا انتظام ہو رہا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ جب دوسرے ایڈیشن کی تیاری ہو جائے تو مجھے بتانا میں اس پر کچھ لکھ دوں گا۔ چنانچہ پھر آپ نے اس پر چند صفحات تحریر کر دئے اور راقم الحروف کو دے دئے کہ اسے اچھی طرح نقل کر کے حافظ صاحب کی کتاب کے لئے رکھ لینا۔ مگر افسوس کہ وہ صفحات اسی طرح رہ گئے۔ اور حضرت مفکر اسلام 20 رمضان المبارک 1441ھ خالق حقیقی کے پاس چلے گئے۔ اب جبکہ حافظ صاحب سے پتہ چلا کہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہندوستان میں طبع ہو کر ختم ہو رہا ہے اور کتاب کا تیسرا ایڈیشن تیار ہے تو راقم الحروف نے ان اوراق کو تلاش کرنے کے بعد اسے محترم

حافظ صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیا ہے تا کہ یہ چند تاریخی اور قیمتی اوراق کتاب کی زینت بن کر علمی دنیا کے لئے محفوظ ہو جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے اور محترم جناب حافظ صاحب کی اس کتاب کو اہل سنت مسلمانوں کے لئے ایمان کی حفاظت، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کی محبت اور ان کی عظمت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

فقط۔ محمد ثقلین جاوید (مانچسٹر)

محبت ایمان کی آزمائش میں صحابہ کرام جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی اور وہ محتاج بیان نہیں، بلاشبہ ومبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہو گا جیسا صحابہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ حق میں کیا، انہوں نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور پھر اسی کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی جماعت پا سکتی ہے۔۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے۔

اس مقام کا ایک پہلو قابل غور ہے جس پر لوگوں کی نظریں نہیں پڑیں یعنی ورضوا عنہ پر کیوں زور دیا گیا؟ اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ اللہ ان سے خوشنود ہوا کیونکہ ان کے اعمال اللہ کی خوشنودی کے لئے تھے۔ یہ بات خصوصیت کے ساتھ کیوں کہی گئی کہ وہ بھی اللہ سے خوشنود ہوئے۔ اس واسطے کہ ایمان واخلاص کا اصلی مقام بغیر اس کے نمایاں نہیں تھا۔ ہر شخص جو ان کی زندگی کے سوانح کا مطالعہ کرے گا بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انہوں نے راہ حق کی مصیبتیں صرف جھیلی ہی نہیں بلکہ دل کی پوری خوشحالی اور روح کے کامل سرور کے ساتھ اپنی پوری زندگیاں ان میں بسر کر ڈالیں، ان میں سے جو لوگ اول دعوت میں ایمان لائے تھے ان پر شب وروز کی جانکاہیوں اور قربانیوں کے پورے ۲۳ برس گزر گئے، لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہوں، انہوں نے مال وعلائق کی ہر قربانی اس جوش ومسرت کے ساتھ کی گویا دنیا جہاں کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لئے فراہم ہو گئی ہیں اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوشی خوشی گردنیں کٹوا دیں گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں، موت میں تھی۔

(جناب مولانا ابوالکلام آزاد صاحبؒ)

مدعیان اسلام میں اختلافات کا آغاز

افادات: مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اٰللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔۔۔ اَمَّا بَعْدُ!

مسلمان پہلے دور میں ایک امت تھے اور سب ایک پیغمبر عربی پر ایمان لائے ہوئے تھے۔ یہ جتنے بڑھتے جاتے تھے امت بڑی ہوتی جاتی تھی۔ یہ امت اپنے پہلے تین ادوار میں (۱) صحابہ کے دور میں، (۲) تابعین کے دور میں، (۳) تبع تابعین کے دور میں، سب ایک خیر امت تھے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے خیر امت ہونے کی اس طرح خبر دی تھی:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔۔۔(پ۴، آل عمران ۱۰۴)

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اس خیر کے بعد پھر شر اٹھے گا اور ایسا ہوا اور صحابہ کے خلاف ایک جماعت اٹھی اور اس نے خوارج کا نام پایا۔ پھر شیعانِ علی اٹھے اور اس طرح امت میں اختلاف کا آغاز ہوا۔

مسلمان پہلے دور میں ایک امت تھے، دو ہو کر ایک ہوئے:

مسلمان صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کے بارے تیسری صدی ہجری تک سب ایک اجماعی مؤقف پر چلے آئے ہیں اور صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابنِ ماجہ وغیرہ میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب اور حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اور ام المؤمنین حضرت عائشہ اور سیدۃ نساء اہل الجنۃ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب کے ابواب اکٹھے بندھے ہیں اور ان سب حضرات کے حق میں حق پر ہونے کے سوا کہیں کوئی وسوسہ محسوس نہیں کیا گیا تھا یہاں تک کہ چوتھی صدی میں ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) نے اسلام کے اس اجماعی اور قطعی عقیدہ کے خلاف اپنے عقیدے کے متفرق اوراق سے شیعہ عقائد ترتیب دیئے اور انہیں اثنا عشری عقائد کے طور پر "اصولِ کافی" کے نام سے پیش کیا۔ تاریخ اسلام میں یہ شیعہ عقائد کا پہلا تعارف تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان

کے بارے میں ایک غیر مرتب پیرائے میں کچھ اس طرح کے خیالات تو پیدا ہو گئے تھے کہ وہ (معاذ اللہ) کچھ خدائی طاقتیں بھی رکھتے ہیں اور اس پر انہوں نے عبد اللہ بن سبا کو آگ میں جلوا بھی دیا مگر شیعہ مذہب کے نام سے اس وقت تک اہلِ اسلام میں کبھی کوئی دوسری آواز نہ سنی گئی تھی۔ مسلمان عقائد میں ایک ہی تھے اور ان کا صحابہ کرام کے بارے میں ایمانی موٴقف یہی رہا جو اہلِ سنت کی کتب حدیث میں ان کے فضائل و مناقب میں مذکور ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں علامہ کلینی (۳۲۸ھ) کے مقابل اہلِ سنت کے محدث امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) کا دور تھا۔ اثنا عشریوں نے اپنے عقائد میں تقیہ داخل کر کے اپنی آگے کی ہر آواز اور عہد کو مشتبہ کر دیا تھا۔([1])

اثنا عشری شیعوں کا اپنے علیحدہ خدا، علیحدہ نبی اور علیحدہ علی کے معتقد ہونے کا دعویٰ

اس طرح ان کا اصل علی سے کھلا انکار ہے۔ اثنا عشری شیعوں کی کتاب "الانوار النعمانیہ" سے کوئی مولوی ناواقف نہیں ہو گا۔ اس میں ان کے اس عقیدہ کو پڑھئے:

انی رأیته في بعض الاخبار وحاصله انا لم نجتمع معهم علي اله ولا علی نبی ولا علیٰ امام وذٰلک انهم یقولون ان ربهم هو الذی کان محمد ﷺ نبیه وخلیفته بعده ابوبکر ونحن لا نقول بهٰذا الرب ولا بذٰلک النبی بل نقول ان الرب الذی خلیفة نبیه ابو بکر لیس ربنا ولا ذٰلک النبی نبینا ووجه آخر لکنه جواب عن جواز لعن المتخلفین بل هو دال علی وجوب اللعن وذٰلک ان الامامة کالنبوة والالٰهیة مرکبة من ایجاب وسلب اما

[1] ۔۔ پھر اس میں کوئی شخص شک نہیں کر سکتا کہ اثنا عشری فرقہ کی ابتداء اسی وقت سے ہوئی جب بارہویں امام پیدا ہو گئے تھے۔ ان کو اپنے پیشوا ماننے والا طبقہ تبھی کسی خارجی وجود میں آسکتا ہے کہ خارج میں یہ بارہ امام اس دنیا میں آچکے ہوں۔ سو یہ بات باتفاق مورخین کہی جاسکتی ہے کہ شیعہ مذہب تیسری صدی ھجری میں وجود میں آیا۔ اس سے پہلے بعض شیعی خیالات جیسے بغض صحابہ 'مسئلہ رجعت وغیرہ بے شک بعض ملحدین میں اترتے محسوس کیے جا رہے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ موسس شیعیت عبد اللہ بن سبا یہودی کو خود آگ میں جلا چکے تھے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اثنا عشری مذہب کا پہلا محدث ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) اصول کافی اور فروع کافی مرتب کر کے چوتھی صدی میں منظر عام پر آیا۔ سو ظاہر ہے کہ اثنا عشری مذہب کو دنیا میں قائم ہوئے بارہ سو سال ہی ہوئے ہیں۔ اہل سنت ہیں جو چودہ سو سال سے چلے آرہے ہیں۔ (تجلیات آفتاب ص ۳۰)

الاله فمن قال: الله اله ولم ينف عنه الشركاء والاضداد فهو ليس بموحد باجماع المسلمين ولا مسلم (الانوار النعمانیہ جلد۲، ص۱۹۱ طبع بیروت)

ترجمہ: میں نے یہ بات بعض احادیث میں دیکھی ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ہم (شیعہ) اہل سنت کے ساتھ ایک خدا، ایک نبی اور ایک علی پر بھی آپس میں ایک نہیں ہیں۔ یہ اس طرح ہے کہ وہ (اہلِ سنت) کہتے ہیں کہ ان کا رب وہ ہے جس نے محمد کو اپنی نبی بنایا اور اس نبی کے بعد اس کا خلیفہ ابو بکر ہوا، ہم اسے اپنا رب نہیں مانتے اور نہ اس محمد کو اپنا نبی مانتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان پر لعنت کا جواز نکلتا ہے بلکہ ان پر لعنت کرنا واجب ٹھہرتا ہے یہ اس طرح کہ ہمارے ہاں امامت نبوت کی طرح ہے اور امامت اور الوہیت ایجاب وسلب میں برابر ہیں۔ الوہیت میں کوئی خدا کو مانے اور اس سے شریکوں اور اضداد کی نفی نہ کرے اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وہ موحد (خدا کو ایک ماننے والا) نہیں اور مسلمان نہیں، (اس لئے کہ اس نے خدا کو مان کر اس سے شریکوں اور اس کے اضداد کی نفی نہیں کی)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے علی کو خلیفہ مانا اور ثلٰثہ کی نفی نہیں کی (ان کو بھی مسلمان اور خلیفہ مانا) اسے ہم کسی طرح علی کا ماننے والا اور محمد کا ماننے والا اور خدا کا ماننے والا نہیں کہہ سکتے تو ہمارا (شیعوں کا) ان سے (اہلِ سنت سے) ایک خدا، ایک محمد اور ایک علی پر کیسے اتفاق ہو سکتا ہے؟ ہم آپس میں ایک خدا، ایک محمد اور ایک علی پر کبھی کسی طرح متفق نہیں ہو سکتے۔ گویا ہمارا دین میں آپس میں کسی بات پر بھی اتفاق نہیں ہے۔[1]

تقیہ کی اساس پر انہوں نے اپنے کئی روپ بدلے، مگر ایک بات ان کے ہر روپ میں شامل رہی وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ کے خلیفہ بلا فصل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور پہلے تین خلفاء حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو وہ مؤمن نہیں مانتے۔ (ان کے ایمان کا وہ کھلا انکار کرتے ہیں)

---

[1] ۔(نوٹ) جو لوگ اہل سنت اور شیعہ کے مابین اختلافات کو فروعی سمجھتے ہیں وہ ملا نعمت اللہ جزائری کے مذکورہ بیان پر غور کریں۔ ملا جزائری کے اس بیان کی اب تک کوئی تردید ہمارے سامنے نہیں ہے اور نہ ہی کسی شیعہ عالم نے اسے ان کی ذاتی رائے قرار دیا ہے۔ اس سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ شیعہ علماء کی تصریح کے مطابق اہل سنت اور شیعہ کے اختلافات اصولی درجے کے ہیں، فروعی نہیں ہیں جو لوگ ان اختلافات کو فروعی کہتے ہیں وہ دھوکہ دیتے ہیں یا وہ خود دھوکے میں ہیں۔۔ (رنگونی)

اس صورتِ حال میں یہ ممکن نہ رہا کہ اہلِ سنت اور شیعہ دنیا کے کسی خطہ میں ایک امت ہو کر رہ سکیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کے لئے اس موقف سے اتفاق کرنا کسی طرح ممکن نہ تھا کیوں کہ وہ حضرت معاویہ کو اپنے برابر کا مسلمان سمجھتے تھے اور بار بار "الامر واحد" کا اعلان کرتے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ ذمہ داری جگر گوشۂ رسول حضرت حسنt کی تھی کہ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اسی پالیسی کو اختیار کریں جو حضرت علی کی اپنے دور خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تھی، اسی کو مستحکم کرنے کے لئے آپ نے شام کا رخ کیا اور حسبِ پیشگوئی صاحبِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے پھر سے امت کو ایک کرنا چاہا اور اپنے اس عملی موقف سے تمام قلمرو اسلامی کو بتلایا کہ ان کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی دینی اختلاف نہیں ہے، جو اختلاف تھا اور پہلے رہا ہے وہ صرف سیاسی (اور انتظامی) ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے میں دونوں ایک ہیں۔ نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ موقف "الامر واحد" کے الفاظ میں مذکور ہے کہ میرا معاویہ سے اختلاف کسی دینی بات میں نہیں ہے ہم دونوں ایک ہیں "الامر واحد"۔[1]

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شرائط صلح میں کہیں کسی دینی بات کا ذکر نہیں ہے:۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تفویضِ سلطنت کی شرائط میں صرف ایک اصولی بات تھی کہ معاویہt اپنے دورِ حکومت میں خلفائے صالحین کی پالیسی پر چلیں گے[2]، ان میں کسی فروعی مسئلے کا ذکر نہیں ہے کہ معاویہ اسے اس طرح اختیار کریں گے۔ مثلاً یہ کہ مسجدوں کی پنج گانہ اذان میں حضرت علی مرتضی کی ولایت کا ذکر ہو گا، یا وضوء میں پاؤں دھونے، اور ان پر مسح کرنے کے دونوں طریقے چلیں گے، یا مسائلِ وراثت میں (فقہ جعفری کے) یہ یہ مسائل بھی عملی راہیں پائیں گے۔ ان کا اس معاہدۂ صلح میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

---

[1] ۔سیدنا حضرت علی کا خطبہ دیکھئے جس میں آپ بڑے اختلاف کے باوجود بھی حضرت معاویہ کے ایمان کی تصریح کرتے ہیں:
(ومن كتاب له عليه السلام كتبه إلى أهل الامصاريقتص فيه ما جرى بينه وبين أهل صفين)وكان بدء أمرنا أنا التقينا والقوم من أهل الشام . والظاهر أن ربناواحد ونبينا واحد ، ودعوتنا في الاسلام واحدة . لا نستزيدهم فيالايمان بالله والتصديق برسوله صلى الله عليه وآله ولا يستزيدوننا . الامرواحد إلا ما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء (نہج البلاغۃ ج3 ص 68 ش)

2– بسم الله الرحمن الرحيم هذا ماصالح عليه الحسن بن علي بن ابی طالب معاوية بن ابی سفيان صالحه على ان يسلم إليه ولاية أمر المسلمين على ان يعمل فيهم بكتاب الله تعالى وسنة رسول الله صلى الله عليه وآله وسيرة الخلفاء الراشدين (کشف الغمہ ج۲ ص۶۵ للاردبیلی شیعی ۶۸۷ھ)

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما میں کوئی دینی اختلاف نہ تھا، جو اختلافات تھے وہ صرف سیاسی درجے کے تھے۔ قیامِ سلطنت اور وحدتِ امت کے لئے یہ صلح عملاً واقع ہوگئی اور قلمرو اسلامی کے دونوں خطے پھر سے ایک وحدت پاگئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اسے قبول کرنا کسی سیاسی دباؤ سے نہ تھا، اس وقت مسلمانوں میں سب سے بڑی سیاسی قوت حضرت حسن رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے اور دونوں بھائیوں نے اکٹھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔[1] حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات (شہادت) کے بعد بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ کی ماتحتی میں مدینہ میں رہے، اور ان کو ہرگز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس صلح سے کسی عہد شکنی کا کوئی گلہ نہ تھا۔ یزید کے اقتدار میں آنے پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جو عراق جانے کا رخ کیا، آپ نے اس سے پہلے حکومتِ معاویہ ؓ میں ایسا نہ کیا تھا، جس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پیرایۂ حکومت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید ایک سے نہ تھے۔ محبت اہلِ بیت میں بھی دونوں ایک سے نہ تھے، اور اخلاق اسلامی میں بھی دونوں ایک روش کے نہ تھے، جب تک کوئی شخص ان دونوں کے بارے میں اس ایک اخلاقی فاصلے کا اقرار نہ کرے وہ اپنی سیاسی روش میں کبھی اس امت کے لئے اور اس کے قومی کاموں میں کسی درجہ میں مفید و مخلص نہیں ہو سکتا۔

دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں میں سیاسی انتشار:

یہ خیرِ امت اپنی ابتداء میں (وہ مہاجرین ہوں یا انصار) ایک امت تھی۔ مدینہ منورہ میں چوتھے خلیفہ راشد کی بیعت ہو چکی تھی۔ حالات کی مجبوری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ عراق چلے آئے اور امت

---

[1] ۔۔ حضرت امام حسن نے حضرت امیر معاویہ سے صلح ہی نہ کی تھی، امیر معاویہ کی بیعت بھی فرمائی تھی۔ بلکہ ان کے ساتھ حضرت امام حسین نے بھی حضرت امیر معاویہ کی بیعت کی تھی۔ رجال کشی میں حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ امام حسن، امام حسین اور قیس بن سعد بن عبادہ انصاری وغیرہ سب شام آئے

فأذن لهم معاوية وأعد لهم الخطباء، فقال يا حسن قم فبايع فقام فبايع، ثم قال للحسين عليه السلام قم فبايع فقام فبايع، ثم قال قم ياقيس فبايع فالتفت إلى الحسين عليه السلام ينظر ما يأمره، فقال يا قيس انه امامي يعني الحسن عليه السلام.۔(رجال کشی ص۱۷۶۔ بحار الانوار ج۱۰ ص۱۲۴)

پس امیر معاویہؓ نے انہیں آنے کی اجازت دی اور ان کے اعزاز میں خطیب لائے اور امام حسنؓ سے کہا کہ کھڑے ہو کر بیعت فرمائیں (تاکہ سب دیکھ لیں کسی کو شک نہ ہو) چنانچہ امام حسنؓ نے کھڑے ہو کر بیعت فرمائی پھر امام حسینؓ سے کہا کہ آپ کھڑے ہو کر بیعت فرمائیں امام حسینؓ کھڑے ہوئے اور حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت فرمائی۔

حضرت امام حسنؓ کا حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کرنا ہرگز غلطی نہ تھا بلکہ اسی مصالحت نے انہیں سید ہونے کی شان سے ممتاز فرمایا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور اللہ تعالیٰ اسکے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں اصلاح فرمائیں گے۔ یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ یہاں لسان نبوت سے امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت کے لئے بھی مسلمان ہونے کے الفاظ وارد ہیں۔ پس یہ اختلافات کوئی کفر و اسلام کے اختلافات نہ تھے۔ محض انتظام اور معاملات کے تھے۔ (عبقات ج۲ ص۵۵)

سیاسی طور پر دو حصوں میں بٹ گئی۔(۱) اہلِ عراق اور (۲) اہلِ حجاز۔ عراق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی اور حجاز، شام اور مصر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر ہی گورنر راج قائم کئے ہوئے تھے اور ان کا یہ مطالبہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے پکڑے جانے تک وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کریں گے، پوری قلمرو اسلامیہ میں ایک مرکزی آواز بن گیا تھا۔

ایک سے دو اور دو سے ایک:

تاریخِ اسلام میں مسلمانوں میں سب سے پہلا معرکہ جمل اس کے بعد صفین میں لگا، اس میں دونوں طرف کے لشکروں میں اکثریت تابعین کی تھی، صحابہ بہت کم تھے۔ اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قرآن پاک کی صحابہ کے بارے میں کہی گئی بات رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ غلط نکلی، قرآن پاک میں کہی گئی کوئی بات غلط نہیں ہوسکتی۔ ایسی بات وہی کہہ سکتے ہیں جن کا اس موجودہ قرآن پر ایمان نہ ہو۔ ان معرکوں میں سیاسی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ایک سے دو حصوں میں منقسم ہوگئی۔ جنگِ صفین کے کچھ عرصہ بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں ایک عارضی صلح ہوگئی کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے مقبوضہ علاقوں پر حملہ نہیں کرے گا۔ اس کے جلد بعد خارجیوں نے جو اس عارضی صلح سے خوش نہ تھے رمضان شریف میں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو قتل کرنے کی سازش کی۔ خدا کے تکوینی فیصلے اس کی اپنی مشیت سے قائم ہوتے ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس رات اپنے بستر پر پائے ہی نہ گئے۔ چوتھے خلیفہ کی شہادت کے بعد امت کے پانچویں خلیفہ (حضرت حسن رضی اللہ عنہ) بیعت عامہ سے منتخب ہوئے اور ان کے مقابل حضرت معاویہ کے مقبوضہ علاقوں میں پہلا گورنر راج ہی قائم رہا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ایک سے دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ اس سے اگلا دور پھر امت کے دو سے ایک ہونے کا تھا اور سب صحابہ یہی چاہتے تھے کہ امت کے دو حصے پھر سے ایک امت ہو جائیں۔

امتِ مسلمہ پھر دو سے ایک:

امیر المؤمنین سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت عراق میں قائم تھی اور اس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی سیاسی طاقت حضرت حسنt تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ایک پیشگوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں کو پھر سے ایک کر دے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی اپنے اندر ایک بڑی سیاسی عظمت رکھتی ہے:

جو نادان یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح ایک سیاسی دباؤ کی وجہ سے تھی، یہ کوئی حقیقی صلح نہ تھی وہ ایک بڑی غلطی میں ہیں۔ باہمی صلح کی خبر لسانِ رسالت سے صادر ہوئی اس کی سیاسی عظمت میں بھی کوئی مؤمن کسی شک کو راہ نہیں دے سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس پیشگوئی میں دونوں گروہوں کو ''فئہ عظیمہ'' کہا ہے جن میں سے کسی کو ''فئہ باغیہ'' نہیں مانا جاسکتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے مسلمان ہونے کی آسمانی شہادت دی ہے۔

حضرت حسن بصری، ابو بکرہ نقیع بن الحارث الثقفی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے یہ کہتے سنا:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى المِنْبَرِ وَالحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ إِلَى جَنْبِهِ، وَهُوَ يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَرَّةً، وَعَلَيْهِ أُخْرَى وَيَقُولُ: «إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ المُسْلِمِينَ» ، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: " قَالَ لِي عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ: إِنَّمَا ثَبَتَ لَنَا سَمَاعُ الحَسَنِ مِنْ أَبِي بَكْرَةَ، بِهَذَا الحَدِيثِ "(صحیح بخاری ج۳ص۱۸۶)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پیشگوئی اتنی صراحت اور وضاحت سے مروی ہو تو کوئی ایمان رکھنے والا اس صلح کو جو حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ہوئی ایک دباؤ سے کی گئی صلح ہر گز نہیں کہہ سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے پیشِ نظر حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ان کی پوری جماعت کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری جماعت کے برابر کی سطح پر مسلمان ہونے اور ''فئہ عظیمہ'' ہونے کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔[1]

دونوں کے برابر کی سطح کے مسلمان ہونے سے کیا صداقت روشن ہوئی؟

۱۔ دونوں میں دینی سطح کا کوئی اختلاف نہ تھا جو بھی اختلاف ہوا وہ صرف سیاسی اختلاف تھا۔ دونوں کے ہاں اذانیں بھی ایک جیسی تھیں، نمازیں بھی ایک جیسی تھیں، وضو بھی ایک جیسا تھا جس میں پاؤں دھوئے جاتے تھے، ان پر مسح نہ کیا جاتا تھا۔

[1] ۔ اہل دانش خود سوچیں کہ فئہ باغیہ کی مبہم روایت کو کس طرح اس فئہ عظیمہ کی روایت پر ترجیح دی جاسکتی ہے لسان رسالت نے اپنے اس ارشاد میں حضرت معاویہ اور ان کے پورے حامیوں کو فئہ عظیمہ اور فئہ مسلمہ فرمایا ہے اور اس نیک کام کے باعث حضرت حسنt کو سید فرمایا ہے۔ سو یہ صلح کوئی دباؤ کی کارروائی نہ تھی کہ اسے ایک ڈرامہ کہا جائے جو صلح لسان رسالت سے منقبت پائے اسے کس طرح ایک دکھاوے کی کارروائی کہا جاسکتا ہے (تجلیات آفتاب ج ا ص ۲۷)

۲۔ اس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی سیاسی قوت حضرت حسن تھے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ آپکی سیاسی قوت کا نقشہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ پہاڑوں کی طرح اٹھے لشکر ان کے ساتھ تھے اور ان کے مقابل حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر اور معاویہ رضی اللہ عنہ امیر شام تھے اور ان دونوں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خیر الرجلین تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اس امت کے پانچویں خلیفہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ ہوئے اور انہوں نے جب اس صلح میں اپنی پوری سلطنت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پوری امت کے چھٹے خلیفہ تھے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی ''ابنی ہذا سید'' میں حضرت حسن بصری سے یہ روایت نقل کی ہے:

اسْتَقْبَلَ وَاللَّهِ الحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ مُعَاوِيَةَ بِكَتَائِبَ أَمْثَالِ الجِبَالِ، فَقَالَ عَمْرُو بْنُ العَاصِ: إِنِّي لَأَرَى كَتَائِبَ لاَ تُوَلِّي حَتَّى تَقْتُلَ أَقْرَانَهَا، فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ وَكَانَ وَاللَّهِ خَيْرَ الرَّجُلَيْنِ: أَيْ عَمْرُو إِنْ قَتَلَ هَؤُلاَءِ هَؤُلاَءِ، وَهَؤُلاَءِ هَؤُلاَءِ مَنْ لِي بِأُمُورِ النَّاسِ مَنْ لِي بِنِسَائِهِمْ مَنْ لِي بِضَيْعَتِهِمْ، فَبَعَثَ إِلَيْهِ رَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ مِنْ بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ: عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سَمُرَةَ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ كُرَيْزٍ، فَقَالَ: اذْهَبَا إِلَى هَذَا الرَّجُلِ، فَاعْرِضَا عَلَيْهِ، وَقُولاَ لَهُ: وَاطْلُبَا إِلَيْهِ،،(صحیح بخاری ج۳ص۱۸۶)

ترجمہ: واللہ حسن بن علی، معاویہ رضی اللہ عنہما کے سامنے پہاڑوں کی طرح فوجیں لے کر آئے، عمرو بن عاص نے کہا کہ میں ایسی فوج دیکھ رہا ہوں جو پیٹھ نہیں پھیرے گی جب تک اپنے مقابل کو قتل نہ کر لیں حضرت معاویہ نے جو دونوں میں بہتر تھے عمرو بن عاص سے کہا کہ اے عمرو! اگر ان لوگوں نے ان لوگوں کو اور اس طرف کے لوگوں نے اس طرف کے لوگوں کو قتل کر دیا تو لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ کون ان کی بیویوں کی نگرانی کرے گا؟ کون ان کی جائیداد کا انتظام کرے گا؟ چنانچہ حضرت حسن کے پاس قریش کے دو آدمی جو بنی عبد شمس میں سے تھے یعنی عبد الرحمن بن سمرہ اور عبد اللہ بن عامر بن کریز کو بھیجا اور کہا کہ ان کے پاس جاؤ اور صلح پیش کرو اور ان سے گفتگو کر کے ان کو صلح کی طرف لاؤ۔۔۔

ایک اہم سوال:

اس صورتِ حال سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت امیر المؤمنین حضرت حسن بن علی کس بڑی سیاسی قوت میں تھے۔ اس صورتِ حال میں یہ چند اہم سوال ابھرتے ہیں:

ا۔ جب اس وقت حضرت حسن اس بڑی سیاسی قوت میں تھے تو انہوں نے حضرت معاویہ پر حملہ کیوں نہ کر دیا؟ کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ حضرت معاویہ کے مقابل آئیں اور ان سے صلح کریں، وہ کس بات سے ڈرتے تھے اور کیا چاہتے تھے؟ ان امور پر گہری نظر سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

الجواب بعون الملک الوہاب

ا۔ حضرت حسن اپنے نانا حضور اکرم ﷺ کی امت کو جو ایک سے دو میں تقسیم ہو چکی تھی پھر سے ایک کرنا چاہتے تھے۔ جو امت حضرت معاویہ کے حضرت عثمان کی حمایت میں نکلنے سے ایک سے دو ہو چکی تھی اب اسے پھر سے ایک کر دیا جائے یہ سب کوشش دین سے محبت اور امت سے الفت کے باعث تھی، ان کا یہ جذبہ قرآن کریم کی ان آیات پر عمل کرنے کے شوق سے ان کے دل میں پیدا ہو چکا تھا۔ آپ فرقہ بندی سے بھی طبعاً دور تھے اور حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے جو ان کے لئے صلح امت کی دعا فرمائی تھی اسے عملاً بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ اور حق یہ ہے کہ آپ نے دیکھا بھی۔

۲۔ آپ کا اپنے والد سیدنا حضرت علی قدس اللہ سرہ العزیز کی طرح یہ عقیدہ تھا کہ ہمارا معاویہ سے اختلاف سیاسی ہے ہم میں کوئی دینی اختلاف نہیں، لیکن آپ اس بات سے ڈر رہے تھے کہ یہ سیاسی اختلاف کہیں کوئی مذہبی اختلاف نہ بن جائے اور دین میں کوئی حقیقی فرقہ بندی نہ ہو جائے۔ اس وقت تک دین اسلام ایک تھا اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی بشارت پایا ہوا تھا اور وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا کا حکم بھی پائے ہوئے تھا۔

حضرت حسن کی ایک امت ہو کر رہنے کی مساعی:

آپ کے دور تک صحابہ و اہلِ بیت ایک تھے، آپ نہ چاہتے تھے کہ اہلِ بیت کی محبت کے نام پر کوئی ایسا فرقہ بنے جو صحابہ کے خلاف ہو اور ان کی اس طرح بے ادبی ہونے لگے۔

اسلام میں کوئی فرقہ بندی نہ تھی نہ اس کی کوئی گنجائش تھی لیکن یہودیوں نے مسلمانوں میں گھس کر اسلام میں فرقہ بندی پیدا کر دی جس کے بہت سے شواہد علامہ کلینی سے لے کر علامہ خمینی کی

مذہبی مختوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ شیعیت ایک ہی فرقہ ہے جس نے اسلامی معاشرہ میں مختلف حالات میں کئی موڑ اختیار کئے اور مختلف روپ بدلے۔

اس صورتِ حال میں اپنے ایمان کو بچانے کے لئے متکلمین اسلام نے عقائدِ اسلام کے عنوان سے کتابیں لکھیں اور مشاجرات اور اختلافات پر قابو پانے اور انہیں سمجھنے کے لئے اپنے ہاں کچھ اصول اور ضابطے طے کئے اور صحابہ کو نبوت کا پہرہ دار بتایا۔ مسلمانوں نے جس طرح خدا کا پتہ حضور اکرم ﷺ سے پایا، حضور ﷺ کا پتہ صحابہ سے پایا۔ اللہ تک رسائی حضور ﷺ سے پائی اور حضور ﷺ تک رسائی صحابہ ﷺ سے پائی۔ اور یہ بات علیٰ وجہ الیقین کہی جاسکتی ہے کہ صحابہ ﷺ حضور کی نبوت ﷺ کے گواہ تھے اور گواہوں میں اچھی یاداشت اور صدق و امانت کی جو شرطیں مطلوب ہوتی ہیں وہ سب ان میں پائی جاتی تھیں۔

گواہوں میں ایک بنیادی چیز یہ ضروری ہوتی ہے کہ ان کے بیان کہیں آپس میں نہ ٹکرائیں، اگر بظاہر کہیں اختلاف بھی نظر آئے تو ذرا غور و فکر سے وہ مٹ جائے یہاں تک کہ ان کی مجموعی حیثیت پر معصوم کا لفظ بھی آسکے، جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام میں ہر ایک علی الانفراد معصوم ہے، صحابہ کرام من حیث المجموع معصوم ہیں، ان میں ایک بھی ایسا نہیں جس نے کبھی حضور ﷺ کے نام پر کوئی ایسی بات کہی ہو جو آپ نے نہ کہی ہو۔

محدثین میں حضرت امام محی الدین النوویؒ (۶۷۶ھ) ایک جلیل القدر محدث گزرے ہیں۔ آپ کے یہ الفاظ اہلِ سنت کے ہاں سرِ بام پڑھے جاتے ہیں اور بالاجماع قبول کئے گئے ہیں۔ طلاق کے ایک مسئلہ کی بحث میں آپ لکھتے ہیں:

فَإِنْ قِيلَ فَقَدْ يُجْمِعُ الصَّحَابَةُ عَلَى النَّسْخِ فَيُقْبَلُ ذَلِكَ مِنْهُمْ قُلْنَا إِنَّمَا يُقْبَلُ ذَلِكَ لِأَنَّهُ يُسْتَدَلُّ بِإِجْمَاعِهِمْ عَلَى نَاسِخٍ وَأَمَّا أَنَّهُمْ يَنْسَخُونَ مِنْ تِلْقَاءِ أَنْفُسِهِمْ فَمَعَاذَ اللَّهِ لِأَنَّهُ إِجْمَاعٌ عَلَى الْخَطَأِ وَهُمْ مَعْصُومُونَ مِنْ ذَلِكَ (شرح صحیح مسلم جلد ۱، ص ۴۷۸)

ترجمہ: اگر کہا جائے کہ صحابہ جب کسی ناسخ پر جمع ہوں تو اسے قبول کرلیا جائے گا، ہم کہتے ہیں کہ اسے اس لئے قبول کرلیا جائے گا کہ ان کے اجماع سے ناسخ کا پتہ چل جائے گا یہ نہیں کہ وہ اسے اپنی طرف سے منسوخ قرار دیں گے،

ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ اجماع میں غلطی کا اقرار ہے اور وہ (صحابہ کرام) اس سے معصوم ہیں۔

عدالت میں کسی مقدمہ کے گواہوں میں ایک بھی جھوٹا نکل آئے تو سارا مقدمہ فیل ہو جاتا ہے۔ صحابہ جو حضور ﷺ کی نبوت کے عینی گواہ ہیں، ان میں اگر کوئی ایک بھی جھوٹا ہو تو اسلام کا سارا مقدمہ فیل ہو جاتا ہے۔ اہلِ سنت مسلمانوں کا صحابہ کے بارے میں یہ عقیدہ ان کی شروح حدیث میں لفظ "کل" سے لکھا گیا ہے۔ "الصحابۃ کلھم عدول" اور انہیں اپنی مجموعی حیثیت میں علی الاعلان معصوم جانا اور مانا گیا ہے۔

یہود و نصاریٰ جب علمی پیرائے میں اسلام کا کہیں مقابلہ نہ کر سکے تو انہوں نے تاریخ کے مختلف موڑوں میں مسلمانوں میں گھس کر حضور اکرم ﷺ کی دعوت و نبوت کے عینی گواہوں پر جرح کی۔

اب ذرا اگلی صدی میں چلیں

امام یوسف بن عبد الرزاق المزی (۷۴۲ھ) حضرت امام نسائی (۳۰۳ھ) سے نقل کرتے ہیں:

إنما الإسلام كدار لها باب، فباب الإسلام الصحابة، فمن آذى الصحابة إنما أراد الإسلام، كمن نقر الباب إنما يريد دخول الدار،
(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال جلد ۱، ص ۳۳۹)

ترجمہ: اسلام ایک گھر کی طرح ہے جس کا کوئی دروازہ ہو، اسلام کا دروازہ صحابہ ہیں، پس جس نے صحابہ کو کوئی تکلیف پہنچائی اس نے اسلام پر حملہ کیا، جیسے جس نے دروازہ کھٹکھٹایا اس نے گھر میں داخل ہونا چاہا۔

امام نسائی سے پہلے امام ابو زرعہ رازی (۲۶۰ھ) جو امام مسلم کے بھی استاد ہیں، صحابہ پر جرح کرنے والوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی جو علامہ مزی سے آگے کی صدی کے ہیں امام ابو زرعہ سے نقل کرتے ہیں:

إذا رأيت الرّجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله صلّى الله عليه وسلم فاعلم أنه زنديق، وذلك أنّ الرسول حق، والقرآن حق، وما جاء به حق، وإنما أدى ذلك كله إلينا الصحابة، وهؤلاء الزّنادقة يريدون أن

يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسّنّة فالجرح بهم أولى.. (الاصابۃ جلد ۱، ص ۱۰)

دین کی یہ سب باتیں ہم تک صحابہ سے ہی پہنچی ہیں (وہی حضور ﷺ کی نبوت کے گواہ ہیں) یہ ان پر جرح کرنے والے چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے ان گواہوں پر جرح کر کے کتاب وسنت (پورے دین) کو ہی باطل کر کے رکھ دیں۔ یہ صحابہ پر جرح کرنے والے خود اس جرح کے حقدار ہیں کہ انہیں زندیق مانا جائے اور ان کی دین کے بارے میں کہی گئی ہر بات رد کی جائے۔

اسلام میں صحابہ کا یہ مقام قطعی درجہ رکھتا ہے، اسے کسی طرح بدلا نہیں جاسکتا

حضور ﷺ کی نبوت کے ان عینی گواہوں پر کسی طرح کی بھی کوئی جرح نہیں کی جاسکتی۔ دینِ اسلام کی حفاظت کی یہ وہ راہ ہے کہ اسے کسی قیمت میں بھی بدلا نہیں جاسکتا۔ اب جو شخص یہ کہے کہ صحابی کی اس پہلی پرانی اور اجماعی تعریف کو بدل کر اس کے لئے کوئی نیا معیار طے کیا جائے تو وہ یہ نہیں جانتا کہ صحابیت نبوت کی طرح ایک وہبی شئ ہے، یہ کوئی کسبی چیز نہیں۔ جس طرح حضور ﷺ پر نبوت ختم ہے، ان گزرے ہوئے صحابہ پر صحابیت ختم ہے۔

پاکستان میں شیعوں نے اسمبلی میں "معیارِ صحابیت" کے نام سے ممبرانِ اسمبلی سے درخواست کی تھی کہ صحابی کی پہلی تعریف بدلی جائے۔ راقم الحروف نے اس وقت تمام ممبرانِ اسمبلی کے سامنے مسلمانوں کا یہ موقف رکھا کہ صحابیت ایک وہبی شئ ہے اور وہبی شئ کے لئے کوئی اپنا معیار مقرر نہیں کیا جاتا۔ یہ وہ موقف ہے کہ اللہ نے جن کو دینا تھا دے دیا اور یہی قیامت تک رہے گا۔ اب اسے کوئی بدل نہیں سکتا۔[1]

پاکستان میں شیعوں کی جب یہ بات چل رہی تھی، ہندوستان میں لکھنو کے ایک استاد مولانا سلمان ندوی پاکستان کے شیعوں کی اس تجویز کی حمایت میں انگلینڈ آکر جعفری فقہ کو اہلِ سنت کی چار فقہوں کے ساتھ ملا کر پانچویں فقہ تسلیم کرنے کی حمایت میں نکلے اور اس کے لئے وہ لندن میں جگہ

[1] ۔۔ حضرت الاستاذ علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب معیار صحابیت پاکستان کی اسمبلی کے تمام ممبران کو بھیجی گئی تھی۔ اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ خواہش مند حضرات محمود پبلی کیشنز لاہور سے اور برطانیہ میں ادارہ اشاعت الاسلام مانچسٹر سے رابطہ کریں۔

جگہ اہلِ سنت علماء سے ملے جس سے لندن میں اہلِ سنت علماء کے تمام حلقے چونک اٹھے اور مولانا سلمان ندوی واپس ہندوستان چلے گئے پھر کچھ عرصہ بعد بر منگھم میں ایک کانفرنس میں، جس میں راقم الحروف بھی شامل تھا، وہ دکھائی دیئے، تقریر کی اور فوراً نکل گئے۔ وہاں نہ بیٹھے کہ ہماری بھی وہ کوئی بات سن پائیں یا ہم انہیں کوئی اپنی بات پہنچا سکیں۔

لکھنو میں انہوں نے اپنی صحابی کی نئی تعریف تجویز کرنے کی کوشش میں "اصطلاحی صحابی" اور "اصلی صحابی" دو عنوان اختیار کئے جس سے کھلے طور پر یہ اثر پیدا کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کے عہد میں جو صحابی تھے وہ اصلی صحابی نہ تھے بعض صرف اصطلاحی صحابی تھے۔

ہم حیران ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جو صحابہ تھے وہ تو اس لئے صحابی تھے کہ حضور ﷺ اس وقت مدعی رسالت تھے اور آپ نے بتلا رکھا تھا کہ مجھ پر قرآن اترتا ہے اور اِس دور میں جب کوئی نبی نہیں تو اب کسی کو اصطلاحی صحابی یا اصلی صحابی کیسے بتایا جاسکتا ہے اور مسلمانوں میں اصلی صحابی اور اصطلاحی صحابی کی یہ نئی بحثیں کیسے لائی جاسکتی ہیں؟ کس طرح نہیں!

دار العلوم ندوۃ العلماء کے ایک دوسرے استاذ حدیث جناب مولانا مفتی عتیق بستوی نے ان کی پیش کردہ غلطیوں کے ازالہ کے لئے ایک رسالہ "صحابی کی تعریف اور صحابہ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ" کے نام سے لکھا۔ مولانا سلمان ندوی نے اس سے کوئی سمجھ اختیار کرنے کی بجائے اس کے خلاف ۱۶ صفحات کا ایک اور رسالہ "مفتی عتیق بستوی کے ازالہ کا ازالہ" لکھ دیا۔

مولانا مفتی عتیق بستوی کے رسالہ کا یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ ندوۃ العلماء سلمان ندوی صاحب کی شیعہ نواز باتوں کی بدنامی سے بچ گیا کیونکہ وہیں سے اس کے ایک دوسرے استاد (مولانا مفتی عتیق بستوی صاحب) نے اس کی تردید کر دی اور سلمان ندوی کے خیالات بس انہیں کے ذاتی خیالات سمجھے گئے لیکن سلمان ندوی کی صحابہ کرام پر کہی گئی غلیظ باتوں سے شیعوں نے جو خوشیوں کا اظہار کیا وہ اہلِ سنت مسلمانوں کی پہلی بارہ صدیوں کی تحفظ اسلام اور تحفظ ناموسِ صحابہ کی مخلصانہ اور محققانہ محنتوں کے خلاف نہایت افسوسناک مرحلہ زندگی ہے۔

اب ہم پچھلی باتوں سے کنارہ کشی کرتے ہوئے اس نئے پیش آمدہ صدمے کو اس پندرہویں صدی ہجری میں "شیعیت کا ایک نیا روپ" کہہ کر شیعہ نظریات کی تردید کرتے ہیں اور جناب سلمان ندوی کی اس نئی تحریک کو بے نقاب کرتے ہیں۔

مولانا سلمان ندوی کی تحریک شیعیت کا ایک نیا روپ

شیعوں کے کئی فرقے ہیں اور ان میں کئی خیالات کے لوگ ہیں لیکن جو بات ان سب میں مشترک پائی جاتی ہے وہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت علی کی خلافت بلا فصل ہے اور دوسری طرف جمہور اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر آنحضرت ﷺ کے خلیفہ بلا فصل ہوئے اور ان کا عقدِ خلافت انصار کے ایک بڑے اجتماع میں شوریٰ سے ہوا تھا وہ غاصبِ خلافت نہ تھے، خلافت کے لئے انتخاب کردہ تھے۔

اس تحریر (شیعیت کا نیا روپ) میں شیعیت اپنے اسی معنی میں ہے اور مسلم عوام ہر جگہ اسی مفہوم میں سنی شیعہ فرق کو جانتے ہیں۔

جب سے علمی دنیا میں فقہ جعفری کا لفظ آیا اس وقت سے شیعوں کی یہ کوشش رہی کہ کسی طرح اہلِ سنت کی چار فقہوں (فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی، اور فقہ حنبلی) کے ساتھ فقہ جعفری بھی شامل ہو جائے اور اسلام میں یہ پانچ فقہیں ایک سطح پر فقہ اسلام جانی جائیں۔

اہلِ سنت کے ہاں اپنی چار فقہوں کا باہمی اختلاف ایک فروعی اختلاف ہے جن میں وہ ہر ایک مکتب فکر کے حق پر ہونے کا احتمال تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ معتزلہ اور روافض و خوارج کو اپنے سے ایک قطعی فاصلے پر سمجھتے ہیں اور ان کے حق پر ہونے کا کوئی احتمال ان کے حاشیۂ خیال میں بھی راہ نہیں پاتا۔ علامہ تاج الدین السبکی (۷۷۱ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں:

قلت لِأَن خطأ المعتزلي والرافضي فِيهِ قَطْعِيّ وَالْمَسْأَلَة قَطْعِيَّة (طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۱۳)

یعنی معتزلہ اور روافض کا موقف اہلِ سنت سے قطعی اختلاف کا ہے ظنی نہیں۔[1]

---

[1] ۔ شیعہ اختلافات کے فاصلے کسی صاحب علم سے مخفی نہیں کہ دور اول میں جو لوگ صحابہ سے اعتقاداً کٹے وہ اپنے اپنے مختلف ناموں سے معروف ہوئے۔ وہ سب اپنے بنیادی عقائد میں صحابہ و تابعین سے کٹ گئے تھے۔ جیسے جہمیہ قدریہ، مرجئہ، معتزلہ، خوارج وغیرہ اور ان کے متصلاً بعد پیدا ہونے والے کرامیہ و مجسمہ اور روافض وغیرہا۔ اہل حق سب صحابہ کی راہ پر رہے۔ (ماانا علیہ واصحابی) ایک ہی فرقے کا نشان رہا ہے۔

فروعی اختلافات وہ ہیں جو صحابہ اور تابعین کرام میں وسعت عمل میں ابھرے۔ بایں ہمہ وہ سب ایک جادہ اہل سنت میں رہے۔ ان فروعی اختلافات میں وہ ایک دوسرے کو باطل پر نہ کہتے تھے۔ بخلاف معتزلہ و خوارج اور قدریہ و روافض کے کہ وہ سب ایک دوسرے کو باطل پر کہتے تھے۔ اہل سنت اپنے فروعی اختلافات کو صواب و خطا میں دائر رکھتے تھے۔ ان میں حق و باطل کے فاصلے نہ کھینچتے تھے

اب اگر فقہ جعفری کو اہلِ سنت کی چار فقہوں کے ساتھ پانچویں فقہ تسلیم کر لیا جائے تو فقہ جعفری ماننے والوں کا جمہور اہلِ اسلام سے اختلاف قطعی نہیں ، ظنی ہو جاتا ہے اور یہ اسلام کی پہلی بارہ صدیوں کے قطعی یکسر خلاف ہے۔

ہماری یہ تحریر ''شیعیت کا ایک نیا روپ'' اس سے مراد چودھویں، پندرھویں صدی ہجری میں اہلِ سنت کے خلاف بہروپیوں کی ایک بڑی سازش ہے جسے بے نقاب کرنا اہلِ اسلام کی ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔

اس سازش کے پیچھے جو کارکن اہلِ سنت کے حلقوں میں لقمۂ اغیار نظر آئے ان میں لکھنؤ کے ایک استاذ سلمان ندوی شیعیت کا ایک نیا روپ بن کر ۲۰۱۲ء یا ۲۰۱۳ء میں لندن آئے اور بنگلہ دیش والوں کے ابراہیم کمیونٹی کالج میں انہوں نے فقہ جعفری کو اہلِ سنت کے آئمہ اربعہ کی فقہ کے ساتھ پانچویں فقہ تسلیم کرنے کی ایک بڑی گہری تجویز دی، جس نے لندن کے تمام اہلِ سنت مسلمانوں کو اس نئے اعتقادی موقف پر یکسر چونکا دیا۔

مولانا سلمان ندوی پہلی دفعہ جب لندن آئے تو وہ ہندوستان کے مولانا عیسیٰ منصوری (لندن) کو ساتھ لئے مختلف مقامات پر اپنا تعارف کرواتے اور ہمارے معلومات کی حد تک انہوں نے مولانا عیسیٰ منصوری کو یہ نہ بتایا کہ وہ شیعہ عقائد سے اس حد تک متاثر ہیں کہ وہ اب صحابی کی اس تعریف کو جو صدیوں سے اہلِ سنت کے ہاں مسلم چلی آرہی ہے غلط قرار دے کر صحابہ کو اس مقامِ احترام سے نکال رہے ہیں جو اہلِ سنت کی عقائد کی کتابوں میں اب تک پڑھا جارہا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ شیعہ کی ان روایات کو جن سے وہ اب تک صحابہ کے خلاف بدزبانی کرتے آئے ہیں بلا دلیل اتنا وزن دے رہے ہیں کہ گویا وہ انہی میں سے ہیں۔

صحابی کی ضرورت کب ہوتی ہے؟

مرد اور عورت دو مقابلے کے لفظ ہیں۔ مرد ہو گا تو اسے نکاح کے لئے عورت کی ضرورت ہو گی اور عورت ہو تو اسے نکاح کے لئے مرد کی ضرورت ہو گی۔ جب تک یہ دو (مرد اور عورت) نہ ہوں نکاح اور ضرورت کے الفاظ سمجھے نہیں جاسکتے۔ اسی طرح دن اور رات اور نیکی اور بدی کے الفاظ (جو ایک دوسرے کے لوازم ہیں) صحیح طور پر سمجھے نہیں جاسکتے۔

اس پہلو سے جب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ ''صحابی'' کا لفظ جب کہیں وجود پاتا ہے تو اس کا جواب بلا تردد یہی ملتا ہے جہاں کوئی نبی ہو۔

"صحابی" عربی لفظ ہے اور صحبت سے مشتق ہے۔ پورے صحرائے عرب میں یہ لفظ کہیں نہ پایا گیا جب تک فاران کی چوٹیوں سے آفتابِ نبوت طلوع نہ ہوا یا غارِ حراء کی خلوت میں اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ کی صدا نہ اٹھی۔ پھر جنہوں نے محمد عربی ﷺ کو پیغمبر مانا وہ صحابی ہوئے اور صحابی کا لفظ عرب میں آگیا۔ صحابی کا لفظ کسی معاشرے میں تبھی آئے گا جہاں پہلے نبی کا لفظ آیا ہو۔ وہی لوگ صحابی سمجھے جائیں گے جو اس نبی کے ساتھی ہوں گے۔ سو جب تک نبی کا لفظ نہ ہو صحابی کا لفظ نہیں سمجھا جاسکتا۔

قادیان (ہندوستان) میں حکیم نور الدین بھیروی، خواجہ کمال الدین، مولوی محمد علی لاہوری وغیرہم اپنے ماحول میں صحابی کہلاتے تھے۔ اس پر دوسرے لوگ حیران ہوئے کہ ان پر صحابی کا لفظ کہاں سے آگیا تو قادیانیوں نے جواب دیا، مرزا غلام احمد کو نبی ماننے سے۔ اور بات ختم ہوگئی۔

محمد عربی ﷺ مسلمانوں میں بالاتفاق خاتم النبیین مانے گئے جس کا عام فہم معنی یہی سمجھا گیا کہ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ حضور ﷺ پر نبوت ختم ہے اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی بالاتفاق تسلیم کی گئی کہ حضور ﷺ کے صحابہ پر صحابیت ختم ہے۔ اس لئے اب نہ کوئی نبی پیدا ہوگا اور نہ اس کا کوئی صحابی۔ صحابی کی وہی تعریف مسلمانوں کے دل ودماغ میں اتری جو مسلمانوں کی کتب عقائد میں ثبت ہے۔

اب صحابی کی کوئی نئی تعریف کب سامنے لائی جاسکتی ہے؟ جب کوئی نیا نبی سامنے کھڑا کیا جائے۔ قادیانیوں نے تو صحابی کی تعریف کرنے سے پہلے غلام احمد کو کھڑا کرلیا تھا لیکن ہمیں زیادہ تعجب لکھنؤ کے مولانا سلمان ندوی پر ہوا کہ وہ کسی نئے نبی کو سامنے لائے بغیر صحابی کی نئی تعریف کے درپے ہوئے۔ یہاں انگلینڈ میں اولڈ ٹریفرڈ میں کسی نے یہ بات سنی تو اس نے بلا تامل کہا کہ وہ کوئی شیخ الحدیث نہیں شیخ چلی ہوں گے۔ جنہوں نے ایک انڈا ٹوٹنے سے اپنی گائے مرنے کا نتیجہ نکال لیا تھا۔

اب وہاں پورے علاقے میں یہ بات چل نکلی ہے کہ ایسا بے وقوف شاید اس صدی میں اور کوئی نہ ملے جو بغیر کسی نئے نبی کے صحابی کی نئی تعریف کا طالب ہو۔

ہمیں لندن میں ایک نئی مسجد کے افتتاح میں ایک دوست سے پتہ چلا کہ مولانا سلمان ندوی تو اس لئے لندن آئے تھے کہ علماء اہل سنت اپنی چار فقہوں کے ساتھ فقہ جعفری کو بھی پانچویں فقہ کے

طور پر شامل کرلیں۔ لندن کے تمام علماء اہلِ سنت ان کی اس بات پر چونکے اور انہوں نے بالاتفاق اس کی تردید کی۔

اہلِ سنت میں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کے اختلافات فروعی ہیں، لیکن معتزلہ اور شیعہ کے ساتھ اختلافات قطعی ہیں۔ اس پر وہ واپس انڈیا چلے گئے۔ ان کے اس موقف سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کی یہ تحریک شیعیت کا ہی ایک نیا روپ ہے اور ان کے اہلِ سنت سے اختلافات وہی ہیں جو اس سے پہلے شیعوں کے نظریات سمجھے جاتے ہیں۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم مولانا ڈاکٹر محمد رابع حسنی ندوی[1] اپنے اس مدرس کے اس موقف سے متفق نہیں ہیں اور انہوں نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے اور مولانا سلمان ندوی نے اپنی اس تحریک سے توبہ کرلی ہے اور صحابی کی اپنی نئی تعریف سے بھی رجوع کرلیا ہے اگر یہ بات صحیح ہو تو ضروری ہے کہ ان کے اس رجوع کو بھی اسی طرح عام شہرت دی جائے جس طرح ان کی غلط باتیں جو کفر کی حد کو چھو رہی تھیں عوام میں اور مدارس دینیہ میں شہرت پاچکی ہیں۔[2]

(نوٹ) راقم الحروف کے پاس حضرت علامہ خالد محمود صاحب کے لکھے مذکورہ اوراق یہیں تک تھے ۔یہ معلوم نہ ہوسکا کہ حضرت نے اس کے بعد اپنے مضمون میں اضافہ کیا یا نہیں ؟۔ اگر کسی وقت اضافہ شدہ حصہ کہیں مل جائے گا تو اسے اگلی اشاعت میں شامل کر دیا جائے گا۔ (محمد ثقلین)

---

[1] ۔۔ حضرت مولانا محمد رابع حسنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا ہے۔

[2] ۔۔۔ افسوس کی بات ہے کہ جناب سلمان ندوی صاحب بجائے اس کے کہ صحابہ کرام کے بارے میں اپنے ان نظریات سے رجوع کرتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور اپنی زبان درازی پر توبہ کرتے، موصوف ان بزرگوں پر اور زیادہ تبرا پڑھنے لگے ہیں۔ انہیں بس کسی جگہ تقریر اور مجلس کا موقع ملنا چاہئے فوراً ان بزرگوں کی عزت وعظمت پر دانت پیس کر حملہ کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ امام مہدی والا کر رہے ہیں ۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر اب دن بدن ان کی حقیقت آشکار ہوتی جارہی ہے اور اب عام لوگ بھی انہیں اہل سنت کا نہیں، ہندوستان میں رافضیوں کا نمائندہ جانتے ہیں۔ صحابہ کرام کی گستاخی کا یہی انجام ہوتا ہے۔

ان پہ راضی ہے خدا اور خدا کا محبوبؐ

از قلم: حافظ نور محمد انور مرحوم (لاہور)

دین وملت کے طرفدار تھے اصحاب سولؐ	ہستی کفر سے بیزار تھے اصحاب رسولؐ
رحمت حق کے طلب گار تھے اصحاب رسولؐ	دین قیم کے نگہبان تھے اصحاب رسولؐ
زندگی ان کی بسر خدمت ملت میں ہوئی	کفر سے برسر پیکار تھے اصحاب رسولؐ
حب یاران نبی پاکؐ کے جذبے کے سبب	سب کے سب پیکر ایثار تھے اصحاب رسولؐ
ان کی سطوت کے گواہ آج بھی ہیں بدر وحنین	بخدا ایسے فدا کار تھے اصحاب رسولؐ
ان کے ہر عزم وعمل سے تھا ہراساں باطل	بالیقین غالب کفار تھے اصحاب رسولؐ
کرتے تھے جان وزر ومال نچھاور حق پر	عدل وانصاف کی سرکار تھے اصحاب رسولؐ
ان کی ہیبت سے ہوئی شوکت کسری نابود	کیا ہی جاں باز تھے جرار تھے اصحاب رسولؐ
ان پہ راضی ہے خدا اور خدا کا محبوبؐ	اپنے اللہ کے دل دار تھے اصحاب رسولؐ
دشمن دین پہ جھٹ پڑتے تھے شیروں کی طرح	رب قہار کی تلوار تھے اصحاب رسولؐ
ہوں نہ کیوں دہر میں نام ان کے فروزاں انور	عاشق احمد مختار تھے اصحاب رسولؐ

حضور اکرم ﷺ کے رحلت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم کے پیغام کو روم کے قصروں ایران کے آتش کدوں افریقہ کے تپتے صحراؤں اور یورپ کے کلیساؤں تک پہنچایا ان کے زمانہ خلافت میں دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں ان کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکیں جہاں کہیں مقابلہ ہوا وہ غالب رہے۔ قیاصرہ روم اور اکاسرہ ایران ان کے نام سے رعشہ بر اندام تھے انہوں نے ایسے عدل وانصاف کے ساتھ جہاں بانی کی کہ اس وقت کی غیر مسلم اقوام بے اختیار کہہ اٹھیں

خدا کی قسم ارض وسماء ان کے انصاف کے بل پر قائم ہیں (عظمت الاصحاب ص 77)

ہے خود دین کو ناز جن ہستیوں پر
حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ

جو چوں وچرا جانتے ہی نہیں تھے	خدا کے وفادار یاد آرہے ہیں
خدا ان سے راضی وہ راضی خدا سے	محبت کے بیمار یاد آرہے ہیں
ہے خود دین کو ناز جن ہستیوں پر	وہی مجھ کو دیں دار یاد آرہے ہیں
جو پیتے تھے ہر دم شراب محبت	وہی مجھ کو مے خوار یاد آرہے ہیں
مسخر ہوئے جن سے اغیار کے دل	وہ اخلاق وکردار یاد آرہے ہیں
وہ صدیق وفاروق وعثمان وحیدر	وہ ابرار واخیار یاد آرہے ہیں
لٹادی خدا کے لئے ساری دولت	وہ امت کے سردار یاد آرہے ہیں
وہ دو نور والے رفیق پیمبر	وہ عثمان زردار یاد آرہے ہیں
تھے حسان جو عاشق فخر دو عالم	ہمیں ان کے اشعار یاد آرہے ہیں
میں جنت کو بھی بھول بیٹھا ہوں اب تو	صحابہ کے گھر بار یاد آرہے ہیں
محبت صحابہ کی پیدا ہو جن سے	وہ اخبار وآثار یاد آرہے ہیں
تڑپنے لگا دل مرا اللہ اللہ	مدینہ کے کہسار یاد آرہے ہیں
وہ حرمین کے رات دن اللہ اللہ	وہ برکات وانوار یاد آرہے ہیں
غلامان احمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان احمد	حقیقی وہ احرار یاد آرہے ہیں

اے اللہ

خاتم النبیین رحمۃ للعالمین سیدنا حضرت محمد مصطفی احمد مجتبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کو پوری امت کی جانب سے بہترین جزاء عطا فرما اور ان سب پر اپنی بے انتہا رحمتیں نازل فرما اور روز قیامت ہمیں ان کے دیدار سے مشرف فرما۔ آمین یارب العالمین

جناب مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب کی دیگر تصانیف

1	سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	20	تجزیہ قادیانیت
2	سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (دو جلد)	21	مرزا کی پیشگوئیاں اور ان کا جائزہ
3	سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	22	خود کاشتہ پودا کی حقیقت
4	سیدنا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ (دو جلد)	23	عقیدہ ختم نبوت
5	سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	24	حیات ونزول مسیح ابن مریم علیہ السلام
6	سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	25	نیک صحبت اور اس کی اھمیت
7	حضرت سیدہ فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا	26	معارف الہام
8	حضرت امام اعظم ابو حنیفہ (۳جلد)	27	معارف کشف
9	سیدنا حضرت عیسی علیہ السلام	28	معارف بیعت
10	سیدنا حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ	29	معارف کرامت
11	حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی	30	معارف قربانی
12	نماز اور اس کے ضروری مسائل	31	معارف دعاء
13	رمضان اور اس کے ضروری اعمال	32	معارف طیب
14	حج اور اس کے تقاضے	33	تحریف کے یہ مجرم (رد عیسائیت)
15	صحاح ستہ (چھ صحابہ کرام کا تذکرہ)	34	دروس سورۃ التکاثر
16	ترجمان الحدیث (شرح اربعین)	35	دروس سورۃ العصر
17	استقامت فی الدین (درس حدیث)	36	معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم
18	ایمان کی شاخیں (درس حدیث)	37	مسئلہ طلاق ثلثہ

19	شرح حدیث البیعہ (درس حدیث)	38	مقام اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم
39	مولانا طارق جمیل کی بنیادی غلطیاں	49	تحفہ میلاد
40	سلامتی کا راستہ	50	گستاخ رسول کون؟
41	نور فلک در مسئلہ فدک	51	برکات سورہ فاتحہ
42	رشتہ فاروق و علی رضی اللہ عنہما	52	برکات سورتی الاخلاص
43	متعہ نہ کیجئے	53	برکات آیت الکرسی
44	ماتم نہ کیجئے	54	تعلیم قرآن اور تبلیغ دین
45	مناقب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	55	احکام قرض
46	بدعت اور اہل بدعت	56	ہندومت کی نشاۃ جدید
47	شیطان کا واویلا	57	نسخہ سکون
48	تحریک ختم نبوت	58	برطانیہ میں رؤیت ہلال کا مسئلہ

(59) The rules of Loans

(60) The Islamic perspective of Vision

(61) The Islamic perspective of Bay'at

(62) The Virtues of Teaching the Quran and Tabligh

(63) The Islamic Perspective of Inspiration

(64) The Issue of Moon Sighiting In Britain

(65) Revelation Of Ramadan

(66) Prayer Book for Muslim Patients